Mashalbooks.org

مستقبل کے بچے

شراکتی تعلیم کا نیا شعور

ریان آئسلر

ترجمہ: ڈاکٹر خلیل احمد

مشعل بکس

آر۔بی۔5، سیکنڈ فلور،

عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور۔54600، پاکستان

MashalBooks.org

مستقبل کے بچے

شراکتی تعلیم کا نیا شعور

ریان آئسلر

ترجمہ: ڈاکٹر خلیل احمد

کاپی رائٹ اردو (c)2003 مشعل بکس
کاپی رائٹ انگریزی (c)2000 ریان آئسلر

ناشر : مشعل بکس
آر۔بی۔۵، سیکنڈ فلور،
عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور۔54600، پاکستان
فون و فیکس: 042-35866859
E-mail: mashbks@brain.net.pk
http://www.mashalbooks.org

MashalBooks.org

فہرست

پیش لفظ 4

ابتدائیہ 7

حصہ اول 14

شراکتی تعلیم: مبادیات

حصہ دوم

تعلیمی ٹیپسٹری کی دوبارہ بُنائی 80

عمودی اور افقی دھاگے

اختتامیہ 281

نصابی نمونہ 292

اشارات 350

MashalBooks.org

پیش لفظ

کتاب ''مستقبل کے بچے'' میں ریان آئس لر نے یہ دکھایا ہے کہ اکیسویں صدی میں تعلیم کا عمل کیسا ہوگا۔ وہ ہمیں اس بات پر قائل کرتی نظر آتی ہیں کہ سکولوں اور معاشرے دونوں میں شراکتی ماڈل کو اختیار کرنا انسانی زندگی کے فروغ کیلئے ضروری ہے۔ خاصے عرصے تک دنیا کے بیشتر معاشروں پر حاکمیتی ماڈل چھایا رہا ہے اور اگرچہ ٹیکنالوجی کا وسیع ارتقا اس کے ہمرکاب رہا ہے مگر یہ تشدد' استحصال اور آبادی کے ایک ٹولے کی تحقیر یا اس سے بے اعتنائی کا سبب بھی بنا ہے۔ شراکتی اور حاکمیتی دونوں ماڈل اختلاف کو تسلیم کرتے ہیں لیکن شراکتی ماڈل اختلاف کو بخوشی قبول کرنے کے ساتھ ساتھ ایسے روابط کی تشکیل کیلئے سرگرمی سے کام کرتا ہے جو انفرادی زندگیوں کو بہتر بناتے ہیں اور گروہوں کو تقویت بخشتے ہیں جبکہ حاکمیتی ماڈل اختلاف کی توجیہہ برتری اور کمتری کی اصطلاحات میں کرتا ہے۔ طلبہ کیلئے یہ جاننا ضروری ہے کہ دونوں ماڈل کس طرح کام کرتے ہیں مگر سکولوں میں شراکتی ماڈل کو لازماً اختیار کیا جانا چاہئے۔

آئس لر مواد اور عمل دونوں میں جامع تبدیلیوں کے حق میں ہیں۔ اپنی پہلی انتہائی کامیاب کتاب 'چیلیس اینڈ بلیڈ' سے مؤثر انداز میں استفادہ کرتے ہوئے وہ تاریخ اور سائنس کے مکمل انسانی مطالعے کیلئے مواد کا ایک دفتر مہیا کرتی ہیں۔ ایک ایسا مطالعہ جس میں عورتوں کی روایات کے ساتھ ساتھ مردوں کی روایات بھی شامل ہیں۔ وہ بچوں کو اس بات سے آگاہ کرنا چاہتی ہیں کہ بعض معاشروں میں شراکتی ماڈل واقعتاً موجود رہا ہے اور یہ کہ یہ معاشرے ثقافتی ترقی کے ایک اعلیٰ درجے' ترقی یافتہ ٹیکنالوجی' آرٹ' تجارت' مذہب اور سفارتکاری کے حامل تھے۔ امن اور انسانی خوشحالی ان کا خاصہ تھی۔ مراد یہ ہے کہ حاکمیتی رویہ ترقی کیلئے ضروری نہیں اور یہ ہماری بقا کے لیے حقیقتاً خطرہ بن سکتا ہے۔ یونانیوں کے اگون (مسابقت' مقابلہ بازی) کی جگہ مائنوں کی ہم آہنگی کو ملنی چاہئے۔ جدوجہد' فتح اور تباہی کا متبادل تعاون' باہمی مدد اور احترام برائے تخلیق کو ہونا چاہئے۔

MashalBooks.org

آئسلر چاہتی ہیں کہ بچے دونوں ماڈلوں کا مطالعہ کریں اور وہ محتاط انداز میں اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ دونوں میں سے کسی بھی قسم کا خاص ماڈل وجود نہیں رکھتا۔ طلبہ جن ثقافتوں کا مطالعہ کرتے ہیں اساتذہ ان میں موجود ان دونوں ماڈلوں کے عناصر کی تشخیص کے ساتھ ساتھ انفرادی زندگیوں اور پورے معاشرے دونوں پر ان کے اثرات کا تجزیہ کرنے میں طلبہ کی مدد کر سکتے ہیں۔ کیا خود ہمارے معاشرے نے تباہی کے آلات میں بھاری سرمایہ کاری کی ہوئی ہے؟ کیا یہ تخلیق اور قدرتی ماحول کے تحفظ کو مناسب اہمیت دیتا ہے؟ کیا یہ تکمیل ذات اور گروہوں کی بقا کیلئے اجتماعی ذمہ داری کی حوصلہ افزائی کراتا ہے؟ طلبہ ایسے اہم سوالوں کے جو جواب دیتے ہیں ان کے لئے انہیں شہادت دستیاب ہونی چاہئے۔

آئسلر دور میں یہ سمجھتے ہیں کہ سکولوں کو ایسی چیزوں کے مطالعے کے لیے بچوں کو مواقع مہیا کرنے چاہئیں جو حقیقتاً اہم ہیں۔ انہیں مثبت اصطلاحات میں نہ صرف اپنے جسموں اور جنسیت کے بارے میں بلکہ محبت اور وابستگی کے بارے میں، روحانیت کے بارے میں، انضباط ذات اور زندگی کی منصوبہ بندی کے بارے میں بھی جاننا چاہئے۔ خود میں نے اپنے کام میں ہمدردی کے موضوعات کی تدریس کی سفارش کی ہے۔ ذات کیلئے، دوسرے اقربا کیلئے، عالمی غیروں اور اجنبیوں کے لئے، غیر انسانی زندگی اور ماحول کے لئے، انسان ساختہ دنیا اور اس کی ناقابل بیان اشیاء کے لئے اور خیالات کے لئے ہمدردی، انسانی خوشحالی سے متعلق بنیادی اہمیت کے حامل معاملات کے بارے میں جاننے کے لئے طلبہ کی مدد میں جو وقت صرف ہوتا ہے اسے مکمل جامعیت کے ساتھ انسانی زندگی کے مطالعے کو تقویت دینے کے لئے استعمال کیا جانا چاہئے۔ اسے زندگی کے نکات کا درجہ نہیں دیا جانا چاہئے یا اسے طلبہ کو اس بات سے برگشتہ نہیں کرنا چاہئے جو ان کی افزائش اور خوشی کے لیے حقیقتاً اہم ہیں کتاب ''مستقبل کے بچے'' یہ ثابت کرتی ہے کہ بچے ایسے موضوعات سے نبرد آزما ہوتے ہوئے جو مطمئن اور مفید زندگیوں کی نشو و نما کیلئے اہمیت رکھتے ہیں، علم کے وسیع اور اہم ذخائر پر دسترس حاصل کر سکتے ہیں۔

ریان آئسلر نے تعلیم کاروں کے لیے جس کام کی بنیاد رکھی ہے وہ پر کشش ہونے کے ساتھ ساتھ ایک چیلنج کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ ان کی طرح میں بھی ایک ایسی دنیا میں اس طرح کے پروجیکٹ کو بہت معقول اور قابل عمل سمجھتی ہوں جو دنیا شراکت کی قدر و قیمت سے آگاہ ہو رہی ہے، لیکن مجھے ایسے آثار زیادہ نظر نہیں آتے کہ تعلیم اس آگاہی کی حوصلہ افزائی کر رہی ہو۔ حاکمیتی ماڈل سکولوں میں کمزور نہیں ہو رہا ہے۔ ہمیں ہر جگہ کنٹرول، معیار بندی اور سخت مسابقت کے مطالبات زیادہ سے زیادہ سنائی دے رہے

ہیں۔ جب دوسروں سے متعلق رائے دی جاتی ہے تو اس میں عام طور پر دوسروں کو مسلمہ حاکمیتی ماڈل کے اندر رہتے ہوئے مسابقت کے معقول مواقع مہیا کرنے کی بات کی جاتی ہے۔ اگرچہ یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے مگر بیشتر پالیسی ساز چاہتے ہیں کہ مادی طور پر ایک بہتر زندگی کیلئے مسابقت میں ہر ایک کو ہر دوسرے کو پیچھے چھوڑ جانے کا مناسب موقع ملنا چاہئے۔ جب غیروں کی خدمات کا اعتراف کیا جاتا ہے تو ان کی خدمات کو حاکمیتی ماڈل کے تحت خدمات کے طور پر گردانا جاتا ہے' جو چیزیں اسے چیلنج کرنے والی ہوتی ہیں ان میں سے زیادہ تر کو ترک کر دیا جاتا ہے۔ جب تبدیلی کی سفارش کی جاتی ہے تو اسے بالعموم ''نظامیاتی'' کی حیثیت سے بیان کیا جاتا ہے' تاہم اس کا مطلب حاکمیتی سے شراکتی تعلیم کی طرف تبدیلی نہیں ہوتا ہے۔ اس کے برعکس' اس کا مطلب مکمل درستی ہے جس کا ہدف پہلے سے موجود شدید مسابقتی ماڈل کو باقی رکھنے کیلئے اوپر سے نیچے تک زیادہ سے زیادہ کنٹرول ہوتا ہے۔

اس پس قدم تحریک کا مقابلہ کرنا آسان نہیں ہوگا لیکن مستقبل کے بچے' ایک اہم کتاب ہے کیونکہ یہ ایک وژن' اور بعض ایسے عملی آلات کار مہیا کرتی ہے اس چیلنج سے نپٹنے کیلئے جن کی ہمیں ضرورت ہے۔ ایک لحاظ سے یہ عمل کیلئے' تحفظ کیلئے' امید کو زندہ رکھنے کیلئے ایک دعوت ہے جیسا کہ ایملی ڈکنسن نے لکھا ہے۔ امید ایک پرندہ ہے جو انسانی روح کے اندر بسیرا کرتا ہے۔ آئسلر کے ساتھ میں بھی امید رکھتی ہوں کہ جو وژن انہوں نے یہاں پیش کیا ہے اس کا حصول ممکن ہے۔ ان کے ساتھ میں بھی یہ یقین رکھتی ہوں کہ اگر خود انسانی بقا نہیں تو انسانی مسرت اس پر ضرور منحصر ہے۔

نیل نوڈنگز

لی ایل جیکس پروفیسر آف چائلڈ ایجوکیشن

سٹینفورڈ یونیورسٹی

MashalBooks.org

ابتدائیہ

تعلیم اور اکیسویں صدی

مستقبل کے بچوں کیلئے دنیا کیسی ہوگی؟ جب میں اپنی دو سال کی ننھی سی نواسی کے چہرے پر نظر ڈالتی ہوں جس پر تحیر خیز تجسس اور محبت اور زندگی کی پر مسرت توقعات کی دمک موجود ہے' تو مجھے حیران کن امکانات دکھائی دیتے ہیں لیکن جب میں ان چیلنجوں پر نظر ڈالتی ہوں جو اسے اور اس کی نسل کو ورثے میں ملیں گے تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ امکانات پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ پائیں گے ہاں' اس صورت میں یہ ہوسکتا ہے کہ آج اور مستقبل کے بچے ماحولیاتی طور پر زیادہ باشعور زیادہ ہموار اور زیادہ پر امن انداز میں جینا سیکھ سکیں۔*(1)

آج نوجوان افراد بالعموم یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنی زندگیوں کو تبدیل کرنے میں بے بس ہیں' ان کے گرد وپیش موجود دنیا کا تو ذکر ہی کیا۔ ان میں سے بہت سے تقدیم ذات اور از حد مادہ پرستی میں کھو جاتے ہیں جو ہماری عوامی ثقافت میں رچی بسی ہوئی ہے۔ وہ بے مقصد انداز میں تازہ ترین فیشن یا تجارتی پیش کشوں میں معنی اور شناخت کی تلاش کرتے ہیں۔ بعض اپنے دکھ اور اشتعال کو منشیات' گینگ اور دوسری تخریبی سرگرمیوں میں دفن کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے اعمال کے خود ان پر اور دوسروں پر ہونے والے اثرات سے بے خبر اور بظاہر بے پروا ہوتے ہیں۔ ایک مناسب تعداد نفرت پسندی یا مذہبی جنونیت کی سنسنی خیزی کے تحت تشدد پسند بن جاتی ہے یا محض اس لیے کیونکہ ہماری ویڈیو گیمز' ٹیلی وژن' اشتہارات اور فلمیں تشدد کو ایک روزمرہ کی چیز اور تفریح کے طور پر پیش کرتی ہیں اور ایک وسیع تعداد جس میں نوجوان افراد بھی شامل ہیں جو ایک مناسب نوکری حاصل کرنے یا کالج میں اپنے پیشہ ورانہ کیریئر کی تکمیل کی توقع رکھتے ہیں۔ یہ سمجھ نہیں پاتے کہ ہم اپنی زندگیوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھتے ہیں وہ ہمارے ثقافتی

تصورات اور سماجی اداروں سے متاثر بھی ہوتا ہے اور انہیں متاثر بھی کرتا بھی ہے۔

اس ضمن میں بہت سے عوامل گنوائے جا سکتے ہیں لیکن ایک عامل ایسا ہے جو نوجوان افراد کو بہتر زندگیاں گزارنے اور ایک زیادہ پائیدار' کم متشدد' زیادہ ہموار مستقبل تخلیق کرنے کیلئے سمجھ بوجھ اور مہارت مہیا کرنے میں بہت اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ یہ عامل تعلیم ہے۔

دو صدیوں سے تعلیمی مصلح جیسے کہ جوہن پیسٹالوزی' ماریہ مانٹیسوری' جان ڈیوی اور پاؤلو فریرے ایک ایسی تعلیم کی طرف توجہ دلاتے آ رہے ہیں جو ہمیں حکم پسندی کے بجائے جمہوریت کے لیے تیار کرتی ہے اور اخلاقیاتی اور ہمدردانہ روابط کو پروان چڑھاتی ہے۔(*2)

مستقبل کے بچے' متذکرہ اور دوسرے بنیادی تعلیمی مفکرین کے کام کو اساس بناتے ہوئے تعلیمی اصلاح کیلئے ایک زیادہ جامع اندازِ فکر کو سامنے لاتی ہے جو ایک ایسی دنیا کے نت نئے چیلنجوں سے نمٹنے میں نوجوان افراد کی مدد کر سکتا ہے جس میں ٹیکنالوجی یا تو ہمیں تباہی کا شکار بنا سکی ہے یا تخلیقیت اور تعاون سے متعلق ہماری منفرد انسانی استعداد کی تکمیل کیلئے ہمیں آزادی بخش سکتی ہے۔

میں اس اندازِ فکر کو شراکتی تعلیم کا نام دیتی ہوں۔ شراکتی تعلیم کا مقصد بچوں کی مدد ہے تاکہ وہ نہ صرف اس مشکل دور کو بہتر انداز میں جانچ سکیں بلکہ ایک ایسا مستقبل بھی تخلیق کر سکیں جسے میں نے اپنے ثقافتی ارتقا کے مطالعے میں حاکمیتی کے بجائے شراکتی ماڈل کے طور پر شناخت کیا ہے۔(*3)

ہم خود اپنی زندگیوں کے تجربات کی بنا پر ان دونوں ماڈلوں سے واقف ہیں۔ ہم ان روابط کے دُکھ' خوف اور دباؤ سے آگاہ ہیں۔ حاکیت اور محکومیت' تشدد اور تعاون' کنٹرول کے لیے چابک سواری' اپنے سچے احساسات اور ضروریات کے اظہار میں ناکامی پر جوڑتوڑ اور چاپلوسی کی کوشش' بے اختیاری کے بجائے اختیار کے موہوم لمحے کی خاطر ہونے والی عجیب وغریب ذلت آمیز رسہ کشی' باہمی ہمدردی اور رفاقت کے لیے ہماری حسرت۔ اس نوع کے روابط سے پیدا ہونے والی بدحالی' ابتلا اور ضائع جانے والی زندگیوں اور امکانات سے جنم لیتے ہیں۔ ہم میں سے بیشتر افراد نے تواتر سے نہ سہی مگر زندگی کے ایک اور انداز کا تجربہ بھی کیا ہے جہاں ہم خود کو محفوظ سمجھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہم حقیقتاً کیا ہیں' جہاں ہمارا اور دوسروں کا لازمی انسانی جوہر جھلکتا نظر آتا ہے' شاید اس کا عرصہ بہت مختصر ہوتا ہے۔ یہ ہمارے دلوں اور روحوں کو پر لگا دیتا ہے' ہمیں اس احساس سے دوچار کرتا ہے کہ دنیا آخرکار ٹھیک ہو سکتی ہے اور یہ کہ ہم قابلِ قدر ہیں اور ہماری کوئی قدر و قیمت ہے لیکن شراکتی اور حاکمیتی ماڈل صرف انفرادی تعلقات کو واضح نہیں کرتے بلکہ جیسا کہ میں تفصیل سے بتاؤں گی کہ یہ اعتقادی نظاموں اور سماجی ڈھانچوں کو بھی بیان

کرتے ہیں جو یا تو مساویانہ، مجبوری، غیر متشدد اور ہمدردانہ روابط کو پروان چڑھاتے ہیں اور ان کیلئے مددگار ثابت ہوتے ہیں یا ان کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں اور انہیں تباہ کرتے ہیں ان ہیئتوں اور تعلیم کی اس قسم کو سمجھے بغیر جو انہیں تخلیق و ترویج دیتی ہے، ہم بے خبری میں ایسے ڈھانچوں اور عقائد کو تقویت دیتے رہتے ہیں جو غیر مساویانہ، غیر جمہوری، متشدد اور غیر ہمدردانہ روابط کو برقرار رکھتے ہیں اور یہ روابط ایسے امراض کی پیدائش کا سبب بنتے ہیں جو انسانی روح کو مسخ کر دیتے ہیں اور آج ہمارے قدرتی مسکن کو پارہ پارہ کر رہے ہیں۔

اگر ہم شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کی ثقافتی، سماجی، اور شخصی ہیئتوں کو سمجھ لیں تو ہم زیادہ مؤثر انداز میں تعلیمی طریقہ ہائے کار، مواد اور ادارے تشکیل دے سکتے ہیں جو کم متشدد، زیادہ مساویانہ، جمہوری اور پائیدار مستقبل کو پروان چڑھاتے ہیں۔ یوں ہم زیادہ مؤثر انداز میں یہ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ مروجہ تعلیمی انداز ہائے فکر میں سے ہم کیا کچھ باقی رکھنا چاہتے ہیں اور اسے تقویت دینا چاہتے ہیں اور یہ کہ ہم کیا کچھ ترک کر دینا چاہتے ہیں۔

اس کتاب میں دیا گیا شراکتی فریم ورک اکیسویں صدی میں مربوط پرائمری اور سیکنڈری تعلیم کیلئے ایک بنیادی خاکہ پیش کرتا ہے۔ یہ فریم ورک میری تین دہائیوں کی تحقیق، خود میرے تدریسی تجربات اور

MashalBooks.org

متعدد سطحوں پر تعلیم کاروں کے کام کی کشید پر مبنی ہے۔

شراکتی عمل اس بات سے تعلق رکھتا ہے کہ ہم سیکھتے کیسے ہیں اور سکھاتے کیسے ہیں۔ یہ شراکتی ماڈل کے رہنما ٹمپلیٹ کا اطلاق تعلیمی طریقوں اور تکنیکوں پر کرتا ہے۔ کیا تمام بچوں کی ذہانت اور اہلیت کو منفرد دین سمجھا جانا چاہئے جس کی تہذیب و تربیت کی جانی ہے؟ کیا اپنی تعلیم میں طلبہ کا بہت کچھ داؤ پر لگا ہوتا ہے، مراد یہ کہ تعلیم کیلئے ان کا فطری جوش و جذبہ کہیں ماند نہ پڑ جائے؟ کیا اساتذہ بنیادی طور پر سبقی تقسیم کار اور کنٹرولر ہیں یا انہیں صلاح کار اور تسہیل کار کا کردار ادا کرنا ہے؟ کیا اعتنا و ہمدردی، تدریس و تعلیم کا لازمی جزو ہے؟ کیا نوجوان افراد بعد از صنعتی معیشت کیلئے ضروری ٹیم ورک سیکھ رہے ہیں یا انہیں مسلسل ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرتے رہنا چاہئے؟ کیا طلبہ کو خود آموز تعلیم کے ساتھ ساتھ ساتھیوں کی تدریس کا موقع مل رہا ہے؟ مختصراً یہ کہ آیا بچوں کی تعلیم محض ''خالی برتنوں'' کو بھرنے والا معاملہ ہے یا سیکھنے کی مہم میں طلبہ اور اساتذہ ایک دوسرے کے شریک کار ہیں؟

شراکتی مواد جو کچھ ہم سیکھتے اور سکھاتے ہیں اس پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ تعلیمی نصاب ہوتا ہے کیا نصاب طلبہ کو مؤثر انداز میں پڑھنے، لکھنے اور حساب کرنے کی بنیادی مہارتیں سکھاتا ہے یا اہل اور ہمدرد شہری، کارکن، والدین اور انسانی برادری کا رکن بننے کیلئے جس کی انہیں ضرورت ہوتی ہے زندگی کی مہارتوں کا نمونہ بھی پیش کرتا ہے؟ کیا ہم نوجوان افراد کو ذمہ دار، مشفق اور غیر متشدد بننے کا سبق دے رہے ہیں جبکہ بیک وقت نصابی مواد مردانہ تشدد سے پر ہوتا ہے اور ماحولیاتی طور پر غیر پائیدار اور سماجی طور پر غیر ذمہ دارانہ پیغامات کی ترسیل کرتا ہے؟ کیا یہ سائنس کو کلیتی اور مفید انداز میں پیش کرتا ہے؟ جو کچھ اہم علم اور صداقت کے طور پر انہیں پڑھایا جاتا ہے کیا اس میں محض اضافے کی خاطر نہیں بلکہ تعلیم کے لازمی جزو کے طور پر انسانیت کے دونصفوں، مرد و زن کے ساتھ ساتھ مختلف نسل و نژاد کے بچوں کو شامل کیا جاتا ہے؟ کیا یہ نوجوان افراد کو دو بنیادی انسانی امکانات کی حیثیت سے شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کے درمیان فرق کے بارے میں اور ایک شراکتی طرز حیات کی تخلیق کے قابل عمل ہونے کے بارے میں بتاتا ہے؟ یا' اسے ظاہری اور باطنی دونوں اعتبار سے ایک ''حقیقی دنیا'' میں غیر حقیقی کے طور پر پیش کیا جاتا ہے؟ نوجوان افراد ''انسانی فطرت'' کے بارے میں جو کچھ جان رہے ہیں کیا وہ علم انسانی امکانات کو محدود کرتا ہے یا وسعت دیتا ہے؟ مختصراً یہ کہ سکول کی تعلیم سے بچے خود ہمارے بارے میں، ہماری دنیا اور اس میں ہمارے کردار اور ذمہ داریوں کے بارے میں کیا تصور لے کر جا رہے ہیں؟

شراکتی ڈھانچہ وہ ہوتا ہے جہاں تعلیم و تدریس کا عمل انجام پاتا ہے۔ اگر ہم شراکتی ماڈل پر عمل کرنا

چاہتے ہیں تو ہمیں کس طرح کا تعلیمی ماحول تعمیر کرنا ہے؟ کیا سکول، کلاس روم اور سارا گھر سکول کا ڈھانچہ، حاکمیتی درجہ بندی کی طرح اوپر سے نیچے کی طرف والا ہے یا یہ زیادہ جمہوری انداز کا ہے؟ اگر اس کا نقشہ ایک تنظیمی چارٹ کے انداز پر بنایا گیا ہے تو کیا فیصلے صرف اوپر سے نیچے کی طرف آئیں گے اور جواب دہی صرف نیچے سے اوپر کی طرف ہوگی یا فیڈ بیک کا کوئی دوطرفہ سلسلہ موجود ہوگا؟ کیا انتظامی ڈھانچے لچک دار ہیں تا کہ تمام تنظیمی سطحوں پر لیڈر شپ کی حوصلہ افزائی ہو سکے؟ کیا والدین اور کمیونٹی میں سے دوسرے افراد کو شامل کرنے کیلئے کوئی طریقے اختیار کیے گئے ہیں؟ کیا سکول کیلئے فیصلہ سازی اور ضابطوں کی تشکیل میں طلبہ، اساتذہ اور دوسرے عملے کو شامل کیا گیا ہے؟ مختصراً یہ کہ تعلیمی ماحول کو حاکمیت کے درجوں کے طور پر منظم کیا گیا ہے، جس کی بنیاد خوف پر ہے یا یہ رفعتی سلسلوں اور تکمیل کی درجہ بندیوں کا ایک مجموعہ ہے جہاں اختیار کو دوسروں کو بے اختیار بنانے کیلئے استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ انہیں بااختیار بنانے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے؟

جیسا کہ ہم دیکھیں گے کہ دنیا بھر میں اساتذہ پہلے ہی شراکتی تعلیم کے عناصر کو کام میں لا رہے ہیں۔ شراکتی عمل اور ڈھانچے دونوں کی طرف سفر کیلئے مناسب وسائل دستیاب ہیں۔ سائنس کی زیادہ کلیتی انداز میں تدریس کیلئے ہمارے سکولوں میں عورتوں اور مختلف ثقافتوں کے بارے میں معلومات مہیا کرنے کیلئے اور سماجی و معاشی عدل اور ہمارے قدرتی ماحول سے متعلق زیادہ سے زیادہ شعور بخشنے کیلئے مناسب تکمیلی مواد موجود ہے۔ لیکن جس چیز کی کمی ہے اور جس کی اشد ضرورت ہے وہ ہے مربوط شراکتی نصاب، جو نہ صرف صحت مند جسم، نفسیات، خاندان، کاروبار، حکومتوں اور گروہوں کی تعمیر میں آج اور مستقبل کے بچوں کی مدد کرے گا بلکہ انہیں ہماری انسانی استعداد، تاریخ میں ہمارے مقام، فطرت کے ساتھ ہمارے تعلق اور آئندہ کی نسلوں کے لیے ہماری ذمہ داری کا واضح شعور بھی دے گا۔

مجھے جس چیز میں دلچسپی ہے وہ ہے نظامیاتی یا طویل مدتی تعلیمی تبدیلی۔ اگر سکولوں کا کام بچوں کو مستقبل کیلئے تیار کرنا ہے تو یقیناً انہیں بہترین نئی ٹیکنالوجی کی ضرورت ہے، لیکن سکولوں کو اس چیز کی ضرورت بھی ہے کہ وہ اکیسویں صدی کے ماحولیاتی، سماجی اور معاشی چیلنجوں کو سمجھنے میں شراکتی نقطۂ نظر سے طلبہ کی مدد کریں۔

اس کتاب میں جو نصاب تجویز کیا گیا ہے۔ وہ نوجوان افراد کیلئے ہمارے ماضی، حال اور ہمارے مستقبل کے امکانات کی تفہیم کو ممکن بنائے گا۔ یہ عملی اور نظری کو اور سائنس اور انسانی علوم کو یکجا کرتا ہے۔ یہ سائنس کو ہمارے سیارے اور ہماری نوع دونوں کی تاریخ اور ہماری روزمرہ کی زندگیوں کے تناظر میں

رکھ کر زندگی کے قریب لے آتا ہے کیونکہ انسانیت کے دونصفوں' مرد وزن کے کردار اور تعلقات کی سماجی تعمیر' شراکتی یا حاکمیتی سماجی ہیت کیلئے مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ لہٰذا روایتی مرد مرکز نصاب کے برعکس' شراکتی تعلیم میں صنعتی توازن کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

یہ انسانیت کے دونوں نصفوں کی تاریخ' ضروریات' مسائل اور آرزوؤں کو تدریسی مواد میں اہم علم اور صداقت کی حیثیت سے مربوط کرتا ہے۔ چونکہ شراکتی ماڈل میں اختلاف کو خود بخود کمتری یا برتری کے مساوی نہیں سمجھا جاتا لہٰذا شراکتی تعلیم کثیر الثقافتی تعلیم بن جاتی ہے۔ یہ ایک کثرتی تناظر کو سامنے لاتی ہے جس میں تمام نسلوں اور مختلف النوع پس منظر رکھنے والے افراد کے ساتھ ساتھ اس زمین کے حیوانوں اور پودوں کا حقیقی ڈرامہ بھی شامل ہے جس پر ہم سب کا حق ہے۔ چونکہ شراکتی تعلیم نظامیاتی انداز فکر کو پیش کرتی ہے سو ماحولیاتی تعلیم محض ایک اضافی چیز نہیں بلکہ نصاب کا مربوط جزو قرار پاتی ہے۔

شراکتی تعلیم کے ذریعے نوجوان افراد ایک ثقافتی قلب ماہیت کی ضرورت اور امکانات کے پس منظر میں زمین پر برپا ہماری انسانی مہم کی سنسنی خیز کہانی کی تحصیل کریں گے۔ وہ سکولوں کو تلاش وجستجو کا ایک مقام' احساسات اور خیالات میں شرکت کا ایک مقام' تعلیم کاروں' طلبہ اور والدین کی ایک ایسی پرعزم برادری کا مقام سمجھنا شروع کریں گے جو اس بات کو یقینی بنانے کیلئے مل جل کر کام کرتے ہیں تاکہ ہر بچے کی اہمیت اور قدر کو تسلیم کیا جائے۔ تاکہ انسانی روح کی افزائش ونمو ہو سکے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ شراکتی تعلیم مختلف وژن تشکیل دینے میں' کہ کیا ہوسکتا ہے اور ایسی تفہیم اور مہارتیں حاصل کرنے میں نوجوان افراد کی مدد کرے گی کہ یہ وژن کس طرح پایہ تکمیل کو پہنچائے جا سکتے ہیں۔

اس کتاب میں دیا گیا مواد پرائمری اور ثانوی تعلیم کی تعمیر نو کیلئے وسائل مہیا کرتا ہے جنہیں اساتذہ' والدین اور طلبہ سرکاری سکولوں' نجی سکولوں اور گھریلو سکولوں میں بلا تاخیر استعمال کر سکتے ہیں۔ ان وسائل کو اس طرح ڈیزائن کیا گیا ہے کہ یہ یونیورسٹی اور کالج کیلئے بھی مفید ثابت ہوں نہ صرف ایجوکیشن کے شعبوں میں جہاں اساتذہ اور سکولوں سے متعلق صلاح کارانہ تعلیم مہیا کی جاتی ہے بلکہ تدریس میں دلچسپی رکھنے والے ایسے تمام شعبوں میں بھی جہاں موجودہ ضروریات اور مسائل پر زیادہ مناسب انداز میں توجہ دی جاتی ہے۔ ''مستقبل کے بچے'' گروہی مطالعے اور عمل سے متعلق گروپوں کیلئے کارآمد ہوسکتی ہے۔ اس میں دونوں طرح کے گروپ شامل ہیں۔ وہ جو تعلیم میں براہ راست دلچسپی رکھتے ہیں اور وہ جو شخصی نشوونما اور مثبت سماجی و ماحولیاتی عمل سے سروکار رکھتے ہیں۔

مختصراً یہ کہ ''مستقبل کے بچے'' اگرچہ پرائمری اور ثانوی تعلیم کو توجہ کا مرکز بناتی ہے لیکن یہ ان سب

MashalBooks.org

کیلیئے ہے جو نئے افق تلاش کرنے کے خواہشمند ہیں اور ہمارے مستقبل کی تخلیق میں زیادہ فعال کردار ادا کرنا چاہتے ہیں۔

میں ان مختصر افتتاحی کلمات کا اختتام ایک دعوت پر کرنا چاہتی ہوں۔ میں ابتدائی برسوں ہی سے شراکتی تعلیم کی تشکیل میں سرگرم شریک کار بننے کیلیئے نہ صرف والدین' طلبہ' پرائمری اور ثانوی سکول کے اساتذہ' یونیورسٹی کے پروفیسروں اور دوسرے تعلیم کاروں بلکہ ان تمام لوگوں کو بھی مدعو کرنا چاہتی ہوں جو ایک بہتر مستقبل کیلیئے کام کر رہے ہیں۔ میں آپ کو اس کتاب میں مہیا کیے گئے مواد کو اپنی تدریس و تعلیم میں استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کے لیے قابل نقل مواد تیار کرنے کی دعوت بھی دیتی ہوں۔ یہ سبقی منصوبے یا کلی اکائیاں ہوسکتے ہیں جنہیں موجودہ جماعتوں میں زیر استعمال لایا جا سکتا ہے۔ یہ کلیتاً ایسے نئے کورسز بھی ہوسکتے ہیں جیسے کہ مرکز برائے شراکتی مطالعات دوسرے سکولوں اور یونیورسٹیوں کے تعاون سے مرکز کی ویب سائٹ' بک سٹورز اور دوسرے ذرائع سے تقسیم کیلیئے تیار کر رہا ہے۔ یہ ایک پورے سکول کیلیئے نصاب بھی ہوسکتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کنڈرگارٹن سے بارہویں گریڈ اور اگلے درجوں تک کیلیئے بتدریج ایک پورا نیا شراکتی نصاب ترتیب دیا جائے۔

میری تجویز کسی حد تک تنازع کا سبب بھی بنے گی لیکن تنازع کے بغیر حقیقی تبدیلی ممکن نہیں۔

اگر ہم میں سے کافی افراد شخصی اور اجتماعی قلب ماہیت کا پختہ ارادہ رکھتے ہوں۔ اگر ہم اکٹھے مل کر آگے بڑھتے ہیں جیسا کہ میرین رائٹ ایڈل مین نے لکھا ہے۔ ''دوسروں سے آگے بڑھ کر قدم رکھتے ہوئے اپنے بچوں کی خوبصورتی سے تابنا کی حاصل کرتے ہوئے خود سے اعلیٰ تر مقصد کی جدوجہد میں ہاتھ بٹائے اور شامل ہونے کی امید کے ساتھ (*5) تو ہم مستقبل کے بچوں اور آنے والی نسلوں کے لیے ایک زیادہ محفوظ' زیادہ جینے کے قابل اور زیادہ محبت بھری دنیا کی تعمیر کیلیئے تعلیمی بنیادیں استوار کرنے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔

ریان آئسلر

حصہ اوّل

شراکتی تعلیم: مبادیات

MashalBooks.org

MashalBooks.org

تعلیم کی تعمیرِ نو

بنیادی تعمیری بلاک

جب میں چھوٹی تھی تو تعمیری بلاکوں سے بڑے شوق سے کھیلتی تھی۔ مجھے بلاک در بلاک، کمرے، گھر، ٹاور اور قلعے ایسی دنیائیں بنانے کی آزادی پسند تھی جہاں میرا تخیل آزادانہ گھوم پھر سکتا تھا۔

میری خواہش ہے کہ اس کتاب کا قاری اس میں موجود خیالات سے تعمیری بلاکوں کی طرح کام لے۔ ان خیالات کو ابتدائے طفلی سے لے کر آگے تک مختلف النوع تناظرات، درجاتی سطحوں یا جماعتوں میں ایک نئی طرز کی تعلیم کی تشکیل کیلئے تخیلاتی انداز میں جوڑا جا سکتا ہے۔

ہر باب بذاتِ خود ایک تعمیری بلاک ہے۔ ہر باب تعلیم کے مختلف پہلوؤں میں شراکتی ماڈل کو استعمال میں لانے کیلئے چھوٹے چھوٹے تعمیری بلاکوں پر مشتمل ہے۔

میں چاہتی ہوں کہ جنہیں میں نے شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کا نام دیا ہے ان کے مابین بنیادی اختلافات کے مختصر بیان سے ابتدا کروں۔ یہ بتاؤں کہ میں انہیں کس نظر سے دیکھتی ہوں اور یہ کہ میں تعلیم میں شراکتی ماڈل کی ترویج کیلئے اتنی بیتاب کیوں ہوں۔

تلاش کا سفر جو ان ہیئتوں کی میری دریافت پر منتج ہوا جنہیں میں نے شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کا نام دیا ہے میرے بچپن سے جڑا ہوا ہے۔ میں ان سوالوں کے جواب چاہتی تھی جو ہم میں سے بیشتر لوگوں کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں: انسانی معاشرے اور انسانی امکانات کے بارے میں سوالات:

یہ سوالات نازی آسٹریا کے پناہ گیر بچے کے حیثیت سے میرے لیے خصوصی اہمیت کے حامل تھے۔ میں نے گسٹاپو کے لوگوں کو اپنے باپ کو تشدد کا نشانہ بناتے اور گھسیٹ کر لے جاتے دیکھا تھا۔ میں نے اپنی ماں کو ان لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے بھی دیکھا تھا۔ وہ اپنی زندگی کو داؤ پر لگا کر ان سے کہہ

رہی تھی کہ وہ میرے باپ کو چھوڑ دیں۔ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ غلط ہے اور میں نے دیکھا کہ میرا باپ معجزاتی طور پر ہم سے آملا اور ہم ویانا سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ویانا جہاں میں پیدا ہوئی تھی۔

ایک بچے جیسے اپنے ذہن میں میں نے یہ سب کچھ سمجھنے کی کوشش کی۔ وقت گزرنے کے ساتھ میں سوال پوچھنے لگی۔ لوگ ظالم کیوں ہوتے ہیں؟ وہ ایک دوسرے کو نقصان کیوں پہنچاتے ہیں اور قتل کیوں کرتے ہیں؟ اگر حقیقتاً انسانی فطرت اسی طرح کی ہوتی ہے جیسا کہ ہمیں اکثر بتایا جاتا ہے تو ہر ایک اسی طرح کا کیوں نہیں ہوتا؟ بعض لوگ دردمند اور امن پسند کیوں ہوتے ہیں؟ کیا چیز ہے جو ہمیں کسی ایک یا کسی دوسری سمت میں دھکیلتی ہے اور ہم اسے بدلنے کیلئے کیا کر سکتے ہیں؟

میری باقاعدہ تحقیق کا آغاز متعدد برس بعد رینڈ کارپوریشن کے سسٹمز ڈویلپمنٹ ڈویژن میں بطور سماجی سائنسدان، لاء سکول کے بعد شادی اور دو بچوں اور نہایت متنوع شعبہ جات، عمرانیات، بشریات، تاریخ، نفسیات اور نظامیاتی سائنس سے لے کر آثاریات، اسطوریات، ادب، ارتقائی مطالعات اور فنون سے ملنے والی معلومات کے ہمہ گیر تصرف کے بعد ہوا۔

دریافت کا سفر

آہستہ آہستہ جیسے کسی جگ ساپزل کے ٹکڑوں کو جڑتے ہوئے دیکھ کر مجھے ترتیب و روابط کی جھلک نظر آنے لگی اب میں ایک وسیع معلوماتی بنیاد سے مستفید ہو رہی تھی۔ پوری انسانی تاریخ، بشمول ماقبل تاریخ میرے سامنے تھی۔ معیشت اور سیاست کے نام نہاد حکومتی دائرہ ہائے کار اور والدین، اولاد اور صنفوں کے قریبی تعلقات کا نجی دائرہ کار دونوں میری نظر میں تھے۔ میں شعوری طور پر انسانیت کی دونوں صنفوں عورتوں اور مردوں سے متعلق مواد کو سامنے رکھ رہی تھی۔

میں جس نتیجے پر پہنچی وہ یہ تھا کہ پوری انسانی تاریخ میں معاشروں کے بیشتر اختلافات............ جغرافیائی مقامات، زمانی ادوار، مذاہب، معاشیات، سیاست، ٹیکنالوجی کی ترقی کی سطحوں کے اختلافات کی تہہ میں ایک دوسرے کے ساتھ اور ہمارے قدرتی ماحول کے ساتھ ہمارے تعلقات کی تشکیل سے متعلق دو بنیادی امکانات موجود ہوتے ہیں۔ اس دریافت کو بیان کرنے کیلئے اصطلاحات میسر نہیں تھیں لہٰذا مجھے نئی اصطلاحات وضع کرنی پڑیں۔(*1) تاہم میں غیر واضح قسم کی اصطلاحات استعمال نہیں کرنا چاہتی

تھی؟ میں ایسی اصطلاحات چاہتی تھی جو میرے سامنے موجود دومختلف سماجی ہیئتوں کے مفہوم کی فوری ترسیل کریں۔

ان ہیئتوں میں سے ایک ہیئت کے چار بنیادی عناصر یہ ہیں:

حاکمانہ قسم کا اوپر سے نیچے والا سماجی اور خاندانی ڈھانچہ' سخت گیر مردانہ حاکمیت' ایک اونچی سطح کا خوف اور دربستہ تشدد اور بدسلوکی (بچے اور بیوی کی مار پیٹ سے لے کر ازلی قسم کی جنگ تک) اور عقائد' حکایات اور اقدار کا ایک نظام جو اس نوع کے ڈھانچے کو زندگی کا حصہ اور دوست بنا کر پیش کرتا ہے۔ چونکہ تعلقات کے اس انداز کے ڈھانچے کا تعین حاکمیت ....عورت پر مرد کی' نسل پر نسل کی' مذہب پر مذہب' قوم پر قوم کی' فطرت پر انسان کی حاکمیت ....کی درجہ بندی کرتی ہے لہٰذا اسے میں نے حاکمیتی ماڈل کا نام دیا ہے۔

دوسری طرف ایسے معاشرے تھے جن کی ہیئت بالکل ہی مختلف تھی۔ اس کے چار بنیادی عناصر یہ ہیں:

ایک زیادہ جمہوری اور مساویانہ خاندانی اور سماجی ڈھانچہ' صنفی برادری' ادارے کی شکل میں موجود کم سطح کا تشدد اور بدسلوکی (کیونکہ حاکمیت کی کڑی درجہ بندی کو برقرار رکھنے کیلئے خوف اور جبر کی ضرورت نہیں ہے۔) اور عقائد' حکایات اور اقدار کا ایک ایسا نظام جو اس قسم کے ڈھانچے کو زندگی کا حصہ اور درست قرار دینے کے کام آتا ہے۔ کافی غوروخوض کے بعد میں نے تعلقات کے اس ڈھانچے کے ٹمپلیٹ کو بیان کرنے کیلئے شراکتی ماڈل کی اصطلاح کا انتخاب کیا۔

اس تحقیق پر مبنی میری پہلی کتاب' دی چیلیس اینڈ دی بلیڈ: ہماری تاریخ' ہمارا مستقبل تھی اس میں ہم کس طرح سوچتے اور زندہ رہتے ہیں' کے ضمن میں ان دو بنیادی متبادلات کے مابین پوشیدہ کشمکش کے حوالے سے قبل تاریخ سے لے کر موجودہ دور تک مغربی معاشروں کے ثقافتی ارتقاء کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں نئے میکرو تاریخی تجزیے کا خاکہ بھی پیش کیا گیا تھا جسے میں نظریہ ثقافتی قلب ماہیت کا نام دیتی ہوں۔ یہ بتاتا ہے کہ معاشرے اور ٹیکنالوجی کے اعتبار سے انتہائی قسم کے عدم توازن کے ادوار میں ایک ماڈل سے دوسرے ماڈل میں تبدیلی ممکن ہے' یہ کہ ہماری قبل تاریخ کے دوران ایسی تبدیلی کی مضبوط شہادت موجود ہے اور یہ کہ ٹیکنالوجی اور معاشرے کے اعتبار سے شدید اکھاڑ پچھاڑ کے ہمارے دور میں ....حاکمیت کے بجائے شراکت پر مبنی دنیا کی طرف ....ایک اور بنیادی تبدیلی ممکن ہے۔

میری تحقیق کے نتائج بتاتے ہیں کہ ہم میں ایک ایسی دنیا تخلیق کرنے کی طاقت موجود ہے جس کے ہم تمنائی ہیں۔ دراصل اپنی زندگیوں اور اپنے بچوں کے مستقبل کے لیے شراکتی امکانات کی اہمیت کا احساس

MashalBooks.org

کرتے ہوئے ہم میں سے بیشتر لوگ ان مفروضات کے بارے میں استفسار کر رہے ہیں جن کے بارے میں کبھی سوال اٹھانے کا تصور بھی نہیں کیا جاتا تھا۔ ہم جنگ' ناانصافی اور اس طرزِ حیات کی ناگزیت کو مسترد کر رہے ہیں جو "فطرت کی تسخیر" کے بنیادی تصور کے نام پر ہمارے قدرتی مسکن کو تباہ و برباد اور آلودہ کر رہا ہے۔ ہم اس بات کو سمجھنے لگے ہیں کہ جنسوں کی جنگ بھی ناگزیر نہیں ہے اور یہ کہ عورتیں اور مرد شراکتی انداز میں زندہ رہ سکتے ہیں اور محبت کر سکتے ہیں۔ ہم ایک ایسی اخلاقیات اور روحانیت کی تلاش میں ہیں جو ہمیں ایک بہتر زندگی کیلئے حیات مابعد کا رستہ نہ دکھاتی ہو یا ہمارے اندر برہم دیوتاؤں کا خوف نہ بٹھاتی ہو بلکہ الوہیت کو اس شے پر مشتمل سمجھتی ہو جو ہمیں مکمل طور پر انسان بناتی ہے یعنی محبت کرنے اور تخلیق کرنے کی ہماری عظیم اہلیت چونکہ ہم میں سے بہت سے لوگ آج ایسی راہوں کی تلاش میں ہیں جو ہمیں اور آج اور مستقبل کے بچوں کو ایک ایسے مستقبل تک لے جا سکتے ہوں جس کا رہنما اصول حاکمیت کے بجائے شراکت ہو' لہٰذا مجھے بہت سی جگہوں پر اپنے کام کے بارے میں بتانے کیلئے مدعو کیا گیا۔ میں نے یونیورسٹیوں میں لیکچر دیئے' متعدد مضامین لکھے اور سکولوں کے لیے تعلیمی صلاح و مشورہ مہیا کرنے کا کام بھی کیا۔

میں نظامیاتی تعلیمی تبدیلی کے بارے میں اور زیادہ سوچنے لگی۔ یونیورسٹی میں تدریس کے دوران میں نے کچھ تجربات کیے جنہیں میں اب شراکتی طریق ہائے کار کے طور پر دیکھتی ہوں۔ میں نے اس چیز پر بھی بہت زیادہ توجہ دی تھی کہ ہمارے سکولوں کا ڈھانچہ اپنی اوپر سے نیچے والی درجہ بندیوں میں شراکت کی حوصلہ افزائی کیوں نہیں کرتا اور یہ کہ درجے مقرر کرنے کے بیشتر طریقے حاکمیتی ذہنوں کی تشکیل کرتے ہیں۔ تاہم جن نتائج پر میں پہنچی ان میں سے وہ نتائج سخت تکلیف دہ تھے جو اس چیز سے تعلق رکھتے تھے کہ نصابی مواد' قدیم تعلیمی متن کا بیشتر حصہ' علم اور صداقت کے نام پر طلبہ کے ذہنوں میں حقیقتاً کیا منتقل کر رہا ہے۔

یوں مجھے اس کتاب کے لکھنے کا خیال سوجھا۔ میں نے اسے لکھنے پر پانچ برس لگائے ہیں۔ میں نے اسے اس احساس کے تحت لکھا ہے کہ ہمیں اس کی اشد ضرورت ہے کیونکہ ماحولیاتی' معاشی اور سیاسی بحرانوں کے ہمارے دور میں پوری دنیا کے بچوں کو خطرہ لاحق ہے۔ ساتھ ہی مجھے ان بچوں میں مستقبل کی امید بھی نظر آتی ہے۔

بچوں میں انسانیت کی تربیت

ہر بچے کی تہہ میں ایک انسان موجود ہوتا ہے۔ بچوں میں محبت' خوشی' تخلیقیت اور ہمدردی کی

لامحدود استعداد ہوتی ہے۔ بچوں میں ایک ہمہ گیر تجسس، مفہوم و معنی کی ایک بھوک موجود ہوتی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ بچے محبت اور تقویت کے آرزومند ہوتے ہیں اور تھوڑا سا موقع ملنے کی صورت میں اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر لوٹانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

ٹیکنالوجی، معاشیات اور معاشرہ کی تیز رفتار تبدیلیوں کی آج کی دنیا میں ان استعدادوں کی ترقی پہلے کی نسبت کہیں زیادہ اہم ہوگئی ہے۔ بچے کیلئے اپنے قدرتی مسکن، دھرتی ماں کو جاننا اور اس کی قدر و قیمت کو سمجھنا ضروری ہے۔ انہیں محبت اور رفاقت کیلئے، ہمدردی اور دردمندی کیلئے، تخلیقیت کیلئے خود اپنی اور دوسروں کی حقیقی ضرورتوں کی اہمیت کو محسوس کرنے کیلئے اپنی وہبی استعداد کو ترقی دینے کی ضرورت ہے۔

آج کے دور میں جہاں وسیع تر دنیا سے متعلق بچوں کا اولین استاد عوامی میڈیا ہے جہاں ریاستہائے متحدہ میں بچے کسی دوسری سرگرمی کی نسبت ٹیلی وژن دیکھنے میں زیادہ وقت صرف کرتے ہیں بچوں کیلئے یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ جو کچھ وہ ٹیلی وژن کے شوز، فلموں اور ویڈیو گیموں میں دیکھتے ہیں وہ بناوٹی ہے۔ انہیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ تشدد، تشدد کو جنم دیتا ہے اور وہ کسی مسئلے کا حل نہیں ہے۔ یہ کہ مادی اشیاء زندگی کیلئے ضروری ہیں لیکن بذات خود مقصد نہیں، قطع نظر اس سے کہ تجارتی اشتہارات انہیں ایسا بنا کر پیش کرتے ہیں۔ انہیں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ دکھ ایک حقیقی چیز ہے یہ کہ لوگوں کو نقصان پہنچانے کا عمل خطرناک اور ایسے نتائج کا حامل ہوتا ہے جس کے اثرات پوری زندگی پر مرتب ہوتے ہیں قطع نظر اس سے کہ کتنے ہی کارٹونوں اور ویڈیو گیموں میں اذیت و تشدد کو معمولی، سنسنی خیز اور مزاحیہ بنا کر پیش کیا جائے۔ انہیں کھوکھلی اور حقیقی خوشی کے درمیان، ہنگامہ خیزی اور حقیقی لطف کے درمیان، صحت مندانہ تفتیش اور بے پروائی یا قنوطیت کے درمیان فرق جاننے کی ضرورت ہے۔

آج کے بچوں کو انسانی فطرت اور اس زمین پر بپا زندگی کے ڈرامے میں ہمارے مقام سے متعلق ایک نئے وژن کی ضرورت ہے تا کہ وہ ایک ایسے یقین تک پہنچ سکیں جو حقیقت پر مبنی ہو۔ بجائے اس کے کہ وہ قنوطیت اور تقدیم ذات میں کھو جائیں جیسے آج عام طور پر ''بے پروا'' کہا جاتا ہے، انہیں اپنے خوابوں کے ساتھ جڑے رہنے کی ضرورت ہے تا کہ وہ اپنے لازمی انسانی جوہر کو باقی رکھ سکیں۔ انہیں یہ سب کچھ اپنے لیے چاہئے ہے مگر انہیں اپنے بچوں کے لیے بھی اس کی ضرورت ہے کہ کہیں وہ ایک اور نسل ایکس پروان نہ چڑھا بیٹھیں، ایک ایسی نسل جو اس غیر یقینی دور میں شناخت اور مقصد کی تلاش کی تگ و دو کرتی ہو اور زیادہ تر خود ہی کو کھو بیٹھے۔

MashalBooks.org

آج کے بچوں کیلئے سب سے بڑا اور اشد ضروری چیلنج اس بات سے تعلق رکھتا ہے کہ وہ کل کے بچوں کی تعلیم و تربیت کس طرح کریں گے۔ یہیں کہیں ہماری دنیا کی اصل امید پوشیدہ ہے۔

میرا یہ پختہ یقین ہے کہ اگر ہم آج کے بچوں کی ایک متعدد تعداد کو ایسی تعلیم و تربیت دیتے ہیں جو نہیں مساویانہ، غیر متشدد، منفی اعتبار سے منصفانہ، ماحولیاتی لحاظ سے باخبر، ہمدردانہ اور تخلیقی انداز میں زندہ رہنے اور کام کرنے کے قابل بناتی ہے اور جس کا خاصہ حاکمیتی تعلقات کے برعکس شراکتی تعلقات ہیں تو وہ عقائد اور اداروں میں ایسی تبدیلیاں ضرور لے آئیں گے جو زندگی کے تمام شعبوں میں اس شراکتی انداز کو استحکام بخشیں گی۔ وہ اپنے بچوں کو ایسی تعلیم و تربیت دینے کے قابل بھی ہو سکیں گے جو ہمارے عظیم انسانی امکانات کی تکمیل یا تحدید میں فرق روا رکھتی ہو۔

جیسا کہ نفسیات دان بہت پہلے یہ بتا چکے ہیں کہ ابتدائے طفلی میں توجہ اور تعلیم بہت اہم ہیں لیکن آج یہی بات نیوروسائنس کی طرف سے بجلی کی کڑک کی طرح ہم تک پہنچتی ہے۔ جب ایک بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کا دماغ افزائش و نمو پاتا رہتا ہے۔ اس عمل میں یہ عصبانیوں کے درمیان کھربوں سنا، پسز یا روابط کو جنم دیتا ہے مگر پھر دماغ ان روابط یا سناپسز کو مستحکم کرتا ہے جو استعمال میں لائے جاتے ہیں اور نہیں خارج کر دیتا ہے جنہیں شاید ہی استعمال کیا جاتا ہے یا کبھی بھی استعمال نہیں کیا جاتا۔ اب ہم اس بات سے باخبر ہیں کہ اس عمل کے ذریعے استوار ہونے والے سانچے بہت مختلف ہوتے ہیں اور ان کے مختلف سونے کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ بچے کا انسانی اور طبعی ماحول کتنا تقویتی اور تربیتی یا محرومی پیدا کرنے والا اور بدسلوکی پر مبنی ہے۔ یہ ماحول ہی زیادہ تر ایسے نازک معاملات کا تعین کرتا ہے کہ آیا ہم مہم جویانہ اور تخلیقی طبیعت کے حامل ہیں یا نہیں، آیا ہم اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر کام کر سکتے ہیں یا صرف اوپر سے احکامات لینا پسند کرتے ہیں اور آیا ہم تشدد کے بغیر تنازعات کو حل کرنے قابل ہیں یا نہیں۔ ایسے تنازعات جو نہ صرف اس حوالے سے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں کہ ہم زندگی کے چیلنجوں سے کس طرح نمٹتے ہیں بلکہ مابعد صنعتی معلوماتی معیشت کیلئے بھی اہم ہوتے ہیں۔

جس انداز سے بچے کی مادی، جذباتی اور ذہنی...... دیکھ بھال کی جاتی ہے، بالخصوص زندگی کے ابتدائی تین برسوں کے دوران، وہی عصبی راہوں کی بنیاد رکھتی ہے اور عصبی راہیں ہی زیادہ تر ہماری ذہنی استعدادوں اور ہمارے معمول کے جذباتی خزینے دونوں کا تعین کرتی ہیں۔ طفلی میں کی جانے والی ایسی مثبت دیکھ بھال جو بنیادی طور پر تحسین، مشفقانہ لمس، شفقت اور تشدد یا دھمکیوں کے عدم استعمال پر مبنی ہوتی

ہے۔ ہمارے دماغ کے مخصوص حصوں میں ڈوپامائن اور سیروٹونین کے کیمیائی مادوں کی پیدائش کا سبب بنتی ہے اور جذباتی استحکام اور ذہنی صحت کو فروغ دیتی ہے۔ (والدین اور اساتذہ کے لیے ایک عمدہ ماخذ اب رائز کی ویڈیو ''میں آپ کا بچہ ہوں: ابتدائی برس ہمیشہ زندہ رہتے ہیں''۔)

اس کے برعکس اگر بچوں کو منفی توجہ سے عاری، خوف، شرم اور دھمکی پر مبنی یا تشدد یا جنسی استحصال جیسے ناپسندیدہ تجربات کا نشانہ بنایا جاتا ہے تو ان میں اس قسم کے حاکمیتی ماحول سے مناسبت رکھنے والے ردعمل پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ جبر پسند، برا سلوک کرنے والے اور جارح یا عزت پسند اور سخت پژمردہ مغلوب ہر لحہ چوکنا رہنے والے اور خود اپنے اور دوسروں کے دکھ درد کے ضمن میں بے حس بن جاتے ہیں۔ یہ بچے بالعموم اضطراری جارحیت پر قابو پانے اور طویل مدتی منصوبہ بندی کی صلاحیت سے عاری ہو جاتے ہیں۔ عصبی سائنسدانوں کے مطابق نارمل بچوں کی نسبت بدسلوکی کا شکار ہونے والے بچوں کے دماغ کے مغز اور اس کے عضوی نظام (جذبات، بشمول انسانیت کیلئے ذمہ دار) کے حصے بیس سے تیس فیصد چھوٹے ہوتے ہیں اور یہ کہ تشدد اور غیر یقینی دباؤ کا شکار رہنے والے بیشتر بچوں کی سیکھنے کی استعداد متاثر ہوتی ہے۔(3*)

مختصر یہ کہ بچوں کی ہمدردانہ اور مشفقانہ تربیت نہ صرف بچوں کی جذباتی نشوونما بلکہ ان کی ذہنی نشوونما، سکول کے ساتھ ساتھ عمر بھر ان کی سیکھنے کی استعداد پر بھی براہ راست اثر ڈالتی ہے۔

بیشتر والدین اپنے بچوں سے محبت رکھتے ہیں لیکن اہم بات یہ ہے کہ کیا اس محبت کا اظہار مشفقانہ لمس، جسمانی گرفت، گفتگو، مسکرانے، گنگنانے اور بچے کی ضروریات اور مطالبات کے جواب میں آرام، خوراک، گرمیٔ جذبات، اور تحفظ اور عزت وقعت کا احساس مہیا کرنے سے ہوتا ہے؟(4*) اس قسم کی تربیت طفل سیکھی جاسکتی ہے، بالکل اسی طرح جیسے بچے کی نشوونما کے ادوار، شیر خوار اور دوسرے بچے کیا کچھ سمجھنے اور کرنے کے قابل یا ناقابل ہیں اور بعض اوقات ''روایتی'' سزا پر مبنی تربیت کے ذریعے بچے کو پہنچنے والے نقصان کو سمجھا جاسکتا ہے۔

یوں بچے کی شراکتی تربیت اور تحسین مشفقانہ لمس، صلہ دہی اور دھمکی کے عدم استعمال پر مبنی والدین کی تربیت کی مرکزی اہمیت واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔ بہترین نتائج کے لیے بالغوں کو والدین کی حیثیت سے ذمہ داری نبھانے کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ ہمارے سکولوں میں والدین کی تربیت اور بچوں کی تربیت سے متعلق اس قسم کی تدریس کا آغاز ابتدا ہی سے ہونا چاہئے۔

جیسا کہ شراکتی نصاب اس چیز پر مبنی ہوگا۔ اس طرح اس بات کو یقینی بنایا جاسکے گا کہ لوگ جب

ابھی جوان اور زیادہ سیکھنے کے قابل ہیں تب ہی یہ سب کچھ سیکھ لیں۔

لیکن ابتدائی طفلی تعلیم اور والدین کی ذمہ داریوں سے متعلق تعلیم ہی تمام تعلیم نہیں جس کا جائزہ اور جس کی ایک نئی تشکیل مقصود ہے تاکہ بچوں' نوعمروں اور بعدازاں بالغوں کو بہتر زندگی گزارنے اور ایک بہتر معاشرہ تخلیق کرنے کیلئے ذہنی اور جذباتی وسائل مہیا کیے جائیں۔ اگر ہم آج اپنے تعلیمی نظام میں تبدیلی لے آتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے مستقبل کے بچوں کو پھلنے پھولنے کا موقع مہیا کر دیا ہے۔ اگر ہم آج کے بچوں کو انہیں درپیش غیر معمولی چیلنجوں سے نمٹنے کیلئے تیار کر دیتے ہیں۔ اگر ہم ایک حاکمیتی دنیا کے بجائے شراکتی دنیا کی بنیادیں رکھنے کی ابتدا کرنے میں ان کی مدد کرتے ہیں تو مستقبل کے بچوں میں انسانی ارتقاء کے ایک نئے عہد کی تخلیق کی صلاحیت ضرور پیدا ہو جائے گی۔

شراکتی اور حاکمیتی امکانات

ہمارا حیاتیاتی خزانہ متعدد امکانات پیش کرتا ہے: تشدد اور عدم تشدد' بے حسی اور ہمدردی' محبت اور اذیت' تخلیقیت اور تباہ کاری۔ ہم ان امکانات میں سے کن امکانات کی تکمیل کرتے ہیں۔ اس کا زیادہ تر انحصار سماجی تناظرات اور اشارات پر ہوتا ہے۔ یعنی اس پر کہ ہم کن تجربات سے گزرتے ہیں اور جو کچھ ہم یقین کرنا سیکھتے ہیں وہ نارمل' ضروری یا درست ہے۔

شراکتی تعلیم کے ذریعے' نوجوان افراد اپنے اساتذہ اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ شراکتی تعلقات کا تجربہ کر سکتے ہیں۔ انہیں بوقت ضرورت اپنے اساتذہ میں وہ کچھ مل سکتا ہے جسے ایلس ملر نے ''امدادی شہادتوں'' کا نام دیا ہے۔(*5) وہ اپنی ذات کا اور دوسروں کا اور ہمارے قدرتی مسکن کا اور زیادہ شعور حاصل کر سکتے ہیں۔ انہیں جو کچھ پڑھایا جا رہا ہے اس کے متعلق سوالات اٹھانے میں زندگی کے مفہوم و معنی کی تلاش میں اور زندگی میں صحت مندانہ اور علم پر مبنی فیصلوں کے ضمن میں ان کی حوصلہ افزائی کی جا سکتی ہے۔

شراکتی تعلیم کا مرکزی نکتہ فکری اور تجربی دونوں اعتبار سے تعلم یا سیکھنا ہے یہ کہ انسانی تعلقات کی تہہ میں شراکتی اور حاکمیتی دو ماڈل کارفرما ہیں' خوف تشدد اور حاکمیت پر مبنی تعلقات ممکن ہیں تاہم جو چیز ہمیں ایک نوع کی حیثیت سے ممتاز بناتی ہے وہ ہماری بے رحمی اور تشدد نہیں بلکہ محبت اور تخلیقیت کے لئے ہماری بے پایاں صلاحیت ہے۔ ایسے تعلقات اور اداروں کی تشکیل جو شراکتی ماڈل سے قریب تر ہوں ان

صلاحیتوں کی تکمیل میں ہمارے مددگار ثابت ہوتی ہے۔

شراکتی تعلیم، سرمایہ داریت بمقابلہ کمیونزم، صحیح بمقابلہ غلط، مذہبی بمقابلہ سیکولر، بلکہ صنعتی بمقابلہ قبل صنعتی یا بعد صنعتی جیسی روایتی، سماجی اصطلاحوں سے پرے دیکھنے میں طلبہ کی مدد کرتی ہے۔اس طرح وہ تعلقات اور اس مخفی سوال پر توجہ مرکوز کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ کس قسم کے عقائد اور سماجی ڈھانچے تشدد یا عدم تشدد جمہوریت یا حاکمیت، انصاف یا ناانصافی، ہمدردی یا بے رحمی، ماحولیاتی پائیداریت یا تباہی کے تعلقات کو تقویت بخشتے ہیں یا انہیں روکنے کا سبب بنتے ہیں (دیکھیے شکل 1:1)

شراکتی تعلیم کے ذریعے، نوجوان افراد وہ کچھ کرنا سیکھ سکتے ہیں جسے میں نے شراکتی، حاکمیتی تسلسل کا نام ہے لیکن ہمارے حال اور ماضی کو دیکھنے کیلئے اسے ایک تجزیاتی عدسے کے طور پر استعمال کرنا سیکھ سکتے ہیں۔(دیکھیے شکل نمبر 1:2)

اس طرح ان پر یہ عیاں ہوگا کہ کوئی معاشرہ تنظیم یا خاندان جس قدر کسی ایک یا دوسرے متبادل کی طرف مائل ہوتا ہے اس قدر یہ ہماری زندگیوں پر مثبت یا منفی انداز میں اثر انداز ہوتا ہے۔یوں وہ زیادہ بہتر انداز میں فیصلہ کرنے کے قابل ہوسکیں گے کہ ہم اپنی ثقافت اور معاشرے میں سے کیا کچھ پیچھے چھوڑنا چاہتے ہیں اور کیا کچھ ہے جسے مستحکم کرنا ضروری ہے ۔اور وہ یہ بھی سمجھ سکیں گے کہ اگرچہ کوئی ایسا مثالی معاشرہ ممکن نہیں جہاں کبھی کوئی تشدد یا ناانصافی موجود نہ رہی ہو لیکن یہ کہ انہیں نصب العین بنانے کی یا سماجی وثقافتی ساخت میں چننے کی کوئی ضرورت نہیں۔

صاف ظاہر ہے کہ شراکتی ماڈل کی طرف پہلے ہی خاصی پیش رفت ہو رہی ہے۔اگر ایسا نہ ہوتا تو آج ہم ان نتائج سے بے خبر بنیادی تعلیمی تبدیلیوں پر گفتگو نہ کر رہے ہوتے جن میں موت بھی شامل ہے۔جیسا کہ بہت عرصہ پہلے یورپی قرون وسطیٰ کے دوران فکر وتقریر کی آزادی کا حال تھا اور آج بھی دنیا کے بعض حصوں میں ایسا ہی ہے۔ بہ ایں ہمہ، طاقتور حاکمیتی عناصر آج بھی ہمارے معاشرے میں موجود ہیں اور ان حاکمیتی عناصر میں سے بعض ہماری تعلیم کا حصہ ہیں بلکہ ہماری تعلیم انہیں برقرار رکھنے کا سبب بھی ہے۔

اگرچہ ہم بالعموم تعلیم کے بارے میں اس انداز میں نہیں سوچتے مگر جو کچھ علم اور صداقت کی حیثیت سے نسل در نسل منتقل ہوتا آیا ہے۔اسے ماقبل ادوار سے ہی اخذ کیا جاتا ہے۔ یہ بہت اہم ہے کیونکہ

بصورت دیگر جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ہمیں پہیئے کو مستقلاً بار بار ایجاد کرنا پڑے گا اور بہت کچھ جو قابل قدر ہے ہم اس سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے لیکن یہ بھی بہت سے مسائل کو جنم دیتا ہے۔

حاکمیتی ماڈل	شراکتی ماڈل
حاکمانہ ڈھانچہ بمعہ حاکمیتی نظام مراتب	مساواتی ڈھانچہ بمعہ خود تکمیلی نظام مراتب
عورت پر مرد کی برتری	عورت و مرد کی برابری
خوف، تشدد اور بدسلوکی کی اداراتی تشکیل	باہمی عزت و احترام اور تنازعات کے پر امن حل کی اداراتی تشکیل
دقیانوسی طور پر ''مردانہ'' (2) سمجھی جانے والی صفات سرگرمیوں میں ازحد زیادہ سماجی سرمایہ کاری، جیسے کہ افراد اور فطرت پر دسترس اور ان کی تسخیر	دقیانوسی طور پر ''زنانہ'' (2) سمجھی جانے والی صفات و سرگرمیوں میں ازحد زیادہ سماجی سرمایہ کاری، جیسے کہ غمگساری، ہمدردی، عدم تشدد اور دیکھ بھال
حاکمیت کو قابل احترام اور مقدس قرار دینے والی حکایتیں اور داستانیں	شراکت کو قابل احترام اور مقدس قرار دینے والی حکایتیں اور داستانیں

ماخذ: ریان آئس لر، منزل کا تعین نو (زیر تحریر)

''زنانہ'' اور ''مردانہ'' سے مراد وہ سانچے ہیں جو ہمیں سخت گیر حاکمیتی ادوار سے ورثے میں ملے ہیں، نہ کہ ایسی خصوصیات جو عورتوں اور مردوں میں اصلاً موجود ہیں۔

ہم یہاں سے شروع کر سکتے ہیں کہ گزشتہ کئی صدی پہلے ضبط تحریر میں آنے والی بیشتر مغربی تاریخ (6*) کے دوران سکولوں سمیت زیادہ تر ادارے حاکمانہ، غیر منصفانہ، شدید طور پر مرد غالب اور سخت تشدد دانہ سماجی ڈھانچوں کو تقویت دینے کیلئے تشکیل دیئے گئے تھے۔ مراد یہ کہ وہ حاکمیتی ماڈل کی اصل ہیت کو مستحکم کرنے کیلئے بنائے گئے تھے۔ اس قسم کی تعلیم اگرچہ آمرانہ بادشاہوں، مملکتوں اور جاگیردارانہ ملکیتوں کے لیے مناسب تھی جو آپس میں مسلسل برسرپیکار رہتے تھے مگر یہ ایک جمہوری اور زیادہ پرامن معاشرے کیلئے مناسب نہیں ہے پھر بھی موجودہ نصاب میں بہت کچھ ایسا ہے جو اس ورثے کی یادگار ہے۔

ہمارے متعدد تدریسی طریقوں کی جڑیں بھی زیادہ تر حاکمانہ، غیر منصفانہ، مرد غالب اور تشدد ادوار میں پیوست ہیں۔ ''ڈنڈا استعمال نہ کریں اور بچے کو خراب ہونے دیں۔'' جیسے اصولوں پر مبنی بچوں کی

تربیت کے طریقے اس مقصد سے تشکیل دیئے گئے تھے کہ لوگوں کو ایک سخت گیر نظام مراتب میں اپنا مقام قبول کرنے اور اوپر سے دیئے گئے احکامات کو بلا حجت تسلیم کرنے کے لیے تیار کیا جائے۔ خواہ یہ احکامات سکول میں اساتذہ کی طرف سے ہوں' کام پر نگرانوں یا حکومت میں حکمرانوں کی طرف سے ہوں۔ یہ تدریسی طریقے اکثر غیر ہمدردانہ بلکہ متشددانہ طرزِ عمل کی تشکیل کرتے ہیں اور بچوں کو یہ سبق دیتے ہیں کہ ارباب اختیار کی طرف سے تشدد اور بدسلوکی نارمل اور درست ہے۔ ان کا انحصار زیادہ تر منفی تحریکات جیسے کہ خوف' احساس جرم اور ندامت پر ہوتا ہے۔ یہ بچوں کو بنیادی طور پر ہمدردانہ تعاون (جیسا کہ ٹیم پروجیکٹ میں ہوتا ہے) کے بجائے غیر ہمدردانہ مسابقت (جیسا کہ اب بھی خط منحنی پر گریڈنگ کے لیے کیا جاتا ہے) پر مجبور کرتے ہیں اور اہم بات یہ ہے کہ تجسس کو دبا ڈالتے ہیں۔

یہ سب کچھ آمرانہ بادشاہتوں' مملکتوں' جاگیردارانہ ملکیتوں کے لیے مناسب تھا جو زیادہ جمہوری معاشروں کی پیشرو تھیں۔ یہ صنعتی اسمبلی لائن کے لیے مناسب تھا جو حاکمیتی ماڈل سے مطابقت کے لیے تیار کی گئی تھیں جہاں صنعتی مشین میں کارکنوں کو محض ایک پرزہ بننے پر اور بلا حجت احکامات پر سختی سے عمل کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا لیکن یہ ایک جمہوری معاشرے کے لیے قطعاً مناسب نہیں۔

نہ ہی یہ ایک ایسی دنیا کے لیے مناسب ہے جو نت نئے ماحولیاتی مسائل کا شکار ہے۔ کنٹرول کو پیش نظر رکھنے والی حاکمیتی ذہنیت یہ بتانے کی ناکام کوشش کرتی ہے کہ تنگ نظر ٹیکنالوجی ہر مسئلے کو حل کر دے گی اور ہماری پیدا کردہ ہر خرابی کو درست کر دے گی۔'' جیسے کائناتی نقطۂ نظر کو فروغ دے کر فطرت کو جیسے چاہیں کنٹرول کر سکتے ہیں جبکہ یہ ہمارے محدود وسائل کی پہلے سے زیادہ تباہی' بڑھتی ہوئی آلودگی اور ان دیکھے اور ممکنہ طور پر تباہ کن ماحولیاتی نتائج کے خطرات پر منتج ہوتی ہے۔ شراکتی تعلیم نوجوان افراد کو فوری حل نہیں بلکہ طویل مدتی نتائج پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے زیادہ حقیقت پسندانہ انداز میں ماحولیاتی معاملات سے نبٹنے اور نئی ٹیکنالوجی کو ذمہ دارانہ اور مناسب انداز میں استعمال کرنے کیلئے تیار کر سکتی ہے۔ یہ انہیں کلی یا نظامی اصطلاحات میں .... تعلقات کی اصطلاحات میں جن میں دھرتی ماں کے ساتھ ہمارا تعلق شامل ہے سوچنا سکھائے گی۔

شراکتی تعلیم نوجوان افراد کو نئی اصلاح مائل اور خدمت مائل بعد از صنعتی معیشت کیلئے بھی زیادہ بہتر انداز میں تیار کرتی ہے۔ یہاں جیسا کہ تنظیماتی ترقی اور انتظامیات سے متعلق نئے بنائے تربیتی اور سہولتی ''زنانہ'' عناصر خوب نتیجہ خیز ثابت ہوتے ہیں۔ (*7) یہ تمام خصوصیات اور طرز ہائے عمل' خواہ عورتوں میں ہوں یا مردوں میں' حاکمیتی تعلقات کے بجائے شراکتی تعلقات کیلئے زیادہ مناسب ہیں۔ ان زنانہ

اور مردانہ صفات یا طرز ہائے عمل سے ہماری مراد ہمیشہ وہ ورثہ ہوتا ہے جو زیادہ حاکمیت مائل عورتوں یا مردوں میں اصلاً موجود ہوتی ہے۔

زندگی اور معاشرے کے تمام پہلوؤں کو جانچنے کیلئے شراکتی، حاکمیتی تسلسل کو ایک تجزیاتی عدسے کی حیثیت سے مہیا کر کے شراکتی تعلیم ایک ایسی استعداد کو ترقی دینے میں طلبہ کی مدد کرتی ہے جو ہمارے اطلاقی دور کو سہارنے کیلئے ناگزیر ہے۔ جو غیر مربوط منتشر معلومات کا ملغوبہ نظر آتا ہو اس میں ساختوں اور ہیتوں کو شناخت کرنے کی استعداد ہو، یہ چیز اس شعور پر بھی منتج ہو سکتی ہے کہ سماجی ڈھانچے، پالیسیاں اور قوانین ہماری روزمرہ کی زندگیوں پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ بہتر انداز میں شخصی، معاشی اور سیاسی فیصلے کرنے کی نوجوان افراد کی صلاحیت کو تقویت بخشتی ہے۔

سماجی تبدیلی کی حرکیات کی ایک نئی تفہیم کو سہل بنا کر شراکتی تعلیم طلبہ کو سطحی اور ماہیتی تبدیلی میں تمیز کرنے کے قابل بھی بناتی ہے۔ اس طرح ان کے لیے یہ سمجھنا ممکن ہو جاتا ہے کہ ٹیکنالوجی اور ثقافت کے حوالے سے ہمارے دور کا ابال بنیادی مفروضات اور طرز عمل کے سانچوں میں تبدیلیوں کے لیے ایک موقع مہیا کرتا ہے اور یہ کہ ہم اس عمل میں سرگرم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ سیکھنے کے عمل میں ان کی شرکت کو ایک ناپسندیدہ کام کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک لطیف انداز میں ہونے والی مہم کے طور پر ممکن بنائے گا۔

شراکتی عمل

ہم شراکتی تعلیم کے لیے بنیادیں کس طرح استوار کر سکتے ہیں، ہم اپنے کمرۂ ہائے جماعت میں تعلیم یا سیکھنے اور نئے امکانات کی تلاش کے عمل کو لطف آشنا کس طرح بنا سکتے ہیں؟ اس کے لیے بنیادی تعمیری بلاک کیا کیا ہیں؟

جیسا کہ میں نے ابتدائیہ میں بتایا ہے، شراکتی تعلیم کے تین ستون ہیں۔ یہ شراکتی عمل، شراکتی مواد اور شراکتی ڈھانچہ ہیں: ہم تدریس کس طرح کرتے ہیں، ہم کس چیز کی تدریس کرتے ہیں اور ہم کن اقسام کے تعلیمی ڈھانچے تعمیر کرتے ہیں۔

شراکتی تعلیم کا ایک بنیادی مقصد نہ صرف ذہنی طور پر بلکہ تجرباتی طور پر بھی یہ دکھلانا ہے کہ شراکتی تعلقات ممکن ہیں لہٰذا شراکتی عمل یا یہ کہ ہم کس طرح سکھاتے اور سیکھتے ہیں تعلیم کا ایک لازمی جزو ہے۔

بچہ مرکز تعلیم، تعلیم بذریعہ تعاون کی تحریک اور دوسری ترقی پسند تعلیمی تحریکیں، شراکتی تعلیمی عمل کے

لیے پہلے ہی بنیادیں تیار کر رہی ہیں۔ ہم کس چیز کی تدریس کرتے ہیں اس کے بجائے ہم کس طرح تدریس کرتے ہیں پر زور دے کر یہ تحریکیں تعلم سے متعلق تجربات کو فروغ دے رہی ہیں جن میں اساتذہ کنٹرول کرنے کے بجائے آسانی پیدا کرتے ہیں۔ طلبہ اکٹھے مل کر کام کرنا سیکھتے ہیں اور ہر بچے کے ساتھ ہمدردی اور محبت کا سلوک کیا جاتا ہے۔

شراکتی عمل ایک مربوط اسلوب تدریس یا تدریسیات ہے جو طلبہ کو سیکھنے کے متنوع انداز کے حامل مکمل فرد کے طور پر قابل احترام سمجھتا ہے۔ یہ نہ صرف وقوفی یا ذہنی تعلیم کو بلکہ اثری یا جذباتی تعلم کو بھی توجہ کا مرکز بناتی ہے۔ یہ بدنی یا جسمانی تعلم اور ارادی تعلم' عزم یا قوت ارادی کی تربیت' کی اضافی جہات کی اہمیت کو تسلیم کرتی ہے۔ یہ جس چیز کو ہاورڈ گارڈنر ''تکثیری ذہانتوں'' کا نام دیتا ہے اور جس چیز کو راب کیگل ''شراکتی ذہانت'' کہتا ہے ان کی اہمیت کو تسلیم کرتی ہے۔ یہ سیکھنے کے کم خطی زیادہ وجدانی' سیاق وسباق سے متعلق اور کلیتی طریقوں کی تربیت کرتی ہے جسے میری بیلنکی' بلائتھ کلنچی' نینسی گولڈ برگر اور جل ٹرول نے اپنی کتاب' عورتوں کے جاننے کے انداز(8*) میں ''مربوط تدریس'' کا نام دیا ہے۔

شراکتی عمل روزمرہ کے پس منظر میں شراکتی تعلقات کی تشکیل کرتا ہے۔ بچوں کو یہ بتاتے ہوئے کہ ان کی بات سنی جائے گی۔ ان کے خیالات کا احترام کیا جائے گا اور ان کے جذباتی تقاضوں کو سمجھا جائے گا۔ یہ ان تحدیدات اور بداعمالیوں کی تردید میں معاون ثابت ہوتا ہے جو جیسا کہ ماہر نفسیات ایلس ملر اور دوسروں نے دکھایا ہے۔ اب بھی بچوں کی بہتر نگہداشت اور تربیت کے بھیس میں بار بار دہرائی جاتی ہیں۔ یہ خطرات سے دوچار بچوں کے نفسی زخموں کو بھرنے میں مدد دیتا ہے جیسا کہ بہت سے مطالعات یہ بتاتے ہیں۔ ایک ہمدردانہ دخل اندازی کے ذریعے جو ایک ایسی زندگی جو صرف اپنے اور معاشرے کے لیے وقف ہو کر رہ گئی ہے اور ایک ایسی زندگی جو بارآور اور تخلیقی ہے کہ درمیان فرق نمایاں کرتی ہے۔ (9*) شراکتی عمل نہ صرف تعلم اور شخصی ارتقا کو فروغ دیتا ہے بلکہ ایک کم متشدد' زیادہ منصفانہ اور ہمدردانہ معاشرے کی طرف تبدیلی کا سبب بھی بنتا ہے۔

جیسا کہ بیشتر اساتذہ جانتے ہیں بچے ایک ایسے ماحول میں جو سزا اور کنٹرول کے بجائے باہمی ہمدردی اور احترام' تنگ ذہنی کے بجائے کشادہ ذہنی' بے اختیاری کے بجائے بااختیاری پر مبنی ہو۔ بہتر انداز میں سیکھتے ہیں۔(10*) جیسا کہ اساتذہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ایسا ماحول تخلیق کرنے کے لیے اس بات کو تسلیم کرنا ضروری ہے کہ ہم سب ایسے رویوں اور طرز ہائے عمل کے حامل ہوتے ہیں جو راستے کی رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم خود اپنے یا دوسروں کے لیے پرفیکشن کے ناممکن

معیارات اپنالیں، نہ ہی یہ کہ خود کو یا دوسروں کو الزام دینا اور قابل شرم ٹھہرانا شروع کر دیں۔ اس ضمن میں ہم سب ایک جیسے ہیں۔ تنازعات کو غیر متشدد انداز میں حل کرنا سیکھنے میں بچوں کی مدد کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ٹیم میں مل جل کر کام کرتے ہیں جبکہ ہر فرد کو یکساں اہمیت دیتے ہیں اور دوسروں کے ساتھ ان کے اساتذہ سمیت تحمل اور احترام سے پیش آتے ہیں۔

شراکتی تعلیمی عمل کے متعدد پہلوؤں پر کیے گئے مطالعات...... مثلاً بچہ مرکز تعلیم اور تعاون اور اشتراک پر مبنی تعلم .... اس نتیجے پر صاد کرتے ہیں کہ شراکتی عمل ان مقاصد کے حصول میں ممد ہو سکتا ہے۔ محققین جیسے کہ ڈیوڈ ڈبلیو جانسن، سپینسر کیگن اور رابرٹ سیکون بتاتے ہیں کہ جب طلبہ مشترکہ مقاصد کی تکمیل کیلئے اکٹھے ہو کر کام کرتے ہیں اور مؤثر انداز میں ان کی مدد کی جاتی ہے تو وہ ٹیم ورک کے ساتھ ساتھ شخصی جواب دہی کی تحصیل بھی کرتے ہیں جو بعد از جدیدی دور میں کام کرنے کیلئے بہت ضروری ہیں۔(11*) کیلیفورنیا ترقیاتی مطالعاتی مرکز کے محققین کے مطابق جب سکول ''ہمدردی پر مبنی کمیونٹی'' بن جاتا ہے تو طلبہ اور اساتذہ دونوں کیلئے اس کے مثبت نتائج برآمد ہوتے ہیں جن میں زیادہ شخصی تحریک، تنازعات کا غیر متشددانہ حل اور ایثار پسندانہ طرز ہائے عمل شامل ہیں۔(12*)

چھوٹے سکولوں اور خود تحصیلی تعلم کے فوائد کے بارے میں بہت سے مطالعات میں ایسا مواد موجود ہے جو اس نتیجے کو تقویت دیتا ہے کہ شراکتی عمل بہتر نتائج پر منتج ہوتا ہے۔ جیسا کہ رابرٹ گلیڈن نے چھوٹے سکول تحریک: متعلقہ مواد کا جائزہ'' میں بتایا ہے کہ یہ مطالعات یہ واضح کرتے ہیں کہ یہ محض چھوٹا سائز نہیں بلکہ ''طلبہ، اساتذہ اور منتظمین کے مابین موجود تعلقات کی کوالٹی'' بھی ہے جو اس فرق کا سبب بنتی ہے۔(13*) یا جیسا کہ نیویارک کے ایک چھوٹے متبادل سکول میں پڑھنے والے طالب علم نے لکھا ہے کہ ''میں اپنے سکول کو اس لیے بہتر سمجھتا ہوں کیونکہ جو کچھ میں سیکھنا چاہتا ہوں میں وہ سب کچھ سیکھ رہا ہوں۔ مجھے ایک مکمل فرد ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ میرے پہلے کے ہائی سکول میں وہ ہمارے ساتھ بندروں جیسا سلوک کرتے تھے۔ تعلیم یا سیکھنے کے عمل کو خود ہمارے لیے یا خود ہماری دسترس میں ہونے والا عمل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ہمیں ایک کلاس سے دوسری کلاس میں بھیج دیا جاتا تھا۔ وہاں کسی اور چیز کیلئے کوئی جگہ نہیں تھی۔''(14*)

شراکتی تعلیم کے بارے میں کچھ مواد کیفیتی کے بجائے مقداری ہے، مگر آج کل کیفیتی مطالعات کو زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے اور ان کو زیادہ فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ تکثیری ذہانتوں پر ہاورڈ گارڈنر کا کام بھی اسی بات کو تقویت دیتا ہے کہ بچوں کے ساتھ مکمل فرد کے طور پر پیش آیا جائے۔ یہ چیز شراکتی عمل کا ہی

ایک اور جزو ہے۔(*15)

دوسرا اور بہت سا کام شراکتی تعلیم کے مختلف پہلوؤں سے تعلق رکھتا ہے۔مثال کے طور پر جیکولین‘ جی بروکس اور مارٹن جی بروکس کی تفہیم کی تلاش اور مائیکل سٹرانگ کی فکر کی عادت بھی جس چیز کو پاؤلو فریرے نے ''بینکنگ ایجوکیشن'' کا نام دیا ہے اور جس میں اساتذہ طلبہ کے ذہنوں میں صرف اسباق جمع کرواتے ہیں۔اس کے مقابلے میں زیادہ مکالماتی یا سقراطی شراکتی انداز کے فوائد کو سامنے لاتی ہیں۔(*16)

علاوہ ازیں‘ تنظیمی ارتقا اور انتظامیات کے شعبوں سے تعلق رکھنے والا اکثر ادب شراکتی عمل اور ڈھانچے کے فوائد کو ثابت کرتا ہے جسے بعض اوقات آج کل ''تعلم مائل تنظیم'' کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔(*17) اس سلسلے میں ایم آئی ٹی کے ڈیوڈ بوہم اور پیٹر سینج کا کام خاصا معروف ہے۔ ولیم آئزاک نے بھی جس نے ڈائیلوگوس نام کا طریقہ وضع کیا ہے۔کاروبار میں شراکتی عمل کے فوائد کو ثابت کیا ہے(*18) اور الفی کوہن نے صرف مسابقت اور خارجی صلہ دہی اور سزاؤں پر توجہ مرکوز کرنے سے متعلق مسائل کے بارے میں لکھا ہے۔اس کا کام بھی شراکتی ماڈل کے بعض پہلوؤں سے مطابقت رکھتا ہے۔(*19)

شراکتی تدریسی عمل کے کامیاب استعمال کا تذکرہ دوسری مطبوعات میں بھی موجود ہے جن میں کلیتی تعلیم‘ جمہوریت اور تعلیم‘ تعاون پر مبنی تعلیم‘ ارتباط انداز ہائے تعلیم‘ مانٹیسوری لیڈر شپ اور سکولوں پر نظر ثانی‘ جیسے جرائد سے لے کر عیسنسی شنائیڈ ونڈ اور ایلن ڈیوڈسن کی مساوات اور کھلے اذہان(*20) اور رچرڈ ڈوائیلا اور ہم کاروں کی ہمدردی اور مؤثر تعلیم کے لیے تعمیر نو(*22) جیسی کتابیں شامل ہیں۔

اساتذہ جو شراکتی عمل سے کام لیتے ہیں وہ نوجوان افراد کے تجسس کو مہمیز کر سکتے ہیں ان کے ذہنوں میں وسعت لا سکتے ہیں اور نہ صرف حکومتوں اور انتخابات میں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں جمہوریت کو تجرباتی طور پر سمجھنے میں ان کی مدد کر سکتے ہیں۔شراکتی تدریس قبولیت اور تفہیم کے ذریعے‘ ایسے ضابطوں کے ذریعے جو ذہنوں میں خوف کے بجائے احترام کا سبب بنتے ہیں‘ لکیر کی فقیر فرمانبرداری کے بجائے مہم جوئی کے ذریعے سیکھنے میں نوجوان افراد کی مدد کرتی ہے۔شراکتی تدریس آرٹ اور موسیقی‘ ڈرامہ اور شاعری‘ فطرت کے ساتھ ربط اور سب سے بڑھ کر کھیل کے ذریعے غیر زبانی تجربات پر انحصار بھی کرتی ہے۔یہ کھیل چھوٹے بچوں کا حقیقی کھیل بھی ہو سکتا ہے یا زیادہ بالغ ذہنوں کا تصوری کھیل بھی جس میں خود ہمارے اندر اور ہماری دنیا میں موجود لاتعداد امکانات کی تلاش کی جاتی ہے۔

اس قسم کا تعلم نوجوان افراد کو خود سوچنے اور خود اپنے مشاہدات اور تجربات پر بھروسہ کرنے‘ کمرۂ

جماعت میں ذمہ داری کے ساتھ عمل کرنے کے قابل بناتا ہے اور ہمدردانہ اور اخلاقی طرز عمل اپنانے میں ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

شخصی اور سماجی تخلیقیت کی تربیت کر کے یہ انہیں شخصی، سماجی اور ماحولیاتی مسائل سے زیادہ تعمیری و تخلیقی انداز میں نبٹنے کے لیے تیار کرتا ہے۔(23*)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو تدریس طلبہ میں یہ استعدادیں پیدا کرتی ہے وہ ان کے تمام مسائل کو حل کر دے گی۔ بالخصوص نوجوان افراد کے مسائل جو مایوس کن غربت، بیگانگی اور تشدد کے حالات میں زندہ ہیں لیکن بچے میں یہ احساس پیدا کرنا کہ اسے توجہ اور محبت دی جا رہی ہے ایک بڑا فرق پیدا کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ خاص طور پر ایک ایسے موڑ پر جہاں متعدد نوجوان افراد خود کو بے بس اور بے یارو مددگار پاتے ہیں۔(24*)

شراکتی مواد

یہ بات خود اہم ہے کہ شراکتی تعلیمی عمل پر اتنی زیادہ توجہ دی جانے لگی ہے۔ ہم کیا تدریس کرتے ہیں؟ اس میں تبدیلی لائے بغیر نصابی مواد پر یکساں توجہ دیئے بغیر ہم کس طرح تدریس کرتے ہیں؟ اس میں تبدیلی لانا صرف ایک پر کی مدد سے اڑنے کی کوشش کی طرح ہے۔ ہوسکتا ہے ہم زمین سے تھوڑا بلند ہو جائیں لیکن ہم کبھی بھی پرواز کے قابل نہیں ہوسکیں گے ہوروں میں غوطے بھرنا تو دور کی بات ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے کہ بچوں کو بجانے کیلئے ایک خوبصورت ساز تو دے دیا جائے مگر اس بات پر کوئی توجہ نہ دی جائے کہ ہم نے انہیں بجانے کیلئے کوئی نغمہ یا غیر نغمہ بھی مہیا کیا ہے۔

تعلیم میں تبدیلی لانے کیلئے نصابی مواد میں تبدیلی لانا بنیادی چیز ہے جس نصاب کی ہم تدریس کرتے ہیں، وہ ایسی غذا ہے جو ہم بچوں کے ذہنوں کو مہیا کرتے ہیں۔ سوچنے کیلئے اور پھر عمل کیلئے غذا۔ یہی وہ سب کچھ ہے جس کی مدد سے طلبہ ہماری دنیا اور اس میں اپنے مقام کے بارے میں تصورات وضع کریں گے۔ اگر ہم صرف شراکتی عمل پر توجہ دیتے ہیں تو ہم ایک ایسی تعلیم دیتے ہیں جو بچوں کے ذہنوں کو متصادم پیغامات مہیا کرتی ہے اور عمل مواد کی غیر ہم آہنگی کے ذریعے انہیں ذہنی اور جذباتی پریشانی کا شکار بناتی ہے۔ اس کی بڑی خامی یہ ہے کہ ہم انہیں ایسے وقوفی نقشے مہیا کرنے میں ناکام رہتے ہیں جن کی مدد سے انہیں ایک بہتر مستقبل کی تعمیر کرنا ہوتی ہے۔

شراکتی عمل اور شراکتی مواد عملی شراکتی تعلیم کے دو تکمیلی نصف ہیں۔ یہ ناقابل علیحدہ طور پر جڑے

MashalBooks.org

ہوتے ہیں۔اس بات کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے مستقبل کے بچے میں ان دونوں پر توجہ دی گئی ہے۔ یہ شراکتی تعلیمی ڈھانچوں کی تعمیر کی ضرورت کو بھی پیش نظر رکھتی ہے جو شراکتی عمل اور شراکتی مواد کی راہ میں رکاوٹ بننے کے بجائے اسے تقویت دیں گے لیکن ہم کس طرح پڑھاتے ہیں اس میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ اوپر سے نیچے کی طرف آنے والے تعلیمی ڈھانچوں کے بجائے زیادہ شراکتی ڈھانچوں کی تعمیر کیلئے متعدد رہنما خطوط پہلے سے موجود ہیں۔(25*) لہٰذا جو مواد یہاں مہیا کیا جائے گا وہ بنیادی طور پر ہم ''کیا'' پڑھاتے ہیں۔ایک نئے شراکتی نصاب کیلئے بنیادی تعمیراتی بلاکوں پر توجہ دینا ہے۔

آج کل نصابی مواد سے متعلق جاری جنگ یہ جنگ فیصلہ کن طور پر مستقبل کا تعین کرے گی۔ پہلے ہی پورے گھمسان پر ہے۔ایک جانب وہ لوگ ہیں جو ہمارے مسائل کا حل ''روایتی نصاب'' کی طرف واپسی میں سمجھتے ہیں۔ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو چرچ اور ریاست کی آئینی علیحدگی کے خاتمے اور ''مسیحی اقدار'' کی طرف مراجعت کی وکالت کرتے ہیں۔یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جس سے اس تناظر میں بالعموم غلط طور پر ایسے سائنسی نظریات کی تردید کا مفہوم اخذ کیا جاتا ہے جو ان کے نقطۂ ہائے نظر سے مطابقت نہ رکھتے ہوں۔اس میں زیادہ سخت گیر کنٹرول اور سکولوں میں جسمانی سزا سمیت کڑی سزاؤں کے دوبارہ نفاذ کا مفہوم بھی شامل ہے۔ دوسری جانب وہ لوگ جو یہ دلیل دیتے ہیں کہ تغیر پذیر ادوار جو کچھ بچوں کو ''حقیقت'' کے بارے میں پڑھایا جاتا ہے اس میں تبدیلی کا تقاضا کرتے ہیں اور یہ کہ روایتی نصاب کے بعض پہلو بچوں کیلئے کبھی بھی مفید نہیں رہے ہیں۔اس میں متعدد نقطہ ہائے نظر گتھے ہوئے ہیں جن میں ان لوگوں سے لے کر جو موجودہ نصاب کے مخصوص حصوں میں ترمیم چاہتے ہیں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو تبدیلی کے ایک انقلابی وژن کے حامل ہیں مگر عملاً یہ کوششیں بنیادی طور پر اضافوں میں منتج ہوئی ہیں۔ان میں کالوں کی تاریخ کا مہینہ اور عورتوں کی تاریخ کا مہینہ کے ساتھ ساتھ تعلیم برائے جذباتی و ماحولیاتی خواندگی اور تنازعات کے غیر متشددانہ حل کیلئے تعلیم شامل ہیں۔

یہ سب اضافے اہمیت کے حامل ہیں لیکن اکیسویں صدی کی تعلیم ان اضافوں کی نسبت کہیں زیادہ کا تقاضا کرتی ہے۔اہم ہونے کے باوجود یہ اضافے قدیم' فرسودہ کپڑے پر پیوند کی طرح ہیں۔ وہ تہہ میں موجود مسائل کو حل کرنے کے بجائے محض چند علامات کی اصلاح کرتے ہیں۔

تنقیدی تدریسیات' کثیر الثقافتی تدریسیات' نسوانی تدریسیات' ہمدردی کے موضوع پر منظم کی گئی تعلیم' اور تعلیم سے متعلق ایسے ہی دوسرے نئے انداز یہ واضح کرتے ہیں کہ ہم جس چیز سے تعلیم مراد لیتے

MashalBooks.org

ہیں اس کا دوبارہ جائزہ لینے اور اس کا دوبارہ تعین کرنے کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ نیل نوڈنگز نے لکھا ہے۔'' تمام بچوں کیلئے دوسرے انسانوں کے ساتھ ہمدردی کا سیکھنا ضروری ہے اور سب کا اہم ترین معاملہ کسی نہ کسی ہمدردی کا مرکز ہونا چاہئے۔ ذات کے لیے دوسرے اقربا کیلئے رفقاء اور شناساؤں کیلئے دور بسنے والوں کیلئے حیوانوں کیلئے' پودوں کیلئے اور طبعی ماحول کیلئے۔ اشیاء اور آلات کیلئے اور خیالات کیلئے ہمدردی'' لیکن وہ اس بات کی طرف بھی توجہ دلاتی ہیں کہ ''آج کا نصاب زیادہ تر پورے کا پورا آخری مرکز' خیالات' پر منظم ہے۔'' اور اسے بھی ''اتنے برے انداز میں اکٹھا کیا گیا ہے کہ اہم خیالات اکثر دب کررہ جاتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ نام نہاد حقائق اور مہارتوں کے ایک محدود مجموعے پر بے جا زور دے دیا جاتا ہے۔(26*)

یہ چیز ایک نئے نصابی ڈیزائن کا تقاضا کرتی ہے جو نصابی تبدیلی کیلئے ایک مربوط فریم ورک مہیا کرتا ہے۔(27*) اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم جو بھی چیز استعمال کررہے ہیں ہمیں اسے ترک کردینا چاہئے لیکن جیسا آنے والے ابواب میں بتایا جائے گا اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہمیں تہہ سے شروع کرنے اور قدیم اور نئے عناصر دونوں میں سے ایک ایسے نصاب کو تشکیل دینے کی ضرورت ہے جو ہمارے دور کے تقاضوں اور چیلنجوں سے نمٹ سکتا ہے۔

نفسیاتی تحقیق اس نتیجے کو یقیناً تقویت پہنچاتی ہے کہ بچے جو کچھ سیکھتے ہیں وہ بیانیوں اور یکسانیوں سے جو کچھ اخذ کرتے ہیں' وہ نہایت اہم طور پر ان کے رویوں' اقدار اور طرز ہائے عمل کو متاثر کرتا ہے بلکہ سگمنڈ فرائیڈ' کارل ژونگ' الفریڈ ایڈلر' کیرن ہارنی اور اس شعبے کے دوسرے بانیوں کا ایک بنیادی مؤقف یہ رہا ہے کہ ہم خود کو اور دوسروں کو کس طرح دیکھتے ہیں اس کی جڑیں اس میں پیوست ہوتی ہیں کہ ہمیں خود اپنا اور دنیا کا ادراک کس طرح کرنا سکھایا جاتا ہے۔(28*)

حال ہی میں نہ صرف بچوں بلکہ بالغوں کے رویوں اور طرز ہائے عمل پر ٹیلی وژن تشدد کے اثرات کے بارے میں جو تحقیق کی گئی ہے وہ بتاتی ہے کہ ثقافتی بیانیے کس طرح رویوں اور طرز ہائے عمل کی تشکیل کرتے ہیں مثلاً اینن برگ سکول برائے ابلاغیات میں جارج گاربنر اور دوسروں نے اور یوسی ایل اے میں ڈیوڈ لائے اور سراڈ گارنی نے مطالعات کیے ہیں وہ عوامی میڈیا کے سرکردگان کے اس دعوے کو یکسر جھٹلاتے ہیں کہ ان کے پروگرام رویوں اور طرز عمل کو متاثر نہیں کرتے بلکہ ٹیلی وژن صرف خریداری سے متعلق فیصلوں اور طرز ہائے عمل پر اثر انداز ہوتا ہے۔(29*)

ایسے ادب کا بھی ایک دفتر موجود ہے جو بشریات' عمرانیات' سماجی نفسیات' مطالعہ اسطور اور

MashalBooks.org

دوسرے شعبوں سے لیے گئے ثقافتوں بیانیوں کی اثراندازی کی قوت سے تعلق رکھتا ہے۔(30*) ملٹن روکیچ اور جون راک دیل جیسے ماہرین کا کام ہی بتاتا ہے کہ ہماری اقدار کی تشکیل زیادہ تر ان ثقافتی بیانیوں کے ذریعے ہوتی ہے جونسل درنسل منتقل ہوتے ہیں اور انہیں نئے بیانیوں کے ذریعے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔قدیم یونانی حاکمیتی قدریں ذہن نشین کرانے کیلئے تھیٹر کو کس طرح استعمال کرتے تھے۔راک ویل کا اس چیز کا تجزیہ معاصر تفریح کو سمجھنے میں خاصی مدد دیتا ہے۔(31*) اور ملٹن روکیچ کا کام اس حوالے سے اہم ہے کہ یہ واضح کرتا ہے کہ ایسے بیانیوں کے لیے اقدار کو تبدیل کیا جا سکتا ہے جو ظاہری اور شعوری طور پر تسلیم کی جانے والی قدروں جیسے کہ جمہوریت اور مساوات اور مخفی یا غیر شعوری طور پر تسلیم کی جانے والی اقدار جیسے کہ دوسری نسلوں یا سماجی گروپوں کے افراد کے خلاف تعصب کے مابین کشمکش کو اجاگر کرتا ہے۔(32*) قدیم اساطیر پر خود میری تحقیق یہ دکھاتی ہے کہ تنظیم کے حاکمیتی ماڈل کی طرف تبدیلی کے ساتھ مذہبی اور سیکولر اساطیر میں بھی غیر معمولی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔مثلاً چیلیس اور بلیڈ اور مقدس تلذذ دونوں کتابوں میں میں نے ایسی شبیہوں اور بیانیوں کی جن میں عورتیں بااختیار حیثیت کی حامل ہیں ایسی شبیہوں اور بیانیوں میں تبدیلی کا پتہ لگایا ہے جن میں انہیں مردوں کی ماتحتی میں دکھایا گیا ہے۔(33*)

تعلیم پر خصوصی توجہ کے حامل دوسرے مطالعات میں طلبہ کے رویوں، ادراکات اور طرز ہائے عمل پر صنف اور نسل سے متعلق بیانیوں کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ان میں سے بیشتر مطالعات 1960ء اور 1970ء کی دہائیوں سے تعلق رکھتے ہیں جب ان کے لیے فنڈز دستیاب تھے اور ان میں سے بیشتر صرف واحد دخل اندازی، یا زیادہ سے زیادہ ایسی دخل اندازیوں کو زیرغور لاتے ہیں جو چند ہفتوں یا مہینوں کے دورانیوں پر مشتمل تھیں لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ دیکھا یہ گیا کہ متعدد دخل اندازیوں بعض مثبت اثرات کی حامل تھیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صنفی توازن اور کثیر ثقافتیت پر مبنی نصاب حقیقتاً پائیدار نتائج کا سبب بن سکتا ہے۔(34*) مثال کے طور پر آٹھ سے گیارہ برس کی عمر کے طلبہ نے جب افریقہ پر ایک سمیسٹر یونٹ کو پڑھا تو امریکی افریقیوں کی طرف ان کا رویہ ایک ایسے کنٹرول گروپ کی نسبت زیادہ مثبت ہو گیا جنہیں اس نصاب سے آشنا رکھا گیا تھا۔آٹھ ہفتوں بعد جب طلبہ کا امتحان لیا گیا تو تعصب کے حوالے سے تجرباتی گروپ نچلی سطح پر ہی تھا۔(35*)

جیسا کہ جیمز بینک ''کثیر ثقافتی تعلیم: طلبہ کے نسلی اور منفی کرداری رویوں پر اس کے اثرات'' میں لکھا ہے۔دخل اندازیاں سب سے زیادہ نوعمر بچوں میں بالخصوص قبل سکول اور کنڈرگارٹن بچوں میں کامیاب

دکھائی دیتی ہیں۔(36*) مثال کے طور پر نرسری سکول' کنڈرگارٹن اور پہلے درجے کے بچوں کے کھلونوں کی پسند اور کھیل کی ترجیحات سے متعلق 1979ء کی ایک تحقیق کو سامنے رکھیے۔ایک ایسی فلم دیکھنے سے قبل جس میں ایک ماڈل کو غیر منفی کھلونے پسند کرتے دکھایا گیا تھا' بچوں نے اپنی پسندیدگی کے فیصلوں میں شدید قسم کی منفی نوعیت کی روایتی پسند کا مظاہرہ کیا۔فلم دیکھنے کے بعد تجرباتی گروپ میں شامل طلبہ نے اس قسم کے کم فیصلے کیے مگر زیادہ عمر کے بچوں اور لڑکوں نے کم عمر بچوں اور لڑکیوں کی نسبت ایسی روایتی پسند کا زیادہ مظاہرہ کیا۔

تصویری کتابیں بھی اس چیز پر اثر انداز ہوتی ہیں کہ بچے کسی قسم کے کھلونے پسند کرتے ہیں۔ایسی کتابوں کی ورق گردانی کے بعد جن میں کرداروں کو یا تو روایتی یا غیر روایتی کھلونے پسند کرتے دکھایا گیا تھا ان بچوں نے جنھوں نے غیر روایتی کتابوں کی ورق گردانی کی تھی اپنے لیے کم روایتی کھلونوں کا انتخاب کیا۔(37*)

مختصر یہ کہ اگرچہ ابھی تک ایسے مطالعات نہیں کیے گئے ہیں جن میں خصوصی طور پر اس سوال پر توجہ دی گئی ہو کہ ایک مربوط شراکتی نصاب کس قسم کے رویوں اور طرز ہائے عمل کو پروان چڑھاتا ہے تاہم خاصا ادب ایسا ہے جو اس نتیجے کو استحکام بخشتا ہے کہ شراکتی پیرایے شراکتی رویوں اور طرز ہائے عمل کو پروان چڑھا

سکتے ہیں۔

مزید برآں' ایک ایسے سکول' سی ایٹل کے نووا ہائی سکول کے تعلیمی نتائج سے متعلق ڈیٹا جہاں شراکتی تعلیم کو شعوری طور پر استعمال کیا گیا۔اس نتیجے کو تقویت پہنچاتا ہے کہ شراکتی تعلیم کا کلی نظامی انداز

بہترین نتائج کا حامل ہے۔نوواکو نہ صرف تعلیمی ماحول سے متعلق جائزوں میں سی ایٹل کے علاقے کے ہائی سکولوں میں سرفہرست رکھا گیا ہے بلکہ یہ اس بات پر بھی فخر کرسکتا ہے کہ اس کے تحصیل یافتگان کی اکثر تعداد تعلیمی قابلیت کی بنا پر مایہ ناز یونیورسٹیوں تک پہنچنے میں کامیاب رہی ہے۔ یہ نوجوان افراد جو ملے جلے نسلی وقومی پس منظر سے بیشتر غریب خاندانوں سے اور بعض تو بے گھر خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے) زیادہ آ گہی' حساسیت اور انسانی ذمہ داریوں کے شدید احساس کے حامل بھی ہیں جیسا کہ نووا کے اساتذہ اس بات کی تصدیق کریں گے اور جیسا کہ میں نے خود حال ہی میں اس سکول کے دورے کے دوران مشاہدہ کیا۔ (جو شراکتی تعلیمی ترقی سے متعلق مرکز برائے شراکتی مطالعات کے پائلٹ مقامات

زہرہ کی شبیہیں

(اے) یورپی حجری دور کی شبیہہ جسے وینس آف ویلنڈارف کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ تقریباً تیس ہزار سال پرانی ہے۔

بشکریہ: جان میسن

(بی) اسرائیل' بیرخت رم سے ملنے والی مشرق وسطیٰ کی شبیہہ یہ دولاکھ تیس ہزار سال پرانی ہے۔

بشکریہ: جان میسن

MashalBooks.org

میں سے ہے۔)

شراکتی ڈھانچہ

نووا سکول شراکتی عمل اور مواد کے مفید نتائج کی ایک بہترین مثال ہے۔ یہ اس بات کو بھی ثابت کرتا ہے کہ ایک ایسا اندازِ نظر بہترین نتائج کا سبب بن سکتا ہے جو شراکتی عمل، مواد اور ڈھانچے کو مربوط بنانے کی اہلیت رکھتا ہے۔

نووا میں وہ بنیادی انتظامی ادارہ جو سکول کی پالیسی اور قواعد وضع کرتا ہے اس کا دروازہ طلبہ اور اساتذہ دونوں کے لیے کھلا ہے۔ اس سکول میں سکول کے قواعد کی تشکیل اور نفاذ میں طلبہ بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ عمل نہ صرف ذمہ داری کی حوصلہ افزائی کرتا ہے بلکہ یہ جمہوری عمل اور قیادت کے براہ راست تجربے کا موقع بھی فراہم کرتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے شراکتی ڈھانچے کے بنیادی عناصر اوپر سے نیچے آنے والے حاکمانہ تنظیمی ڈھانچے کے بجائے جمہوری اور مساوات پر مبنی تنظیمی ڈھانچہ، مردانہ غلبے کے بجائے صنفی توازن اور حاکمیتی ماڈل کے بدسلوکی اور تشدد پر مبنی تقاضے کے مقابلے میں غیر متشدد اور باہمی ہمدردی اور احترام کے حامل تعلقات ہیں۔ جب تعلیمی ادارے اس ڈگر پر چلتے ہیں تو ان کا ڈھانچہ شراکتی تعلقات کا نمونہ بن جاتا ہے اور شراکتی عمل اور مواد دونوں کو مستحکم کرتا ہے۔

ایسے سکولوں میں جو اصلاً حاکمیتی ماڈل کی طرف مائل ہیں، طلبہ اور اساتذہ کے لیے جمہوریت کا عملی تجربہ انتہائی مشکل ہے۔ نہ ہی وہ اپنی زیادہ سے زیادہ صلاحیتوں کو استعمال میں لانے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ کاروباری دنیا کئی دہائیوں سے تنظیمی ترقی اور انتظامیات کی تحقیق کے حوالے سے اسی بات کی طرف توجہ دلا رہی ہے۔(38*) اسی کی پیروی کرتے ہوئے متعدد کامیاب کارپوریشنیں بتدریج اوپر سے نیچے آنے والے نظام مراتب کو ختم کر رہی ہیں، میں اس عمل کو بیوروکریسی کے خاتمے سے موسوم کرتی ہوں۔

تعلیمی اداروں پر بھی یہی اصول لاگو ہوتا ہے تاہم ایک شراکتی ڈھانچے سے ایک مکمل افقی تنظیم مراد نہیں ہے۔ حاکمیت کے نظام مراتب اور تشکیلیت کے نظام مراتب کے درمیان ایک فرق موجود ہے۔ حاکمیت کے نظام ہائے مراتب کا نفاذ اور بقا خوف پر مبنی ہوتی ہے۔ ان کی بقا کا سبب وہ قوت ہوتی ہے جسے ایسے معاشروں میں مقدس قرار دینے کے ساتھ ساتھ نصب العین کا درجہ بھی دیا جاتا ہے جو بنیادی طور پر حاکمیتی ماڈل کی طرف جھکاؤ کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ قوت تکلیف پہنچانے، زخمی کرنے اور قتل کرنے کی

MashalBooks.org

قوت ہے۔ اس کے مقابلے میں تشکیلیت کے نظام ہائے مراتب' بنیادی طور پر کسی کے اوپر قوت پر نہیں بلکہ کچھ کرنے کی قوت (تخلیقی قوت' دوسروں کو مدد اور حوصلہ دینے کی قوت' کے ساتھ ساتھ دوسروں کے ساتھ مل کر کچھ کرنے کی قوت (اکٹھے ہو کر کسی کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی اجتماعی قوت' جسے آج کل ٹیم ورک کہا جاتا ہے) تشکیلیت کے نظام ہائے مراتب میں جواب دہی نہ صرف نیچے سے اوپر کی طرف بلکہ اوپر سے نیچے کی طرف بھی سفر کرتی ہے۔ مراد یہ کہ جواب دہی دونوں سمتوں میں سفر کرتی ہے۔

با الفاظ دیگر شراکتی ماڈل کی طرف جھکاؤ رکھنے والے تعلیمی ڈھانچے' کسی ڈھانچے یا مداخلت سے تہی نہیں ہوتے۔ یہ بھی منتظمین منیجر' لیڈر اور دوسری اسامیوں کے حامل ہوتے ہیں جہاں مخصوص فرائض اور وظائف کے لیے ذمہ داری کا تعین کیا جاتا ہے۔(*39) تاہم لیڈر اور منیجر جبر کے لیے نہیں بلکہ تحریک کیلئے ہوتے ہیں۔ وہ بے اختیار بنانے کے بجائے بااختیار بنانے والے ہوتے ہیں اور یوں تنظیم کیلئے اپنے تمام اراکین کے علم اور مہارتوں تک رسائی اور انہیں کام میں لانے کے عمل کو ممکن بناتے ہیں۔

یہاں میں یہ اضافہ کرنا چاہتی ہوں کہ شراکتی ڈھانچے ایسے ڈھانچوں کے مساوی نہیں جن پر سب کا اتفاق ہو' اگرچہ کچھ صورتوں میں مؤخرالذکر فائدہ مند ہو سکتے ہیں مگر سب کے متفق ہونے کا عمل واقعتاً ایسے افراد کی حاکمیت پر منتج ہو سکتا ہے جن میں توجہ حاصل کرنے کی طلب پوری نہیں ہوتی ہوگی۔ اگرچہ شراکتی ڈھانچوں میں حقیقی شراکتی جمہوریت پر خاص زور دیا جاتا ہے لیکن کسی کام کو تکمیل تک پہنچانے کے ذمہ دار افراد یا ٹیم' باہمی بحث و مباحثے کے بعد اسے انجام دینے کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔

شراکتی سکولی ڈھانچے مختلف افراد اور گروہوں کے مابین تعاون کو سہل بناتے ہیں مگر پھر وہی بات اور یہ بھی ایک اہم نکتہ ہے کہ شراکت ایک تنظیمی سانچے کی حیثیت سے تعاون یا اکٹھے ہو کر کام کرنے کے مساوی نہیں۔ لوگ حاکمیتی ماڈل کی طرف نمایاں جھکاؤ رکھنے والے معاشروں' اداروں اور تنظیموں میں بھی اکٹھے مل کر کام کرتے ہیں مثلاً دوسری قوموں پر حملہ کرنے کیلئے' اقلیتوں کو اذیت دینے کیلئے یا کاروباری حریفوں کو شدید قسم کی مقابلہ بازی میں سے باہر نکال دینے کیلئے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ تعلقات کے شراکتی ماڈل میں کوئی مقابلہ بازی یا کشمکش نہیں تاہم شراکتی ماڈل میں کشمکش کو جیتنے یا ہارنے والوں یا کون حاکم بنتا ہے اور کون محکوم کا انتخاب کرنے کیلئے استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ ایسے تخلیقی حل تک پہنچنے کیلئے کام میں لایا جاتا ہے جو صلح پسندی سے اوپر اٹھ کر اعلیٰ تر نصب العین تک پہنچتے ہیں اور مقابلہ بازی کا مقصد عمدگی کا حصول اور دوسرے فرد یا گروپ کی تحصیلات کو ایک محرک یا ترغیب کے طور پر کام میں لانا ہوتا ہے تاکہ ایک شخص اپنی زیادہ سے زیادہ صلاحیتوں کی

تکمیل کرسکے۔

شراکتی سکولی ڈھانچوں میں' نوجوان افراد سکول کے کچھ ضابطوں کی تیاری کی ذمہ داری بھی نبھاتے ہیں اور وہ اس چیز کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں کہ انہیں مناسب احترام دیا جا رہا ہے۔اس طرح ان میں ایسی عادتوں کو فروغ ملتا ہے جو ایک ایسی بعد از خلقی اطلاعاتی معیشت میں زیادہ سے زیادہ صلاحیتوں کو کام میں لانے کیلئے ضروری ہیں جہاں ذمہ داری کا نبھانا' لچک' اور تخلیقیت نہایت لازمی ہیں۔اس کا زیادہ فوری نتیجہ ممکنہ طور پر باہمی احترام پرمبنی' غیر متنازعہ اور یقیناً غیر متشددانہ سکول کے ماحول کی صورت میں نکلتا ہے۔اس مفروضے کے باوجود کہ نوجوان فطرتاً باغی ہوتے ہیں ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ جب طلبہ کو یہ احساس ہو کہ ان کی بات سنی جاتی ہے اور ان کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کیا جاتا ہے اور اپنے سکول کے چلانے میں ان کا فائدہ یا نقصان ہوسکتا ہے تو اس کا امکان کم ہوتا ہے کہ وہ اس طرح کے طرز عمل کا مظاہرہ کریں گے......جیسا کہ اس قسم کے ڈھانچے میں بغاوت کا مطلب ایسے ضابطوں سے بغاوت ہوگا جن کی تشکیل میں خود انہوں نے اہم کردار ادا کیا ہوتا ہے۔

شراکتی سکولی ڈھانچہ نہ صرف کلاس کے حجم میں کمی کے ذریعے بلکہ ٹیم تدریس جیسی اختراعات کے ذریعے بلند تر استاذ' طالب علم تناسب کا تقاضا بھی کرتا ہے۔اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ ہمارے سکولوں کو بہت زیادہ مالی اور سماجی تعاون کی ضرورت ہے۔اگرچہ اچھی تدریس کی کمی نہیں لیکن اس کے مقابل یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے سکول سٹاف اور فنڈز کی کمی کا شکار ہیں۔

تعلیمی عمل' مواد اور ڈھانچے کے ضمن میں شراکتی' حاکمیتی ماڈل تسلسل کی مثالیں

حاکمیتی ماڈل: اقدار اور ستون	شراکتی ماڈل: اقدار اور ستون
استاد معلومات اور علم کا واحد سرچشمہ ہے	استاد اور طالب علم کا علم اور تجربہ قابل قدر ہے
تعلم اور تدریس کو مصنوعی طور پر ٹکڑوں اور حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔	تعلم اور تدریس مربوط اور کثیر شعبہ جاتی ہوتی ہیں
نصاب مرد مرکز ہے' قیادت اور فیصلہ سازی مرد کی دسترس میں ہوتی ہے	نصاب' قیادت اور فیصلہ سازی صنفی توازن پر مبنی ہوتی ہیں

MashalBooks.org

انسانی تجربے کی کثیر ثقافتی حقیقت کو قابل قدر سمجھا جاتا ہے اور اسے تعلم کے ایک ذریعے کے طور پر کام میں لایا جاتا ہے۔	ایک ثقافت کا کائناتی نقطہ نظر وہ پیمانہ ہوتا ہے جس کی مدد سے دوسری ثقافتوں کا تجزیہ کیا اور جائزہ لیا جاتا ہے۔
سماجی اور طبعی علوم دوسرے افراد اور فطرت کے ساتھ ہمارے ربط باہمی پر زور دیتے ہیں۔	سماجی اور طبعی علوم افراد اور فطرت کی تسخیر پر زور دیتے ہیں۔
باہمی ذمہ داری، غمگساری اور ہمدردی کو نمایاں کیا جاتا اور نمونہ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔	کنٹرول، سازباز اور ایک فرد کی بالادستی کو نمایاں کیا جاتا اور نمونہ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔

سکول ایک سیکھنے والی کمیونٹی کی حیثیت سے

ہمارے بچوں کو جس طرح کی تعلیم کی ضرورت سے اسے تخلیق کرنے کے لیے ہماری سماجی اور معاشی پالیسیاں زیادہ دیر تک تعلیم کو نظر انداز نہیں کر سکتیں۔ ہمیں بہتر تنخواہ اور اساتذہ کی نشوونما، تعلیم اور اعانت کو جاری رکھنے کے لیے زیادہ فنڈز، دونوں کے ذریعے اساتذہ کی قدرومنزلت کو زیادہ سے زیادہ سماجی قبولیت دینی ہوگی۔ جب تعلیم میں نئی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوں تو اساتذہ کو پرفکر تیاری اور جائزوں کے لیے دوسرے پیشہ ور ماہرین کے ساتھ مل کر نصابی تبدیلی کے لیے اور تربیت کے لیے زیادہ وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہمیں معیاری امتحانی نمبر دہی پر توجہ مرکوز کرنے کے بجائے اس بات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ بچے اپنی منفرد صلاحیتوں کو کس طرح اجاگر کر سکتے ہیں۔ ہمیں متعدد سکولوں میں پہلے ہی استعمال کئے جانے والے شراکتی عمل اور مواد کے مختلف عناصر کو مستحکم کرنے اور تعمیر کرنے کی ضرورت ہے اور جیسا کہ بعض لوگوں کی تجویز ہے، اپنے پبلک سکول سسٹم کو ختم کرنے کے بجائے ہمیں اپنے سکولوں میں بیوروکریسی کا خاتمہ کرنا چاہئے تاکہ یوں نہ صرف ان کے حجم کو کم کیا جائے بلکہ ان کی اس طرح تعمیر نو بھی کی جائے کہ وہ حاکمیتی تنظیموں کے بجائے شراکتی تنظیموں سے زیادہ مشابہت حاصل کر سکیں۔ کیا منتظمین، اساتذہ، سکول کے صلاح کاروں اور دوسرے عملے کے ساتھ عزت واحترام سے پیش آتے ہیں؟ کیا پالیسیوں سے متعلق فیصلہ سازی میں شراکتوں سے کام لیا جاتا ہے؟ کیا طلباء کو اس عمل میں شامل کیا جاتا ہے؟ کیا والدین کے لیے حوالہ جاتی نظام دستیاب ہیں تاکہ وہ سماجی ایجنسیوں اور کمیونٹی کے دوسرے

وسائل تک رسائی حاصل کر سکیں؟ کیا والدین اور دوسرے نگرانوں کے لیے تعلیمی اور صلاح کاری کے مواقع موجود ہیں جو بچوں اور ان کی مزید نشو ونما کے لیے مفید مطلب ہوں (مثلاً تعلیم میں والدین کے کردار کے حوالے سے ورکشاپس جہاں والدین مسائل اور ان کے حل سے متعلق باہمی تبادلہ خیال کر سکتے ہوں)؟ کیا اساتذہ کی معاونت کے لیے سماجی ایجنسیوں اور کمیونٹی کے دوسرے وسائل سے استفادے کی سہولت موجود ہے تا کہ وہ بچوں کی نہ صرف ذہنی بلکہ جذباتی نشو ونما کی بڑھتی ہوئی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں اور اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ بچوں کی بنیادی ضروریات جیسے کہ اچھی غذا اور صحت کی سہولیات پوری ہو رہی ہیں اور یہ کہ ہر بچے کی منفرد صلاحیتیں نکھار پا رہی ہیں؟ کیا کمیونٹی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے تعلیم کو کمیونٹی میں لے جانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں؟

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے سکول شراکتی تعلقات کو تقویت دیں اور ان کا نمونہ بنیں تو سکولوں اور ان کی کمیونٹی اور فطری ماحول دونوں کے درمیان دوطرفہ تعلق پر بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ میں یہ چاہوں گی کہ ہر سکول میں والدین کے لیے ایک ریسورس سنٹر مہیا ہو اور ہر کمیونٹی کے کچھ سکولوں میں سماجی خدمات دستیاب ہوں۔ میں یہ چاہوں گی کہ لوگوں کی آبادی سے دور رکھنے کے بجائے کمرہ ہائے جماعت کی عمارات کمیونٹی کے اندر واقع ہوں۔ میں یہ چاہوں گی کہ سکول چھوٹے ہوں' 350 طلباء سے زیادہ تعداد نہ ہو اور جہاں ممکن ہو اس سے بھی کم تعداد ہو۔ یہ چیزیں میرے اس وژن کا حصہ ہیں جس میں سکول ایک سیکھنے والی کمیونٹی کی حیثیت رکھتے ہیں اور جہاں ہر بچہ افزائش پا سکتا ہے اور پھل پھول سکتا ہے۔

جیسا کہ شیلڈ مینکس اور مارک پیرس لکھتے ہیں جس چیز کی اشد ضرورت ہے وہ ایک ایسا سکول ہے ''جو گلی کے دباؤ اور گھر کی سختی کا مؤثر تریاق' تحفظ' منضبط تعلّم اور شخصی افزائش کی جنت ہو سکتا ہے۔ ایک ایسا سکول جو بچے کے تحفظ' تعلیم اور محبت کے حقوق کا ضامن ہو۔'' (40) چونکہ سکولوں میں ان ضروریات کو پورا کرنے کی زیادہ اہلیت موجود ہے مگر چونکہ وہ اس کے لیے کمر بستہ نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ مینکس اور پیرس سماجی سرمایہ کاری کا مطالبہ کرتے ہیں جو اس بات کو ممکن بنا سکتی ہے کہ سکول' کمیونٹی کے سماجی مرکز بن جائیں' یعنی ایک ایسا میکانزم جس کی مدد سے معاشرہ پریشان حال گھرانوں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے اور ان کے لیے مدد کی دستیابی کو یقینی بنا سکتا ہے۔'' (41)

یہ ایک بڑا مثالی منصوبہ معلوم ہوتا ہے مگر یہ مستقبل کے شراکتی سکولوں کے وژن کا حصہ ہے: منصوبہ بندی اور عمل کرنے کا وژن' میرا خیال ہے کہ یہ ایک ایسا وژن ہے جو شراکتی تعلیم کے ذریعے سکولوں کے

تبدیل ہونے کے ساتھ بتدریج پایہ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے۔ لیکن اس کا تقاضا ہے کہ پورا معاشرہ تمام بچوں کے حوالے سے اپنی ذمہ داری کو تسلیم کرے۔

ہمیں دنیا بھر کے بچوں کی ضروریات، پریشانیوں اور امیدوں کو سمجھنے کی خاطر اپنی آنکھوں کو کھلا

رکھنے کی، مروجہ اصولوں کو زیرغور لانے کی اور ایک روشن خیال، ہمدردی پر مبنی عالمی پبلک ایجوکیشن کے ذریعے آنے والی نسلوں کے شراکتی مستقبل کے معمار بننے کی جرأت درکار ہے۔ مختلف خطوں اور ثقافتوں کے تقاضوں کے مطابق ڈھلنے کے بعد شراکتی تعلیم، تعلم کو دوبارہ توجہ کا مرکز بنانے، اس کی تعین نو اور تشکیل نو کے لیے ایک بلیو پرنٹ ثابت ہو سکتی ہے تاکہ یہ اپنی مکمل انسانیت کو اجاگر کرنے اور ہمارے فطری مسکن کو محفوظ رکھنے میں بچوں کی مددگار بن سکے۔

تعلیم کو تبدیل کرنا ایک بڑا اہم مقصد ہے۔ بلاشبہ کچھ لوگ اسے تنقید کا نشانہ بنائیں گے، اس کی مخالفت کریں گے یا اسے ناممکن ٹھہرا کر رد کر دیں گے لیکن تلاش وتحقیق اور تخلیقی خطرات کے ذریعے اور شراکتی اصولوں اور وژن کے ساتھ وابستہ رہ کر ہم شراکتی تعلیم کو حقیقت بنا سکتے ہیں۔ یہ نہ صرف ضروری ہے بلکہ قابل عمل بھی ہے۔ بشرطیکہ ہم اکٹھے ہو کر اور قدم بہ قدم ایک ایسی تعلیم کی بنیاد رکھیں جو اس بہتر مستقبل تک پہنچنے کیلئے اکیسویں صدی کو ایک پل کے طور پر تعمیر کر سکتی ہے جس کے ہم سب تمنائی ہیں۔

اس کتاب کے استعمال کے لیے تجاویز

جب میں کوئی کتاب پڑھتی ہوں تو اکثر اس کے مصنف سے مکالمہ بھی کرتی ہوں۔ بعض اوقات میں شدت سے اتفاق کرتی ہوں، بعض اوقات اختلاف کرتی ہوں، بعض اوقات سوالات اٹھاتی ہوں، میں خط کشیدہ کرتی ہوں، نوٹ لکھ کر ساتھ لگاتی ہوں اور خالی جگہوں پر اپنی رائے لکھتی ہو۔ ''ہاں'' یا ''ناممکن'' سے لے کر ایسے خیالات بھی جنہیں کتاب تحریک دیتی ہے۔

میں آپ سے بھی یہی چاہوں گی کہ آپ بھی اس کتاب کے ساتھ ایسا ہی مکالمہ کریں۔

میں یہ تجویز بھی دینا چاہوں گی کہ اپنی تدریس میں اور طلباء، رفقائے کار، منتظمین، والدین اور دوسروں کے ساتھ شراکتی تعلیم کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے مکالماتی انداز اپنانے پر غور کریں۔

مکالماتی انداز سے میری مراد محض بحث ومباحثہ نہیں۔ یہ اصطلاح سوچنے، گفت وشنید کرنے اور باہمی تعامل کے انداز کو بیان کرتی ہے جو دو یا زیادہ افراد کے مابین معلومات کے آزادانہ بہاؤ کو سہل بناتا ہے اور یوں مسلمہ سمجھے جانے والے مفروضات کو سطح پر آنے میں مدد دیتا ہے۔ مکالماتی ابلاغ شراکتی عمل کا جزو لاینفک ہے کیونکہ یہ کم از کم وقتی طور پر ہی سہی دنیا کے بارے میں مختلف نقطہ ہائے نظر کو زیرغور لانے کے عمل کو ممکن ضرور بناتا ہے۔

مثال کے طور پر بجائے اس کے کہ آپ طلباء سے معلومات کو بار بار دہرانے کے لیے کہیں ایسے

سوالات پوچھنے کے بارے میں سوچیئے جن کا ''صحیح'' جواب ہاں یا نہ میں نہیں ہے بلکہ اس کے بجائے انہیں سوچنے پر اکسائیے۔ شراکتی تعلیم کار جم نائٹ نے چند سوالات تیار کیئے ہیں جو یہ ہیں۔ اس سے آپ کو کس چیز کا خیال آتا ہے؟ آپ اس کے بارے میں کیسا محسوس کرتے ہیں؟ آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ ممکن ہے؟ کیا اسے دیکھنے کا کوئی اور انداز بھی ہے؟ کیا چیز آپ کو ایسا کرنے سے باز رکھے گی؟

اس انداز سے آپ مکالمے کے لیے خاصی جگہ پیدا کر سکتے ہیں۔ غلط جواب دینے کے خوف کی جگہ نئے خیالات اور امکانات کھوجنے کی مسرت لے لیتی ہے۔ جب متصادم نقطہ ہائے نظر سطح پر آجائیں تو انہیں سمجھنا اور جاننا ممکن ہو جاتا ہے۔

بعض اوقات ایسے معاملات کو سمجھنے کے لیے جو ہمارے لیے تکلیف دہ ہوتے ہیں گہرائی میں جا کر جانچنا اہم ہوتا ہے۔ میں نے اس انداز کو بالخصوص منفی مسئلے پر گفتگو کے ضمن میں مفید پایا ہے۔ کچھ ابتدائی جھنجھلاہٹ کے بعد لوگ بالعموم ایسے مختلف تناظرات کی آزادانہ کھوج کے عمل سے محظوظ ہونے لگتے ہیں جو ایک دوسرے کی فکر کو مہمیز بھی کرتے ہیں۔

یہ کتاب جو متعدد چیلنج پیش کرتی ہے ان میں سے ایک مغالطہ ان لوگوں تک نئے تناظرات کے ابلاغ کی ضرورت سے تعلق رکھتا ہے جو ایک ایسے اصول میں جکڑے ہوتے ہیں جو ان کے لیے ان تناظرات کو دیکھنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور بناتا ہے۔ یہ مخمصہ ایسے لوگوں کے ساتھ شراکتی ماڈل سے متعلق علم کے باہمی تبادلے میں کارفرما ہے جو شراکتی ماڈل کی حقیقت کا انکار کرتے ہیں کیونکہ وہ اس مفروضے کو درست سمجھتے ہیں کہ ''انسانی فطرت'' صرف حاکمیتی انداز کے تعلق کے لیے موزوں ہے۔

درحقیقت ہم سب کا سامنا ایسے بیانوں سے رہا ہے جو تعلق کے شراکتی انداز کو زیادہ سے زیادہ غیر اہم بنا کر پیش کرتے ہیں اور متعدد روایتی نصاب اب بھی حاکمیتی مفروضات کی ترسیل کرتے ہیں جبکہ شراکتی مفروضات کا ذکر صرف نامناسب انداز میں ہوتا ہے۔

یہی سبب ہے کہ میں نے اس کتاب میں متبادل شراکت تقویتی بیانوں کو توجہ کا مرکز بنایا ہے اگرچہ میں یہ چاہوں گی کہ ان متبادلات کو مناسب اہمیت دی جائے لیکن میرا مطلب یہ نہیں کہ متعدد متنوں میں پائے جانے والا مواد جو حاکمیتی اصول کو تقویت دیتا ہے۔ مکمل طور پر اس کتاب میں دیئے گئے مواد سے بدل دیا جائے۔ میرا مقصود یہ ہے کہ طلباء؛ اساتذہ اور دوسرے افراد شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کو تجرباتی آلات کے طور پر استعمال کر کے مکالماتی گفتگو کو فروغ دیں۔

جیسا کہ ہم میں سے بیشتر لوگوں کا یہ تجربہ ہے کہ جب مسلمہ سمجھے جانے والے مفروضات واضح ہو کر سامنے آ جائیں تو ہمارے لیے انہیں قبول کرنے‘ مسترد کرنے یا ان میں ترمیم کرنے کا انتخاب کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔ انتخاب کی آزادی شراکت کے لیے مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ شریک کار ہمیشہ اتفاق یا اختلاف کرنے کے انتخاب میں آزاد ہوتے ہیں۔ یہ چیز علم کا باہمی تبادلہ کس طرح کیا جاتا ہے کے ضمن میں بہت سے مضمرات کی حامل ہے کیونکہ انتخاب کرنے کا موقع مہیا کئے بغیر کسی بھی طرح کی تنقیدی فکر ممکن نہیں ہو سکتی۔

جب نیا ڈیٹا اور نئے تناظرات سامنے آتے ہیں تو ہمارے اصولوں یا خود اپنے اور دنیا کے بارے میں ہمارے انداز ہائے نظر پر نظر ثانی ضروری ہو جاتی ہے۔ اسے ایسے مکالماتی انداز کے استعمال سے مؤثر طور پر انجام دیا جا سکتا ہے جو ہماری ذہنی‘ جذباتی اور روحانی نشوونما کے دروازے کھول کر ہمارے لیے اکٹھے ہو کر علم کی جستجو اور تعمیر کو ممکن بناتا ہے۔

MashalBooks.org

تعلیم کی تعیین و تشکیل نو

بنیادی ڈیزائن

بچوں کو انسان ہونے کا کیا مطلب ہے کہ ہم انہیں اچھا اور شفیق، غیر متشدد اور مہربان ہونے کا سبق دیتے ہیں۔ لیکن ہر طرف وہ میڈیا پر جو کچھ دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں اور کہانیوں میں جو کچھ پڑھتے ہیں وہ ہمیں برے، ظالم، متشدد اور خود غرض کے طور پر پیش کرتا ہے۔

عوامی میڈیا پر ایکشن، تفریح اور خبریں دونوں میں توجہ کا مرکز مارنے پیٹنے اور قتل کرنے پر ہے۔ ٹاک شو انسانی درماندگی پر انحصار کرتے ہیں۔ وقوعاتی کامیڈی، بے حسی، سخت گیری اور بے رحمی کو مزاحیہ ڈرامہ کی حیثیت سے پیش کرتی ہے حتیٰ کہ بچوں کے کارٹون بھی تشدد کو مستقلاً صرف سنسنی خیز اور مزاحیہ بلکہ ایسا بنا کر پیش کرتے ہیں جو حقیقی نتائج کا حامل نہیں ہے۔

ہمارا میڈیا بھی وسیع تر کلبیت کو فروغ دیتا ہے اور جیسا کہ خبروں، ٹاک شو اور بہت سے "ہپ" تفریحی پروگراموں میں دکھایا جاتا ہے کوئی بھی کالم نگار لیونارڈ پٹس کے مطابق کسی بھی چیز پر یقین نہیں کرتا" نہ تو عدمیت پسند ریپر پر جو گلی گلی ریپ موسیقی بیچتا ہے، نہ بدمعاش ایتھلیٹ پر جو ڈھیروں کماتا ہے، نہ ہی اس سیاستدان پر جس کے چہرے پر حقارت آمیز مسکراہٹ اور آنکھوں میں خلوص کی چمک ہوتی ہے"(1) بھلائی چاہنے والا اور خون روتا ہوا دل" جیسی پر تحقیر ترکیبیں ہمدردی اور سرگرم فعالیت کو سطحی اور احمق نہ قرار دے کر مسترد کرتی ہیں۔ نانو ریاست کی ترکیب ایک تضحیکی اصطلاح بن چکی ہے جو نہ صرف حکومتی اہلکاروں کے حوالے سے نامناسب بلکہ غیر مردانہ کی حیثیت سے بھی ہمدردی کے لیے حقارت کا اظہار کرتی ہے۔

میڈیا پر سیاسی کوریج میں معاملات کے بجائے اس بات پر زیادہ زور دیا جاتا ہے کہ کون جیتا اور کون ہارا' یا جیسا کہ ڈیبورا ٹینن نے اپنی کتاب استدلالی ثقافت میں لکھا ہے کہ ''کون اوپر ہے اور کون نیچے' مختصراً ہمارے بیشتر عمومی مکالمے کی تشکیل تعلقات کے حاکمیتی ماڈل کی اصطلاحات میں ہوتی ہے جس میں جیسا کہ ٹینن نے بھی توجہ دلائی ہے' مردانگی کے ایک سخت اور غصیلے آدرش کو ایک اصولی آدرش کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔(2) اخلاقیات کے بارے میں آج کی بیشتر گفتگو بھی اشتعال اور ابال پر مبنی ہے جس میں اصل اخلاقیات کے مرکزی اصول یعنی قدیمی ''سنہرے اصول'' کے بجائے تادیب وسزا پر زور دیا جاتا ہے: دوسروں کے ساتھ ویسا سلوک کرو جیسا تم چاہتے ہو کہ وہ تمہارے ساتھ کریں۔

یہ سب کچھ بچوں کو خود اپنی ایک بگڑی ہوئی تصویر دکھاتا ہے اور انسان ہونے کا کیا مطلب ہے اس کی غلط تصویر کو درست کرنے کے بجائے ہمارے سکول اور اتواری سکول کے متعدد نصابات واقعتاً اسے تقویت دیتے ہیں۔ اگرچہ ابتدائی درجوں میں اساتذہ مل بانٹنے' ہمدردی' دیانت داری اور عدم تشدد کی قدروں کا سبق پڑھاتے ہیں لیکن اس پیغام کو نہ صرف مقبول عام تفریح بلکہ بے رحمی' عیاری اور تشدد سے معمور نرسری گیت اور پریوں کی کہانیاں تلپٹ کر دیتی ہیں۔ بعدازاں سکول کا نصاب اس تضاد کو مزید ہوا دیتا ہے۔ تاریخ جس انداز سے پڑھائی جاتی ہے اس میں لڑائیوں اور جنگوں' یہ الفاظ دیگر تشدد پر زور دیا جاتا ہے۔ ہومر کی ایلیڈ اور شکسپیئر کی بادشاہوں کی ٹریٹیاجی جیسے کلاسیک ''بہادرانہ تشدد'' کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں اور دنیا کے بارے میں ایک ایسے نقطہ نظر کو پیش کرتے ہیں جس میں حکمران اور جنگجوؤں کو ہی قابل ذکر شخصیات سمجھا جاتا ہے۔

سائنسی کہانیاں بچوں کو یہ بتاتی ہیں کہ ہم ''مطلبی جینوں'' کے ہاتھوں میں ارتقا کے سٹیج پر دست و گریباں کٹھ پتلیوں کی طرح ہیں اور مذہبی حکایات بچوں کو یہ سبق دیتی ہیں کہ ہم ایک ایسی نوع ہیں جو ''گناہ ازلی'' کی شکار ہے اور جس کی کوئی تلافی ممکن نہیں یہ کوئی کم حیرانی کی بات نہیں کہ کتنے ہی بچے اور بڑے متصادم پیغامات کا نشانہ بنے ہوئے ہیں اور اس چیز کو خانوں میں تقسیم کرنے کا سبق سیکھتے ہیں جسے وہ علم اور صداقت کے طور پر قبول کرتے ہیں۔

اس سے بھی خطرناک بات یہ ہے کہ اس قسم کی تعلیم ایسے لوگوں کو جنم دیتی ہے جو حاکمیت اور کنٹرول کو آسانی سے قبول کر لیتے ہیں۔ اگر ہم اصلاً متشدد' برے اور خود غرض ہیں تو ظاہر ہے کہ ہمیں سزاؤں اور سزاؤں کے خوف کے ذریعے سختی سے کنٹرول کرنے کی ضرورت ہے۔

ایسے بیانیے جو ''انسانی فطرت'' کے بارے میں ایک منفی تصویر مہیا کرتے ہیں حاکمیتی

MashalBooks.org

اسطوریات میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں، تاہم اگر نوجوان افراد کو زندہ رہنے کے جمہوری، پرامن، مساوات پسندانہ اور دھرتی کے احترام پر مبنی انداز سیکھتے ہیں تو یہ سراسر غیر مناسب ہیں اگر آج اور کل کے بچے ایک بہتر مستقبل چاہتے ہیں بلکہ اگر وہ کوئی بھی مستقبل چاہتے ہیں تو یہ انداز سیکھنا نہایت ضروری ہے۔

ہم اس بات کو کیسے یقینی بنا سکتے ہیں کہ بچپن اور لڑکپن کے تشکیلی برسوں کے دوران تعلیم نوجوان افراد کے سامنے انسان ہونے کا کیا مطلب ہے، کی کم بگڑی ہوئی، کم منفی اور زیادہ درست تصویر پیش کرے؟ ہمیں کیا کرنا چاہیئے کہ یہ تصویر تمام بچوں کی شمولیت کو ممکن بنائے۔ یعنی یہ کہ یہ انسانیت کے دونوں نصفوں، عورت و مرد کی تاریخ، ضروریات، مسائل اور آرزوؤں کو مربوط کرے اور یہ کہ ایمیلی سٹائل کے الفاظ میں یہ خود ہمارے تجربات کا عکس بھی دکھائے اور ایک ایسا دریچہ بھی مہیا کرے جس کے ذریعے ہم مختلف نسلوں اور قوموں کے افراد کے تجربات کو بھی دیکھ سکیں؟

ہم تعلیم کی تشکیل نو کس طرح کریں کہ ہم کیا پڑھاتے ہیں اور کس طرح پڑھاتے ہیں کی تعمیر اس چیز کے گرد کی جا سکے جسے نیل نوڈنگز ہمدردی کی اہلیتوں کا نام دیتی ہیں۔ اپنی ذات کے لیئے دوسرے اقربا کے لیئے، دنیا کے دوسرے لوگوں کے لیے اور فطری دنیا کے لیے ہمدردی؟ (4) ہم تعلیم کی تعین نو کے لیے کیا طریقے اختیار کریں جو ایسے بحرانوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے مؤثر انداز میں نوجوان افراد کی مدد کر سکیں جو ان کے مستقبل کے لیے خطرہ ہیں؟ انہیں کس چیز کی ضرورت ہے تا کہ وہ اکیسویں صدی کی طرف گامزن ہو سکیں جہاں تمام بچے اپنی لامحدود صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں؟

شراکتی تعلیم تین بڑے مقاصد کو ذہن میں رکھتے ہوئے فوری اہمیت کے ان سوالات کو ایک نئے تناظر میں رکھ کر دیکھتی ہے۔

- پہلا مقصد ایک صحت مند، ہمدرد، اہل، خود تکمیل کے قابل بالغ بننے میں بچے کی مدد کرنا ہے۔
- دوسرا مقصد ان میں ایسا علم اور مہارتیں پیدا کرنا ہے جو ماحولیاتی، معاشی اور سماجی انقلابات کے اس دور میں انہیں زندہ رہنے کے قابل بنا سکے۔
- تیسرا مقصد نوجوان افراد کو اس طرح تیار کرنا ہے کہ وہ خود اپنے لیے اور آنے والی نسلوں کے لیے زیادہ شخصی، سماجی، معاشی اور ماحولیاتی ذمہ داری اور ہمدردی پر مبنی ایک پائیدار مستقبل تخلیق کر سکیں۔ یعنی ایک ایسی دنیا جس میں انسان اور ہمارے فطری مسکن کو قابل قدر سمجھا جاتا ہو اور قدیم سے چلے آنے والے تشدد اور ناانصافی کو ''بس ایسے ہی چلتا ہے'' سمجھ کر قبول نہ کر لیا جاتا ہو۔

MashalBooks.org

شراکتی اور حاکمیتی اقدار

دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح میں بھی جب اخبار اٹھاتی ہوں اور بچوں کے بارے میں یہ سرخی دیکھتی ہوں کہ بچے دوسرے بچوں کو ظلم کا نشانہ بنا رہے اور قتل کر رہے ہیں تو میں دل شکستہ ہو کر رہ جاتی ہوں۔ میں وحشیانہ بے رحم ویڈیو گیمز دیکھ کر اکثر سکتے میں آ جاتی ہوں کہ یہ تشدد و ہلاکت ہی تو سکھا رہی ہیں۔ میں لڑکوں کو ان کے ساتھ کھیلتے اور اپنی فراواں ثقافت کے دوسرے پہلوؤں کو دیکھتی ہوں کہ یہ ہمدردی کے جذبے کو سرد و مردہ کر رہے ہیں۔ میں میڈیا کی جانب سے متعدد بچوں میں زیادہ سے زیادہ مادی فوائد کی خواہشات پیدا کئے جانے پر بھی تشویش کا شکار ہوں۔

بہت سے عوامل ان مسائل کے ساتھ دوسرے معاصر مسائل کو جنم دینے کا سبب ہیں لیکن یہ تو ایک سامنے کی بات ہے کہ ہمارا تعلیمی نظام بچوں کو درست اقدار کا سبق نہیں دے رہا ہے۔

والدین اور اساتذہ کے لیے بچوں کو بے رحمی اور بے حسی کے بجائے شفقت اور احساس، جبر اور نابرابری کے بجائے جمہوریت اور مساوات اور ماحولیاتی غیر ذمہ داری کے بجائے ماحولیاتی ذمہ داری جیسی درست اقدار کے بارے میں بتانا کافی نہیں۔ اہم چیز یہ ہے کہ ہمارے گھر اور سکول کس چیز کو نمونے کے طور پر پیش کر رہے ہیں اور خود سکول کا نصاب اقدار سے متعلق کیا پیغام دے رہا ہے۔ بلاشبہ کچھ لوگ یہ دلیل دیں گے کہ بچوں کو اقدار کا سبق دینا سکولوں کا نہیں صرف والدین کا کام ہے۔ لیکن سب سکول اقدار کا سبق دیتے ہیں۔ یہ خواہ واضح ہو یا مضمر، شمولیت کے ذریعے ہو یا عدم شمولیت کے ذریعے تمام تعلیمی نصاب سماجی تعلقات کے بارے میں متعدد مفروضات پر مبنی ہوتے ہیں: یعنی اس چیز سے متعلق ہوتے ہیں کہ کیا تھا، کیا ہے اور کیا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا معاملہ یہ نہیں کہ آیا سکولوں کو اقدار کا سبق دینا چاہئے بلکہ یہ ہے کہ سکولوں کو کس قسم کی اقدار کا سبق دینا چاہئے۔

بچے پیدائشی طور پر متجسس ہوتے ہیں۔ سیکھنے، مفہوم و تکمیل کی اپنی ضرورت کو پورا کرنے، تخلیقیت اور ہمدردی کی اپنی بے اندازہ صلاحیتوں کو کام میں لانے کے بھوکے ہوتے ہیں۔ اس چیز کا بیشتر حصہ جسے بچے علم و صداقت کی حیثیت سے اپنے ذہن کا حصہ بناتے ہیں گرد و پیش موجود زندہ دنیا کے ساتھ ان کے باہمی تعامل کے ذریعے غیر ارادی طور پر تشکیل پاتا ہے۔ بالخصوص نوعمر بچے جس چیز کا نمونہ ان سے سیکھتے ہیں۔ بہ ایں سبب شراکتی عمل، طلباء اور اساتذہ کا ہمدردی اور احترام پر مبنی باہمی تعامل جو ہمدردی کے لیے ہماری انسانی استعداد کو سرد خانے میں ڈالنے کے بجائے زیادہ گہرائی کا حامل بناتا ہے بہت زیادہ

اہمیت اختیار کر لیتا ہے۔ شراکتی ڈھانچے کا بھی یہی معاملہ ہے: سیکھنے کے لیے ایک سازگار ماحول جو احترام اور ہمدردی پر مبنی تعاملات کا نمونہ بھی پیش کرتا ہے اور انہیں تقویت بھی دیتا ہے۔ ایک سکول جس سے والدین اور کمیونٹی کے دوسرے ارکان معلومات اور مدد کے لیے رجوع کر سکتے ہوں جسے بلکہ خود پوری کمیونٹی کی مدد حاصل ہو۔

لیکن بچے دنیا اور اس میں اپنے مقام کے بارے میں جو کچھ سیکھتے ہیں اس کے بیشتر حصے کی ان تک ترسیل علم اور صداقت کی حیثیت سے سکولوں میں اور عام ثقافت کے ذریعے ہوتی ہے۔ درحقیقت مطالعات یہ بتاتے ہیں کہ بچے اپنے سکولوں اور اپنے عام ثقافتی ماحول میں جو کچھ سیکھتے ہیں وہ اسے بھی منسوخ کر سکتا ہے جو کچھ انہیں اپنے سامنے کے ماحول میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ ایلینر میکوبی اور کیرل نیگی جیکلن کی جنسی اختلافات کی نفسیات میں بیان کی گئی نوعمر لڑکی کی مثال ملاحظہ کیجئے جس کا یہ اصرار تھا کہ صرف لڑکے ڈاکٹر بن سکتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ اس کی اپنی ماں ایک فزیشن تھی۔(5)

جیسے جیسے بچے بڑے ہوتے ہیں اور ان کی وقوفی صلاحیتوں میں زیادہ پختگی پیدا ہوتی ہے شراکتی تعلیمی مواد کی اہمیت بھی بڑھتی جاتی ہے۔(6) اس مرحلے پر جب وہ اپنے اور اپنے سامنے موجود وسیع تر دنیا کے بارے میں زیادہ آگہی حاصل کرتے ہیں' جب وہ واضح طور پر یہ سوچنا شروع کر دیتے ہیں کہ صحیح یا غلط' نارمل یا غیر نارمل' اہم یا غیر اہم کیا ہے تو نوجوان افراد کو ایسے بیانوں کی ضرورت پیش آتی ہے جو انسان دوست اور ماحول دوست اقدار کی تشکیل میں ان کی مدد کر سکتے ہوں۔ آج تو اس کی اہمیت اور بھی زیادہ ہے کیونکہ ہماری عام اور روایتی ثقافت میں ایسا بہت کچھ موجود ہے جو اس سے متصادم ہے یا یہ اقدار' معیارات اور اخلاقیات کے بارے میں زیادہ متضاد اور پریشان کن پیغامات کی ترسیل کرتا ہے۔ نوجوان افراد کو اکثر یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ ہمیں صرف جابرانہ کنٹرول یا کسی بھی قسم کے معیارات' اخلاقیات یا اخلاقی اصولوں کے فقدان کے درمیان انتخاب کرنا ہے۔ دراصل آج کل اس دوسرے نقطہ نظر کا پرچار نہ صرف عام ثقافت میں بلکہ بعض دانشورانہ حلقوں جیسے کہ اختیار پسندی اور علمی ثقافتی اضافیت کی انتہائی صورتوں میں بھی بہت زیادہ کیا جاتا ہے۔

ایک ایسا نصاب جو نوجوان افراد کو شراکتی اور حاکمیتی ماڈل کی متقابل ہیئتوں میں امتیاز کرنا سکھاتا ہے وہ متصادم پیغامات کے ذریعے چھان پھٹک اور اقدار سے متعلق موجودہ پریشان خیالی کی تعدیل کو بھی ممکن بناتا ہے۔ یہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ معاملہ یہ نہیں کہ حاکمیتی کنٹرول کی طرف واپس جایا جائے یا تمام معیارات سے بغاوت کر دی جائے بلکہ ایسے معیارات کی تشکیل و تطبیق کا ہے جو ہمارے گھرانوں'

سکولوں، کارگھوں، آبادیوں اور پوری دنیا میں شراکتی تعلقات سے مناسبت رکھتے ہوں۔

میرا خیال ہے کہ ہم جو فیصلے کرتے ہیں ان کی ذمہ داری ہم سب پر آتی ہے لیکن درست انتخاب کرنے کے لیے ہمیں متبادلات کو سمجھنے کی ضرورت پڑتی ہے اور تعلیم کے اہم وظائف میں سے ایک نوجوان افراد کو انفرادی اور سماجی دونوں حیثیتوں سے اپنے متبادلات کے پورے سلسلے کو سمجھنے کے قابل بنانا ہے۔

شراکتی ماڈل پر مبنی ایک نصاب اس بات کی تفہیم کو ممکن بناتا ہے کہ حاکمیتی تعلقات ناگزیر نہیں اور یہ کہ قابل عمل شراکتی متبادلات موجود ہیں۔ یہ نوجوان افراد کی روزمرہ زندگیوں اور پوری دنیا دونوں سے متعلق وسیع تناظر کو ان کے سامنے لاتا ہے۔ جو یہ بتاتا ہے کہ دو بنیادی انسانی امکانات کے طور پر شراکتی اور حاکمیتی ماڈل کے درمیان کشمکش پوری انسانی تاریخ کا تعین کرتی ہے۔

وضاحت اس کی یہ ہے کہ تاریخ کے مطالعے میں شراکتی حاکمیتی تسلسل کو ایک تجزیاتی عدسے کی حیثیت سے استعمال کرنے کی اہلیت سیکھ کر طلباء معاشی ایجادات جیسے کہ غلامی اور زرعی غلامی کا جو کہ قدیم معاشروں کی پیداوار تھیں اور حاکمیتی ماڈل سے قریبی مماثلت رکھتی تھیں (اور اس طرح ''کمتر'' گروہوں کے لیے آزادی کو قابل قدر نہ سمجھتی تھیں) شراکتی ماڈل سے زیادہ مماثلت رکھنے والی معاشی ایجادات جیسے کہ ٹریڈ گلڈ اور لیبر یونین سے موازنہ کر سکتے ہیں جو اس وقت وجود میں آئیں جب محنت کش معاشی حاکمیت کی روایات کو چیلنج کرنے لگے۔ وہ قدیم روم کے اس کاروباری اصول ''خریدار ہوشیار باش'' کا اشیاء پر درج ان تنبیہات سے موازنہ کر سکتے ہیں جو صارف کے مفاد کا تحفظ کرنے والے گروہوں کے منظم اقدامات کا نتیجہ تھیں، یہ گروپ کاروبار کے لیے فروخت کی ایسی آزادی کہ ان معاملات سے قطع نظر وہ جو چاہیں کریں، کے بجائے اخلاقیات اور انسانی بہبود کو زیادہ قابل قدر گردانتے تھے۔ یوں وہ اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ سماجی ڈھانچے اقدار پر کتنا اثر رکھتے ہیں اور یہ کہ درست اقدار غیر درست اداروں اور معمولات کو تبدیل کرنے میں کس طرح افراد کو تحریک دے سکتی ہیں۔

طلباء یہ بھی جان سکتے ہیں کہ کس طرح قوانین حاکمیتی یا شراکتی اقدار کو لاگو کر سکتے ہیں۔ مثلاً چونکہ یورپی قرون وسطیٰ میں عورتوں کی آزادی اور برابری کو کوئی وقعت نہ دی جاتی تھی لہٰذا قوانین عورتوں کو آزادی اور برابری دونوں سے محروم رکھتے تھے بلکہ شوہروں کو بیویوں کی پٹائی کی اجازت بھی دیتے تھے۔ یہ معمول بعض سخت مرد حاکمیتی ممالک جیسے کہ ایران اور افغانستان میں اب بھی قانونی طور پر جائز سمجھا جاتا ہے۔ وہ اس قسم کے قوانین کا موازنہ ان قوانین سے کر سکتے ہیں جو عورتوں کے لیے جائیداد کی ملکیت اور کنٹرول، ووٹ دہی کسی عہدے کے لیے انتخاب لڑنا اور گھریلو تشدد سے کچھ نہ کچھ تحفظ حاصل کرنے کو

ماتا دیویاں

(اے)اس میں کتال ہولوک کی دیوی کو جنم دینے کے عمل سے گزرتے دکھایا گیا ہے۔ بشکریہ شراکتی انداز: زندگی اور تعلم کے نئے آلات' از ریان آئس لز' وڈیوڈ لوئی۔ اصل پر مبنی تصویر کشی از جان میسن۔

(بی) مانئے الیگرے' برازیل سے ملنے والی یہ 11000 ہزار سال پرانی چٹانی تصویر جس میں جنم دینے کے عمل کو دکھایا گیا ہے۔ امریکاؤں کے قدیم ترین آرٹ کا ایک نمونہ ہے۔ بشکریہ: نیوز ویک' 26 اپریل' 1999ء سن (53)

(سی) آئیوری کوسٹ میں ملیؤ' نائیجیریا میں' الا اور مالی میں موسو کورونی کونڈائی' کے طور پر جانی جانے والی خالقہ کی یہ شبیہ فطرت' انسانوں' اور ثقافت کی نمائندگی کرتی ہے اور اسے وہ جو تمام کو جنم دیتی ہے' کی حیثیت سے معظم و مکرم سمجھا جاتا ہے۔

بشکریہ: جان میسن

MashalBooks.org

ممکن بناتے ہیں اور یہ جان سکتے ہیں کہ عورتوں کے لیے آزادی اور برابری کے حامی یہ قوانین عورتوں کی مسلسل منظم کوششوں کے نتیجے میں تشکیل دیئے گئے تھے۔

وہ شمسی توانائی (ایک غیر مرکزی ٹیکنالوجی جو ممکنہ طور پر ہر ایک کے لیے دستیاب ہوسکتی ہے بشرطیکہ اس میں اس نقطہ نظر سے ایک مرتبہ سرمایہ کاری کردی جائے کہ یہ لوگوں کی رسائی میں ہو اور ان کے لیے کارآمد بھی ہو) کا موازنہ نیوکلیئر توانائی (جو ہماری بقا اور صحت کے لیے خطرناک ہونے کے علاوہ مرکزی آپریشن اور کنٹرول کا تقاضا کرتی ہے) کے ساتھ کرسکتے ہیں اور وہ یہ دیکھ سکتے ہیں کہ کس قسم کا سماجی و معاشی نظام' شراکت یا حاکمیت کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھنے والا' توانائی کے ایک سرچشمے کے طور پر شمسی یا نیوکلیئر توانائی کی ترقی کے لیے فنڈز مہیا کرنے کو ترجیح (اور یوں زیادہ وقعت) دے گا۔

مختصراً ایک شراکتی نصاب ایسی اقدار کے سیکھنے میں نوجوان افراد کی مدد کرسکتا ہے جو پائیدار اور انسانی طرز ہائے حیات سے مناسبت رکھتی ہوں۔ یہ ایسے معیارات کی تشکیل میں ان کی مدد کرسکتا ہے جو ماحولیاتی اور سماجی ذمہ داری اور انسانی حقوق سے متعلق احترام پر مبنی ہوں اور ان معیارات کی روشنی میں فیصلے کرنے میں بھی ان کی مدد کرسکتا ہے۔ یہ ایسی اہلیتوں کے سیکھنے میں ان کی مدد کرسکتا ہے جو رول ماڈل کے ذریعے شراکتی اخلاقیاتی اور اخلاقی معیارات کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہیں۔ یہ اول ماڈل سیکھنے' پھلنے پھولنے' تخلیق کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ باہمی مدد اور ہمدردی پر مبنی تعلقات استوار کرنے کی ہماری لاتعداد صلاحیتوں کو اجاگر کرسکتے ہیں۔

شراکتی اور حاکمیتی ڈھانچے

جب شیرون ٹامس نے اپنی چوتھے گریڈ کی کلاس میں شراکت کے تصور کو متعارف کروایا تو انہوں نے ایسے کھیلوں سے ابتدا کی جو اس تناظر کے مقابلے میں کہ زندگی جیتنے اور ہارنے والوں کے مابین کشاکش کا نام ہے ایک مختلف تناظر کا ابلاغ کرتے ہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ رفاقتی کھیل جیسے کہ ''منجمد بین بیگ'' (جس میں آپ اپنے سر پر ایک بین بیگ رکھتے ہیں اور اگر یہ گر جائے تو آپ وہیں ''جم'' جاتے ہیں اور یہ کھیل صرف اسی صورت میں جاری رہ سکتا ہے جب کوئی دوسرا شخص یہ بیگ آپ کے سر پر رکھے) پسندیدہ اور مزید ارثابت ہوئے۔(7)

جب اربن پال تھیچر ایڈلیفسن اپنے ہائی سکول کی ''امریکی حکومت اور معاشیات'' کی کلاس میں شراکت کے تصور سے متعارف ہوا تو اس نے دنیا کے بارے میں اپنے نقطہ نظر میں ہونے والی تبدیلیوں کو

بالصراحت ایک مضمون میں بیان کیا۔ یہ مضمون یونیورسٹی کے گریجوایٹ کے معیار کا ہے۔ اس کا عنوان تھا ''صدر کلنٹن کا سٹیٹ آف دی یونین ایڈریس: ایک شراکتی تجزیہ'' اس میں ''نیچے سے اوپر'' گراس روٹ ذرائع اور مردوں' عورتوں' ہیرو اور حکومت کی ایک نئی تعریف کے ذریعے تشدد اور دوسرے معاصر مسائل کے حل کی تلاش پر زور دیا گیا تھا۔ (8)

دوسرے طلباء اور اساتذہ کا بھی یہ خیال ہے کہ شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کے تجزیاتی سانچوں کے استعمال سے ڈھانچوں کی شناخت کی جو مہارتیں انہوں نے سیکھیں وہ ان کے تمام مطالعات میں اور ان کی زندگیوں میں سرایت کر گئیں۔ جب طلباء اس نئے تناظر سے دنیا کو دیکھ لینا سیکھ لیتے ہیں تو ان کی تنقیدی صلاحیتیں ابھر آتی ہیں۔ وہ ان معاملات میں دلچسپی لینے لگتے ہیں جو قبل ازیں دور از کار اور غیر متعلق معلوم ہوتے تھے اور وہ ان صورتوں کو بھی سمجھنے لگتے ہیں جو بار بار وقوع پذیر ہوتی ہیں۔

تاہم جیسا کہ نابیناؤں اور ہاتھی کی کہانی میں ہوتا ہے یہ صورتیں صرف اسی وقت ہی دیکھی جا سکتی ہیں جب ہم ایک وسیع تر تصویر کو نظر میں رکھیں جو ہماری ساری زندگیوں (پبلک اور نجی دونوں دائرے) اور ساری انسانیت (اس کے نسوانی اور مردانہ دونوں نصف) کو پیش نظر رکھتی ہے۔ وہ نابینا شخص جس کا ہاتھ ہاتھی کی سونڈ پر پڑا اس نے اسے چمڑے کا ایک سانپ قرار دیا تھا۔ وہ جس کا ہاتھ اس کی ٹانگ پر پڑا اس نے اسے ایک ٹھوس ٹیوب یا مینار قرار دیا تھا۔ اسی طرح صرف کسی ایک شعبے پر شخصی تعلقات کے بارے میں نفسیات' معاشی تعلقات کے بارے میں معاشیات' سیاسی تعلقات کے بارے میں علم سیاست وغیرہ اور ایک وقت میں صرف کسی ایک تاریخی دور پر توجہ مرکوز کرنا کھڑکی سے باہر دیکھنے کی طرح ہے جس سے پورے منظر نامے کے صرف ایک مختصر سے حصے کو ہی دیکھا جا سکتا ہے اور اگر ہماری نظر انسانیت کے صرف ایک نصف کو دیکھنے سے مزید محدود ہو جاتی ہے جیسا کہ قریب قریب تمام روایتی مطالعات پر صادق آتا ہے جنہیں درست طور پر ''سٹڈی آف مین'' کہا جاتا ہے تو ہم نصف سے زیادہ تصویر کو کبھی دیکھ نہیں سکتے۔

پوری تصویر کو نظر میں لا کر ہم یہ جان سکتے ہیں کہ پہلی نظر میں جو معاشرے مختلف معلوم ہوتے ہیں انیسویں صدی کے افریقہ کی مسائی جیسا قبائلی معاشرہ' بیسویں صدی کے نازی جرمنی یا سٹالن کے سوویت یونین جیسا صنعتی معاشرہ اور خمینی کے ایران یا یورپی قرون وسطیٰ کا مذہبی معاشرہ' ان کی اصل ہیئت واقعتاً ایک ہی ہوتی ہے۔ ان تمام کی خصوصیت استبدادی حکومت ہے جو گھر اور قبیلے یا معاشرے دونوں میں' ایذا کے خوف' کڑی مردانہ حاکمیت (9) اور بچوں اور بیوی کی پٹائی سے لے کر بے قصوروں کو قربانی کا

بکرا بنانے اور جنگ تک سماجی طور پر جائز سمجھے جانے والے شدید قسم کے تشدد پر مبنی ہوتی ہے۔ ہم یہ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ وقت، مقام اور روایتی طور پر زیر مطالعہ آنے والی اکائیوں سے بلند ہو کر شراکتی ماڈل کی طرف بنیادی جھکاؤ رکھنے والے معاشروں کی اصل ساخت بالکل مختلف ہوتی ہے۔ جیسا کہ سیکنڈے نیویا کی معاصر قوموں، قبائلی معاشروں جیسے کہ ٹیڈ والے (10) اور ماقبل تاریخی معاشروں جیسے کہ مائنونی کریٹ سے واضح ہوتا ہے، یہ اصل ہئیت ایک زیادہ جمہوری اور مساوات پسند خاندان اور سماجی تنظیم اور عورتوں اور مردوں کے درمیان ایک زیادہ مساوی شراکت، سماجی نظام میں تشدد کو جائز سمجھنے اور ایک نصب العین کی حیثیت دینے کے ضروری ساخت کی عدم موجودگی پر مشتمل ہوتی ہے۔ کیونکہ حاکمیت کی کڑی درجہ بندی کو مسلط یا برقرار رکھنا ضروری نہیں ہوتا۔ مزید براں عقائد، اسطور اور اقدار کے نظام کے بجائے جو حاکمیتی ہئیت کو نارمل، بلکہ اخلاقی بنا کر پیش کرتا ہے، ان معاشروں کی آئیڈیالوجی کے نظام، ان بیانیوں سمیت جو اس بات کا تعین کرتے ہیں کہ ''انسانی فطرت'' کیا ہے۔ شراکتی سماجی ڈھانچے کو نہ صرف پسندیدہ بلکہ ممکن کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ (شراکتی، حاکمیتی تسلسل کی بنیادی ہئیت کی تفصیل کے لیے گزشتہ باب میں شکل 1.2 ملاحظہ کیجئے)۔

طلباء کے لیے بعض مسیحی بنیاد پرستوں کی ''روایتی خاندانی اقدار'' کی طرف واپسی کی بات کے حوالے سے ان روابط کی تفہیم نہایت اہم ہے۔ دراصل عیسائیت کے پردے میں جس چیز کی وکالت کی جا رہی ہے وہ استبدادی، مرد حاکمیتی اور تادیبی خاندانی تعلقات ہیں۔

باوجودیکہ حضرت عیسیٰ کی تعلیمات میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس قسم کے خاندانی ڈھانچے کے حق میں جاتی ہو۔ (11) فکر و احساس کی عادات (اور عقائد اور اقدار بھی) جو ہمارے خاندانی تجربات کے ذریعے غیر شعوری طور پر تشکیل پاتی ہیں، ہم جس قسم کے تعلقات کو ممکن، نارمل اور اخلاقی سمجھتے ہیں اس کے لیے بنیادی ذہنی اور جذباتی بلوپرنٹ مہیا کرتی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ استبدادی معاشرے تاریخی طور پر استبدادی خاندانوں کے حق میں رہے ہیں جبکہ جمہوری معاشروں کے لیے جمہوری خاندان بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر اقوام متحدہ کے سال برائے خاندان کا نعرہ خاندان کو جمہوری معاشرے کے قلب میں متمکن ایک چھوٹی سی جمہوریت قرار دیتا ہے۔

یہ ایک المیہ اور ستم ظریفی ہے کہ حاکمیتی سوشلائزیشن اور اس کے ساتھ غیر جمہوری، بدسلوکی اور تشدد پر مبنی تعلقات کی نہ صرف نارمل بلکہ اخلاق کی حیثیت سے غیر شعوری قبولیت، بلا سوچے سمجھے ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتی رہی ہے۔ ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ ایسے بچے جن کا انحصار بالخصوص

MashalBooks.org

بدسلوکی کے عادی بالغوں پر ہوتا ہے اپنے بچوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھتے ہیں کیونکہ خود انہوں نے محبت کو جبر اور بدسلوکی کے ساتھ منسوب کرنا سیکھا ہوتا ہے۔ ان میں سے بیشتر بچے ایسے نفسیاتی دفاعی میکانزم کا استعمال بھی سیکھ جاتے ہیں جیسے کہ بازداشتہ تکلیف اور غصے کا انکار اور کمزور سمجھے جانے والوں پر اس کا انصراف، بعض اوقات ان کا رخ خود اپنی طرف کرلیا جاتا ہے۔ خاص طور پر عورتیں ایسا ہی کرتی ہیں کیونکہ وہ یہ سمجھتی ہیں کہ غصہ ایک مردانہ اختیار ہے۔ عام طور پر ان کا رخ دوسروں کی طرف ہوتا ہے جیسے کہ دوسروں کو ڈرانا دھمکانا' انہیں قربانی کا بکرا بنانا اور جذباتی وجسمانی تشدد کی دوسری صورتیں جو حاکمیتی نفسیات کی درست تربیت کا خاصہ ہوتی ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ حاکمیتی نظاموں میں صدمے کو ایک ادارے کی شکل دی جاتی ہے یا تو جسمانی تکلیف اور / یا جذباتی بدسلوکی کے ذریعے' تذلیل اور مردانہ اختیار کی تکلیف دہ رسومات کے ذریعے یا زندگی کے تمام شعبوں میں مادی اور جذباتی دونوں قسم کی بقا کی مصنوعی قلت کی پیدائش کے ذریعے (12) حاکمیت کے کڑے نظام ہائے مراتب کو اسی طرح برقرار رکھا جاتا ہے۔ مختصراً ایسے حالات جو تکلیف اور اشتعال کا سبب ہوتے ہیں حاکمیتی نظاموں کی ساخت کا حصہ بنا دیئے جاتے ہیں (باب 4 میں ''حاکمیت کا استقرار'' ملاحظہ کیجئے)۔

کوئی معاشرہ یا دور حاکمیتی یا شراکتی ہئیت کی طرف جس درجہ جھکاؤ رکھتا ہے اسی قدر ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں پر اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً ''انسانی حقوق'' کا تصور جو شراکتی ماڈل کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ قرون وسطیٰ کے دوران ناپید تھا۔ اگرچہ شراکتی عناصر (جیسے کہ خدا کی رحم دل ماں کی حیثیت سے حضرت مریم کی تکریم یا عشقیہ نغمہ نگاروں اور ان کے نسوانی مماثلین کا درباری عشق اور شجاعت کے تقاضے) کو داخل کرنے کی غیر مسلسل کوششوں کا پتا ملتا ہے۔ مگر قرون وسطیٰ کا زیادہ جھکاؤ استبدادی' مرد حاکمانہ اور انتہائی متشددانہ سماجی تنظیم جو حاکمیتی ماڈل کا خاصہ ہوتی ہے کی ہئیت کے باہمی عمل اور تقویت کی طرف تھا۔ اساتذہ کے لیے اس بات پر زور دینا اہم ہے کہ کوئی بھی خاندان' معاشرہ یا تنظیم مکمل طور پر شراکتی یا حاکمیتی ہئیت کی طرف جھکاؤ نہیں رکھتی۔ جیسا کہ باب 1 میں بتایا گیا ہے جو کچھ ہمارے پیش نظر ہے وہ ایک تسلسل' ایک درجہ بندی کے معاملہ ہے۔ مثال کے طور پر جو معاشرے حاکمیتی ماڈل کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھتے ہیں وہ ہمیشہ شراکتی عناصر کو بھی ساتھ رکھتے (شامل' تبدیل کرتے اور کام میں لاتے) ہیں کیونکہ یہ عناصر (مثلاً محبت) زندہ رہنے کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ مزید براں ہم محض اسباب ونتائج کا نہیں بلکہ باہمی طور پر فعال اور تقویت دینے والے عناصر کا جائزہ لے رہے ہیں جو کسی

نظام کے بنیادی کردار کو برقرار رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔

شراکتی تعلیم پر مبنی نصاب کے ذریعے اساتذہ انسانی تعلقات کو قریبی سے لے کر بین الاقوامی تعلقات تک کو ایک کل کی حیثیت سے دیکھنے اور ان کے باہمی ربط اور نفسیاتی حرکیات کو زیر بحث لانے میں طلباء کی مدد کر سکتے ہیں۔ زیادہ کلی یا نظامیاتی انداز وقوفی (ذہنی) ذہانت اور جذباتی (اثری) ذہانت کی ترقی میں نوجوان افراد کے لیے مددگار ہو سکتا ہے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ یہ انہیں ہمارے مشکلات سے پر دور میں بہتر انداز میں زندہ رہنے اور اسے بہتر انداز میں سمجھنے اور ایک ایسی دنیا کی بنیاد رکھنے کے قابل بناتا ہے جہاں دوسرے انسانوں اور دھرتی ماں دونوں کو قابل قدر سمجھا جاتا ہو۔ (باب 4 میں ''شراکت کی طرف حرکت'' ملاحظہ کیجئے)۔

شراکتی اور حاکمیتی ترجیحات

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے شراکتی نصاب میں منفی توازن پایا جاتا ہے۔ اگر ہم سمجھتے ہیں کہ تمام بچوں کو قابل قدر سمجھا جائے اور تمام بچے زیادہ انسان دوست اور ماحول دوست اقدار سیکھیں تو یہ لازم بھی ہے۔

حاکمیتی روایات کی پیروی میں، بیشتر موجودہ نصابی کتب ابھی تک بنیادی طور پر انسانیت کے مردانہ نصف پر توجہ مرکوز کرتی ہیں: یعنی مردوں نے کیا کیا اور کیا سوچا، یہ جاننے کے لیے کہ اب تک ہماری تعلیم انسانی کہانی کے ایک بڑے حصے کی قطع برید کس طرح کر دیتی ہے، ادب، آرٹ، تاریخ اور فلسفے کے متون پر نظر ڈالنا کافی ہوگا۔

مطالعات بتاتے ہیں کہ ایک ایسی تعلیم جو عورتوں کے کردار اور خدمات کی تقلیل کرتی ہے لڑکیوں کی ذاتی وقعت کے احساس پر منفی اثرات مرتب کرتی ہے اور ان کی صلاحیتوں کی تکمیل کو حد درجہ محدود کر دیتی ہے۔ (18) لیکن یہ لڑکوں پر بھی اور ہمارے پورے سماجی نظام پر بھی منفی اثرات ڈالتی ہے کیونکہ اس قسم کی تعلیم مضمرانہ اور شدید تخریبی انداز میں پورے نظام اقدار کو مسخ کرتی ہے۔

بعض لوگ جیسے کہ انسانی حقوق کے ایک اہم علمبردار جن سے میں نے چند برس پہلے عورتوں کے ساتھ برتے جانے والے امتیاز پر بات کی تھی اب بھی یہ دلیل دیتے ہیں کہ منفی تنازعات کو زیادہ اہم معاملات یعنی خود ان کے مطابق زندگی اور موت سے متعلق معاملات کے مقابلے میں پچھلی نشست پر جگہ دی جانی چاہیے۔ لیکن انسانیت کے مردانہ نصف کو نسوانی نصف کی نسبت زیادہ قابل قدر جاننا عام

طور پر زندگی اور موت کا معاملہ ہی ہے۔ دنیا کے کچھ خطوں میں اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ لڑکیوں کو نہ صرف کم تعلیم ملنی چاہئے بلکہ صحت کے حوالے سے کم دیکھ بھال اور کم خوراک بھی۔ یہ چیز عملاً لڑکیوں کو موت کی طرف دھکیلنے کے مترادف ہے۔ (شکل 2.1 ملاحظہ کیجئے)

یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ والدین خود اپنے بچوں کے ساتھ اس قسم کا سلوک کریں گے۔ لیکن اعداد و شمار اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ وہ ایسا کرتے ہیں۔ اقوام متحدہ کی رپورٹس کے مطابق 1991ء میں پاکستان میں دو سے پانچ برس کے بچوں کی موت فی ہزار کا سالانہ تناسب لڑکیوں کے لیے 54.4 کے مقابلے میں لڑکوں کے لیے 36.9 تھا۔ تھائی لینڈ میں یہ تناسب 26.8 کے مقابلے میں 17.3 تھا۔ شام میں 14.6 کے مقابلے میں 9.3 تھا۔ (19) جیسا کہ میری پاکستانی دوست عابدہ خانم نے مجھے بتایا جب لڑکا پیدا ہوتا ہے تو عورتیں خوشی کے گیت گاتی ہیں اور جب لڑکی پیدا ہو تو وہ افسوس مناتی ہیں۔

خود یہ حقیقت کہ ہم میں سے بیشتر لوگ کسی معاملے کو جو اکیاون فی صد امریکیوں یعنی عورتوں کو متاثر کرتا ہے ''محض عورتوں کا معاملہ'' قرار دینے میں کوئی عجیب بات محسوس نہیں کرتے۔ قطع نظر اس سے کہ ہم ان معاملات کو جو انچاس فیصد امریکیوں یعنی مردوں کو متاثر کرتے ہیں ''محض مردوں کے معاملات'' کہنے میں کوئی عجیب بات محسوس نہیں کریں گے۔ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم لوگ منفی توقیر و ترجیحات کے اس مخفی نظام سے کس قدر متاثر ہیں۔

یہ چیز کہ آیا منفی کردار اور تعلقات سماجی طور پر حاکمیتی یا شراکتی ماڈل کے مطابق تعمیر کئے گئے ہیں براہ راست نہ صرف ہمارے پورے نظام اقدار پر بلکہ معاشرے کے ہر پہلو پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ یہی بات خاندانوں کا مساوات پسندانہ اور جمہوری ہونا یا استبدادی اور متشددانہ ہونا طے کرتی ہے۔ اسی سے یہ طے ہوتا ہے کہ بالعموم عورتوں کے ساتھ وابستہ کی جانے والی سرگرمیاں جیسے کہ بچوں کی نگہداشت اور ایک صاف ستھرے اور صحت مندانہ طبی ماحول کی ذمہ داری' حکومتی پالیسی میں ترجیح اور نتیجتاً فنڈنگ کے قابل سمجھی جاتی ہیں یا نہیں۔ (20)

ایک شراکتی نصاب کے ذریعے اساتذہ یہ سمجھنے میں طلباء کی مدد کر سکتے ہیں کہ انسانیت کے ایک نصف پر دوسرے نصف کی برتری کو نارمل اور درست کی حیثیت سے قبول کیا جانا کس طرح سیکھا جاتا ہے اور یہ چیز حاکمیت کی تمام درجہ بندیوں کے لیے کس طرح ایک ذہنی نقشہ مہیا کرتی ہے۔ یہ نسل پر نسل کی' مذہب پر مذہب یا قوم پر قوم کی برتری ہو سکتی ہے۔ وہ یہ جاننے میں طلباء کی مدد کر سکتے ہیں کہ ہمیں ہمدردی اور عدم تشدد جیسی صفات کو قابل قدر سمجھنے کی ضرورت ہے جنہیں اب تک عورتوں کے ساتھ

منسوب کیا جاتا ہے۔ چاہے یہ عورتوں میں موجود ہوں یا مردوں میں۔ مختصراً وہ ایسی اقدار کی تعلیم دے سکتے ہیں جو نہ صرف ایک سچے جمہوری معاشرے کے لیے بلکہ ایک زیادہ منصفانہ اور کم متشددانہ دنیا کے لیے بھی مناسب ہوں۔

اس نقطہ نظر سے آنے والے ابواب میں عورتوں سے متعلق خاصا مواد موجود ہے۔ بعض لوگوں کو یہ بھی محسوس ہو سکتا ہے کہ عورتوں پر کچھ زیادہ ہی زور دے دیا گیا ہے۔ تاہم نصاب میں عورتوں کی شمولیت سے متعلق 1960ء کی دہائی کے اواخر سے کی جانے والی کوششوں کے باوجود مطالعات یہ بتاتے ہیں کہ ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ کرسٹین سلیٹر اور کارل گرانٹ نے 1980ء اور 1988ء کے دوران شائع ہونے والی پہلے سے آٹھویں گریڈ تک کی سینتالیس امریکی نصابی کتب کے جائزے سے یہ نتیجہ نکالا کہ مرد یا زیادہ واضح انداز میں کہا جائے تو سفید فام مرد اب بھی حاوی ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان نصابی کتب میں عورتیں ابھی تک اصل کہانی میں ضمنی حیثیت رکھتی ہیں جیسا کہ سلیٹر اور گرانٹ لکھتے ہیں۔ ''عورتوں کی تاریخ یا ثقافت کا بہت کم پتا ملتا ہے'' اور جنسیت یا صنف سے متعلق موجودہ تنازعات کے بارے میں بہت کم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔'' (21)

آج اساتذہ بھی ایک ایسے شدید طور پر مرد مرکز نصاب سے دوچار ہیں جس میں عورتیں اور ان سے منسوب ہر شے کو غیر اہم سمجھا جاتا ہے۔ اسے تبدیل کرنے کیلئے ہمارے نصاب کو اس چیز کو تسلیم کرنے کی ضرورت ہے جو ہمیشہ سے واضح اور عیاں رہا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ عورتیں اور مرد انسانیت کے دو نصف ہیں لہٰذا ہم نوجوان افراد کو اس بارے ہیں جو کچھ پڑھاتے ہیں کہ عورت یا مرد ہونا کیا ہے بنیادی طور پر وہی انہیں یہ بتاتا ہے کہ انسان ہونے کا کیا مطلب ہے۔

مردوں اور عورتوں کے کردار اور تعلقات کی سماجی تشکیل شراکتی مسائل اور حاکمیتی مسائل مختلف معاشروں میں مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً یہ عام خیال کہ ٹیسٹوسیٹرون ناگزیر طور پر مردوں کو متشدد بناتا ہے تحقیق سے درست ثابت نہیں ہوتا۔ دراصل مطالعات یہ بتاتے ہیں کہ ہارمونی تحریک نہیں' بلکہ ہارمونی تحریک اور سماجی اشارات کا مجموعہ اصل معاملہ ہے اور یہ کہ جب کم سطح کے ٹیسٹوسیٹرون کے حامل مردوں کی ٹیسٹوسٹیرون کی سطح بڑھا دی جاتی ہے تو وہ واقعتاً کم متشدد ہو جاتے ہیں۔ (22) بہت سے مرد آج کل باپ ہونے کی اس تعریف کو چیلنج کرنے لگے ہیں جسے کبھی بنیادی طور پر سخت گیر فراہم کنندہ کے ساتھ وابستہ کیا جاتا تھا اور اس میں پرورش کو شامل کرنے لگے ہیں جسے کبھی صرف ماں ہونے کے ساتھ وابستہ کیا جاتا تھا۔ (23) بالکل اسی طرح عورتیں بھی جسے صحیح طور پر حکومت کاروبار اور دوسرے نفع بخش

ہستیوں کی ''مردوں کی دنیا'' کا نام دیا جاتا ہے اس میں دخل اندازی کرنے لگی ہیں۔

باالفاظ دیگر زیادہ لچکدار منفی کرداروں اور منصفانہ تعلقات کے حصول کے لیے ایک مضبوط تحریک موجود ہے جو ایک زیادہ پرامن اور ہمدردانہ معاشرے کے لیے مناسبت رکھتے ہوں لیکن مضبوط مزاحمت بھی موجود ہے۔ منفی توازن پر مبنی شراکتی تعلیم اس مزاحمت میں تخفیف کر سکتی ہے اور ایک ایسے مستقبل کی جانب پیش رفت میں ہماری مدد کر سکتی ہے جہاں تمام بچوں کو قابل قدر سمجھا جاتا ہو اور ضروری انسانی سرگرمیوں جیسے کہ بچوں کے لیے شفقت اور ایک صاف ستھرے اور صحت مندانہ ماحول کے قیام کو وہ اہمیت دی جاتی ہو جس کی وہ حقدار ہیں۔

شراکتی اور حاکمیتی تعلقات

شراکتی تعلیمی بیانیے نہ صرف ریاست ہائے متحدہ بلکہ دنیا بھر میں تمام نسلوں اور متعدد ثقافتوں کے لوگوں کے بارے میں مواد کو مربوط کرتے ہیں۔ ان میں دوسرے لوگوں کے بارے میں بھی مواد شامل ہوتا ہے جو ''مختلف'' ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ جو نابینا' سماعت سے عاری یا جن میں جسمانی یا نشوونما کے اعتبار سے کوئی کمی رہ گئی ہوتی ہے؟ ان بیانیوں میں نہ صرف ان کے مسائل بلکہ ان کی از حد جرأت مندی اور تحصیلات کو بھی نمایاں کیا جاتا ہے۔ (مثلاً ہیلن کیلر نابینا اور سماعت سے عاری تھیں' پھر بھی انہیں استاد این سلیوان کی شفقت کے باعث متاثر کن عوامی شخصیت بن گئیں او اداکار کرسٹوفر ریوز ایک حادثے میں مفلوج ہونے کے بعد جسمانی معذوری کے شکار لوگوں کا نمائندہ بن گیا۔) گھڑے گھڑائے تصورات اور غلط معلومات کی تصحیح کر کے اس قسم کا مواد کسی کو قربانی کا بکرا بنائے جانے کے عمل کو سمجھنے اور زیادہ ہمدردی کا حامل بننے میں طلباء کی مدد کر سکتا ہے۔

(شکل 2.2 ملاحظہ کیجئے)

جیسا کہ سلیٹر اور گرانٹ نے سائنس' ریاضی اور معاشرتی علوم کی نصابی کتب کے مطالعے کی بنیاد پر بتایا ہے 1960ء کی دہائی میں نصابی کتابوں میں کثیرتی تبدیلیاں لانے کے باوجود' جب بھی ان میں تنوع پیدا کیا گیا تو یہ بس منتشر اور سطحی ثابت ہوا؟ اس کی حیثیت سفید فام اینگلوسیکسن مردوں سے متعلق ''اہم'' مواد میں محض ایک اضافے کی تھی۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ان میں سے بیشتر کتابوں میں معاصر نسلی تعلقات' غربت' امتیاز اور دوسرے معاملات کے بارے میں بہت کم مواد موجود ہے جبکہ یہ معاملات غیر سفید فام بچوں کی ایک خاص بڑی تعداد کی زندگیوں کو متاثر کرتے ہیں۔

MashalBooks.org

ریڈرز میں کہانی کا مرکز عام طور پر سفید فام تھے اور جہاں کہیں سیاہ فاموں' مقامی امریکیوں' ہسپانیوں یا ایشیائیوں کو تصاویر میں شامل کیا گیا تو عام طور پر انہیں بامعنی سرگرمیوں کے بجائے معمولی مشاغل جیسے کہ خط لکھتے ہوئے یا جوس کا گلاس پیتے ہوئے میں مصروف دکھایا گیا اور اگرچہ نصابی کتب میں ماضی میں موجود غلامی یا گریٹ ڈیپریشن کو جگہ دی گئی ہے مگر موجودہ سماجی مسائل پر شاذ ہی توجہ دی جاتی ہے۔اس طرح یہ کتابیں موجودہ زندگی کے بارے میں نوجوان قارئین میں غلط تاثر پیدا کرتی ہیں۔(24)

ایسے بچے جن کی پہچان کو سکول کے نصاب میں قابل قدر نہ سمجھا جاتا ہو یا اسے تسلیم نہ کیا جاتا ہو اس عدم شمولیت کی وجہ سے مختلف طرح کے نقصان کا شکار ہو سکتے ہیں۔اس کی شہادت سیاہ فام ہسپانوی اور مقامی امریکی طلباء کی ڈراپ آؤٹ کی اور ہم جنس مردوں اور عورتوں میں خودکشی کی کوششوں کی اونچی شرحیں ہیں۔مثال کے طور پر یونیورسٹی آف منی سوٹا کی گیری ریمافیڈ کا مطالعہ (جو ملک بھر میں نوجوان افراد کے ہیلتھ سروے پر مبنی تھا) بتاتا ہے کہ خود کو ہم جنس یا دو جنسیت کا حامل سمجھنے والے لڑکوں میں خودکشی کی کوشش کی شرح 28.1 فیصد تھی جبکہ یہ شرح مخالف جنسیت کے حامل مردوں میں 4.2 فیصد تھی۔ایسی لڑکیوں میں جو خود کو ہم جنس یا دو جنسیت کی حامل قرار دیتی تھیں یہ شرح مخالف جنسیت کی حامل لڑکیوں کی 14.5 فیصد کے مقابلے میں 20.5 فیصد تھی۔(حیرانی کی بات یہ ہے کہ خبر میں ان چونکا دینے والے اعداد و شمار کا تذکرہ (91) محض سرسری انداز میں کیا گیا ہے کہ مخالف جنسیت کی حامل لڑکیوں میں خودکشی کی کوشش کی 14.5 فیصد کی شرح مخالف جنسیت کے حامل لڑکوں کی نسبت چار گنا ہے۔)(25)

جیسا کہ ہم آنے والے ابواب میں دیکھیں گے' شراکتی تعلیمی بیانیوں کے ذریعے اساتذہ کثیر الثقافتی مواد کو مختلف شعبہ ہائے مطالعات میں مربوط کر سکتے ہیں۔طلباء کو ایسے متون اور دوسرا مواد درکار ہے جو ان بچوں کی زندگی کی حقیقت کی عکاسی کرتا ہو جنہیں امریکی ثقافت میں کنارے پر دھکیل دیا گیا ہے۔دراصل ایک ایسے عہد میں جب ابلاغ اور نقل و حمل کے ساتھ ساتھ تباہی کی ٹیکنالوجی نے ہماری دنیا کو حد درجہ سکیٹر دیا ہے۔تمام بچوں کے لیے ایک کثرتی / کثیر الثقافتی شراکتی نصاب ناگزیر ہو چکا ہے۔

شراکتی بیانیے سکولوں میں' ہمسایہ آبادیوں میں اور زمین پر مختلف نسلوں اور نسلی گروہوں کے مابین زیادہ منصفانہ تعلقات کو فروغ دے سکتے ہیں۔یہ غربت کی عالمی حقیقت کو بشمول اس حقیقت کے کہ دنیا بھر میں غیر سفید فام لوگوں' عورتوں اور بچوں کی بڑی اکثریت بھوکی اور غریب ہے کی بہتر تفہیم مہیا کرتی ہے۔یہ تمام بچوں کی خاطر امیروں اور غریبوں کے درمیان خلیج کو کم کرنے اس مقصد کے حصول کی راہ میں حائل ثقافتی اور ساختی رکاوٹوں کو بے نقاب کرنے اور مثبت تبدیلی کے لیے اقدام کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔

شراکتی تعلیمی بیانیے نہ صرف متعدد ثقافتوں سے تعلق رکھنے والی عورتوں اور مردوں کی عام طور پر نظرانداز کی جانے والی حکمت عملی کو بلکہ دنیا بھر کے خطوں کی قدیم روایات سے لیے جانے والے مواد کو بھی مناسب مقام دیتے ہیں اور ان میں بیشتر شراکتی ماڈل کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھتے ہیں۔ اس طرح ان ثقافتوں کو نظر میں لانا آسان ہو جاتا ہے جو اب تک دھرتی ماں سے ایک ایک قریبی تعلق برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر امریکاؤں کے متعدد مقامی لوگ اب بھی دھرتی کو مقدس سمجھتے ہیں اور ان میں ایسے رسوم و رواج موجود ہیں جو فطرت کے ساتھ ہمارے باہمی تعلق کو احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہ باہمی ربط دنیا سے متعلق شراکتی نقطہ نظر کا ایک اہم پہلو ہے۔ ایک ایسا پہلو جیسا کہ ہم دیکھیں گے جو اس وقت سے جب بھی حاکمیتی ماڈل کا چلن عام نہیں ہوا تھا دنیا کی متعدد ثقافتوں کا مشترکہ ورثہ ہے۔

مختصراً ایک کثیرتی شراکتی نصاب کے ذریعے اساتذہ جیسا کہ کچھ لوگ اس خوف کا اظہار کرتے ہیں تنازعے اور عداوت کو ہوا دینے کے بجائے ایک دوسرے کے ساتھ اشتراک کی تلاش میں طلباء کی مدد کر سکتے ہیں۔ تجزیاتی آلات کی حیثیت سے شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کی فراہمی سے اساتذہ یہ کھوجنے میں طلباء کی مدد کر سکتے ہیں کہ خود ان کی ثقافت اور دوسری ثقافتوں میں کیا کچھ ایسا ہے جو غیر منصفانہ اور غیر ہمدردانہ تعلقات کے بجائے منصفانہ اور ہمدردانہ تعلقات کو فروغ دیتا ہے۔ اس طرح طلباء یہ سمجھنے کے قابل ہو سکتے ہیں کہ جس طرح خود ہماری ثقافت کے حاکمیتی پہلوؤں کو تبدیل کرنے کے لیے ہمیں کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ہمیں دوسری ثقافتوں کی عورتوں اور مردوں کی مدد کرنے کی ضرورت بھی ہے جو انہی مقاصد کے لیے کام کر رہے ہیں۔

انسانی حقوق کے ان معیارات کے جو شراکتی اخلاقیات کی بنیادوں میں سے ہیں تمام ثقافتوں پر اطلاق سے طلباء اس سوچ کا شکار ہونے سے بچ سکیں گے کہ ہم برتر ہیں۔ نہ ہی وہ ثقافتی اضافیت کے حالیہ جال میں گرفتار ہوں گے جس کے مطابق کوئی یا ہر کام اس بنیاد پر جائز سمجھا جاتا ہے کہ یہ ایک ثقافتی یا مذہبی روایت ہے۔ اس کے برعکس وہ یہ دیکھ پائیں گے کہ اصل معاملہ یہ ہے کہ کوئی ثقافت ہماری اپنی یا کوئی دوسری حاکمیتی یا شراکتی ماڈل کی طرف کس درجہ جھکاؤ رکھتی ہے۔ اس طرح بچے جمہوریت کی ایک بنیادی قدر کے اہل مفہوم کو سمجھنے کے قابل ہو سکتے ہیں: یعنی ایک بہتر معاشرے اور ایک بہتر دنیا کی تشکیل کی ذمہ داری ہم سب کے کاندھوں پر ہے۔ اس طرح تعلیم یا سیکھنے کا عمل ہماری روزمرہ زندگیوں اور ہمارے اس طرز عمل کے ساتھ زیادہ مناسبت کا حامل بن جاتا ہے جو ہم اپنے خاندانوں، کارگہوں اور کمیونٹی میں اختیار کرتے ہیں۔

شراکتی اور حاکمیتی بیانیے

شراکتی تعلیم کا ایک اہم عنصر نوجوان افراد کو زیادہ تنقیدی انداز میں ان بیانیوں کو جانچنے کے قابل بنانا ہے جو حاکمیتی ماڈل کو ناگزیر، پسندیدہ اور اخلاقی تک بنا کر پیش کرتے ہیں۔ بعداز جدیدی تحقیق بیانیوں یا داستانوں کی اہمیت کو اس اعتبار سے سامنے لاتی ہے کہ ہم اس چیز کا ادراک کس طرح کرتے ہیں جسے ہم حقیقت کے نام سے پکارتے ہیں۔ اگرچہ داستان کی اصطلاح کو فسانے کے ساتھ نتھی کیا جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہم جو کچھ بھی سیکھتے ہیں داستانوں کے ذریعے ہی سیکھتے ہیں۔ خواہ یہ مذہبی ہوں یا سیکولر، خواہ ہم انہیں اپنے والدین، اپنے سکولوں یا اپنے عام میڈیا سے سیکھتے ہوں۔ جو داستانیں ہمیں پڑھائی جاتی ہیں بیشتر وہی ہم اپنی دنیا کو کس طرح دیکھتے ہیں اور اس میں کس طرح رہتے ہیں، اس کی تشکیل کرتی ہیں۔

شراکتی تعلیم نوجوان افراد کو اس چیز کا زیادہ شعور دینے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے کہ داستانیں اور شبیہیں ہمارے ذہنی نقشے اور اس کے ذریعے ہماری دنیا کی تشکیل کس طرح کرتی ہیں۔ جیسا کہ ہم دیکھیں گے جو نصابی ڈیزائن میں تجویز کر رہی ہوں وہ ہماری دنیا اور اس میں ہمارے مقام کے بارے میں دو مختلف قسم کے بیانیے پیش کرتا ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ شراکتی یا حاکمیتی تناظر سے مختلف علم اور اس کے ہمراہ جسے فطری، اہم اور قابل قدر سمجھا جاتا ہے کس طرح تعمیر کیا جاتا ہے۔ باالفاظ دیگر، شراکتی تعلیم، بعض روایتی بیانیے جو حاکمیتی تعلقات کو نارمل بلکہ ناگزیر کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں اور متبادل بیانیے جو دوسرے متبادلات کی کھوج میں نوجوان افراد کی مدد کرتے ہیں دونوں کو سامنے لاتی ہے۔

مثال کے طور پر، فطری علوج میں شراکتی بیانیے اس چیز پر زور دیتے ہیں جسے سائنسدان دستاویزی عمل کا نام دیتے ہیں، یعنی زندگی کی تمام صورتوں کا باہمی ربط۔ ایسے بیانیے زندگی کے ویب یعنی ہمارے ماحول جسے روایتی نصاب میں زیادہ تر نظر انداز کیا گیا ہے کے بارے میں زیادہ باخبری اور اس طرح ان سرگرمیوں اور پالیسیوں کی زیادہ تفہیم اور ان کی قدر و قیمت کے احساس پر منتج ہوتے ہیں جو ماحولیاتی پائیداریت کو فروغ دیتی ہیں۔ یہ انداز نظر انسانی اور ماحولیاتی تعلقات کے لیے ایک نئی شراکتی اخلاقیات کو جنم دینے کا سبب بنتا ہے جس کی ہمارے دور میں فوری اور اشد ضرورت ہے۔

میں نے خود اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ جب بچوں کو یہ پتا چلتا ہے کہ ہم اس سیارے پر درختوں اور پودوں کے ساتھ شراکت دار ہیں تو وہ کتنی خوشی محسوس کرتے ہیں۔ جب میں نے اپنی سات برس کی دوست کیرن کو اسی چیز کی وضاحت کے لیے دین فاریسٹ ایکشن نیٹ ورک کی کڈز ایکشن گائیڈ دی اور

اسے یہ پتا چلا کہ درختوں اور پودوں سے خارج ہونے والی آکسیجن کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے تو وہ حیران بھی ہوئی اور پریشان بھی۔ ''یہ تو ٹھیک ہے'' وہ بولی' مگر اس نے فوراً ہی یہ اضافہ کیا۔ ''مگر ہمیں پودوں اور درختوں کی بہتر دیکھ بھال کرنی چاہیے تاکہ وہ ہمارے دوست بن سکیں۔''(13)

بیشتر تعلیم کار آج اس بات پر متفق ہیں کہ طلباء کو سائنس کی بہتر بنیاد درکار ہے۔ اگرچہ زیادہ سائنسی نصاب کی طرف کچھ پیش رفت ہوئی تو ہے مگر عام طور پر یہ ہماری کائنات اور ہماری نوع کے بارے میں ایسی سائنسی دریافتوں کو مناسب انداز میں سامنے لانے سے قاصر رہتی ہے جو تعلقات کے حاکمیتی ماڈل سے لگا نہیں کھاتیں۔ یہ چیز نوجوان افراد کو نقصان پہنچاتی ہے کیونکہ اولاً ہم اپنی تحدیدات کا علم حاصل کرتے ہیں اور اگر انہیں مذہبی صداقت یا سائنسی حقیقت کے طور پر پیش کیا جائے تو پھر کسی بھی چیز کو کچھ بھی تبدیل کرنے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

مثال کے طور پر متعدد سکولوں اور یونیورسٹیوں میں ابھی تک پڑھائے جانے والے بیانیے ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ ڈارون کے سائنسی نظریات ثابت کرتے ہیں کہ ''فطری انتخاب'' ''بے قاعدہ تغیر پذیری'' اور بعد کے تصورات جیسے کہ ''قرابتی انتخاب'' اور ''نسبی سرمایہ کاری'' کے علاوہ ارتقا کے کوئی اور نظریات موجود نہیں۔ واقعتاً جیسا کہ ہم دیکھیں گے ڈرارون کا ایسا کوئی خیال نہیں تھا' قطعاً نہیں' خاص طور پر جیسے جیسے ہم انسانی ارتقا کی طرف سفر کرتے ہیں تو دوسری حرکیات بشمول اس چیز کے ارتقا کے جسے ہم ''اخلاقی حس'' کا نام دیتے ہیں' اپنا کردار ادا کرنے لگتی ہیں۔(14) یا جیسا کہ وانز ڈی وال نے نیک فطرت: انسانوں اور دوسرے حیوانوں میں صحیح اور غلط کے ماخذات میں لکھا ہے'' ہر ایک کے ساتھ مختص ایک طرز زندگی کی خواہش کو ساتھ مل کر چلنے اور تعاون کرنے کی ضرورت کو ارتقا کے ایک مرحلے کا نام دیا جا سکتا ہے۔''(15)

لیکن ایسی داستان جو تشدد' غارتگری اور بے قاعدگی پر زور دیتی ہے باقی و برقرار رہتی ہے اور جبر' نابرابری اور تشدد کو فطری اور نارمل کے طور پر پیش کرتی ہے۔ اساتذہ شراکتی بیانیوں کے ذریعے یہ سمجھنے میں طلباء کی مدد کر سکتے ہیں کہ اگرچہ ایسا نظام انسانی طور پر ممکن ہے مگر یہ ''محض انسانی فطرت'' نہیں۔ وہ ان کے سامنے ایسے سائنسی بیانیے لا سکتے ہیں جو صرف مسابقت پر نہیں بلکہ نئی ارتقائی تحقیق کے ساتھ چلتے ہوئے تعاون پر بھی توجہ مرکوز کرتے ہیں جیسا کہ ہم دیکھیں گے' ان میں عام طور پر نظر میں نہ آنے والی ارتقائی تبدیلیوں کے بارے میں معلومات شامل ہیں جیسے کہ وہ بائیو کیمیکلز جنہیں نیوروپیپٹائیڈز کے نام سے جانا جاتا ہے؟ یہ ارتقا کے نتیجے میں ہماری نوع کو نہ صرف جب ہمیں محبت دی جاتی ہے بلکہ جب ہم دوسروں کو بھی محبت دیتے ہیں

ازحد خوشی کے احساسات عطا کرتے ہیں۔اس حیران کن سائنسی دریافت کو ہمارے سکولوں یا بیشتر مقبول عام سائنسی نگارشات میں ابھی تک نمایاں مقام نہیں دیا جاتا۔ اس دریافت کو تو بہت رگیدا گیا ہے کہ جذباتی حالتیں جسم میں اینڈورفنز نام کے بائیو کیمیکلز کے اخراج سے پیدا ہوتی ہیں لیکن ابھی تک زیادہ تر انہیں بائیو کیمیکلز پر زور دیا جا رہا ہے جو خوف اور جارحانہ تحریکات جیسے منفی جذبوں کا سبب بنتے ہیں۔(16)

میرا مجوزہ انداز ایک ایسے بیانیے کو سامنے لاتا ہے جس کی جڑیں نہ صرف سائنس میں پیوست ہیں بلکہ یہ روحانی اقدار کو بھی تقویت دیتا ہے۔ یہ نوجوان افراد کو اس احساس کا شکار نہیں کرتا کہ زندگی مفہوم و معنی سے عاری ہے یا یہ کہ ہم انسان اصلاً متشدد اور مطلبی ہیں۔ یہ انداز ہمیں تخلیق پسندوں اور سائنسدانوں کے مابین جاری معاصر تنازعے سے بھی علیحدہ رکھتی ہے۔ اس ضمن میں تجربی شہادت پر انحصار کرتے ہوئے کہ محبت، حسن اور انصاف کے لیے ہماری انسانی کوششیں اسی طرح ارتقا میں پیوست ہیں جیسے تشدد اور جارحیت کے لیے ہماری استعداد، یہ سائنس اور مستند روحانیت اور اخلاق کے مابین ایک پل کا کردار ادا کر سکتی ہے۔(باب 3 میں ''بامعنی ارتقا'' ملاحظہ کیجئے)

ایک شراکتی نصاب اس بات کی تفہیم کو ممکن بناتا ہے کہ ہمارے ماضی، حال اور امکانات سے معمور مستقبل کے بارے میں متعدد مفروضات حاکمیتی ذہنیتوں کی پرچھائیاں ہیں۔ مثلاً نہ صرف تاریخ بلکہ ماقبل تاریخ کو بھی نظر میں رکھتے ہوئے، نوجوان افراد یہ دیکھ سکتے ہیں کہ ایسی مانوس شبیہیں جن کی ترسیل ان کارٹونوں کے ذریعے ہوتی ہے جن میں ہمارے ابتدائی آباء واجداد کو غاروں میں رہنے والے وحشی کی حیثیت سے عورتوں کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے دکھایا گیا ہے ماقبل تاریخ کے ابتدائی آرٹ میں سے یکسر غائب ہیں۔ اس کے برعکس ایسی شبیہیں جو زندگی لینے کے بجائے زندگی دینے اور اسے پروان چڑھانے کو قابل احترام سمجھتی ہیں، پتھر کے زمانے کے آرٹ میں مرکزی مقام رکھتی ہیں۔

ہمارے ماضی قریب کو اس نئے تناظر سے دیکھتے ہوئے نوجوان افراد یہ بھی جان سکیں گے کہ تاریخ میں جنگوں، لڑائیوں کے سنین اور سیاسی کنٹرول کی جدوجہد میں کون جیتا یا کون ہارا کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔ وہ گزشتہ تین سو سالوں کو ایک نئی، پرامید، روشنی میں دیکھنے کے قابل بھی ہو سکیں گے۔ ایک زیادہ مساوات پسندانہ، جمہوری، منفی اعتبار سے منصفانہ، ماحولیاتی طور پر پائیدار اور غیر متشدد دنیا کی تشکیل کے لیے دنیا بھر کی عورتوں اور مردوں کی کوششوں پر توجہ مرکوز کر کے اساتذہ یہ سمجھنے میں نوجوان افراد کی مدد کر سکتے ہیں کہ یہ کوششیں منتشر نہیں کہ یہ دنیا بھر میں حاکمیتی معاشروں کی شراکتی معاشروں میں تبدیلی کی تحریک کا حصہ ہیں۔ وہ یہ بھی جان سکیں گے کہ روشن خیالی، نسوانیت پسندی اور دوسری ترقی پسندانہ جدید سماجی تحریکوں

MashalBooks.org

کے باوجود' منظم سماجی اقدام نے انسانی بہبود کے حوالے سے نہایت بڑی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔

طلباء یہ جان سکتے ہیں کہ ریاست ہائے متحدہ میں تھوڑا عرصہ پہلے چائلڈ لیبر کس طرح قانونی طور پر جائز سمجھی جاتی تھی اور دن میں پندرہ گھنٹے کام کو ایک عام بات سمجھا جاتا تھا۔ وہ یہ دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح بیسویں صدی کے موڑ پر ابھی عورتوں کو یونیورسٹی جانے سے روکا جاتا تھا اور کس طرح چند دہائیاں قبل سیاہ فام لوگوں کو بسوں کی پچھلی نشستوں پر بیٹھنا پڑتا تھا اور گھریلو تشدد کو شاذ ہی قانونی کارروائی کے قابل سمجھا جاتا تھا۔ وہ یہ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ یہ اور دوسرے نقصان دہ معمولات ایک مختصر اور جو اس وقت بہت ہی نامقبول تھی اقلیت کے پرعزم اقدامات کی بدولت کس طرح تبدیل ہوئے۔

شراکتی معاشرے میں تبدیلی کی اس تحریک پر توجہ مرکوز کر کے اساتذہ یہ جاننے میں کہ یہ حاصلات ہماری زندگیوں میں کتنا بڑا فرق پیدا کر رہی ہیں اور یہ حاصلات کس طرح ممکن ہوئیں یہ سمجھنے میں بھی طلباء کی مدد کر سکتے ہیں۔ اس طرح تاریخ کو روزمرہ کے معاملات سے اور دوستوں' والدین' اساتذہ' ملازمین اور سرکاری عہدیداروں کے ساتھ ساتھ ہمارے فکری مسکن کے ساتھ ہمارے تعلقات کی جو نوعیت ہے اس سے جوڑ نا ممکن ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ سمجھنا بھی ممکن ہو جاتا ہے کہ غیر متشدد طریقوں کی مدد سے اہم سماجی تبدیلیاں کس طرح وقوع پذیر ہوتی ہیں۔

مثال کے طور پر ریاست ہائے متحدہ میں شدید مخالفت کے باوجود عورتوں کو ووٹ کا حق اس وقت ملا جب ایلز بیتھ کیڈی سٹینٹن اور ریلس پال جیسی جرأت مند عورتوں نے مظاہروں' بھوک ہڑتالوں اور وسیع سیاسی اثر ورسوخ کے ذریعے خاصی حمایت حاصل کر لی تھی۔ ہندوستان میں گاندھی نے برطانوی نو آبادیاتی حکمرانی سے آزادی کی کامیاب جدجہد میں یہی طریقے استعمال کئے اور ریاست ہائے متحدہ ہی میں سیاہ فاموں کے شہری حقوق اور ماحولیاتی پائیداریت کے لیے زیڈرک ڈگلس' ایما گولڈ مین' مارٹن لوتھر کنگ' روزا پارکس' سیزر چیویز' ڈولورز ہرٹا' ریچل کارسن اور ڈیوڈ بروور جیسے مردوں اور عورتوں نے پرامن طریقے سے کام کیا ہے۔

ان عورتوں اور مردوں کی زندگیوں کا مطالعہ جنھوں نے ان ترقی پسند تحریکوں میں سرگرم کردار ادا کیا ہے مستقبل کے بچوں کے لیے متاثر کن رول ماڈل مہیا کر سکتا ہے۔ اس بات کو سمجھتے ہوئے کہ شدید مزاحمت اور وقتی پسپائیوں کے باوجود گزشتہ تین سو سالوں میں خاصی پیش رفت ممکن ہو چکی ہے' نوجوان افراد یہ جان سکیں گے کہ وہ بھی کچھ نہ کچھ اثر پیدا کر سکتے ہیں۔

یہ بات از حد تنقیدی اہمیت کی حامل ہے۔ یعنی ہمارے مستقبل کی صورت کیا ہو گی اس کا انحصار زیادہ تر

اس چیز پر ہے کہ سکول کے نصاب میں کیا کچھ شامل ہے اور کیا کچھ شامل نہیں ہے۔ جیسا کہ جین مارٹن نے سکول گھر: خاندانوں میں تبدیلی کے اصولوں پر نظر ثانی (17) میں بتایا ہے کہ نصاب میں خاص قسم کی معلومات کی شمولیت اور دوسری قسم کی معلومات کی عدم شمولیت سے بچے موثر انداز میں یہ سیکھتے ہیں کہ کیا چیز قابل قدر ہے اور کیا چیز قابل قدر نہیں' ایسے ہی فیصلے زیادہ تر اس بات کا تعین کرتے ہیں کہ بچے جس چیز پر یقین کرنا سیکھتے ہیں وہ اہم ہے یا غیر اہم' ممکن ہے یا غیر ممکن' اچھی ہے یا بری' نارمل ہے یا غیر نارمل۔

شراکتی نصابی کرگھا اور تعلم کی ٹیپسٹری

جب میں تعلیم کے بارے میں سوچتی ہوں تو مجھے باہم بُنے ہوئے بہت سے دھاگوں کا خیال آتا ہے جو بڑھتی اور تبدیل ہوتی ہوئی تعلم کی ٹیپسٹری کو تشکیل دیتے ہیں۔ میں کرگھے یا کھڈی پر بُنی جانے والی ٹیپسٹری کی اس شبیہہ کو شراکتی نصابی منصوبہ بندی کے لیے ایک استعارے کے طور پر استعمال کر رہی ہوں۔
کھڈی ایک فریم ورک ہوتی ہے جس پر دھاگوں کی باہم بُنائی سے ڈیزائن بن جاتے ہیں۔ ہر تعلیمی نصاب کسی کھڈی یا تصوراتی فریم ورک پر بُنا جاتا ہے جو ہماری دنیا اور اس میں ہمارے مقام سے متعلق بنیادی فلسفیانہ مفروضات پر مشتمل ہوتا ہے اور نصاب واضح اور مضمر دونوں انداز میں اس کی ترسیل کرتا ہے۔
شراکتی تعلیم کو مربوط رکھنے وای کھڈی یا فریم ورک دنیا کے بارے میں ایک نقطہ نظر کی طرح ہوتا ہے جو ہماری تحدیدات یا مجبوریوں کے بجائے ہمارے انسانی امکانات پر زور دیتا ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ تعلقات کو اس انداز میں تعمیر کرنا ممکن اور تاریخ کے اس موڑ پر ناگزیر ہے جو تخلاقیت اور ہمدردی سے متعلق ہمارے بے اندازہ امکان کو مسدود کرنے کے بجائے اس کی تکمیل میں ہماری مدد کرتا ہے۔ ثقافتی قلب ماہیت کا نظریہ دنیا کے بارے میں اسی نقطہ نظر کا اظہار کرتا ہے۔ یہ شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کو سماجی تنظیم کے دو امکانات قرار دیتا ہے۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ثقافتی قلب ماہیت کا نظریہ شراکتی نصابی کھڈی کا جزو لاینفک ہے۔
ثقافتی قلب ماہیت کا نظریہ تعلیم کے لیے ایک وسیع تر فریم ورک کی حیثیت سے ہمارے ماضی' حال اور مستقبل کے امکانات کے بارے میں ایک نیا تناظر مہیا کرتا ہے۔ یہ شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کے درمیان کشمکش کے آثار کو ابتدائی انسانی معاشروں سے لے کر ہمارے دور تک کھینچنے والی یا کشش دار قوتوں کی حیثیت سے بیان کرتا ہے۔ یہ ماقبل تاریخ کے ہزاروں برسوں کا خاکہ سامنے لاتا ہے جو یہ شہادت دیتے ہیں کہ ایک ایسی سماجی تنظیم میں تبدیلی سے پہلے جو تہذیب کے تمام بڑے مراکز میں بنیادی طور پر حاکمیتی ماڈل کی طرف جھکاؤ رکھتی تھیں۔(26) ثقافت کا بڑا دھارا کم غیر متشدد اور کم غیر منصفانہ تھا۔ یہ ایک ایسا عہد تھا جو شراکتی ماڈل کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھتا تھا۔(26) ثقافتی قلب ماہیت کا

نظریہ دستاویزی تاریخ کو بھی اسی تناظر میں رکھ کر پیش کرتا ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ اس میں شراکت کی طرف تبدیلی کے آثار موجود رہے ہیں اور یہ کہ حاکمیتی مزاحمت اور دوری رجعتیں اس کی راہ میں حائل رہی ہیں ۔گزشتہ تین صدیوں پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے جو ٹیکنالوجی میں تیز رفتار تبدیلیوں کی وجہ سے شدید عدم توازن کا دور ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ ہمارے دور کے دھاروں اور مخالف دھاروں کو ایک نئی بنیادی تبدیلی کی تحریک کی اصطلاحات میں بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے یعنی اس مرتبہ، حاکمیتی سے شراکتی ماڈل کی طرف تبدیلی، یہ مزید واضح کرتا ہے کہ آج ہم ایک ارتقائی دوراہے پر کھڑے ہیں اور شراکتی ماڈل میں تبدیلی کے عمل کی تکمیل تباہی کے خطرے سے بچا کر ایک ارتقائی انقلاب سے ہمکنار کر سکتی ہے۔

مختصراً ثقافتی انقلاب کا نظریہ بتاتا ہے کہ ہمارے مستقبل کی اصل جدوجہد رائٹ اور لیفٹ، مذہب اور سیکولرازم یا سرمایہ داریت اور کمیونزم کی روایتی انتہاؤں کے درمیان نہیں بلکہ یہ انتہائی نچلی سطح سے ابھرتی ہوئی شراکتی حیات نو ہے جو ان درجہ بندیوں سے بے پروا ہے اور اس کے خلاف بالعموم غیر شعوری مورچہ بند حاکمیتی مزاحمت کے درمیان ہے۔

یہ واضح کرتے ہوئے کہ فرد یا ذات اور معاشرے کا ارتقا ناقابل تقسیم طور پر جڑا ہوا ہے۔ ثقافتی انقلاب کا نظریہ روایتی نصابوں میں رچے بسے حاکمیتی بیانوں کی شناخت اور تجزیے کے لیے ایک فریم ورک مہیا کرتا ہے۔ یہ نئے بیانیے تجویز کرتا ہے جو ہمارے شعور کو وسعت بخشتے ہیں۔ یہ ایسے سوالات بھی تجویز کرتا ہے جنہیں اٹھانے کی ضرورت ہے۔ ایسے پروگرام جنہیں تشکیل دینا ضروری ہے اور ایسے شخصی معمولات اور سماجی اختراعات جو ایک ایسی دنیا کی طرف تبدیلی کے عمل کو مہمیز کرنے میں ہماری مدد کر سکتا ہے جو حاکمیت کے بجائے بنیادی طور پر شراکت کی طرف جھکاؤ رکھتی ہو۔

جیسا کہ شکل 2.3 میں وضاحت کی گئی ہے شراکتی نصابی کھڈی پر بُنی جانے والی تعلم کی ٹیپسٹری تعلیمی دھاگوں کے تین بڑے گٹھوں یا لڑیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

عمودی دھاگے

عمودی دھاگے ہماری دنیا اور اس میں ہمارے مقام سے متعلق بیانوں کے ایک نئے مجموعے کے لیے کہانی کا بنیادی سلسلہ مہیا کرتے ہیں۔ وہ ہمیں ہماری کائنات کی ابتدا سے اس نقطے تک لے جاتے ہیں جہاں ہم ارتقائی تصویر میں فٹ بیٹھ جاتے ہیں جیسا کہ باب 3 اور 4 میں واضح کیا گیا ہے اور شکل 2.3 میں دکھایا گیا ہے۔ یہ ایک ایسی کہانی سناتے ہیں جو خود ہمارے دور تک جاری ہے یعنی کائناتی، سیارہ جاتی، حیاتیاتی اور ثقافتی ارتقا کی ایک غیر معمولی داستان، ان کا اختتام اس بات پر ہوتا ہے کہ ہمارے

سامنے دوممکنہ مستقبل ہیں، ارتقائی تباہی یا حیات نو۔

زمانی دھاگے طلباء کے لیے وہ بنیاد مہیا کرتے ہیں جس سے آج ہم سب عاری ہیں یعنی ہماری دنیا اوراس میں ہمارے مقام کا واضح احساس، اس کے بغیر ہم نفسیاتی، سماجی، ماحولیاتی طور پر اور ٹیکنالوجی کے اعتبار سے پورے اور فعال نہیں ہو سکتے۔ یہ فطرت اور خود ہماری انسانی فطرت کے بارے میں متعدد غلط تصورات کو رفع کرتے ہیں۔ اقدار اور سماجی تنظیموں کے مابین تعلقات کو نمایاں کرتے ہیں، ماحولیاتی ذمہ داری پیدا کرتے ہیں اور بظاہر بے تعلق شعبہ ہائے مطالعہ کو سائنس کی ایک وسیع تر کہانی کے سیاق وسباق میں مربوط بناتے ہیں۔ اس بات کو واضح کرتے ہوئے کہ ہماری کائنات ایک حادثاتی کائنات ہے جس میں ہر قدم پر مختلف امکانات اور فیصلوں کی آزادی موجود ہے، یہ تعمیری اقدام کی تحریک پیدا کرتے ہیں۔

افقی دھاگے

افقی دھاگے قدیم وجدید دونوں قسم کے ایسے آلات ذہن مہیا کرتے ہیں جن کی بچوں کو ضرورت ہے جیسا کہ ہم باب 5 میں دیکھیں گے، افقی دھاگوں کا ایک گٹھا مسلمہ شعبہ جات کی نمائندگی کرتا ہے جیسے کہ ریاضی، پڑھنا لکھنا، سائنس، معاشرتی علوم، آرٹ، جسمانی تعلیم اور موسیقی اور ساتھ ہی ساتھ ایسے شعبہ جات بھی جو اب نصاب میں اپنی جگہ بنا رہے ہیں جیسے کہ کمپیوٹر خواندگی۔ دوسرا گھٹا جس سے باب 6 میں بحث کی گئی ہے۔ طلباء کی فوری اور طویل مدتی ضرورتوں، مفادات، آرزوؤں، امیدوں اور دلچسپیوں پر مشتمل ہے، یہ ترجیحات کے تعین میں ہماری مدد کرتا ہے کہ اکیسویں صدی میں تعلیم کے لیے کیا زیادہ اہم ہے اور کیا کم اہم ہے۔

ایک ایسے ڈیزائن کی مانند جو ٹیپسٹری کی بُنائی میں اچانک زندہ ہو کر ہمارے سامنے آ جاتا ہے۔ ان موضوعات کو جب عمودی زمانی دھاگوں کے ساتھ بُنا جاتا ہے تو یہ ایک نیا مفہوم اختیار کر لیتے ہیں۔ اس طرح جو کچھ تشکیل پاتا ہے وہ ہماری روزمرہ زندگیوں اور مستقبل سے متعلق ہمارے فیصلوں سے مناسبت رکھتا ہے۔ (ملاحظہ کیجیے شکل 2.4)

آڑی بُنائی

آڑی بُنائی ٹیپسٹری کو قائم رکھتی ہے اور اس کی صورتوں کو زندگی عطا کرتی ہے۔ آڑی بُنائی کے تین مجموعے شراکتی تعلیم کو مربوط بنانے کے ساتھ بھرپور بھی بناتے ہیں۔

پہلا مجموعہ شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں پر مشتمل ہے جنہیں صورتوں کی شناخت کی مہارتیں سیکھنے کے

آلات کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ہمارے تعلقات سے متعلق ان دو مختلف امکانات کی اصل ہیئتوں کی تفہیم کے ذریعے ہم معلومات کے ان ٹکڑوں کے مابین ربط کو سمجھ سکتے ہیں جو بظاہر غیر مربوط معلوم ہوتے ہیں۔ اس طرح ہم اقدار اور سماجی تنظیموں کے درمیان تعلق کی اپنی تفہیم کو زیادہ گہرائی کا حامل بناتے ہیں اور ہم یہ سمجھنے کے قابل ہو جاتے ہیں کہ ہمارے مستقبل کا انحصار اس بات پر ہے کہ ہم شراکتی ماڈل کی طرف مزید کتنی پیش رفت کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

آر ڈی بُنائی کا دوسرا مجموعہ شراکتی اقدار اور اخلاقیاتی / اخلاقی معیارات ہیں یعنی اپنے خاندانوں' کارگاہوں اور کمیونٹی میں روزمرہ زندگی سے متعلق رہنما خطوط اور یہ کہ ہم اپنی دھرتی ماں سے کس طرح پیش آتے ہیں۔ اس مجموعے میں اخلاقی اور اخلاقیاتی قیادت کی تعلیم بھی شامل ہے جو ایک تباہ کن اکیسویں صدی کے بجائے ایک زیادہ منصفانہ' پرامن اور تخلیقی اکیسویں صدی کی تعمیر کے لیے درکار ہے۔

آر ڈی بُنائی کا تیسرا اور قریبی طور پر جڑا ہوا مجموعہ بنیادی شراکتی خواندگیوں اور اہلیتوں پر مشتمل ہے' اس میں جذباتی' اولاد سے متعلق نگہداشتی اور نظامی اہلیت سے لے کر سیاسی' روحانی اور قیادتی اہلیت شامل ہے۔ یہ اہلیتیں انسان دوست اقدار' ماحولیاتی احساس اور زندگی کی ایسی مہارتیں پیدا کرنے میں نوجوان افراد کی مدد کرتی ہیں۔ ہمیں اپنی ذاتی اور سماجی صلاحیتوں کی زیادہ بھرپور تکمیل کے لیے ان کی ضرورت ہے۔ آگے چل کر جو مواد مہیا کیا جا رہا ہے اس میں ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ ان کی تدریس کس طرح کی جا سکتی ہے۔ مثلاً اس چیز کی تدریس سے جسے میں نے ''زندگی کے ساتھ لگاؤ'' (ذات' دوسرے اور فطرت) کا نام دیا ہے۔ باب 6 میں ذاتی انضباط اور زندگی کی منصوبہ بندی کے سکیشن میں بحث کی گئی ہے۔

آر ڈی بُنائی کا چوتھا مجموعہ اس مواد پر مشتمل ہے جو منفی توازن کو یقینی بناتا ہے: یعنی جو کچھ پڑھایا جاتا ہے اس میں انسانیت کے نسوانی اور مردانہ نصفوں کو یکساں وقعت دی جاتی ہے۔ منفی توازن پر مبنی تعلیم نہ صرف اس چیز کو نمایاں طور پر تبدیل کرتی ہے جو بچے قابل قدر علم اور صداقت کی حیثیت سے سیکھتے ہیں بلکہ یہ انہیں یہ شعور بھی عطا کرتی ہے کہ وہ بہت وسیع اقسام کی صفات اور طرز ہائے عمل کی صلاحیت کے حامل ہیں نہ کہ محض وہ کچھ جو انہیں عورت اور مرد کی ہماری بنیادی پہچان سے متعلق پڑھایا گیا ہے۔ یہ عورتوں اور مردوں دونوں میں عام طور پر ''مردانہ'' (جیسے کہ اختیار جتانا) اور ''نسوانی'' (جیسے کہ ہمدردی اور کام کی دیکھ بھال جس کے بغیر ہم میں سے کسی کی بھی بقا ممکن نہیں) سمجھی جانے والی صفات اور سرگرمیوں کی قدر و قیمت کی جانچ میں اور یہ دیکھنے میں نوجوان افراد کی حوصلہ افزائی کرتی ہے کہ حاکمیت اور تشدد ''حقیقی'' مردانگی کا جزو لازم نہیں۔

آڑی بُنائی کا پانچواں مجموعہ ایسے مواد پر مشتمل ہے جسے کثر یتی / کثیر الثقافتی نصاب کے طور پر جانا جاتا ہے۔ یہ انسانوں اور فطرت دونوں میں تنوع کو قابل قدر گردانتا ہے۔ ماحولیاتی تعلیم کی فراہمی کو ایک اضافے کی حیثیت دینے کے بجائے یہ مواد اسے پورے نصاب کے ساتھ مربوط کرتا ہے۔ یورپی اثرات کے فیوض کو گھٹانے کے بجائے یہ ان کی بعض ابتدائی شراکتی جڑوں اور دوسری ثقافتی روایات میں پائی جانے والی ایسی ہی جڑوں کے مابین مشابہتوں کو سامنے لا کر یورپی ثقافتوں کی ہماری تفہیم کو تقویت بخشتا ہے۔ کثر یتی تعلیم بچوں کے مستقبل کی کنجی ہے۔ ایسے بچے جو کنارے پر دھکیل دیئے جانے والے غیر سفید فام، غیر یورپی گروہوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ عالمگیریت کے اس دور میں ہمارے سب کے مستقبل کے لیے بھی اشد ضروری ہے جہاں ہمیں دنیا کی متعدد ثقافتوں کو سمجھنے اور یہ سیکھنے کی ضرورت ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ اور اپنی دھرتی ماں کے ساتھ شراکت داری میں کس طرح زندہ رہ سکتے ہیں۔

آڑی بُنائی کا چھٹا مجموعہ، شراکتی عمل کی نمائندگی کرتا ہے: یعنی تدریس کا ایک ایسا انداز جو شراکتی تعلقات کا نمونہ پیش کرتا ہے اور انہیں مستحکم کرتا ہے، سیکھنے کے متعدد اسالیب کو قابل احترام سمجھتا ہے اور ہر بچے کو اس احساس سے ہمکنار کرتا ہے کہ اسے توجہ اور صحت دی جا رہی ہے۔ یہ انداز جذباتی اور فکری تعلیم کو مربوط بناتا ہے۔ اس چیز کو وقیع جانتا ہے جسے ہاورڈ گارڈنر نے کثیر ذہانتیں کا نام دیا ہے۔ ٹیم ورک کو فروغ دیتا ہے اور خود کو خود ہدایتی تعلم کے لیے بخوبی قابل قبول بناتا ہے۔

شراکتی نصابی کھڈی اور تعلم کی ٹیپسٹری اس کتاب کی مفید رہنما ہے۔ یہ اساتذہ، گھریلو تدریس سے وابستہ والدین اور دوسروں کے لیے بھی ایک مفید آلہ کار ہے جو شراکتی نصاب، تدریسی طریقوں اور تعلم کے لیے سازگار ماحول کی تشکیل میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ ایک اور مفید آلہ کار اس باب کے آخر میں شراکتی تعلیم کی چھ کنجیاں کے عنوان سے دیا گیا چارٹ ہے۔

مستقبل کی بُنائی: شراکتی سکول

شراکتی نصابی کھڈی اور تعلم کی ٹیپسٹری کا پورا ڈیزائن نظامی یا کلیتی فکر کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ یہ بچوں کی سیکھنے، پھلنے پھولنے اور تخلیق کرنے کی استعداد کی تفہیم کے لیے ایک حیاتیاتی اور سماجی سانچا مہیا کرتا ہے۔ یہ اساتذہ کو جو مواد اس کتاب میں مہیا کیا جائے گا اسے قابل استعمال بنانے کے ساتھ ساتھ شراکتی، حاکمیتی تسلسل کے تجزیاتی عدسے کے ذریعے جو نصاب وہ موجودہ طور پر استعمال کر رہے ہیں اس کی نظر ثانی کے لیے ایک ڈھانچہ فراہم کرتا ہے۔

MashalBooks.org

آنے والے صفحات میں متعدد وسائل مہیا کیے جائیں گے جنہیں آپ جوڑ بُن کر شراکتی تعلیم کو عملی جامہ پہنا سکتے ہیں۔ مرکز برائے شراکتی مطالعات (سی پی ایس) کا پروجیکٹ ''مستقبل کی بُنائی: شراکتی سکول''، نصابی مواد، عمل ہائے تعلم اور تعلیمی ڈھانچوں کی تشکیل و ترسیل کے لیے جو شراکتی رویوں، اقدار اور مہارتوں کے نکاس ہیں، سکولوں، یونیورسٹیوں اور دوسری تنظیموں کے اشتراک سے اس مواد میں سے کچھ مواد کو پہلے ہی استعمال کر رہا ہے۔

مثال کے طور پر روز ویلی (پینسلوانیا) کے سکول میں سی پی ایس نوجوان طلباء کے لیے ایک ایسے نصاب کی تشکیل، پرکھ اور اس کے جائزے میں معاونت مہیا کر رہا ہے جو خدماتی تعلم کو مربوط بنانے کے ساتھ ساتھ بچوں میں شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کے بارے میں تنقیدی انداز میں سوچنے کی قابلیت پیدا کرتا ہے۔ نیا چاند کے ذریعے جو منی سوٹا سے نکلنے والا لڑکیوں کا ایوارڈ یافتہ میگزین ہے اور جس کی ادارت آٹھ سے چودہ برس کی عمر کی لڑکیوں کے ہاتھ میں ہے۔ سی پی ایس مختلف عمروں کے بچوں کے لیے شراکتی موضوعات پر کہانیاں لکھنے کے لیے نیا چاند کی ثقافتی طور پر متنوع مجلس ادارت میں لڑکیوں کو اکٹھا کرتا ہے۔ واشنگٹن سیاٹل کے نووا ہائی سکول (جو کثیر الثقافتی طلباء پر مشتمل ایک پبلک چارٹر سکول ہے) میں سی پی ایس حیاتیات اور ثقافتی تاریخ کے نئے نصاب کی تشکیل، پرکھ اور اس کے جائزے کے لیے اساتذہ، طلباء اور حالیہ طور پر تحصیل یافتہ طلباء کے ساتھ کام کر رہا ہے۔

اساتذہ اور گھریلو تدریس سے متعلق والدین کے لیے خصوصی دلچسپی کی بات یہ ہے کہ سی پی ایس یونیورسٹی آف کنساس کے مرکز برائے تحقیق و تعلم (جو استمراری ٹیچر ایجوکیشن میں قائدانہ حیثیت رکھتا ہے) کے اشتراک کے ساتھ ریاست ہائے متحدہ میں متعدد مقامات پر اساتذہ کے لیے پیشہ ورانہ تربیتی ورکشاپس کا اہتمام کرتا ہے۔ ان مختصر ورکشاپس میں استمراری تعلیم سے متعلق کریڈٹ حاصل کرنے کے لیے شرکت کی جا سکتی ہے۔ ''تربیت کنندگان کی تربیت'' کے لیے طویل ورکشاپس کی منصوبہ بندی کی جا رہی ہے تا کہ شراکتی تعلیم کو قومی اور بین الاقوامی طور پر فروغ دیا جا سکے۔ علاوہ ازیں کیلیفورنیا سٹیٹ یونیورسٹی، مانیٹری بے میں ایسے تعلیم کاروں کے لیے ایک ماسٹر پروگرام شروع کیا جا رہا ہے جو اپنے کلاس روموں میں شراکتی تعلیم کو استعمال کرنے کے خواہشمند ہیں۔

یہ پروجیکٹ مواد (جو کچھ ہم سیکھتے ہیں اور جس کی ہم تدریس کرتے ہیں) اور ڈھانچے (جہاں ہم سیکھتے اور تدریس کرتے ہیں) کے ملاپ سے مربوط شراکتی تعلیم کے لیے اجزائے ترکیبی تیار کر رہے ہیں۔ اس میں سے کچھ مواد سی پی ایس کی ویب سائٹ (www.partmershipway.0rg)

پر دستیاب ہوگا اور اسے وقفے وقفے سے اپ ڈیٹ بھی کیا جاتا رہے گا جہاں مناسب ہوا اسے تعلیمی پبلشروں، بک سٹوروں اور تقسیم کے دسرے ذرائع کے ذریعے بھی دستیاب بنایا جائے گا۔

مجھے خوشی ہے کہ اس کتاب کی اشاعت سے پہلے یہ موجودہ تعلیمی ٹیپسٹری کی دوبارہ بُنائی کا آغاز کرنے کے لیے اور بچوں کو زیادہ بھرپور، بارآور اور ہمدردی پر مبنی زندگیاں گزارنے کے قابل بنانے کے لیے اس میں کسی قدر دلچسپی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ تاکیداً یہ کہنا ضروری ہے کہ اس سے یہ مراد نہ لی جائے کہ نوجوان افراد جن مسائل سے دوچار ہیں بالخصوص وہ نوجوان افراد غربت کی زندگی اور روزمرہ تشدد کا شکار ہیں، شراکتی تعلیم ان تمام مسائل کو حل کر سکتی ہے لیکن بچوں کے بے اندازہ تجسس کو تحریک دے کر انہیں نئی اور متاثر کن داستانیں فراہم کر کے ان کی مدد کر کے اور ایک دوسرے کی مدد کے لیے ان کی حوصلہ افزائی کر کے (مثلاً ٹیم بنا کر انہیں کام تفویض کرنے اور ایک دوسرے کی تدریس کے ذریعے) اور حقیقی زندگی کی ضرورتوں کو پورا کرنے، اپنی کمیونٹی کے ساتھ جڑنے، ایک صاف ستھرے اور صحت مندانہ ماحول کے قیام اور خود کو ان لوگوں کی جگہ پر رکھ کر دیکھنے کے لیے جو ضرورت مند ہیں اور شراکتی تعلیم کے استعمال کو آسان بنا کر شراکتی تعلیم ہمارے لوگوں اور ہماری دنیا کی تبدیلی کے لیے ایک طاقتور قوت ثابت ہو سکتی ہے۔ ہمدردی کی اس تربیت۔ ہمدردی کو عمل میں لانے کے لیے زندگی کی مہارتوں کی تربیت۔ شراکتی تعلیم کے بنیادی مقاصد میں سے ہے۔ یہ ایک غیر معمولی مقصد ہے اور ایک ایسی دنیا میں اس کا حصول آسان نہیں جو اب بھی شراکتی ماڈل کی طرف جھکی پڑی ہے لیکن اس بات کی شہادت موجود ہے کہ اس سمت میں پیش رفت پہلے ہی شروع ہو چکی ہے۔

جیسا کہ موجودہ ترقی مائل کارپوریشنوں میں دیکھنے میں آتا ہے، شراکتی قائد یا منیجر، کوئی سپاہی یا کنٹرولر نہیں ہوتا جو احکامات صادر کرتا ہے جن کی تعمیل ضروری ہوتی ہے بلکہ یہ وہ ہوتا ہے جو پیداواریت کے لیے تحریک بنتا ہے اور پرزور انداز میں تخلیقی ٹیم ورک کے لیے سہولت پیدا کرتا ہے۔ ترقی مائل سکولوں میں، اساتذہ، شفقت اور ہمدردی کے طرز ہائے عمل کا مظاہرہ کر کے تعلم اور تخلیقیت کے لیے تحریک و تسہیل پیدا کرتے ہیں۔ حاکمیتی اور شراکتی ماڈلوں کے درمیان ایک اہم فرق استبدادی خاندانوں، جو نابرابری کا نمونہ ہوتے ہیں اور بچوں کی ایسی غیر ہمدردانہ قسم کی تربیت و نگہداشت کو فروغ دیتے ہیں جو حاکمیتی نفسیات کی تشکیل کے لیے ضروری ہوتی ہے اور جمہوری خاندانوں کے درمیان امتیاز میں پایا جاتا ہے جو ہمدردی، شفقت اور برابری کا نمونہ ہوتے ہیں اور روزمرہ تجربے کے ذریعے جمہوری اقدار کی تلقین کرتے ہیں۔ آج کل نہ صرف گھرانوں کے بالغوں کے مابین زیادہ برابری بلکہ بچوں کی زیادہ ہمدردانہ

نگہداشت کے لیے بھی خاصی پیش رفت ہو رہی ہے۔

ہمدردی، شفقت اور برابری یقیناً ایسی چیزیں ہیں جن کی حضرت عیسیٰؑ جیسے عظیم مذہبی معلمین بھی تبلیغ کرتے تھے۔ شراکتی تعلیم ان بنیادی، آفاقی طور پر تسلیم شدہ اقدار کو اساس بنا سکتی ہے۔ یہ سزا اور جبر کی پرانی حاکمیتی اخلاقیات کے ذریعے نہیں بلکہ شفقت و ہمدردی کی شراکتی اخلاقیات کے ذریعے ہمارے دور کی کلبیت اور عدمیت سے بچنے میں نوجوان افراد کی مدد کر سکتی ہے۔

آدرشوں کے طور پر شراکتی اقدار کی آفاقیت اور استقامت اور وہ بھی ان کے اظہار کے خلاف ہر طرح کی جنگجوئی کے باوجود ہماری نوع انسانی کے بارے میں اور ایک ایسے دور میں بنیادی ثقافتی قلب ماہیت کے امکانات کے بارے میں کسی اہم چیز کا پیغام دیتی ہے جب تباہی کی ایسی قسم جو جدید صنعتی دور کے خاتمے کے ساتھ ہی وقوع پذیر ہو سکتی تھی۔ کثیر نظامی ناکامی کے برفشار کے ساتھ انجام کو پہنچ سکتی ہے۔ ہم میں سے بیشتر کو اس بات کا احساس ہے کہ اگر ہم آج اور مستقبل کے بچوں کو زیادہ منصفانہ اور پرامن انداز میں مل جل کر زندہ رہنے کے لیے تیار نہیں کرتے تو حیاتیاتی اور نیوکلیائی ہتھیاروں کے ہمارے دور میں ہو سکتا ہے ان کا کوئی بھی مستقبل نہ ہو۔ ہمیں اس بات کا احساس بھی ہے کہ اگر ہم اپنی خالی خولی "تسخیر فطرت" سے دامن نہیں چھڑاتے تو ہم نہ صرف دوسری انواع جو اس سیارے پر ہماری شراکت دار ہیں بلکہ خود اپنی نوع انسانی کے مستقبل کو بھی خطرے میں ڈال دیں گے۔ **(28)**

اس قدیم کہانی کے برعکس کہ جب روم جل رہا تھا، تو قیر کیسے بنسری بجا تا رہا اگر اساتذہ، والدین اور ہم وہ تمام لوگ جو آج اور کل کے بچوں کے مستقبل سے تھوڑا سا بھی سروکار رکھتے ہیں، اکٹھے ہو جائیں تو اس انجام کو ٹالا جا سکتا ہے۔ اگر ہم شراکتی تعلیم کے ذریعے آج کے سکولوں میں زیادہ تر نظر انداز کی جانے والی انسانی صلاحیتوں بالخصوص ہمدردی اور تخلیقیت کے لیے ہماری انسانی صلاحیتوں کی حیران کن اقسام کی نشوونما کریں تو ہم ایک شراکتی دنیا کی بنیادیں رکھے جانے میں مددگار ہو سکتے ہیں۔

شراکتی تعلیم کی چھ کنجیاں

یہ چھ کنجیاں ذہنوں کو سوچنے، محسوس کرنے اور عمل کرنے کی خاطر کھولنے کے لیے مفید ہیں۔شراکتی تعلیم کے لیے سبقی منصوبہ بندی اور نصابی ماڈیول کی تیاری سے وابستہ اساتذہ، والدین، کمیونٹی کارکن اور دوسرے تعلیمی اختراع کار اس باکس کے ساتھ شکل 2.3 اور 2.4 سے رجوع کر سکتے ہیں۔

آلات

ہماری تیزی سے تبدیلی ہوتی ہوئی دنیا میں ہمیں سوچنے اور عمل کرنے کے لیے نئے آلات درکار ہیں۔شراکتی اور حاکمیتی ماڈل ہماری دنیا کو جیسی کہ یہ ہے اور اگر ہم اپنی شخصی اور سماجی صلاحیتوں کو زیادہ سے زیادہ کام میں لائیں تو یہ کیسی ہو سکتی ہے، زیادہ واضح انداز میں سمجھنے کے آلات ہیں۔شراکتی، حاکمیتی تسلسل ایک تجزیاتی عدسہ ہے جو اغل بے جوڑ معلوم ہونے والی صورتوں کو بے نقاب کرتا ہے اور اس طرح ہمارے بعداز جدیدی دور کے معلوماتی انبار کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔اسی سے متعلق آلات کا ایک مجموعہ شراکتی اہلیتیں ہیں جن میں جذباتی اور بچوں کی تربیت سے متعلق اہلیتوں سے لے کر سائنسی، ماحولیاتی اور روحانی اہلیت شامل ہیں۔شراکتی تعلیم، شراکتی عمل کا تدریسی آلہ بھی فراہم کرتی ہے جو شراکتی مواد کی تکمیل کرتا ہے۔یہ عملی شراکت کا نمونہ پیش کرتی ہے اور تعلیم کے لیے سازگار، ایک جمہوری، تحریکی اور تربیتی ماحول تخلیق کرنے میں مدد دیتی ہے۔ایک ایسا شراکتی ڈھانچہ جہاں تمام طلباء کو قابل قدر سمجھا جاتا ہے اور اساتذہ اور دوسرا عملہ طلباء کے ساتھ باہمی احترام اور ہمدردی پر مبنی تعلقات بنا سکتا ہے۔

اقدار

شراکتی تعلیم اس دھرتی پر کم تباہ کن اور زیادہ پرامن، منصفانہ اور پائیدار انداز میں زندہ رہنے کے

لیے رہنما خطوط مہیا کرتی ہے۔ ہماری ثقافت میں بہت کچھ ایسا ہے جو بھرپور اور بامعنی زندگیاں گزارنے کے بجائے مادی اشیاء کے حصول پر زور دیتا ہے۔ یہ تشدد کو نہ صرف ناگزیر بلکہ مردانگی کی علامت بنا کر پیش کرتا ہے اور بالعموم یہ غلط تاثر پیدا کرتا ہے کہ ہم صرف زیادہ استبدادی اور کم منصفانہ طرز ہائے حیات کی طرف واپسی یا معیارات کے مکمل فقدان کے درمیان انتخاب کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ نوجوان افراد کو بے سمت زندگیاں گزارنے یا خارجی پابندیوں اور سزاؤں کے خوف پر انحصار کا عادی بنانے کے بجائے شراکتی تعلیم نوجوان افراد کو ہمدردی اور ذمہ داری جیسی اقدار کا درس دیتی ہے اور بتاتی ہے کہ ہمارے اعمال نتائج کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ نوجوان افراد کو خود سوچنے، اخلاقیاتی اور اخلاقی زندگی کے فیصلوں کے لیے معیارات وضع کرنے، اچھا شہری بننے، ہمدردی پر مبنی خاندان اور کمیونٹی تخلیق کرنے، ہمارے فطری مسکن کو محفوظ رکھنے اور جذباتی و روحانی طور پر زیادہ مطمئن زندگیاں گزارنے کے قابل بناتی ہے۔

ڈھانچے

شراکتی تعلیم نوجوان افراد کو اکیسویں صدی کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کرنے کی خاطر تعلم کو سماجی، معاشی اور سیاسی ڈھانچوں کی تفہیم کی بنیاد پر استوار کرتی ہے۔ اس طرح طلباء یہ سمجھنے کے قابل ہو جاتے ہیں کہ شخصی فیصلے اور سماجی پالیسیاں کوئی خلا میں وجود نہیں پاتیں۔ یہ کہ زیادہ تر ان ڈھانچوں سے متعلق پابندیاں یا مواقع ان کی تشکیل کرتے ہیں۔ یہ واضح کرتی ہے کہ شراکتی یا حاکمیتی ڈھانچے مختلف اقسام کے فیصلوں اور طرز ہائے عمل کے لیے ترغیبات اور عدم ترغیبات کس طرح مہیا کرتے ہیں۔ یہ بتاتی ہے کہ ہماری زندگیوں کے تمام پہلو ہمارے قریبی تعلقات سے لے کر فطری مسکن کے ساتھ ہمارے تعلق تک کس درجہ شراکتی یا حاکمیتی ماڈل کی طرف جھکاؤ رکھنے والے نظم و نسق سے متاثر ہوتے ہیں لیکن یہ اس بات کو بھی واضح کرتی ہے کہ نتیجتاً ہم بھی سماجی نظم و نسق پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ بتاتی ہے کہ سماجی، معاشی اور سیاسی ڈھانچے انسانی ایجادات ہیں اور بایں سبب، اکیسویں صدی کے چیلنجوں سے تخلیقی انداز میں نمٹنے کے لیے انہیں تبدیل بھی کیا جا سکتا ہے۔

سائنس

آج تعلیم کا ایک بنیادی جزو ہماری کائنات اور اس میں ہمارے مقام اور ذمہ داریوں سے متعلق سائنسی علم ہے۔ شراکتی تعلیم ایک ایسی کہانی کے پس منظر میں ان اسرار کو کھنگالتی ہے جو سائنس کی تگ و تاز ہیں۔ یہ پس منظر، اولین ستاروں اور سیاروں سے لے کر زمین پر ہماری منفرد نوع انسانی کی نمود تک،

MashalBooks.org

کھربوں سالوں پر محیط ہے۔ یہ انسانی ارتقا کی بارے میں نئی دریافتوں کو نمایاں کرتی ہے جیسے کہ ہمدردانہ طرز ہائے عمل سے خوشی پانے کی بے پایاں انسانی صلاحیت اور گھر اور ثقافتی ماحول میں بچے کے ابتدائی برسوں کی ناگزیر اہمیت' شراکتی تعلیم دھرتی ماں کے ساتھ ہمارے باہمی تعلق پر زور دے کر ماحولیاتی شعور کو پروان چڑھاتی ہے۔ یہ اس بات کو بھی واضح کرتی ہے کہ شراکتی مزاج کی رہنمائی میں ٹیکنالوجی کی پیش رفت تخریبی ہونے کے بجائے فائدہ مند ہوسکتی ہے اور یہ کہ ہمارے سیارے کی تاریخ کے اس نازک موڑ پر ہم انسانوں کو خود اپنی اور آنے والی نسلوں کی خاطر اپنے مستقبل کا شعوری تخلیق کار بننا پڑے گا۔

مربوطیت

ایک زیادہ پیچیدہ ٹیکنالوجی کے حوالے سے باہم جڑی ہوئی' بعداز صنعتی دنیا میں نوجوان افراد کو سیکھنے کے لیے ایک مربوط انداز کار درکار ہے۔ شراکتی تعلیم ایک نظامی انداز فراہم کرتی ہے جو مختلف شعبہ ہائے مضامین سے لیے گئے مواد کو یکجا کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ یہ کس طرح باہم مربوط ہوتے ہیں۔ یہ وقوفی اور تجربی تعلم کو مربوط بناتی ہے۔ نظری اور عملی کو باہم جوڑتی ہے۔ کثیر الثقافتی مواد کو چھانٹتی ہے اور انسانیت کے نسوانی اور مردانہ دونوں نصفوں سے متعلق معلومات میں توازن پیدا کرتی ہے۔ یہ مختلف النوع نسلوں اور پس منظر سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں اور لڑکوں کے تجربات کی توثیق کرتی ہے۔ یہ قدیم و جدید تاریخ کی واضح تقسیم پر انحصار کرتے ہوئے ہماری انسانی مہم سے متعلق ایک وسیع تر تناظر مہیا کرتی ہے۔ یہ جو کچھ اہمیت کے حامل علم اور صداقت کے طور پر پڑھایا جاتا ہے اسے شخصی اور آفاقی دونوں حیثیتیں عطا کرتی ہے اور ایک زیادہ منصفانہ اور پرامن دنیا کے وژن کی تشکیل میں نوجوان افراد کی مدد کرتی ہے جہاں انسانیت کے کارناموں اور فطرت کی فراوانی کی قدر و قیمت کو صحیح طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔

تحریک

بچوں کو ایسی تعلیم کی ضرورت ہے جو ان میں جتنا بہتر وہ بن سکتے ہیں اتنا بہتر بننے کی تحریک پیدا کرتی ہو۔ ہمارا عام میڈیا زیادہ تر ایک ایسی دنیا کی تصویر کشی کرتا ہے جو مسلسل کشمکش' بے رحمی اور تکلیف میں گرفتار ہے۔ خواہ یہ خبروں میں ہو جو شہ سرخیوں کا درجہ پاتی ہیں یا نہ ختم ہونے والی ''تفریح'' میں جو تشدد اور بدسلوکی کو ''مزے'' کے طور پر پیش کرتی ہے۔ شراکتی تعلیم' انسانی تعلقات کے ضمن میں جو کچھ ممکن اور پسندیدہ ہے اس سے متعلق اس غلط تصویر کی تردید کرتی ہے۔ یہ بتاتی ہے کہ شدید مزاحمت اور دوری رجعتوں کے باوجود گزشتہ تین صدیوں کے دوران' خاندانوں' کارگھوں اور حکومتوں میں حاکمیتی

تعلقات کے بجائے شراکتی تعلقات کی طرف پیش رفت ممکن ہوئی ہے۔ یہ نسلوں اور نسلی گروہوں سے تعلق رکھنے والی جرأت مند عورتوں اور مردوں کے متاثر کن واقعات کو نمایاں مقام دیتی ہے جنہوں نے ہمیں زیادہ آزادی اور برابری دلانے کے لیے تضحیک، ملامت اور تشدد کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ یہ واضح کرتی ہے کہ انفرادی اور گروہی عمل کے ذریعے ہم سب اس روزافزوں تحریک کو جاری رکھ سکتے ہیں اور اسے استحکام دے سکتے ہیں اور اپنی زندگیوں میں حقیقی معنویت اور مقصد پیدا کر سکتے ہیں۔

MashalBooks.org

حصہ دوم

تعلیمی ٹیپسٹری کی دوبارہ بُنائی
عمودی اور فقی دھاگے
شروعات
ستاروں سے ہم تک

زمین پر ہمارے اس سفر کا کیا مطلب ہے؟ ہم میں ایسا کیا کچھ ہے جو باقی فطرت کے ساتھ ہمیں جوڑتا ہے اور اس سے متمیز کرتا ہے؟ کیا آسمان پر ستاروں، سورج اور چاند کی حرکت اور زندگی میں خود ہماری حرکت میں کوئی خاص نقشہ موجود ہے؟ بہ حیثیت انسان ہماری اخلاقیاتی اور اخلاقی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ کیا چیز ہم میں ایسی چیزوں سے متعلق حیرت اور استعجاب پیدا کرتی ہے؟

قدیم وقتوں سے، انسان مذہب، فلسفے اور تحقیق کے تجربی طریقے کے ذریعے جسے ہم سائنس کہتے ہیں اسی قسم کے سوالوں کے جواب تلاش کرتا آیا ہے۔ لیکن عام طور پر سائنس کی تدریس ٹکڑوں اور اجزا میں کی جاتی ہے جو ایک دوسرے سے اور ان سوالات سے بے تعلق معلوم ہوتے ہیں جو ہماری کائنات اور ہماری زندگیوں کے مفہوم کے اسرار کو کھنگالنے کی خاطر ہمارے فکر و تخیل کو برسر پیکار رکھتے ہیں۔

سائنس کی تدریس کا ایک زیادہ مؤثر اور تجسس خیز طریقہ موجود ہے۔ تعلم کے لیے محض غیر مربوط اور مستقلاً تغیر پذیر فریم ورک کے بجائے ایک مربوط فریم ورک، جو ''سائنسی حقائق'' کی تشریح کو تقویت دیتا ہو، بچوں کے تخیل تک زیادہ رسائی رکھتا ہے اور ان میں کائنات کے رازوں کی کھوج کی حیثیت سے سائنس میں دلچسپی پیدا کرنے میں مدد دیتا ہے۔

MashalBooks.org

یہ انداز نوجوان افراد کو ارتقا کی تخلیقی وسعت سے متعلق ایک بڑا تناظر فراہم کرتا ہے۔ یہ زیادہ تغیر پذیری، ڈھانچے کی پیچیدگی، وظائف کے باہمی ربط اور طرز عمل کی لچک داریت کی طرف عمومی ارتقائی حرکت کو بے نقاب کرتا ہے۔ یہ ہمارے لیے اپنی زندگیوں کو ایک ایسے ڈرامے کے حصے کے طور پر جو ابھی تک منکشف ہو رہا ہے نہ کہ پہلے سے متعینہ عمل کے طور پر بلکہ ایک ایسے عمل کے طور پر دیکھنے کے قابل بناتا ہے جس میں ہر قدم پر متعدد ممکنہ انجام موجود تھے اور موجود ہیں۔

سائنس کے زیادہ تر اساتذہ اس بات کو سمجھتے ہیں کہ اس وقت جبکہ افراتفری اور ہنگامہ خیزی کا زور ہے، ایک مربوط فریم ورک خصوصاً بہت اہم ہے۔ یہ معلومات کے دفاتر کو ازبر کرنے کے بجائے وسیع تر صورتیں اور روابط کی تلاش کے لیے طلباء کو تیار کرتا ہے تاکہ وہ بامعنی سوالات اٹھا سکیں اور بنیادی معاملات جیسے کہ ہماری کائنات، زندگی اور خود ہماری نوع کی تاریخ اور امکانات کو کھنگال سکیں۔

اہم بات یہ ہے جیسا کہ ماریا مانٹیسوری نے بھی خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ ہماری کائنات کی سریت اور جاہ وجلال کے بارے میں طلباء میں حیرت واستعجاب کا احساس جگاتا ہے اور اس کے ساتھ انہیں مفہوم و مقصد کے زیادہ بڑے تصور سے بھی آشنا کرتا ہے۔ یہ ایسے سوالات اٹھانے کی تحریک دیتا ہے جیسے کہ ''میں کون ہوں؟ اس حیرت انگیز کائنات میں ہمارا کیا کام ہے؟ کیا ہم یہاں صرف اپنے لیے زندہ رہتے ہیں، یا ہمارے لیے کرنے کو کچھ اور بھی ہے؟'' (1) جیسا کہ برائن سوم نے ''کائنات کا سبز ڈریگن'' میں لکھا ہے، ''ہم انسان کو نمو پذیر کائنات کی ایک جہت کی حیثیت سے نو ایجاد کر کے ہی اپنے زیادہ بڑے کردار سے آگاہی حاصل کر پائیں گے''۔(2)

منکشف ہوتا ہوا ڈرامہ

یقیناً ایسے لوگ موجود ہیں جو اب بھی ارتقا کے ذکر کو الحاد قرار دیتے ہیں۔1920ء کی دہائی میں سکوپس کے مقدمے (جس میں حیاتیات کے ایک استاد پر ارتقا کی تدریس کے ''جرم'' میں مقدمہ چلایا گیا تھا) کی طرح آج پھر بعض بنیاد پرست مذہبی گروہوں کی طرف سے سرکاری سکولوں میں بائبل کی داستان تخلیق پڑھانے پر زور دیا جا رہا ہے۔ ساتھ ہی دنیا کے سب سے زیادہ طاقتور مذہبی رہنما پوپ جان پال دوم نے حال ہی میں یہ بیان دیا ہے کہ ارتقا کے عقیدے اور مذہبی ایمان میں کوئی غیر ہم آہنگی نہیں۔ ارتقا کے بارے میں سائنسی دریافتوں کی مذمت کرنے کے بجائے (جیسا کہ سترہویں صدی کے ایک پوپ نے گیلیلیو کی دریافتوں کے ساتھ کیا تھا) انہوں نے ڈارون کے نظریہ ارتقا کو تسلیم کرتے ہوئے اسے ''ایک مفروضے سے زیادہ'' حیثیت دی ہے جو ایک خالق پر عقیدے سے متصادم نہیں۔(3)

MashalBooks.org

میں جس اندازِ نظر کو پیش کر رہی ہوں وہ اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیتا کہ آیا ارتقا میں کوئی تخلیقی ذہانت موجود ہے۔ اس طرح یہ سوال ہر ایک کے سامنے موجود رہتا ہے تا کہ وہ آخر کار اس کا جواب خود تلاش کرے۔ یعنی آیا اس ارتقائی عمل کی ابتدا اسی سے ہوتی ہے جسے ہم الوہی کا نام دیتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جسے ہم الوہی کہتے ہیں اس میں خود ہماری متعدد اعلیٰ ترین صلاحیتیں شامل ہوتی ہیں۔ تخلیقیت اور ہمدردی کی ماری بے پایاں صلاحیت اور انصاف' حسن اور محبت کے لیے ہماری ٹھوس سعی یہ اور اصول و اقدار اور عقائد ایسے ہی معاملات ہمارے اس نصب العین کو تشکیل دیتے ہیں جس کے لیے بحیثیت نوع اور بحیثیت افراد کوشاں ہیں۔

بہ الفاظ دیگر یہ اندازِ نظر ارتقا کی روحانی جہت کی نفی نہیں کرتا۔ اس کے برعکس' یہ واضح کرتا ہے کہ روحانیت کا ظہور' دوسری زندہ ہستیوں کے ساتھ اور جسے ہم الوہی کہتے ہیں اس کے ساتھ ایکتا کی ہماری انسانی امنگ شعور کے ارتقا کا حصہ ہے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ یہ بتاتا ہے کہ ہمارا حیاتیاتی اور ثقافتی ارتقا کس طرح ہمارے انسانی متبادلات کی تشکیل کرتا ہے اور یہ کہ اس کی بہتر تفہیم کے ذریعے ہم ایسے حالات پیدا کر سکتے ہیں جو حسن' محبت اور انصاف کے لیے ہماری شدید انسانی امنگ کی راہ میں مزاحم ہونے کے بجائے اسے تقویت بخشتے ہوں۔ (''بامعنی ارتقا'' کا باکس ملاحظہ کیجئے)۔

یہ چیز ہمیں اس اہم نکتے تک لے جاتی ہے جس کی طرف میں پہلے اشارہ کر چکی ہوں۔ جب میں حیاتیاتی ارتقا کی بات کرتی ہوں تو یہ صرف اس مفہوم میں ہوتی ہے جس مفہوم میں ماہر حیاتیات اس اصطلاح کو اس وضاحت کی کوشش کرتے ہوئے استعمال کرتے ہیں کہ ایک خاص نوع کی تشکیل کس طرح ہوئی یا اس کا ارتقا کس طرح ہوا۔ یہ ہمارے سیارے پر حیات کی تاریخ کے زیادہ وسیع مفہوم میں ہوتی ہے۔ یہ نظامی نقطہ نظر سے ہوتی ہے اور متعدد شعبوں سے تعلق رکھنے والے نظامی سائنسدانوں کی پیروی کرتی ہے۔ مثلاً حیاتیات سے وابستہ ہمبرٹو میٹورنیا' پال مکلین' ولموس کینفیائی اور ایلسبیٹ ساہٹوریز' قدیم بشریات سے وابستہ ایڈرین زلمین' طبیعیات سے وابستہ فرجوف کیپرا' بشریات سے وابستہ نینسی ٹیز' فلسفے سے وابستہ ارون لیزلو اور نفسیات سے وابستہ ڈیوڈ لوئے اور ایلن کومبز (4) اس سے مراد صرف ''فطری انتخاب'' اور ''بے قاعدہ تغیر پذیری'' کے نظریات کی تدریس نہیں جیسا کہ خود ڈارون نے کہا تھا یہ تو محض ایک زیادہ بڑی کہانی کا حصہ ہیں۔ اخلاقی حس' محبت' استدلال اور سیکھنے کی ہماری استعداد اور تعلیم کا ارتقا' بالخصوص انسانی سطح پر زیادہ اہم عوامل ہیں۔ (5)

جغرافیائی' حیاتیاتی اور ثقافتی ارتقا کو اس زیادہ بڑے تناظر کی مدد سے پڑھایا جائے تو یہ ہماری

MashalBooks.org

کائنات، ہمارے سیارے اور اس زمین پر زندگی کی پیش رفت کا ایک زیادہ بڑا منظر مہیا کرتا ہے۔ اس میں انسانی شعور کا ظہور اور اپنے مستقبل کے شعوری تخلیق کار بننے کا امکان بھی شامل ہے۔

شراکتی تعلم کی ٹیپسٹری کے عمودی دھاگے اس کہانی کے عمومی سلسلے کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ کائناتی، سیارہ جاتی اور حیاتیاتی ارتقا سے ابتدا کرتے ہیں پھر یہ ثقافتی ارتقا کے ساتھ سفر جاری رکھتے ہیں: یعنی انسان کی ماقبل تاریخ اور تاریخ۔ لیکن یہ سب ایک نئے تناظر سے ہوتا ہے۔ ایک ایسا تناظر جو دو بنیادی انسانی امکانات کے طور پر شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کے درمیان کارفرما کشمکش اور ان دونوں سے برآمد ہونے والے نتائج کو واضح کر کے سامنے لاتا ہے۔

اس بڑے بیانیے کے اندر یا ان بیانیوں کے اندر چھوٹے بیانیوں کا ایک انبار موجود ہوتا ہے۔ اس مواد کو کس طرح پیش کیا جاتا ہے اس کا انحصار طلباء کی صلاحیتوں کی پختگی پر ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر، نیشنل جیوگرافک اور سائنٹیفک امریکن جیسی ورلڈ وائیڈ ویب سائیٹس اس سیارے پر حیاتی تنوع سے متعلق متعدد زمانی سطحوں کے بارے میں دلچسپ معلومات مہیا کرتی ہیں۔ ایک مہماتی کہانی سے شروعات کر کے سکول کے بچوں کو دوسرے انواع کے مطالعے میں شمولیت پر راضی کیا جا سکتا ہے: جیسے کہ ڈارون کی گیلا پیگوس جزیرے کے سفر اور جنوبی امریکہ میں اس کی تحقیقات کی کہانی، زیادہ بڑے بچوں کے لیے ایسی کہانیاں رکھی جا سکتی ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہو کہ مختلف انواع کا آپس میں کیا تعلق ہوتا ہے۔ (ایسی کچھ کہانیاں آگے دی جائیں گی) اس میں بچوں کو جانوروں کے براہ راست مشاہدے کے لیے چڑیا گھروں کی سیر کو شامل کیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب میں دی گئی بعض تصاویر کو مثلاً دریائی گھوڑوں کی تصاویر بچوں کو دکھانے کے لیے کام میں لایا جا سکتا ہے۔

مڈل اور ہائی سکولوں میں نوجوان افراد کو اس غیر معمولی حقیقت کے ادراک کے قابل بنایا جا سکتا ہے کہ فطرات میں ریاضیاتی نمونے یا تناسبات موجود ہیں جو خود کو بظاہر مکمل طور پر انمل بے جوڑ فطری اجسام اور مظاہر میں دہراتے ہیں۔ ان میں گرد باد کے چکر، سمندری موجوں، کہکشاؤں، ڈی این اے سمندری گھونگوں، دریائی گھوڑوں، مینڈھے کے سینگوں اور صنوبر کے مخروطی پھلوں سے لے کر انسانی ہاتھ کی انگلیاں، بازو، ٹانگیں اور پاؤں یہاں تک کہ خرگوشوں کی شرح پیدائش بھی شامل ہے۔ ایک رداس کا ریاضیاتی تناسب اس سے بڑے رداس کا 618. یا فائی یا ایک رداس کا چھوٹے کا 1.618 ہوتا ہے۔ یہ نمونے جنہیں قدیم مصری اور یونانی سائنسدان، فلسفی جیسے کہ فیثا غورث، پہلے ہی دریافت کر چکے تھے اور انہوں نے انہیں ''سنہری تناسب'' یا ''سنہری چکر'' کا نام دیا تھا اعداد میں بھی ہمیشہ موجود ہوتے ہیں۔

MashalBooks.org

لیوناڑدو فیبوناچی نے اسی چیز کو اپنے مشہور فیبوناچی سلسلہ اعداد (1,1,2,3,5,8,13,21,34,55,89,144 وغیرہ) میں واضح کیا تھا۔ جب انہیں آپس میں جمع کیا جائے تو ان متصل جوڑوں کے تناسبات سنہری تناسبات کی طرف حرکت کرتے ہیں۔ مثلاً اگر آپ 2 اور اس کے متصل عدد 3 کو جمع کریں تو 5 آتا ہے جب آپ 3 اور 5 کو جمع کریں تو 8 آتا ہے وغیرہ۔ ان سب میں تناسب 618. ہے۔ فیبوناچی کے مطابق اس کا یہ سلسلہ فطری افزائشی ارتقا کا نمائندہ تھا اور یونانی فائی یا کائنات کے سلسلہ تخلیق یعنی لوگوس (لاگرتھمک اسی سے مشتق ہے) (6) سے تعلق رکھتا تھا۔ طلباء شاید اسے فلم ''کانٹیکٹ'' کے موضوعات میں سے کسی ایک موضوع کے ساتھ جوڑ سکتے ہیں جہاں اجنبیوں کے پیغام کو سمجھنے کا صرف ایک طریقہ یعنی اسے ''ریاضی کی آفاقی زبان'' میں سمجھنا تھا جسے اجنبی بھی ابلاغ کے لیے استعمال کرتے تھے۔

اس وسیع تر فریم میں فطری علوم کا مطالعہ تمام حیات کے باہمی ربط کو نمایاں کر کے پیش کرتا ہے اور ماحولیاتی اخلاق کے لیے ایک ٹھوس بنیاد فراہم کرتا ہے جس کی ہمیں فطرت کی تسخیر اور غلبے کے نام پر ترقی یافتہ ٹیکنالوجی کے غیر ذمہ دارانہ استعمال کے سبب شدید تر ہوتے ہوئے ماحولیاتی مسائل کے دور میں اشد ضرورت ہے۔ یہ لڑکیوں اور لڑکوں میں بہت ابتدا ہی میں سائنس کے ساتھ دلچسپی پیدا کرتا ہے اور اس بات کی بہتر تفہیم کے لیے زمین ہموار کرتا ہے کہ ثقافتی اقدار کس طرح سائنس اور ٹیکنالوجی کی رہنمائی کرتی ہیں اور کوئی معاشرہ کس درجہ شراکتی یا حاکمیتی ماڈل کی طرف جھکاؤ رکھتا ہے۔ کس طرح اس کی اقدار میں اسی درجہ اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔

اس باب میں ہم کائناتی' سیارہ جاتی اور حیاتیاتی ارتقا پر نظر ڈالیں گے۔ آئندہ باب میں ہم ثقافتی ارتقا اور اس بات کا جائزہ کا جاری رکھیں گے کہ ہماری نوع کے ظہور کے ساتھ ارتقا جب ایک نئے دور میں داخل ہوتا ہے جسے ہم انسانی ارتقائے باہم کا نام دے سکتے ہیں تو یہ کس طرح ایک نیا ڈرامائی موڑ اختیار کر لیتا ہے۔ ہمارے سیارے زمین پر اولین زندہ خلیے کا ظہور عمل میں آیا۔(11)

سائنسدان یہ بھی جان چکے ہیں کہ ہماری کائنات وہ ہے جسے وہ اتفاقی یا حادثاتی کا نام دیتے ہیں جہاں ہر موڑ پر مختلف ممکنہ انجام موجود ہیں جیسا کہ کوانٹم میکانیات بتاتی ہے۔ پہلے سے متعینہ ہونے کے بجائے ہر قدم پر مختلف امکانات جنم لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہم احتمالیت کے بہت اعلیٰ درجے تک اس بات سے واقف ہیں کہ سورج کل ''طلوع'' ہوگا' تاہم غیر متوقع قصہ بھی ہوسکتا ہے۔ مثلاً طوفانی جھکڑ چل سکتے ہیں اور بغیر کسی تنبیہہ کے سٹاک مارکیٹ نیچے گر سکتی ہے۔

MashalBooks.org

ہماری کائنات، ہمارے سیارے اور اس زمین پر زندگی کا یہ دلکش رزمیہ بچوں کو درجے کی سطح کے مطابق نہایت آسان صورت میں بیان کر کے فلکیات، ارضیات اور طبیعیات جیسے مضامین سے متعارف کروا سکتا ہے۔ مختلف النوع پرانے اور نئے طریقوں کو استعمال میں لا کر اساتذہ اس کہانی میں بچوں کی دلچسپی کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔ وہ طلباء کو ہمارے نظام سیارگاں کی پیدائش کی تصویری شبیہیں یا زندگی کے اولین ظہور سے بہت پہلے، زمین کے ارتقا کے ابتدائی مراحل کی جب یہ لاوے اور چٹانوں کی صورت میں موجود تھی شبیہیں تخلیق کرنے پر ابھار سکتے ہیں۔ اساتذہ کلاس میں مختلف قسم کی چٹانیں لا سکتے ہیں اور طلباء سے یہ سوچنے کے لیے کہہ سکتے ہیں کہ نباتات یا زندگی کی کسی دوسری صورت کے وجود میں آنے سے قبل زمین کیسی دکھائی دیتی تھی (شکل 3.1 ملاحظہ کیجئے)

اساتذہ بعض ایسے سائنسدانوں کے واقعات بھی سنا سکتے ہیں جنہوں نے زمین اور آسمان کی تحقیقات میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ بشمول عورتوں اور غیر سفید فام لوگوں کے جن کا تذکرہ اس مضمون کی بیشتر کتابوں میں شاذ ہی کیا جاتا ہے۔

اساتذہ طلباء کو کسی فلکیات دان کی تصویر بنانے کا کام دے کر اس کی ابتدا کر سکتے ہیں۔ یہ بعد میں زیر بحث آنے والے متعدد عام مفروضات کو سامنے لانے کا ایک بہتر طریقہ ہے۔ طلباء کی ڈرائنگ میں فلکیات دان کو کس طرح پیش کیا جاتا ہے؟ کونسی صنف کی نمائندگی کی جاتی ہے؟ کسی ذات یا نسلی گروہ کی؟(12)

بچے عام طور پر فلکیات دانوں اور بیشتر سائنسدانوں کو عینک لگائے اور لیب کوٹ پہنے یورپی، امریکی مرد خیال کرتے ہیں۔ زیادہ تر بچے جو شبیہیں بناتے ہیں ان میں وہ خود کو نہیں دیکھتے کیونکہ ان کا تعلق مختلف صنف اور نسلی پس منظر سے ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے بعض اس شخص جیسا ہونا پسند نہ کریں کیونکہ جسے وہ ''نرڈ'' یا خبطی سمجھتے ہیں یہ اس سے مشابہ ہو سکتا ہے۔

سائنسدانوں کا یہ تصور بیشتر بچوں کے نقصان کا باعث بنتا ہے کیونکہ وہ خود کو اس کے ساتھ ملا نہیں سکتے، وہ خود کو ان پیشوں میں جانے کے قابل نہیں سمجھتے جو اکیسویں صدی میں نہ صرف معاوضے کے لحاظ سے سرفہرست ہوں گے بلکہ ایسی بیشتر پالیسیوں کا تعین بھی کریں گے جو ہر فرد کے مستقبل کو تشکیل دیتی ہیں۔

اس قسم کے سٹیریو ٹائپ کا مقابلہ کرنے کے لیے طلباء کو ایک عورت کے بارے میں بتایا جا سکتا ہے جو 1600 برس پہلے زندہ تھی اور اپنے وقت کی نہایت ممتاز مفکر سمجھی جاتی تھی۔ یہ کہانی قدیم سکندریہ کی روایتی فلسفی اور سائنسدان ہپاشیا کی ہے۔ اس غیر معمولی عورت نے بہت سی کتابیں لکھیں جو جب قدیم

علم وحکمت کے آخری ذخیروں میں سے ایک ذخیرے سکندریہ کی عظیم لائبریری کو جلایا گیا تو اس کے ساتھ ہی فنا ہو گئیں۔ مگر سکندریہ کے بشپ سرل (جس نے بعدازاں سینٹ سرل کا مرتبہ پایا) نے اس کے لیے موت کا حکم صادر کیا' اس کا ''جرم'' یہ تھا کہ وہ ''بت پرستوں کے علوم'' کی تعلیم دیتی تھی اور خدا کے احکامات کے خلاف انسانوں کو تعلیم دینا چاہتی تھی۔ اس کے احکامات (جو اس چیز کے مترادف ہے جسے مسلمان فتویٰ کا نام دیتے ہیں یعنی کسی گناہ گار یا کافر کو قتل کرنے کا حکم) کے نتیجے میں ہپاشیا ایک خوفناک اور نہایت قبل از وقت موت کا شکار ہو گئی۔ سکندریہ کی اکیڈمی جاتے ہوئے عیسائی جنونیوں نے اسے 391ء میں مذہب کے نام پر قتل کر دیا اور تیز دھار سیپیوں کی مدد سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔(13)

طلباء کو سوفی براہے کے بارے میں بتایا جا سکتا ہے جو تقریباً ایک ہزار سال بعد کے دور سے تعلق رکھتی تھی۔ ایک ایسے دور میں جب عورتوں کو سائنسی پیشوں سے مکمل طور پر دور رکھا جاتا تھا۔ براہے نے کسی نہ کسی طرح فلکیات کی تعلیم حاصل کر لی۔ رواجات کو روندتے ہوئے وہ اکثر اپنے بھائی' مصروف فلکیات دان ٹیکیو براہے (1546-1601) کے ساتھ کام میں مصروف رہتی۔ کوپن ہیگن کے نزدیک ایک جزیرے' یورانی بوگ میں اپنی روایتی قلعہ رصدگاہ میں انہوں نے آسمان کا خاکہ بنایا اور اس پر ایک ہزار ستاروں کے مقام کو دوبارہ واضح کیا۔(14) ماریا کونٹز (1610-1664) نے بھی ان رواجات کو توڑ ڈالا جو عورتوں کو سائنسی تحصیلات سے باہر رکھتے تھے۔ وہ ایک ریاضی دان اور ماہر فلکیات تھی جس نے سیاروں کے اس عظیم مگر پیچیدہ جدولوں کو آسان بنانے کا کام اپنے ذمے لیا جسے مشہور فلکیات دان جوہانس کیپلر نے تیار کیا تھا۔ جب اس نے اپنے زیادہ قابل فہم جدولوں کو اپنی کتاب یورانیا پروپیشیا (1650) میں شائع کیا تو ریاضیاتی علم پر کسی عورت کے کتاب لکھنے کا تصور اتنا عجیب وغریب تھا کہ بہت سے لوگوں نے اس بات پر یقین نہیں کیا کہ یہ خود اس کا اپنا کام ہے۔ بعد کی اشاعتوں میں ایک پیش لفظ کا اضافہ کیا گیا جس میں اس کے شوہر نے یہ واضح کیا کہ اس کوشش میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔(15)

طلباء کو ہسپانوی اور سیاہ فام سائنسدانوں کے بارے میں بھی بتایا جا سکتا ہے۔ مثلاً کیوبا کا سائنسدان کارلوس فنلے (1833-1915) جس نے اس بات کا پتہ لگایا تھا کہ زرد بخار کا مہلک جراثیم مچھر کے ذریعے منتقل ہوتا ہے۔ اس کی یہ دریافت اور نتیجتاً مچھروں کی افزائش پر کنٹرول زرد بخار کے پھیلاؤ کو روکنے میں مددگار ثابت ہوئے۔ ایک اور مثال امریکی فلکیات دان بنجمن بینیکر کی ہے۔ اس کی

کہانی بھی ان بچوں میں تحریک پیدا کر سکتی ہے جنہیں ایسا کوئی رول ماڈل میسر نہیں جو فلکیات میں ان کی دلچسپی پیدا کر سکے۔ بینیکر ایک سیاہ فام آدمی تھا جس نے پڑھنا لکھنا اپنی دادی سے سیکھا جو معاہدے کے تحت ایک خادمہ تھی اور جس نے اپنی اور بینیکر کے افریقی دادی بنا کا کی آزادی خرید کر حاصل کی تھی۔ ہر روز جب فارم کا کام ختم ہو جاتا' بینیکر اپنی پڑھنے اور لکھنے کی مہارت کو ادب' تاریخ اور ریاضی کی اپنی تعلیم میں صرف کرتا۔ بائیس برس کی عمر میں اس نے عاریتاً لی ہوئی ایک جیبی گھڑی کو ماڈل کے طور پر استعمال کر کے ایک گھڑیال بنا ڈالا اور اپنے ہمسائیوں کو حیران کر دیا۔ بینیکر نے پچاس برس کی عمر میں فلکیات کے مطالعے اور جائزے کا آغاز کیا اور فلکیات کی کتابیں اور آلات عاریتاً لے کر خود ہی یہ سیکھنا شروع کیا کہ سیاروں کے مقام کا تعین کس طرح کیا جاتا ہے اور چاند اور سورج گرہن کی تاریخیں کس طرح معلوم کی جاتی ہیں۔ یوں کتنے ہی حساب کتاب کے بعد اس نے فلکیاتی ڈیٹا کی جدولیں تیار کیں اور سال کے ہر دن کے لیے سورج' چاند اور سیاروں کے اوقات اور مقام کا تعین کیا۔ 1790ء میں بینیکر اس جائزہ جاتی ٹیم کا ماہر فلکیات بن گیا جس نے واشنگٹن ڈی سی کی تعمیر کے لیے منصوبے تیار کرنے میں مدد کی تھی۔ جب 1804ء میں بینیکر نے اپنی فلکیاتی جدولیں ٹامس جیفرسن کو بھیجیں تو وہ اسقدر متاثر ہوا کہ اس نے یہ مسودہ فرانسیسی اکیڈمی برائے علوم کو روانہ کر دیا۔ بعدازاں غلامی کی مخالف تحریک نے انہیں بین الاقوامی طور پر ایک ثبوت کی حیثیت سے تقسیم کیا کہ "ذہنی صلاحیتیں جلد کے رنگ سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں"۔(16)

ایسی عورتوں' ہسپانیوں' افریقی امریکیوں اور دوسروں کی کہانیاں پڑھ کر جو سائنسدان تھے اور روایتی سانچے میں فٹ نہیں بیٹھتے بچوں سے ایک مرتبہ پھر فلکیات دانوں اور سائنسدانوں کی تصاویر بنانے کے لیے کہا جا سکتا ہے۔ امید ہے کہ اب ان میں زیادہ تنوع بھی ہوگا اور زیادہ لوگوں کی شمولیت بھی۔

سائنسدانوں اور سائنس سے متعلق بچوں کے ادراک کو وسعت اور گہرائی بخشنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ انہیں قبل جدیدی ثقافتوں سے تعلق رکھنے والے ایسے مواد سے متعارف کروایا جائے جو جدید سائنس کی ابتدا سے پہلے فلکیات کی وسیع تحقیقات کو پیش کرتا ہے۔ مثال کے طور پر پانچ ہزار برس قبل قدیم مصری اپنے اہرام کو اجرام فلکی کے ساتھ وابستہ کرتے تھے اور تقریباً تین ہزار سال قبل نوحجری باشندوں نے جنہوں نے سٹون ہنج اور ایوبری تعمیر کیے بڑی بڑی چٹانوں کے دائروں کو سورج اور چاند کی گردش کے ساتھ وابستہ کیا تھا۔ وہ سرمائی انقلاب شمسی یعنی سال کے مختصر ترین دن پر خصوصی توجہ رکھتے تھے۔ یعنی وہ دن جس دن قدیم لوگوں کے عقیدے کے مطابق سورج ہر برس دوبارہ جنم لیتا تھا۔ اس میں یہ بات مضمر

ہے جیسا کہ ماہر آثاریات' مریجا گمبوٹاس نے توجہ دلائی ہے کہ فلکیات ایک ایسا شعبہ ہے جوان ثقافتوں میں ہزاروں برس پہلے ہی از حد ترقی پا چکا تھا جن کا علم اب فراموش کیا جا چکا ہے۔قدیم انسان کی دلچسپی' زندگی کی پیدائش نو پر زور دینے والے مذہبی عقائد ورسومات سے منسلک تھی۔(17)

فلکیاتی تحقیقات کے ساتھ مذہبی اساطیر اور رسومات کا یہ قدیم تعلق معاصر افریقی قبیلے کے ضمن میں فرانسیسی ماہرین آثاریات کی تحقیقات سے حال ہی میں سے سامنے آیا ہے۔ مالی کے ڈوگن قبیلے کے مطالعے میں انہوں نے یہ دیکھا کہ ڈوگن اسطوریات اور کونیات' فلکیات کے انتہائی ترقی یافتہ حیران کن علم سے معمور ہے جس کا مرکز آسمان کا سب سے زیادہ چمکتا ستارہ سائرلیس ہے۔بعض نظریہ دان اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ڈوگن نے یہ فلکیاتی علم یورپی سیاحوں سے سیکھا ہے لیکن اس بات کے پیش نظر کہ اس فلکیات کی جڑیں ڈوگن اسطوریات میں کس قدر گہرائی تک پیوست ہیں یہ بات زیادہ غلب معلوم ہوتی ہے کہ افریقہ میں اس کی تشکیل خود ڈوگن کے اباؤاجداد نے کی تھی۔(18)

طلباء کو اس بات پر غور کرنے کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ ڈوگن ستاروں کی گردش میں اتنی دلچسپی کیوں رکھتے تھے۔ان میں اس ضمن میں خود اپنی کہانیاں سوچنے (یا بعد کے گریڈوں میں اس سے متعلق تحقیق) کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے نظام شمسی میں مجمع النجوم کو ایسے پر تخیل نام کیوں دیئے جاتے رہے ہیں جیسے کہ دب اکبر' عقرب' دب اصغر (خرس اصغر)' ثور اور قنطور۔

اساتذہ ایسے سادہ سوالوں سے بھی آغاز کر سکتے ہیں جیسے بچوں سے آسمان پر ستاروں کو دیکھنے کے لے کہنا اور پھر خود اپنے مشاہدات کو دوسروں کے ساتھ تبادلہ کرنا۔ وہ خلانوردوں کی کہانیوں سے بچوں کے تخیل کو مہیز کر کے ان میں سائنسی جستجو کے مطالعے کی حوصلہ افزائی بھی کر سکتے ہیں۔ان میں سیلی رائیڈ' ریہا سیڈن اور ایلین روکو شامل ہیں جنہوں نے باہری خلا کے ان جانچے علاقے کی کھوج میں حصہ لیا۔

داستان گوئی کے اس انداز سے کام لے کر اساتذہ طبعی و ذہنی دونوں قسم کی تحقیق کی سنسنی خیزی کے سیاق وسباق میں کائناتی اور طبعی و ذہنی دونوں قسم کی تحقیق کی سنسنی خیزی کے سیاق وسباق میں کائناتی اور سیاہ جاتی ارتقا' فلکیات اور طبیعات کے مطالعے کو دلچسپی خیز بنا سکتے ہیں۔

زندگی کا ظہور وارتقا

سائنسدان حال ہی میں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہمارے سیارے پر زندگی کے اولیں ظہور کو جتنا

MashalBooks.org

سمجھا جاتا تھا اس سے کہیں زیادہ پیچھے تک' تقریباً چار ارب سال پہلے تک کھوجا جا سکتا ہے۔(19)
غیر جاندار مادے سے جاندار مادے میں تبدیلی دنیا کے بڑے اسرار میں سے ہے۔ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ ایسا کیوں ہوا؟ مگر ہم یہ جانتے ہیں کہ جب زندگی ایک دفعہ ظہور میں آ گئی تو یہ نو بہ نو صورتیں اختیار کر کے اپنی بقا کا سامان کرتی رہی۔

پہلے مالیکیول' یا خلیوں کے مجموعے قریب قریب اس کے فوراً بعد ہی وجود میں آ گئے لیکن لاتعداد خلیوں کو اکٹھا رکھنے کے قابل ہڈیوں کے ڈھانچے والی زندگی کی پیچیدہ صورتیں' یعنی ابتدائی فقاری یہی کوئی پچاس کروڑ سال پہلے وجود میں آئے۔(20) ابتدائی ممالیہ کا ظہور کوئی پچیس کروڑ سال پہلے ہوا۔ (21)

انسان نما نوع پچاس لاکھ اور بیس لاکھ سال پہلے کے دوران وجود میں آئی۔(22) ہماری نوع' یعنی ہم بشر نوع نے' جو کچھ عرصہ ابتدائی نینڈرتھلوں کے ساتھ موجود رہی' بس کوئی ایک لاکھ سال پہلے ظہور پایا ہے۔(23)

ہمارے سیارے کے ابتدائی غیر جاندار عہد کے بعد ہماری زمین پر زندگی کے ارتقا کی یہ دلکش کہانی دوسرا بڑا عمودی نصابی دھاگہ ہے۔ یہ ایک ارتقائی دھاگہ ہے جو ایک غیر معمولی سفر کو سامنے لاتا ہے۔ سادہ ترین یک خلوی نامیوں سے لے کر ہر لحہ پیچیدگی اختیار کرتی ہوئی رینگتی' اڑتی اور نہایت جدید تر چلنے اور بولنے والی زندگی کی صورتوں تک اور آج' انسانی ذہن اور ہاتھ......اور پیچیدہ تر ٹیکنالوجی کے ذریعے ان صلاحیتوں کی توسیع ......فطرت کے عمل کے ساتھ اصلاً ہمارے سیارے کو باہم تخلیق کر رہے ہیں۔

یہ دوسرا زمانی دھاگہ' یعنی ہمارے سیارے ہر زندگی کی تاریخ' کنڈر گارٹن سے بارہویں گریڈ تک ہمارے پورے نصاب میں پرویا ہوا ہے۔ یہ طلبہ کو کیمیا اور حیاتیات جیسے مضامین ......گریڈ کے مطابق انتہائی آسان صورت میں ...... سے متعارف کرواتا ہے۔ان مضامین کو ایک کہانی کے سیاق وسباق میں رکھ کر موثر بنایا جا سکتا ہے۔انتہائی متنوع قسم کی شکل' حجم اور صورتوں کی حیران کن کہانی جو زندگی ہمارے عجیب وغریب سیارے پر اختیار کرتی ہے۔

یہ کہانی فطری علوم میں زندگی کی روح پھونک دیتی ہے۔ یہ ہمارے فطری مسکن اور ان متعدد مخلوقات سے متعلق حیرت واستعجاب کو جو اس پر ہمارے ساتھ زندہ ہیں۔ سمجھنے کیلئے بچوں کی حوصلہ افزائی بھی کرتی ہے۔

تنوع پر زور دے کر اساتذہ طلبہ کو یہ سمجھنے میں مدد دے سکتے ہیں کہ جو کچھ بالعموم اب تک انہیں بتایا

MashalBooks.org

جاتا ہے اس کے برعکس' کوئی مخصوص انسانی طرز عمل محض اس لئے ''فطری'' نہیں کہ یہ کسی دوسری قریبی تعلق رکھنے والی نوع میں بھی پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کہ بن مانس کی کچھ انواع' جیسے کہ سوانا بابون میں نر غالب ہیں تو اس سے مرد غالب انسانی معاشرے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ ہم دیکھیں گے' بن مانس کی مختلف انواع سمیت کئی انواع کے طرز عمل کے نمونوں اور سماجی تنظیم میں شدید اختلافات موجود ہیں۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ زبان کے ہمارے استعمال' طرز عمل کے بڑے خزانے اور سماجی تنظیموں کے اختلاف میں ہماری نوع زمین پر موجود حیوانوں ایک بہت بڑی اکثریت سے مختلف ہیں۔

حیاتیاتی ارتقا کے بارے میں نو ڈراوِنی نظریات کے نقطہ نظر کی نسبت یہ ایک زیادہ متوازن تناظر ہے جو بنیادی طور پر جینیاتی بقا کیلئے مسابقت پر مبنی جدوجہد پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ یہ ارتقائی نظریات سے اس حوالے سے مختلف ہے کہ مخصوص انواع کیسے اور کیوں ظہور میں آئیں اور آیا ان میں تبدیلی کیسے اور کیوں واقع ہوتی ہے اور یہ سماجی حیاتیاتی مقبول عام علم سے بھی مختلف ہے جو اسے اس طرح بنا کر پیش کرتے ہیں کہ انسان پیدائشی طور پر ناقص اور متشدد ہیں' اور یہ کہ تمام آبائی حیوانات اور ہم میں یہ چیز ایک قدر مشترک ہے......ایک ایسا تاثر جو ارتقا سے متعلق ٹیلیویژن پروگرام اکثر مرتب کرتے ہیں۔

طلبہ کو ایسی معلومات کی ضرورت ہے جس کی مدد سے وہ ایسے پروگراموں کو زیادہ تنقیدی انداز سے جانچنے کے قابل ہو سکیں' شراکتی تعلیم اس قسم کی معلومات مہیا کرتی ہے۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ یہ طلبہ کو ایک زیادہ وسیع نقطہ نظر فراہم کرتی ہے جس میں حیاتیاتی ارتقا......بشمول انسانی...... سے متعلق دو انداز ہائے نظر یا کہانیاں شامل ہوتی ہیں: ایک جو حاکمیتی ماڈل کے تناظر میں سنائی جاتی ہے اور دوسری جو زیادہ بڑے تناظر میں پیش کی جاتی ہے' جس میں شراکتی ماڈل شامل ہے اور یہ اسے نمایاں مقام بھی دیتی ہے۔

پہلی کہانی' جس کا انحصار بنیادی طور پر متعدد نصابی کتب میں موجود نو ڈارونی اور سماجی حیاتیاتی تحریروں پر ہے' فطری انتخاب کو توجہ کا مرکز بناتی ہے۔ ان سے اور دوسرے ذرائع سے جو تصویر بالعموم ہمیں حاصل ہوتی ہے یہ ہے کہ ہم ایک ایسی نوع ہیں جو خود غرضی ''فطری'' تشدد اور ایک دوسرے کے ساتھ بے رحمانہ مسابقت سے عبارت ہیں۔ اس نقطہ نظر کو ان فلموں سے تقویت ملتی ہے جو مستقلاً شکار خور قاتل جانوروں پر توجہ مرکوز کرتی ہیں' ان کے پس منظر میں نو ڈراوِنی ارتقائی نظریے کے پیوند ایک ''ضمیمے'' کی حیثیت سے موجود ہوتے ہیں کہ چونکہ ہمارا سلسلہ نسب حیوانات سے ملتا ہے لہٰذا تشدد ہمارے لئے ایک فطری چیز ہے۔ طلبہ کے ساتھ اس حاکمیتی نقطہ نظر کو زیر بحث لاتے ہوئے' اساتذہ اعلیٰ درجوں میں

چاہیں تو رچرڈ ڈاکنز کی کتابوں کے اقتباسات کو کام میں لا سکتے ہیں جس نے اس نقطہ نظر کو ایک زندہ نقطہ نظر بنا کر اور ارتقا کو "ایک اندھے گھڑی ساز" اور ہمیں ایک ایسی نوع کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ جو "خود غرض جینوں" سے عبارت ہے۔ ڈیوڈ بیرش اور مائیکل گزیلن جیسے دوسرے نظریہ دانوں نے مزید یہ دعویٰ کیا ہے کہ ارتقا میں جو واحد چیز ہمیں اخلاقی بہتری کی طرف لا سکتی ہے یا صحیح اور غلط کا احساس پیدا کر سکتی ہے وہ ہماری وہی خود غرضی ہے۔(24)

اساتذہ طلبہ سے ان مفروضات کو تنقیدی طور پر جانچنے کیلئے کہہ سکتے ہیں جن پر یہ تناظر مبنی ہے۔ پھر وہ طلبہ کو خود ڈارون کے اقتباسات سے متعارف کروا سکتے ہیں' جیسے کہ اس کا یہ بیان کہ فطری انتخاب وہ واحد اصول نہیں جو حیاتیاتی ارتقا میں کارفرما ہے...... یہ کہ بالخصوص جب ہم انسانی ارتقا کی طرف آتے ہیں تو دوسرے عوامل' جیسے کہ اس چیز کا ارتقا جسے اس نے "اخلاقی حس" کا نام دیا تھا' اپنا کردار ادا کرنے لگتے ہیں۔(25) ایک حقیقت جسے بہت عرصہ نظر انداز کیا گیا یہ ہے کہ ڈارون نے "نسب انسانی" میں "ضمیر" کو ہماری نوع کے "اعلیٰ ترین منصف اور نگران" کے ساتھ شناخت کیا ہے۔(26) علاوہ ازیں' وہ خصوصاً اس بات کا ذکر کرتا ہے کہ "اخلاقی صفتیں فطری انتخاب کے بجائے بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر عادت کے اثرات' استدلالی قوتوں' تعلیم' مذہب وغیرہ کے ذریعے ترقی کرتی ہیں۔" (27) اساتذہ "ہمارے جینوں میں نہیں" (28) اور "معاونت" (29) جیسی کتابوں سے اقتباسات دے کر "خون آلود دانتوں اور جبڑوں والی فطرت" پر دی جانے والی ارتقائی توجہ کا جائزہ لینے اور اس کی تنقیدی جانچ میں طلبہ کی مدد کر سکتے ہیں۔

ارتقا سے متعلق مواد

اس تنقیدی جائزے کے بعد' طلبہ زندگی اور خود ہماری ارتقا کے اس دوہرے پہلو کو نہ صرف ڈارون بلکہ بعد کے سائنسدانوں جیسے کہ پیٹر کروپوٹکن "باہمی امداد" اور ایشلی مانٹیگو نے بھی "انسانی جارحیت کی نوعیت" میں تسلیم کیا ہے۔(30) یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر لاتعداد معاصر حیاتیات دانوں' عصبیات دانوں اور بشریات دانوں نے توجہ کا مرکز بنایا ہے جیسے کہ لن مارگلیز نے اپنے ہم زیستانہ پیدائش کے نظریے میں۔(31) مائی وان ہو نے اپنے اس نظریے میں کہ نامیہ ایک ایسے سلسلے کے ذریعے ارتقا میں شریک ہوتا ہے جس کی بنیاد بے رحمانہ جدوجہد کی نسبت تعلق جوڑنے پر زیادہ ہوتی ہے۔(32) گلن آئزاک نے اپنے اس مفروضے میں کہ خوراک کے باہمی استعمال نے زبان' سماجی

صلہ دہی' اور عقل کی ترقی کو بڑھاوا دیا۔(33) اور رالف ہولووے نے اپنے اس نظریے میں کہ زبان نے بنیادی طور پر جارحانہ سماجی ماحول کے بجائے باہمی تعاون کے ماحول میں جنم لیا۔(34)

اس تنقیدی جائزے کے بعد طلبہ زندگی اور خود ہماری نوع کے ارتقا سے متعلق ایک مختلف کہانی کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں...... یہ کہانی تسلیم کرتی ہے کہ ارتقا کے عمل میں ایک فوڈ چین موجود ہے۔ یہ کہ شکار خور اور شکار بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ کہ انواع ارتقائی گوشوں کیلئے مقابلہ کرتی ہیں' اور یہ کہ یہ زمین ہر موجود زندگی کی حقیقت کا حصہ ہے۔ مگر یہ بھی اقرار کرتی ہے کہ ارتقا کا ایک دوسرا رخ بھی ہے اور یہ قریب قریب ابتدا سے موجود رہا ہے۔ یہ باہمی تعاون اور ہمدردی کا عنصر ہے جسے ڈارون نے ہماری اخلاقی حسن کے حیاتیاتی ماخذ کی حیثیت سے شناخت کیا تھا۔ یہ ایک ایسا عنصر ہے جسے ہم چیونٹیوں اور چمگادڑوں سے لے کر ہنسوں اور اود بلاؤں تک میں موجود دیکھتے ہیں اور یہ ایک ایسا عنصر ہے جو کچھ انواع...... جیسے کہ کتوں' ڈولفن اور انسانوں ...... میں جس چیز کو ہم دوسری انواع کے ساتھ ہمدردی اور ان کیلئے ترحم کا نام دیں گے اس کی صورت میں ظہور پاتا ہے۔(باکس 3.1 اور 3.2 ملاحظہ کیجئے۔)

ارتقا سے متعلق اس دوسرے تناظر کو سامنے لانے والا ایک اہم حجری بشریات دان ایک اہم عامل جو ممالیہ کے ظہور کے ساتھ ہی ماں اور اولاد کے درمیان ہمدردانہ رشتوں پر زور دیتا ہے' ایڈرین زلمین ہے۔ نوع انسانی اور انسان کے ابتدائی ارتقا کے بحیثیت مرد مرکز ''مرد شکاری'' نقطہ نظر کے برعکس' جس میں عورتیں موجود نظر نہیں آتیں سوائے ان اشارات کے جو گاہے گاہے عورتوں کیلئے مردوں کی جنسی مسابقت اور اولاد کیلئے شفقت مادری کے حوالے سے ملتے ہیں' زلمین عورت ''خوراک اکٹھی کرنے والی'' کے کردار پر زور دیتا ہے اور وہ نظر انداز کی جانے والی ایک اہم حجری بشریاتی دریافت کی نشاندہی کرتا ہے کہ نوع انسانی اور ابتدائی انسان زندہ رہنے کیلئے گوشت کے بجائے پودوں پر بہت زیادہ انحصار کرتے تھے۔(35) ''مرد شکاری'' مفروضات کے بھی برعکس کہ خوراک کے حصول کیلئے جانوروں کو مارنے کے کام میں سہولت پیدا کرنے کی خاطر مردانہ تعلق اولین سماجی اکائیوں کی تشکیل میں مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ زلمین (ساتھ ہی ساتھ دوسرے محقق جیسے کہ نینسی ٹیز (36) اور سیلی لینٹن سلوکم) (37) ارتقا میں ماں' بچے کے رشتوں کے اہم کردار پر توجہ مرکوز کرتے ہیں...... وہ یہ رائے دیتے ہیں کہ یہ نہ صرف آئندہ زندگی میں دوسرے افراد کے ساتھ سماجی رشتوں کی بنیاد' بلکہ (جیسا کہ ہم اس باب میں دیکھیں گے) ایک اہم ترین انسانی استعداد کی ترقی کیلئے اساس بھی تشکیل دیتے ہیں' یعنی زبان کے ذریعے ابلاغ کی قابلیت جو ہمارے پیچیدہ سماجی سلسلوں میں مرکزی مقام کی حامل ہے۔(38)

MashalBooks.org

پال مکلین کا مؤقف اس سے مشابہہ ہے۔ وسیع دماغی تحقیق کو بنیاد بناتے ہوئے وہ تجویز کرتا ہے کہ زبان کی ترقی ماں اور بچے کے درمیان ہمدردانہ تعلق کا نتیجہ تھی اور یہ کہ سماجی ذہانت نے کھیل کے ذریعے نمو پائی۔ (39) عصبی حیاتیات دان ہمبرٹو میٹورانا اور فرانسسکو واریلا بھی اسی بات پر زور دیتے ہیں کہ زبان کی جڑیں ہمدردانہ طرز ہائے عمل میں پیوست ہیں۔ (40) اور ''چیلیس اور بلیڈ'' کے ہسپانوی ایڈیشن کے اپنے تعارف میں میٹورانا محبت کی حیاتیات کے تصور کو پیش کرتا ہے' بعدازاں' اس نے ماہر نفسیات گرڈا ورڈین' زولر کے ساتھ مل کر لکھی جانے والی کتاب ''محبت کی حیاتیات اور انسانیت کے ماخذ'' میں اس تصور کو مزید کھول کر بیان کیا ہے۔ (41)

انسانی حیاتیات کیلئے بنیادی ہونے کی حیثیت سے محبت کے ارتقا کا ایک اہم اور حیران کن پہلو یہ حقیقت ہے کہ ہم انسان محبت سے ازحد مسرت حاصل کرتے ہیں ...... نہ صرف محبت لے کر بلکہ محبت دے کر بھی۔ سائنسدان آج کل اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ ہمدردانہ اور شفقت آمیز طرز ہائے عمل میں مصروف ہونے کی صورت میں ہمارے جسم طاقتور کیمیکلز خارج کرنے کی استعداد سے لیس ہیں ...... یہ کیمیکلز ہماری ان سرگرمیوں کا صلہ' ہمیں احساس آسودگی کی صورت میں دیتے ہیں۔

یہ کیمیکلز' جنہیں نیورو پیپٹائیڈز کے نام سے جانا جاتا ہے' ہمیں ایسے احساسات سے آشنا کرتے ہیں جن میں پرجوش انبساط یا ''عشق'' کی انتہا سے لے کر وہ بے انتہا خوشی جو والدین اور دوسرے بڑے لوگ بچوں کیلئے شفقت کی صورت میں اکثر محسوس کرتے ہیں' اور وہ بے اضطراب طمانیت شامل ہیں' طویل عرصے تک محبت کے تعلق کے حامل افراد جس کا ذکر کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ایک بہتر ماخذ میری کتاب ''مقدس مسرت'' ہے جو یہ تجویز دیتی ہے کہ زندگی کی تاریخ کے مطالعے میں' ہمیں محبت کے حامل طرز ہائے عمل کے ان حیاتیاتی صلوں پر توجہ دینے کی زیادہ ضرورت ہے...... کیونکہ یہ اس چیز کی پیش رفت کے نمائندہ ہیں جنہیں لفظ کے معیاراتی مفہوم میں اس زمین پر زندہ رہنے کے زیادہ ترقی یافتہ طریقوں کا نام دیا جاتا ہے۔

ایک اور اہم ماخذ ڈیوڈ لوئی کی ''ڈارون کا گمشدہ نظریہ محبت'' ہے۔ لوئی جو ایک ماہر نفسیات اور ارتقائی نظریہ دان ہے' اس چیز کو تفصیلاً بیان کرتا ہے کہ محبت' باہمی تعاون اور اخلاقی حساسیت کی طرف ہمارا ارتقائی ''ٹھوکا'' کس طرح لاکھوں برسوں میں وجود میں آئے۔ مقبول عام نو ڈارونی اور سماجی حیاتیاتی تذکروں کے زیادہ پیچیدہ ارتقائی نظریات کے ساتھ موازنے کے ضمن میں ڈارون کے اس نظریے کا بیان خصوصاً مفید ہے جو اخلاقیات کو حیاتیاتی ارتقا میں پیوست قرار دیتا ہے۔ (42) لوئی ڈارون کے نظریہ

ارتقا کے دونصفوں کی نشاندہی کرتا ہے(1) ایک بنیاد جسے ''ابتدائے انواع'' میں پیش کیا گیا ہے' اور جو فطری انتخاب اور بے قاعدہ تغیر پذیری پر توجہ مرکوز کرتی ہے اور (2) ایک بالائی ڈھانچہ' جسے ڈارون کی بیاضوں اور ''نسب انسانی'' میں پیش کیا گیا ہے اور جو محبت' اخلاقی حساسیت' استدلال اور دوسرے عوامل پر مشتمل ہے جو انسانی سطح پر بنیادی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔(43)

حیوانات رئیسہ کا ماہر فرانز ڈی وال بھی بعض معیاری سماجی حیاتیاتی نقطہ ہائے نظر سے اختلاف کرتے ہوئے یہ دلیل دیتا ہے کہ ہم انسان بنیادی طور پر بری کے بجائے اچھی فطرت کے حامل ہیں اگر چہ ڈی وال بندروں اور بن مانسوں میں موجود غیر ہمدردانہ' بے رحمانہ اور متشددانہ طرز عمل کا ذکر بھی کرتا ہے لیکن اس کی توجہ کا مرکز شفقت' ہمدردی' پرامن تعلقات کی طلب ہیں جو اہم ارتقائی پیش رفت ہیں اور غیر انسانی انواع میں ان کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ اپنی کتاب ''نیک فطرت'' میں یہ استدلال کرتا ہے کہ اخلاقیات کی جڑیں دوسرے حیوانات رئیسہ کے ساتھ ساتھ ہاتھی اور ڈولفن جیسی انواع میں بھی موجود ہیں۔(44)

طب نفسی اور نفسیات کے ماہرین جیسے کہ ابراہم میسلو' رابرٹو اسا گیولی' کیسیمر ز ڈیبروسکی' رابرٹ اورنسٹین اور ایلین کومبز کا کام ''انسانی فطرت'' سے متعلق اس دوسری کہانی کو نئی جہات عطا کرتا ہے ان کے کام کو اس شعبے کی تحریروں کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا جانا چاہئے جو خود کو ارتقائی نفسیات کا نام دیتا ہے کیونکہ یہ کلیتاً دنیا کے بارے میں بیشتر سماجی حیاتیات دانوں کے حاکمیت کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھنے والے نقطہ نظر کے اندر ہی رہتی ہیں جو اصلاً اس چیز کو توجہ کا مرکز بنائے ہیں جسے میسلو ''دفاع'' یا بقائی ضروریات کا نام دیتا ہے۔ اس کے برعکس' اسا گیولی اور ڈیبروسکی بنیادی طور پر اس چیز میں دلچسپی رکھتے ہیں جسے میسلو ''افزائش'' یا خود تکمیلی ضروریات کا نام دیتا ہے جیسے چاہنے اور چاہے جانے کی ضرورت اور کسی اعلیٰ مقصد کیلئے کام کرنے کی ضرورت۔ فرائیڈ نے لاشعور پر جو زور دیا ہے اس کے برعکس' اسا گیولی جس چیز پر توجہ مرکوز کرتا ہے اسے وہ ''فوق الشعور'' کا نام دیتا ہے جو ہماری اعلیٰ تر آرزوؤں اور اخلاقی میلانات کا منبع ہے۔ ڈیبروسکی ذات اصلی اور ذات غیر اصلی کے مابین امتیاز اور اپنی اعلیٰ تر فطرت سے مطابقت اختیار کرنے کے ہمارے انسان میلان سے متعلق لکھتے ہوئے اسے ہماری انسانی اصلیت قرار دیتا ہے۔ میسلو کا کام' جو انسانی پسندانہ نفسیات اور بعد کی انسانی صلاحیتی تحریک کی بنیاد ثابت ہوا' اس چیز کے میلان پر توجہ دیتا ہے جسے اس نے خود تکمیلیت کے ایک جزو لاینفک کی حیثیت میں ایثار پسندی کی طرف عازم خود تکمیلی شخصیت کا نام دیا تھا۔(45) مشرقی کے ساتھ ساتھ مغربی ارتقائی فکر پر انحصار کرتے

ہوئے اورنسٹین اورکوسبز شعور کے ارتقا کو توجہ کا مرکز بناتے ہیں۔(46)

انسانی ارتقا کے مطالعے کی یہ اہم نفسیاتی اور انسان پسندانہ جہت ایسی بصیرتیں مہیا کرتی ہے جو ایسے بیشتر حیاتیات دانوں کی تحریروں میں دستیاب نہیں جو بالعموم سماجی علوم کے پس منظر کے حامل نہیں ہے۔ علاوہ ازیں' جیسا کہ ہم دیکھیں گے سماجی نفسیات اور عمرانیات ایک تیسری جہت فراہم کرتی ہیں جسے انسانی ارتقا کے مطالعے میں شامل کیا جانا ضروری ہے۔ یہیں پر وہ دو سماجی ...... جو حاکمیتی اور شراکتی ماڈلوں کی خصوصیت ہیں ایک بڑا کردار ادا کرتی ہیں۔(47)

ارتقا کا ایک زیادہ متوازن تصور

انسانی ارتقا کو اس کثیر شعبہ جاتی تناظر میں رکھ کر دیکھنے سے ہمیں ایک زیادہ متوازن نقطہ نظر حاصل ہوتا ہے (باکس 3.3 ملاحظہ کیجئے) خود ہماری اپنی نوع کے معاملے میں یہ ایک واحد ارتقائی محرک (خود غرض جینوں کی سماجی حیاتیاتی نظریے کو رد کرتے ہوئے) کی حیثیت سے خودغرضی سے بلند ہونے کے عمل کو ممکن بناتا ہے۔ یہ وسیع تر تناظر اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ہم انسان جذبات اور طرز ہائے عمل کے ایک پورے خزانے کے حامل ہیں ......جس میں بے رحمی و ہمدردی' تشدد اور عدم تشدد اور نفرت و محبت شامل ہیں مگر یہ ان صفات پر زور دیتا ہے جو انسانوں کو دوسری انواع سے زیادہ متمیز کرتی ہیں...... تخلیقیت اور ہمدردی کیلئے ہماری بے پایاں صلاحیت' ساتھ ہی ساتھ سیکھنے کی ہماری بے پایاں صلاحیت...... جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے بیشتر طرز ہائے عمل حیاتیاتی کے بجائے ثقافتی ارتقا سے متشکل ہوتے ہیں۔

ہمارے ہمدردانہ طرز ہائے عمل کے ابتدائی آثار دوسری انواع میں بھی موجود دیکھے جا سکتے ہیں۔ دراصل' محبت کا ارتقا اور ہمدردی کا ارتقا دو حیران کن اور باہمی طور پر منسلک معاملات ہیں' اور جب ہم اپنے سیارے پر زندگی کی تاریخ کو اس زیادہ متوازن تناظر میں رکھ کر دیکھتے ہیں تو یہ بات عیاں ہو کر سامنے آ جاتی ہے (محبت اور ہمدردی کا ارتقا ملاحظہ کیجئے) آج ہم ہاتھیوں' ڈولفن اور وہیل ...... یہ بھی ذہین اور ابلاغ کے پیچیدہ نظاموں کی حامل انواع ہیں...... کے باہمی تعاون پر مبنی طرز ہائے عمل کے بارے میں جان رہے ہیں یہاں خصوصی دلچسپی کا حامل ہے۔ اساتذہ کیلئے ایک بہتر ماخذ' جیفر ی موسائیف مسین اور سوزن مکارتھی کی ''جب ہاتھ روتے ہیں: حیوانوں کی جذباتی زندگی'' ہے جس میں حیوانوں اور ان کے ہمدردانہ اور شفقت پر مبنی طرز ہائے عمل سے متعلق متعدد واقعات موجود ہیں۔

نچلے درجوں میں اساتذہ باہمی امداد اور ایثار کی کہانیاں بیان کر سکتے ہیں جن کا مختلف انواع مظاہرہ کرتی ہیں مثلاً ہنس لڑائی میں عام طور پر زخمی یا نڈھال پرندوں کی مدد کرتے ہیں اور یوں اسے طویل ہجرتی

سفر جاری رکھنے کے قابل بناتے ہیں۔ چمگادڑیں نہ صرف ایک دوسرے کے ساتھ خوراک مل بانٹتی ہیں بلکہ بوڑھی اور کمزور چمگادڑوں کا خیال بھی رکھتی ہیں اور بالعموم یتیم چمگادڑوں کو اپنا لیتی ہیں اور ان کی نگہداشت کرتی ہیں۔

ممالیہ اور پرندوں کی متعدد انواع میں مادرانہ محبت ایک انتہائی طاقتور قوت ہے۔ مائیں اپنے بچوں کی حفاظت کیلئے خطرات سے کھیل جاتی ہیں بلکہ جان تک قربان کر دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر جب شیر نے حملہ کیا تو ایک زرافہ ماں اپنے بچے کے ساتھ کھڑی رہی' اور جب بھی وہ قریب آتا وہ اسے اپنی اگلی ٹانگیں مارتی۔(49) بلیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو بچانے کیلئے پانی میں کود جاتی ہیں۔(50) ''سکارلٹ'' کے مشہور واقعے میں گلیوں گلیوں پھرنے والی ایک بلی مہلک انداز میں جل جانے کے باوجود شعلوں میں گھری ایک عمارت میں اس وقت تک چار ہفتوں کے اپنے بچے کی تلاش میں سرگرداں رہی جب تک اس نے اسے بچا نہ لیا۔ (سکارلٹ بعد میں پوری طرح صحت یاب ہوگئی' اسے کسی نے پال لیا' اور اب اس کے نام سے ایک ویب سائٹ ''سکارلٹ کی ویب'' موجود ہے۔ طلبہ اس کی بہادری کی کہانی سے متعلق مزید جاننے کیلئے اس ویب سائٹ کا دورہ کر سکتے ہیں۔(51)

بہت سے بچے اس بات کی گواہی دیں گے کہ کتے اپنی ہمدردی کیلئے مشہور ہیں۔

بشکریہ: ڈیوڈ لوئی

بعض انواع میں پدرانہ شفقت بھی نمایاں طور پر موجود ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر' جب جرسی چڑیا گھر میں بوزنہ ماں نے معمول کے طور پر دو جڑواں بوزنوں کو جنم دیا تو ان کے باپ نے انہیں اٹھا لیا' نہلایا دھلایا' اور وہ جہاں بھی جاتا انہیں ساتھ لے کر جاتا' ہاں! دودھ پینے کیلئے ماں کے پاس ضرور لاتا۔ مشاہدے میں آیا ہے کہ بوزنے نر جنگلوں میں بھی پیدائش کے وقت معاونت کرتے ہیں اور بچوں کی بہت دیکھ بھال کرتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ شیر کے سر والے نر بوزنے بچوں کو جب وہ دودھ چھوڑنے لگتے ہیں پھول کو انگلیوں سے مسل کر دیتے ہیں۔(52)

دوسرے حیوانات رئیسہ کی انواع کے نر مثلاً الونا بندر اپنے بچوں کو اٹھائے پھرتے ہیں' ان کے ساتھ کھیلتے ہیں' اور ان کے ساتھ مل کر کھاتے پیتے ہیں(53) پرندوں کی بہت سی انواع میں براہ راست پدرانہ شفقت بھی دیکھنے میں آتی ہے۔ مثلاً کیوی نر پرندے انڈوں کو سیتے ہیں اور ماں کی مدد کے بغیر بچوں کی پرورش کرتے ہیں۔(54) باپ اور بیٹوں میں قاتلانہ دشمنی کے نمونے کے برعکس' جس کے

بارے میں بعض اوقات یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ فطرت کی صورتحال کی نمائندگی کرتا ہے' باپ زیبرے اپنے بڑے ہوتے ہوئے بیٹوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھتے ہیں اور اپنے بچوں کی موت پر مغموم دیکھتے گئے ہیں۔(55)

کچھ انواع میں یہ دیکھا گیا ہے کہ بچے کی دیکھ بھال اور حفاظت میں پورا گروہ شامل ہوتا ہے۔ کھوجکار پیٹر ونچپین کے مطابق جب ایک بھیڑیئے کا بچہ ایک پھندے میں پھنس گیا جو پتھروں کے ڈھیر کے نیچے چھپی خوراک کے ساتھ لگایا گیا تھا تو گروہ میں شامل جوان بھیڑیوں نے بچے کو آزاد کرانے کی کوشش میں متعدد بڑے بڑے پتھروں کو ادھر ادھر کر دیا اور پھندے کے اردگرد منجمد زمین کو کھود ڈالا۔ (56) مشاہدے میں آیا ہے کہ ہاتھی اپنے بچوں کی حفاظت کیلئے اکثر ایک دائرے کی صورت میں اکٹھے ہو جاتے ہیں اور ہاتھیوں کے درمیان محبت اتنی شدید ہوتی ہے کہ ہاتھی اپنے مردوں کی ہڈیوں کو چھونے کیلئے اکثر ''ہاتھی قبرستان'' کے چکر لگاتے ہیں۔(57) ہاتھیوں کی ایسی بہت سی کہانیاں ملتی ہیں جن میں وہ نجات دہندہ کا کردار ادا کرتے ہیں۔ ایک واقعے کے مطابق جب ایک بچہ ہاتھی پانی میں گر گیا اور دلدل میں دھنس رہا تھا' تو پورا گروہ حرکت میں آ گیا' اور اپنی حفاظت کو بالائے طاق رکھ کر بچے کو بچانے میں جٹ گیا اور وہ اسے بچانے میں کامیاب بھی رہے۔

جوڑوں اور خاندان اور دوستوں کے مابین بھی ہمدردانہ تعلقات عام ہیں۔ ماہر فطرت' جارج سٹیلر کے مطابق جب ایک بحری جہاز کے عملے نے ایک مادہ بحری گائے کو مار ڈالا تو نر مسلسل دو روز تک اس کی لاش کے پاس چکر لگاتا رہا۔ ہوائی کے ایک پارک میں جب ایک ڈولفن' کاٹیلو اچانک مر گئی تو اس کے ساتھی' ہوکو' نے کھانا پینا چھوڑ دیا' اپنی آنکھوں کو سختی سے بند کئے آہستہ آہستہ دائرے کی صورت میں تیرتا رہا۔ صاف بات ہے کہ وہ سوگوار تھا۔(58) اور جیسا کہ توجہ دلائی گئی ہے' ایک دوسرے کے لئے ہاتھیوں کی محبت کا بہت تذکرہ کیا گیا ہے۔ سنتھیا ماس نے' جنہوں نے برسوں جنگل میں ہاتھیوں کا مشاہدہ کیا' گروہ میں سے ایک ہاتھی کے مرنے پر باقیوں کے دکھ کو بڑے متاثر کن انداز میں بیان کیا ہے۔ بچہ ہاتھیوں میں سے بیشتر جن کی مائیں ہاتھیوں کے غیر قانونی شکار میں ماری جاتی ہیں انہیں دلاسہ دینے اور ان کی نگہداشت کی کوششوں کے باوجود دل شکستہ ہو کر مر جاتے ہیں۔(59)

بعض صورتوں میں ہمدردی نوعی حدوں کو پھلانگ جاتی ہے۔ کتے انسانوں کے ساتھ اپنی وفاداری کیلئے مشہور ہیں' وہ انہیں بچانے کیلئے اپنی جان تک ہار جاتے ہیں۔ ڈولفن کے گروہ انسانوں کو بچانے کیلئے شارکوں پر حملہ کر دیتے ہیں۔1996ء میں ایک مغربی افریقی گوریلا جس کا نام بنٹی جوا (سواحلی

میں اس کا مطلب ''دھوپ کی بیٹی'' ہے) تھا' دنیا بھر میں اخباری شہ سرخیوں کی زینت بنا تھا' جب ایک تین سال کا لڑکا شکا گو کے نزدیک بروک فیلڈ چڑیا گھر میں ان کے پنجرے میں گر پڑا اور وہاں بے ہوش پڑا تھا تو سات سالہ بنٹی نے' جو خود اپنے بچے کو اپنی پشت پر اٹھائے ہوئے تھی' اس کے بے حس وحرکت جسم کو اپنے بازوؤں میں اٹھالیا' اسے نرمی کے ساتھ تھپکا' اور دوسرے گوریلوں (جن میں چاندی پشت نر بھی شامل تھا) کو اس سے پرے رکھا۔ پھر وہ اسے دروازے تک لائی جہاں طبی معاون اور چڑیا گھر کا عملہ منتظر کھڑے تھے۔ (60) اگر ہم حیوانی طرز عمل کو میرے مجوزہ تناظر میں رکھ کر دیکھیں تو اس قسم کا طرز عمل ...... نہ صرف ایک غیر تعلق دار بلکہ کسی دوسری نوع کیلئے بھی ہمدردی رکھنا ...... ایک مزید ایسا ذریعہ قرار پاتا ہے جس کی مدد سے ان نظریات کا رد ہوتا ہے جن میں بقا کو اور اپنے جینوں کے منتقل کرنے کو ہی واحد میلانی قوتیں سمجھا جاتا ہے۔

جہاں تک اس تصور کا معاملہ ہے کہ غالب نر دوسروں کی نسبت جنسی عمل میں زیادہ حصہ لیتے ہیں' تو یہ بھی ایک فسانہ ہی ہے جیسے آج کل غلط ثابت کیا جا رہا ہے۔ جیسا کہ حیوانات رئیسہ کی ماہر بار براسمٹس توجہ دلاتی ہیں' سوانا مادہ بابون ان کے مشاہدے کے مطابق بالعموم غالب نروں کے ساتھ نہیں بلکہ ان نروں کے ساتھ جنسی عمل میں حصہ لیتی ہیں جن کے ساتھ وہ دوستیاں قائم کرتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں' سب سے بڑے اور سب سے زیادہ جارح نر (قیاساً' جیسا کہ بعض سماجی حیاتیات دان بتاتے ہیں' کیونکہ وہ ''طاقتور جینوں'' کا حامل ہوتا ہے) کو منتخب کرنے کے بجائے وہ ان نروں کو ترجیح دیتی ہیں جن سے انہیں کوئی خوف محسوس نہیں ہوتا۔(61)

حقیقت یہ ہے کہ ساتھی کے حصول کیلئے غلبے کا مظاہرہ کرنے کے بجائے' بیشتر حیوانوں کی صبر آزما کوشش یہ ہوتی ہے کہ جس مادہ کو وہ ساتھی بنانا چاہتے ہیں اسے خوفزدہ کرنے سے گریز کریں۔ مثال کے طور پر ساتھی کا متلاشی پہاڑی بکرا اپنی پشت کو جھکا لیتا ہے تاکہ چھوٹا نظر آئے' اپنے سینگوں کو آگے نہیں بڑھاتا' اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہے۔ بھورے نر ریچھ خمیدہ ہو جاتے ہیں' اپنے کانوں کو پھیلا لیتے ہیں اور شھنڈرے نظر آنے کی اداکاری کرتے ہیں۔(62)

جیسا کہ بعد میں ہم اس باب میں اور باب 5 میں بھی دیکھیں گے ہمارے قریبی رشتہ دار حیوانات رئیسہ میں سے بونو بوس (یا ٹھگنے چمپانزی' انہیں اسی نام سے پکارا جاتا ہے اگرچہ وہ تمام چمپانزیوں کی نسبت بالکل چھوٹے نہیں) میں حاکمیتی نظام ہائے مراتب کے بجائے باہمی تعاون پر مبنی تعلقات زیادہ اہم ہیں۔ دراصل' بہ ایں سبب' بونو بوس جنگل میں دوسرے گروہوں کے ساتھ کبھی متشددانہ لڑائی جھگڑوں

میں شامل نہیں دیکھے گئے ہیں۔ حیوانات رئیسہ کے ایک ماہر نے 1960ء کی دہائی میں مشہور ہونے والے ایک مقولے ''محبت کرو جنگ نہیں'' سے یادگار ایک مثال کے تذکرے میں جنگل میں بونوبوس کے دو گروہوں کی ملاقات کے مشاہدے کی شہادت دی ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ جنسی رابطے رکھنے والی ایک مادہ کی کوشش سے تناؤ کی فضا کس طرح دور ہو گئی۔ (63)

حیوانات رئیسہ کے ماہرین آج کل جنگل میں رہنے والے بن مانسوں اور بندروں کی متغیر زندگیوں کے بارے میں جو کچھ دریافت کر رہے ہیں اس سے متعلق معلومات مہیا کر کے حیاتیاتی تنوع میں ہر عمر کے بچوں کی دلچسپی کا سامان پیدا کیا جا سکتا ہے۔ بچے ان لوگوں کی کہانیوں سے بھی شوق رکھتے ہیں جنہوں نے حیوانوں کے ان کے فطری مسکن میں مطالعے کیلئے اپنی زندگیاں صرف کی ہیں۔ یہاں بھی اساتذہ کیلئے ایک موقع موجود ہے کہ وہ لڑکیوں کیلئے سائنسدانوں کے رول ماڈل مہیا کرنے کی غرض سے ان افراد کے تذکرے میں عورتوں کو بھی شامل کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ کئی دہائیوں میں حیوانی طرزعمل کے مشاہدے میں جن لوگوں نے ممتاز مقام حاصل کیا ہے وہ عورتیں ہیں...... ان میں نہ صرف مشہور و معروف جین گڈآل جو عام چمپانزیوں کے مطالعے سے منسلک ہیں؛ بلکہ باربرا اسمٹس اور شرلی سٹرم جیسی سائنسدان بھی شامل ہیں کے مطالعے کا موضوع بابون ہیں؛ ڈیان فوسی؛ جیسا کہ فلم ''دھند میں چھپے گوریلے'' میں دکھایا گیا ہے جو گوریلوں کے جس گروہ کے ساتھ رہ رہی تھیں اسے چور شکاریوں سے بچاتے ہوئے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں؛ اور سنتھیا ماس؛ جنہوں نے افریقی ہاتھیوں کے غول کے ساتھ برسوں گزارے ہیں اور اس غیر معمولی مخلوق کے درمیان موجود جذباتی رشتوں کو بہت متاثر کن انداز میں بیان کرتی ہیں جنہیں آج کل بونوبو چمپانزیوں اور متعدد دوسری انواع کی طرح بڑی غیر ذمہ داری سے ہلاک کیا جا رہا ہے۔

ارتقا سے متعلق مزید مواد

جس مواد کا پہلے تذکرہ آ چکا ہے اس کے علاوہ بڑے درجوں میں میری کتاب ''مقدس مسرت'' کے باب 9 کے ایک اقتباس کو اساتذہ ہینڈ آؤٹ کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ اقتباس موت کو ایک بڑی ارتقائی پیش رفت کی حیثیت سے بیان کراتا ہے جسے ابھی تک زیادہ تر نظرانداز کیا گیا ہے...... یہ ایک ایسی چیز ہے جس پر انسانی ارتقا سے متعلق تدریس میں زور دینا ضروری ہے۔ (اس باب کے آخر میں ''حجت اور انسان ہونا'' میں اسی موضوع سے متعلق مزید بحث کی گئی ہے۔) ایک اور ماخذ جسے ہینڈ آؤٹ کے طور پر

استعمال کیا جا سکتا ہے دماغی محقق پال مکلین کا مضمون بعنوان ''عورتیں: ایک زیادہ متوازن دماغ؟'' (64) ہے جس میں ہمدردی کے ساتھ ساتھ انسانی مادہ کی دوطرفہ دماغی خصوصیات کے ارتقا اور دوسری صفات جیسے کہ شفقت سے اس کا کیا تعلق بنتا ہے' سے بحث کرتا ہے۔ایک تیسرا ماخذ شیرون بنگلی کا مضمون بعنوان ''بچے کے دماغ کی تعمیر کس طرح کی جائے'' (65) ہے جو انسانی جذبات' ذہانت اور طرزِ عمل کی تشکیل میں بچپن کے ابتدائی برسوں کی اہمیت سے متعلق معلومات کا خلاصہ پیش کرتا ہے۔یہ عصبی سائنس کی دریافتوں کو سامنے لا کر یہ بتاتا ہے کہ انسانی دماغ کے عصبی روابط زیادہ تر بچے کی زندگی کے ابتدائی برسوں میں تشکیل پا جاتے ہیں...... بالالفاظ دیگر یہ کہ ہماری متعدد صفات اور طرزہائے عمل کا دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ بچپن میں ہماری تربیت کس طرح کی جاتی ہے۔ایک اور اچھا ماخذ ''میں آپ کا بچہ ہوں: ہمیشہ کیلئے کھو جانے والے ابتدائی برس'' وڈیو ہے' اسے رائیز فاؤنڈیشن نے تیار کیا اور راب رائیز نے بیان کیا ہے۔قبل کیمبری دور سے انسان نما کے ظہور تک ارتقا کے ایک سرسری جائزے سے متعلق میں اساتذہ کیلئے خصوصاً ایڈرین زیمن کی ''انسانی ارتقا کی رنگ بھریں کتاب'' تجویز کرتی ہوں۔اگرچہ یہ رنگ بھریں قسم کی کتاب ہے لیکن یہ بچوں کیلئے نہیں بلکہ کالج' اور ممکنہ طور پر ہائی سکول کے طلبہ کیلئے تیار کی گئی ہے جو خط کشیدہ تصاویر میں رنگ بھرنے سے پیچیدہ قسم کی معلومات کو موثر انداز میں سمجھ سکتے ہیں۔متعدد وجوہات کی بنا پر یہ کتاب خصوصی قدروقیمت کی حامل ہے' جیسے کہ منفی توازن پر مبنی اس کا انداز اور بونویو چمپانزیوں کا تذکرہ۔ اس میں سے ایک تصویری اقتباس ضمیمہ اے میں دیا جا رہا ہے۔(66)

انسان اور دوسرے حیوانات رئیسہ

چونکہ ہم انسان بھی حیوانات رئیسہ ہیں' اس بات سے ہمیں بالعموم انسانی ارتقا کے ضمن میں حیوانات رئیسہ میں سے اپنے رشتہ دارو: بندر اور بن مانس پر خصوصی توجہ دینے کا موقع مل جاتا ہے لیکن کسی مخصوص نوع کو اس دعوے کی خاطر استعمال کرنے کے بجائے کہ ہم انسان' جیسا کہ متعدد تذکرے اصرار کرتے ہیں' فطری طور پر متشدد اور مرد غالب رجحان رکھتے ہیں' میرا مجوزہ زیادہ متوازن تذکرہ حیوانات رئیسہ کے طرزہائے عمل اور سماجی تنظیم کے تنوع کو واضح کرتا ہے۔

جیسا کہ لنڈا میری فیڈیگن نے اپنی کتاب ''حیوانات رئیسہ سے متعلق نمونے: جنسی کردار اور سماجی رشتے'' (67) میں توجہ دلائی ہے' بہت سے سماجی حیاتیاتی تذکروں میں سوانا بابون کو جو ایک ایسی نوع ہیں حاکمیت کا کڑا نظام ہائے مراتب جن کی خصوصیت ہے اور جن میں نر مادہ سے تقریباً دوگنا بڑے

ہوتے ہیں، ہمارے آبائی حیوانات رئیسہ کا ابتدائی نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس حیوانات رئیسہ (بشمول انسان) کے ارتقا سے متعلق میں اس تذکرے میں یک خطی ماڈل کے بجائے کثیر خطی ماڈل کو پیش کر رہی ہوں: ایک ایسا ماڈل جس کیلئے حاکمیتی اور شراکتی ماڈلوں کے تجزیاتی عدسے مفید آلات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (68) یہ تذکرہ ہماری نوع سے قریب ترین تعلق رکھنے والے دو رشتہ دار حیوانات رئیسہ پر خصوصی توجہ دیتا ہے، عام چمپانزی اور غلط نام سے موسوم ٹھگنے چمپانزی یا بونو بوس۔

بونو بوس (ٹھگنے چمپانزی) اور عام چمپانزی (جو واقعتاً زیادہ بڑے نہیں) کا ڈی این اے بنیادی طور پر ایک ہی ہے، مزید برآں، یہ خود ہماری اپنی نوع سے کوئی زیادہ مختلف نہیں، تاہم جنگل میں ان دونوں انواع کے مشاہدے سے پتہ چلتا ہے کہ بونو بوس اور عام چمپانزیوں کے طرز ہائے عمل اور سماجی تنظیموں کے مابین نمایاں اختلافات ہیں جیسا کہ ہم باب 5 میں حیاتی علوم کے حصے میں دیکھیں گے، عام چمپانزیوں کی نسبت، بونو بوس شراکتی ماڈل کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھتے ہیں۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حیوانات رئیسہ، خوف اور طاقت پر مبنی درجہ بندیوں کے بجائے مسرت اور فوائد کے باہمی استعمال پر مبنی رشتوں پر زیادہ انحصار کر سکتے ہیں ...... اور بونو بو چمپانزی کی صورت میں کرتے بھی ہیں ...... یہ بات اس تصور کو جھٹلاتی ہے کہ حاکمیتی ماڈل کی طرف جھکاؤ رکھنے والی سماجی تنظیم، حیوانات رئیسہ کیلئے ناگزیر ہے، یا یہ کہ یہ ''خود غرض جینوں'' میں پیوست ہے۔ اس نکتے کی مزید توضیح کیلئے اساتذہ حیوانات رئیسہ کے ماہر، ٹاکایوشی کانو کے مضمون ''بونو بوس کی پرسکون مملکت'' کے ساتھ ساتھ ''مقدس مسرت'' کے بونو بوس سے متعلق اقتباسات کو ایک ہینڈ آؤٹ کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، حیاتیاتی ارتقا کے مطالعے کے ضمن میں یہ جاننا ایک اہم جزو کی حیثیت رکھتا ہے کہ یہ اور متعدد دوسرے حیوان ہمدردی اور قریبی تعلق پر مبنی کمیونٹی کس طرح تشکیل دیتے ہیں۔ یوں حیوانیات اور حیوانی اخلاقیات خشک تکنیکی موضوعات نہیں رہ جاتے بلکہ ادراک کی حامل دوسری ہستیوں کی کہانیاں بن جاتے ہیں جو ہمارے سیارے پر ہمارے ہم شریک ہیں۔

حیاتیاتی ارتقا کے اس متوازن تذکرے کا ایک زیادہ دلچسپ باب خود ہماری انسانی نوع کے ظہور کی کہانی ہے۔ انسانی ارتقا سے متعلق دو نظریات موجود ہیں: ایک ہماری ابتدا افریقہ سے کرتا ہے، دوسرا ابتداء سے متعلق متعدد خطوں کی دلیل دیتا ہے۔ دوری پیمانوں، سلسلوں اور ان اہم

معاملات کے بارے میں بھی بہت زیادہ اختلافات موجود ہیں جو انسان کی ممتاز ترین صلاحیت...... زبان کے پیچیدہ نظاموں کی مدد سے ابلاغ اور فکر کی ہماری اہلیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ کچھ سائنسدان یہ استدلال کرتے ہیں کہ زبان کا تعلق لاکھوں برس پہلے سے ہے جبکہ دوسرے یہ دلیل دیتے ہیں کہ یہ کوئی اتنی زیادہ قدیم نہیں' اس کا تعلق بالائی حجری دور یا بس پینتیس ہزار سال پہلے سے ہے۔(70)

جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا ہے' انسانی ارتقا کے بارے میں جو کچھ ابھی تک لکھا جا رہا ہے اس کا بیشتر حصہ نام نہاد نوڈراونی خط کے ساتھ ساتھ قدیم مرد مرکز تصور کی پیروی کرتا ہے کہ ''مرد شکاری'' اس کا بڑا کردار تھا۔ حقیقتاً اس شعبے کے زیادہ تر سائنسدان مرد رہے ہیں' اگرچہ کچھ اہم استثنیٰ موجود ہیں: جیسے کہ میری لیکی جنہوں نے 1959ء میں مشرقی افریقہ میں ابتدائی انسانی فوصل دریافت کئے۔(71) اور اڈرین زلمین جنہوں نے یہ رائے دی ہے کہ انسان نما اور ابتدائی حیوانات رئیسہ کے درمیان ''گمشدہ کڑی'' غالباً بونوبو چمپانزی ہے' اور جنہوں نے انسانی آلات کی ابتدا کے بارے میں اس نظریے کی تشکیل میں بھی حصہ لیا کہ اس ضمن میں عورتوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔(71)

زلمین' سائنسدانوں کی اس روز افزوں تعداد سے تعلق رکھتی ہے......جن میں سے بیشتر عورتیں ہیں اور ایسے شعبوں سے منسلک ہیں جن میں طبعی بشریات اور حیاتیات سے لے کر ثقافتی بشریات' نفسیات اور عمرانیات تک شامل ہیں...... جو گزشتہ تین دہائیوں سے ابتدائی انسانی ارتقا کے منفی طور پر زیادہ متوازن بیانیے کی تشکیل میں حصہ لے رہے ہیں جیسا کہ زلمین توجہ دلاتی ہیں' یہ ایک بہت مشکل جدوجہد ہے انسانی ارتقا کے ابتدائی مرد مرکز بیانیے کو نئی شہادت کی مدد سے رد کئے ابھی زیادہ دیر نہیں گزرتی کہ عورتوں کو پیچھے دھکیلنے کیلئے یا زیادہ سے زیادہ انہیں ''مردوں کی خادماؤں'' کے طور پر سامنے لانے کیلئے نئے نظریات پیش کر دیئے جاتے ہیں......اور اس طرح مردوں کو' اور ان کے ساتھ جارحیت اور مسابقت کی اہمیت کو ہماری انسانی مہم کے قلب میں جاگزیں کر دیا جاتا ہے۔(73)

بات اسی پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ ان مرد مرکز نظریات کو...... جو مرد کی حاکمیت کو مستقلاً فطری بنا کر پیش کرتے ہیں...... بیشتر نصابی کتابوں کے ساتھ ساتھ انسانی ارتقا کی تصویراتی پیشکشوں میں بار بار دہرایا جاتا ہے۔ ان میں عجائب گھروں کے مناظر بین کو خصوصی اہمیت حاصل ہے جن میں ایک مرد پیش منظر میں نمایاں ہو کر کھڑا ہوتا ہے جبکہ عورتوں کا گروہ پس منظر میں بیٹھا ہوتا ہے' یا جہاں ایک چھوٹی سی جھکی ہوئی عورت پر ایک مرد چھایا کھڑا ہوتا ہے' جیسا کہ نیدرلینڈ کے مناظر بین اور امریکی عجائب گھر برائے

فطری تاریخ' کے انسان نما مناظر بین میں دکھایا جاتا ہے۔ (کتابوں میں موجود ایسے مناظر کے جائزے کیلئے ڈیان گفرڈ' گونزالیز کا مضمون ''آپ چھپا سکتے ہیں' لیکن آپ بھاگ نہیں سکتے: حجری دور کی شبیہوں میں مصروف کار عورتوں کی نمائندگی'' ملاحظہ کیجئے جس میں مصنف بے چہرہ ''مزدور غلام کھال پر کام کرتے ہوئے'' کو جانوروں کی کھال پر بیٹھی یا کام کرتی ہوئی عورتوں کو دکھانے کیلئے ایک کلاسیکی نمونے کا ذکر کرتی ہے۔(74)

زیادہ متوازن' اور درست بیانیوں کی تیاری سے' جن میں یہ بتایا جاتا ہے کہ انسان نما کے اور انسان کے ارتقا کے وقوع اور پیش رفت میں محض مردوں نے ہی نہیں بلکہ عورتوں نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے' سائنسدان عورتیں اس بات کی تفہیم کے حوالے سے کہ ہم انسان کس طرح بنے' بہت اہم خدمات انجام دے رہی ہیں۔ ان میں نہ صرف نئی دریافتوں پر جو قدیم ''مرد شکاری'' قسم کے بیانیوں کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتیں' توجہ دی جاتی ہے بلکہ ان میں ہمارے انسانی ظہور سے متعلق ایک ایسے تصور کو بھی پیش کیا جاتا ہے جس میں نگہداشت اور عدم تشدد جیسی روایتی ''نسوانی'' انسانی خصوصیات کو نمایاں مقام دیا جاتا ہے قطع نظر اس سے کہ یہ عورتوں میں موجود ہوں یا مردوں میں۔

مثال کے طور پر جیسا کہ پہلے بھی ذکر آیا ہے' زلمین اس حوالے سے کہ ہماری نوع کو کیا چیز ممتاز بناتی ہے ابتدائی تذکروں سے بہت پیچھے تک دیکھتی ہے: جیسے کہ ہمارا سیدھے کھڑا ہونا' جو ہمارے ہاتھوں کو آلے کے طور پر استعمال کرنے کے قابل بناتا ہے' اور ہمارا بڑا دماغ' جو ہمیں سیکھنے کی بے پایاں استعداد عطا کرتا ہے اور ہمارے طرز عمل کی بے اندازہ لچک داریت کو ممکن بناتا ہے۔ دوسرے نظریہ دانوں کی طرح' جیسے کہ گلن آئزاک' نینسی ٹیز' رالف ہولووے' پال مکلین اور ہمبرٹو میٹورانا وہ انسانی ارتقا میں ابلاغ اور ہمدردی کے کردار پر بہت زور دیتی ہیں۔ نینسی ٹیز کے اشتراک کے ساتھ انہوں نے جو نظریہ تشکیل دیا ہے وہ بھی تخلیقیت کیلئے ہماری بے پایاں استعداد پر زور دیتا ہے۔ دراصل ٹیز اور زلمین کی رائے یہ ہے کہ ہم انسان کسی حد تک خود اپنے حیاتیاتی ارتقا کے تخلیق کار ہیں...... اور یہ کہ عورتوں نے اس عمل میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔

جیسا کہ ٹیز ''انسان بننے کا عمل'' میں لکھتی ہیں' اس بات کا کافی امکان ہے کہ بعض ابتدائی آلات عورتوں نے تشکیل دیئے اور استعمال کئے ہوں' جیسے کہ غلیل اور بچوں کو اٹھانے کیلئے استعمال کی جانے والی چیزیں' اکٹھے کئے گئے نباتات کو اٹھانے کیلئے ٹوکریاں' اور ممکنہ طور پر گٹھیوں اور جڑوں کو کھودنے کے آلات بھی' مگر اس بات کا بھی خاصا امکان ہے کہ جواباً ان آلات نے بھی ہمارے ارتقا پر اثرات

MashalBooks.org

مرتب کیے۔ ''خوراک اکٹھی کرنے کے آلات کا مطلب تھا کہ عورتیں بچوں کیلئے زیادہ خوراک اکٹھی کر سکتی ہیں' یوں ان بچوں کو بڑے ہونے سے قبل زیادہ عرصے تک خوراک مہیا کی جا سکتی تھی۔'' (75) محتاجی کا یہ طویل عرصہ ہماری نوع کی نمایاں خصوصیت ہے۔ یہ یہی تخلیقیت تھی جس نے بچوں کو ایک طویل عرصے فائدہ اٹھانے کے قابل بنایا جس میں ''ٹیکنالوجی سے متعلق اور سماجی روایات'' (76) سیکھ سکتے تھے۔ انسانی ارتقا میں یہ ایک بنیادی پیش رفت تھی' کیونکہ دوسری انواع کے مقابلے میں اس نے ہمارے طرزِ عمل کی تشکیل میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ (77)

بلکہ یہ قیاس آرائی بھی کی جا سکتی ہے کہ جس طرح ہمارا انحصار دانتوں کے بجائے آلات کے استعمال اور خوراک کو پکا کر قابل استعمال بنانے کے طریقوں پر زیادہ بڑھا' اسی طرح بیشتر دوسرے حیوانات رئیسہ کی خصوصیات کی اہمیت کم ہوتی گئی' اور یوں کھوپڑی میں زیادہ بڑے دماغ کیلئے زیادہ جگہ پیدا ہوتی گئی جیسا کہ متعدد سائنسدانوں نے اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے' یہ ہمارے دماغ کا نسبتاً بڑا حجم ہی ہے ...... اوسطاً 1350 پر کیوبک سینٹی میٹر (ہمارے انسان نما اولین آباء و اجداد کے مقابلے میں' جنہوں نے 450 کیوبک سینٹی میٹر تک کا دماغی حجم حاصل کیا تھا' یہ ایک غیر معمولی پیش رفت تھی) ...... جو ہمارے انسانی ظہور کا خاصہ ہے۔ (78) یہ قیاس آرائی بھی کی جا سکتی ہے کہ جسمانی حجم میں کمی نے بھی صوتی خانوں کیلئے زیادہ جگہ پیدا کی جو انسانی زبان کی پیچیدہ ادائیگیوں کیلئے ضروری تھے ...... اور یوں یہ چیز ابلاغ اور علامت سازی کی بے اندازہ استعداد پر منتج ہوئی' جس نے ٹیکنالوجی کی ترقی اور سماجی وفنی پیش رفت کو ممکن بنایا جسے ہم انسانی ثقافت کے نام سے جانتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے' جیسا کہ پال مکلین کا استدلال ہے' اس بات کا غالب امکان ہے کہ بیشتر منفرد اور اہم انسانی آلات' اور ہماری انتہائی پیچیدہ زبان کی ابتدا ماں' بچے کے رشتے سے ہوئی ...... بہ الفاظ دیگر' ماں اور بچے کے درمیان ہمدردی اور محبت کے تعلق سے۔ (79) مزید برآں جیسا کہ ہمبرٹو میٹورانا اور گرڈا ورڈین' زولر اس چیز کے بارے میں لکھتے ہوئے جسے میٹورانا محبت کی حیاتیات کا نام دیتی ہیں' اس بات پر زور دیتی ہیں کہ ہمارے ارتقا کی ایک نہایت اہم پیش رفت یہی محبت کی انسانی استعداد تھی۔ (80)

محبت کی اس انسانی استعداد کے بغیر ہماری نوع کی بقا ممکن نہ تھی۔ یہ صرف اس نگہداشت کے ذریعے ہی ممکن تھا جس کا محرک محبت ہے کہ انسانی بچے' جو بہت طویل عرصے تک بے بس و بے کس رہتے

ہیں' نہ صرف زندہ رہ سکیں بلکہ پیدائش کے بعد اپنے دماغوں کی نشوونما کو بھی جاری رکھ سکیں۔(ایک مرتبہ پھر "محبت اور ہمدردی کا ارتقا" ملاحظہ کیجئے۔)

انسانی ارتقا کے مطالعے کے ضمن میں یہ اندازِ فکر نوجوان افراد کیلئے اس بات کو ممکن بناتا ہے کہ وہ ہماری ارتقا کے بڑے موضوعات کی حیثیت سے خود غرضی اور تشدد سے نظریں ہٹا کر یکساں اور کچھ اعتبار سے زیادہ اہم موضوعات کی حیثیت سے ہمدردی اور تخلیقیت پر توجہ مرکوز کر سکیں۔ یہ انہیں اس بات کے سمجھنے کے قابل بھی بناتا ہے کہ صنف' نسل' مذہب یا قومیت سے قطع نظر' ہماری بنیادی اور نہایت بامعنی پہچان بحیثیت انسان ہے۔ ایک نوع کی حیثیت سے ہماری بنیادی وحدت کی یاد دہانی' دنیا بھر میں بڑھتی ہوئی رجعت پسندی کے دور میں جس کا رخ اپنے گروہ سے باہر کے لوگوں کو قربانی کا بکرا اور تشدد کا شکار بنانے کی طرف ہے' ایک نوع کی حیثیت سے ہماری وحدت کی یاد دہانی ایک بروقت سبق ہے۔

ساتھ ہی ساتھ یہ اندازِ فکر زندگی کی دوسری صورتوں اور ہماری دھرتی ماں کی قدر و قیمت کے احساس اور احترام کے حوالے سے نوجوان افراد کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور یوں انہیں درپیش ماحولیاتی چیلنجوں کا ذمہ داری سے مقابلہ کرنے کیلئے بہتر انداز میں تیار کرتا ہے۔ یہ انسانی ثقافتی ارتقا اور ٹیکنالوجی کے ارتقا کی غیر معمولی اہمیت کو بھی نمایاں مقام دیتا ہے ...... جو آئندہ باب کا موضوع ہے۔

MashalBooks.org

سائنس اور روحانیت کے مابین دوری کا خاتمہ

بامعنی ارتقا

کیا ارتقا اور یوں اس زمین پر موجود زندگی، مفہوم و معنی سے عاری ہے...... یا شیکسپیئر کے تیکھے الفاظ میں، ایک ایسی کہانی جو ''ہنگامہ خیزی سے بھرپور ہے مگر جس کا مطلب کچھ نہیں؟'' بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایک وسیع تر مفہوم کی واحد دلیل مذہبی روایات میں پائی جاتی ہے مگر سائنس بھی ہمیں یہی دلیل مہیا کرسکتی ہے۔

میں نے ''بامعنی ارتقا'' کی ترکیب کا انتخاب ارتقا کے ایک ایسے نظریے کو بیان کرنے کی غرض سے کیا ہے جس میں مقصد وسیع تر مفہوم کا حامل ہوسکتا ہے۔ یہ تصور بنیاد پرستانہ مذہبی تعبیرات سے قطعاً مختلف ہے جو ایسی سائنسی دریافتوں کو مکمل طور پر نظرانداز کردیتے ہیں جیسے کہ اس بات کی تجربی شہادت کہ ہمارے سیارے پر موجود زندگی پانچ ہزار سال پرانی نہیں بلکہ اربوں سال پرانی ہے بلکہ یہ متعدد نام نہاد نو ڈارونی نظریات سے بھی اختلاف کرتا ہے جو جیسا کہ ارتقائی نظریہ دان ڈیوڈ لوئی نے اپنی کتاب ''ڈارون کا گمشدہ نظریہ محبت'' میں لکھا ہے، اس چیز سے صرف نظر کرتے ہیں جس پر خود ڈارون نے زور دیا: ارتقا کی انسانی سطح پر بے قاعدہ تغیر پذیری اور فطری انتخاب کے بجائے دوسرے عوامل ...... مثلاً، جنہیں اس نے ''اخلاقی حسن'' اور ''باہمی امداد'' یا ہمدردانہ باہمی تعاون کا نام دیا...... کام کرنے لگتے ہیں۔ یہ ایک ایسا انداز نظر ہے جو نئی سائنسی دریافتوں پر انحصار کرتا ہے، یہ دریافتیں دوسروں کیلئے ہمدردی اور آئندہ نسلوں کیلئے درمندی کے احساس کی ارتقائی جڑوں پر توجہ دیتی ہے۔ یہ واضح کرتا ہے کہ ہم اپنی زندگی میں جو کچھ کرتے ہیں وہ معنی و مفہوم کا حامل ہوتا ہے کیونکہ یہ ہماری نوع کے ارتقا کو آگے بڑھاتا ہے اور اس سیارے سے متعلق ہماری ذمہ داریوں کو پورا کرتا ہے۔

مختصراً، وہ انداز نظر جسے میں بامعنی ارتقا کا نام دیتی ہوں ایک تیسرا متبادل فراہم کرتا ہے۔ تخلیق پسندی اور نظریات ارتقا دونوں کیلئے ایک متبادل جو ہمیں اس مفہوم سے آشنا کرتا ہے کہ بے قاعدگی اور خودغرضی، ارتقا کے انضباطی اصول ہیں۔ یہ مذہب کی بنیادی شراکتی اقدار اور سائنس کی تجربی دریافتوں کے مابین ایک پل کا کام دیتا ہے۔

بامعنی ارتقا روحانیت اور سائنس کے درمیان روایتی تضاد سے بلند ہوکر روحانیت کو ارتقائی

بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ یہ ہمارے لئے ایک نوع کی حیثیت سے زندگی اور کائنات کے عجوبے کے ساتھ ایک بامعنی تعلق کا تعین کرتا ہے۔ یہ کلیدی ارتقائی حاصلات' جیسے کہ شعور' تخلیقیت اور محبت کے ارتقا کو قابل توجہ سمجھتا ہے۔ ارتقا کی ایک زیادہ جامع کہانی ...... جو اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرتی کہ محبت اور تخلیقیت کی بنیادیں' تشدد اور تخریبیت کی طرح ارتقا ہی میں پیوست ہیں...... کی مدد سے یہ اس چیز کو بھی تقویت دیتا ہے جسے میں نے روحانی جرأت سے موسوم کیا ہے؟ محبت کو عمل میں لانا' اس صورت میں بھی جبکہ یہ مسلمہ حاکمیتی اصولوں کے خلاف جاتی ہو۔(81)

نوجوان افراد کو اگر یہ معلوم ہو کہ محبت' حسن اور انصاف کیلئے ہماری تگ و تاز ...... جنہیں صدیوں سے ایسے اعلیٰ ترین نصب العین قرار دیا گیا ہے جو تہذیب کے ارتقا میں قوت محرکہ کی حیثیت رکھتے ہیں...... انسانی حیاتیات کا حصہ اور ان کی جڑیں ارتقا میں پیوست ہیں تو وہ بہتر سے بہتر ہونے کی اہلیت کے حامل ہو سکتے ہیں۔ خواہ انہیں ایک رسمی مذہبی تناظر مہیا کیا جائے یا نہیں' یہ تگ و تاز شراکتی روحانیت کے جوہر کو تشکیل دیتی ہے جو زندگی میں ہمارے لئے ایک وسیع تر مشن کا تعین کرتا ہے اور کائنات کی عظمت و سطوت سے متعلق ہم میں حیرت و ہیئت کا احساس پیدا کرتا ہے۔

جب نوجوان افراد اس بات کو سمجھ لیتے ہیں کہ یہ تگ و تاز ہماری انسانیت کا جوہر ہے' تو وہ اپنی زندگیوں کو وسیع تر معنی و مفہوم کا حامل بنا سکتے ہیں۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ وہ ہمارے سیارے پر زندگی کے ارتقا کی عظیم مہم میں زیادہ شعور اور احساس کے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں۔

محبت اور دردمندی کا ارتقا

دو ارتقائی حاصلات' جن پر شاذ ہی توجہ دی جاتی ہے اور جو خصوصی توجہ چاہتی ہیں' محبت کا ارتقا اور دردمندی کا ارتقا ہیں۔ دردمندی' محبت کا جزو لاینفک ہے۔ یہ دونوں باہم پیوست ہیں اور انہوں نے انسانی ارتقا میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔

ان رجحانات کا آغاز کیسے ہوا؟

دردمندی اور محبت قدیم ارتقائی جڑوں کی حامل ہیں۔ ان کی ابتدا بچوں کیلئے والدین کی شفقت سے ہوتی ہے' جو آگے چل کر' ممالیہ کے ظہور کے ساتھ مزید ترقی پا جاتی ہیں' کیونکہ تمام ممالیہ کے بچوں کو زندہ رہنے کیلئے والدین کی شفقت درکار ہوتی ہے۔

ممالیہ کے ساتھ کیا پیش آتا ہے؟

بیشتر خزندوں یا رینگنے والے جانوروں کے برخلاف' پرندوں کے بچوں کی طرح' ممالیہ کے بچے

جب پیدا ہوتے ہیں تو چلنا (یا اڑنا) شروع نہیں کر سکتے اور خود اپنے طور پر زندہ نہیں رہ سکتے۔ دونوں کو خوراک' شکار خور جانوروں سے تحفظ اور زندہ رہنے کی مہارتیں سیکھنے کیلئے رہنمائی درکار ہوتی ہے مگر ممالیہ میں ماں اور بچے کے درمیان تعلق زیادہ قریبی ہوتا ہے کیونکہ ممالیہ بچے اپنی ماؤں کے رحم میں پرورش پاتے ہیں اور ان کی بقا کیلئے نگہداشت ضروری ہوتی ہے......مراد یہ کہ وہ ماں کے دودھ پر پلتے ہیں (ممالیہ کی اصطلاح اسی سے اخذ ہوتی ہے۔)

بعض خزندوں میں کسی حد تک والدین کی نگہداشت موجود ہے۔ مثلاً مگرمچھ جو انڈے دیتے ہیں ان کے ساتھ ساتھ ان سے نکلنے والے بچوں کی حفاظت بھی کرتے ہیں تاہم' دوسرے خزندے جیسے کہ چھپکلی انڈے دیتے ہیں اور پھر انہیں سیتے نہیں بلکہ بچے نکلنے کیلئے چھوڑ دیتے ہیں۔ مزید برآں' خزندوں کی نوع جیسے کہ دھنک رنگ چھپکلی کے بچوں کیلئے انڈوں سے نکلنے کے بعد گھنی جھاڑیوں میں چھپ جانا ضروری ہوتا ہے؟ اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان کے والدین ہی انہیں کھا جاتے ہیں۔

خزندوں سے پرندوں اور ممالیہ تک ارتقائی حرکت اہم اعتبارات سے زیادہ نگہداشت اور دردمندی کی طرف حرکت تھی۔ ارتقا کے دوسرے رجحانات کی طرح یہ یک خطی نہیں تھی لیکن یہ ایک قابل ملاحظہ رجحان تھا' کیونکہ والدین کی نگہداشت کو حرکت میں لانے کیلئے تمام ممالیہ اور پرندوں کو کس درجہ اس چیز کی ضرورت ہوتی ہے جسے ہم محبت کا نام دیتے ہیں' اور اس کے ساتھ دردمندی (یا کسی دوسرے کیلئے احساس) کی بھی۔ بیشتر ممالیہ انواع میں' یہ نگہداشت مادرانہ طرزِ عمل میں عیاں ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر چیتوں سے متعلق ایک دستاویزی فلم میں دکھایا گیا کہ کس طرح ایک چیتا ماں نے اپنی بیٹی (جسے اس نے اس کی مخصوص آواز سے شناخت کیا) اور اپنی بیٹی کے کم غذائیت کے شکار تین بچوں کو بھی اپنے شکار میں شریک ہونے دیا جبکہ خود اس نے کچھ بھی نہ کھایا...... یہ ایک ایسا طرزِ عمل ہے جسے ہم ایثار کا نام دے سکتے ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر' پرندوں اور ممالیہ کی بیشتر انواع میں مائیں اپنے بچوں کی حفاظت کیلئے اپنی جان تک قربان کر دیتی ہے۔

بعض انواع میں یہ دردمندانہ نگہداشت' ماں کے علاوہ باپ میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس کی مثالیں کیوی پرندے' بوزنے' الوٗ بندر اور تمارین بندر ہیں۔ ہاتھیوں میں' دردمندانہ نگہداشت غول کے دوسرے ارکان تک توسیع پا جاتی ہے' جب خطرہ لاحق ہو تو بڑے بچوں کے گرد حفاظتی حلقہ بنا لیتے ہیں۔ بعض اوقات ہمدردی کی توسیع دوسری انواع تک ہو جاتی ہے جیسا کہ ڈولفن اور کتوں سے ظاہر ہوتا ہے جو انسانی زندگی کے نجات دہندہ ثابت ہوئے ہیں اور یہ چیز ہماری نوع میں نہ صرف مادرانہ اور ہمدردانہ

MashalBooks.org

شفقت بلکہ اجنبیوں کیلئے ایثار پسندانہ طرزِعمل کی صورت میں صاف عیاں ہے۔اس کی ڈرامائی مثالیں وہ افراد ہیں جنھوں نے نازی یورپ میں یہودیوں کی مدد کیلئے خود اپنی زندگیوں' اپنے پورے گھرانوں کی زندگیوں کو خطرے میں ڈالا اور بعض اوقات جان بھی گنوا بیٹھے۔ (یہ طرزِعمل اس سماجی حیاتیاتی نظریے کو مشکوک بنا دیتا ہے کہ درحقیقت ایثار پسندی ایک جنس کا اپنی جنس کے ساتھ مدد کا معاملہ ہے' اور یہ جین کی آگے منتقلی کو یقینی بنانے کیلئے ہوتا ہے' کیونکہ نازیوں نے یہ واضح کیا ہوا تھا کہ اگر گھرانے کے کسی ایک رکن نے بھی یہودیوں کی مدد کی تو سزا کے طور پر پورے گھرانے کو ہلاک کر دیا جائے گا۔)

انسانوں کے ساتھ کیا پیش آتا ہے؟

انسانی بچوں کو' دوسری انواع کی نسبت کہیں زیادہ عرصے تک نگہداشت اور تحفظ درکار ہوتا ہے۔ لہٰذا ہماری نوع کے ظہور کے ساتھ محبت اور دردمندی کے ارتقا میں مزید پیش رفت ناگزیر ہو گئی تھی کیونکہ اتنے طویل عرصے تک نگہداشت کیلئے اور اس درجے کی نگہداشت کیلئے جس کی انسانی بچوں کو ضرورت تھی' محبت کی ایک زیادہ ترقی یافتہ اور پائیدار استعداد ضروری تھی۔

نگہداشت کا یہ طویل عرصہ بچے کی نشوونما کیلئے نہایت اہم ہے۔انسانی بچے جب پیدا ہوتے ہیں تو ان کے دماغ کی تشکیل پوری طرح نہیں ہوئی ہوتی ہے اگر ایسا ہو تو وہ پیدائشی نال میں سے نکلنے کے قابل نہیں ہو سکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ پیدائش کے بعد ماں کے رحم سے باہر بالخصوص پہلے برس کے دوران بلکہ متعدد برس بعد تک بھی' انسانی دماغ کی تشکیل جاری رہنا ضروری ہے۔

عصبی سائنس کی دریافتیں بتاتی ہیں کہ اہم اعتبارات سے دماغ کے بیشتر عصبی روابط کا قیام' پیدائش کے بعد عمل میں آتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کیلئے تربیت' اگر زیادہ نہیں تو اتنی اہم ضرور ہے جتنی کہ فطرت اہم ہے۔

عصبی سائنسدان آج کل ڈرامائی طور پر اس بات کی تصدیق کر رہے ہیں کہ بچے کے دماغ کی مناسب فکری اور جذباتی نشوونما کیلئے اعلیٰ درجے کی دردمندی اور نگہداشت درکار ہوتی ہے۔ہم واقف ہیں کہ اگر پیدائش سے ہی بچوں کو ہمدردانہ توجہ اور تحریک دی جائے تو وہ جذباتی اور فکری دونوں اعتبارات سے خوب پھلتے پھولتے ہیں۔ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جب بچوں کو نظرانداز کیا جائے اور ان کے ساتھ بدسلوکی کی جائے...... یعنی جب انہیں دردمندانہ محبت نہ ملے...... تو وہ اپنی صلاحیتوں کی نشوونما میں ناکام ہو جاتے ہیں۔اسی پر بس نہیں' بلکہ وہ ایک ایسے جذباتی اور کرداری مزاج کی طرف گامزن ہو جاتے ہیں جو حاکمیتی ماڈل کو قبول کرتا ہے اور اسی پر عمل پیرا ہو جاتا ہے...... ایک لحاظ سے' یہ

ایک غیر محفوظ، بدسلوکی اور تشدد کے حامل ماحول کو اختیار کر لینے کے مترادف ہے۔

جیسا کہ بیلر کالج آف میڈیسن کے ڈاکٹر بروس پیری نے بتایا ہے یہ ابتدائی برس اصل میں بچے کے دماغ کیلئے ایک انضباطی فریم ورک مہیا کرتے ہیں یا جیسا کہ ییل چائلڈ سٹڈی سنٹر کی ڈاکٹر لنڈا میز توجہ دلاتی ہیں بچپن میں پیش آنے والے صدماتی تجربات دماغ کی ساخت کو تبدیل کر دیتے ہیں۔

پیری بتاتے ہیں کہ دماغ کے مغزی اور محیطی حصے، جو جذبات بشمول قربت کے ذمہ دار ہوتے ہیں شدید بدسلوکی کا شکار ہونے والے بچوں میں نارمل بچوں کی نسبت بیس سے تیس فیصد چھوٹے ہوتے ہیں۔ وہ بڑے جو بچپن میں بدسلوکی کا شکار ہوئے ہوتے ہیں ان کا حافظے کو تشکیل دینے والا دماغی ابھار بدسلوکی کا شکار نہ ہونے والوں کی نسبت زیادہ چھوٹا ہوتا ہے۔ کارٹیسول کی اونچی سطحیں بھی صفر سے تین تک کے نازک برسوں کے دوران پیش آنے والے صدمات سے تعلق رکھتی ہیں۔ انگیختگی اور چوکسی سے متعلق دماغی ساختوں کی سرگرمی کو بڑھا دیتی ہیں جیسا کہ ہیری توجہ دلاتی ہیں۔ یہ چیز توجہ کی ضابطگی اور خود اختیاری کے ساتھ ساتھ سیکھنے کی اہلیت میں کمی سے متعلق مسائل پر منتج ہوتی ہے۔ یہ بیشتر بنیادی طرز ہائے عمل کو بھی تبدیل کر دیتی ہے...... لوگ کس طرح کھاتے ہیں (صدمہ زدہ افراد زیادہ چکنائی کھانے کی طرف مائل ہوتے ہیں) سے لے کر اس بات تک کہ وہ دوسروں اور خود اپنے ساتھ کیسا تعلق قائم کرتے ہیں (صدمہ زدہ بچے اور بڑے دوسروں کے خلاف جارحیت کا مظاہرہ کرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں...... ان میں ان کے اپنے بچے بھی شامل ہوتے ہیں...... یا وہ اس جارحیت کو غیر شعوری طور پر اپنے خلاف ہی موڑ لیتے ہیں۔(82)

مختصراً اگر خاندان، سکول اور دوسرے سماجی ادارے ہمدردانہ نگہداشت فراہم کرنے میں ناکام ہو جائیں تو ایک بچے اور بڑے دونوں کو اور ساتھ ہی ساتھ وسیع تر معاشرے کو اس کی بہت قیمت چکانی پڑتی ہے۔

دو بنیادی ثقافتی امکانات کے طور پر شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو شراکتی ماڈل...... جو ہمدردی اور نگہداشت کو تقویت دیتا ہے اور انہیں قابل صلہ بناتا ہے اور جو بنیادی طور پر فوائد کے باہمی تبادلے کے ساتھ ساتھ حاکمیت کے بجائے تکمیلیت کے نظام ہائے مراتب پر مبنی تعلقات پر استوار ہوتا ہے۔(83) ارتقا کے اس رجحان کے ساتھ زیادہ ہم آہنگ ہے جس کا رخ محبت اور دردمندی کی طرف ہے۔

تاہم اس نقطے پر ہم حیاتیاتی سے ثقافتی ارتقا کی طرف گامزن ہو جاتے ہیں۔ ہم ایک ایسے

MashalBooks.org

معاشرے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں جو عورتوں اور مردوں دونوں کے حوالے سے ہمدردی اور نگہداشت کو بہت قابل قدر اور قابل صلہ سمجھتا ہے۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اگر ہم لحاتی تباہی کی حامل طاقتور ٹیکنالوجی کے دور میں زندہ رہنا چاہتے ہیں اور اپنی ہمدردی اور تخلیقیت کی عظیم انسانی صلاحیتوں کی تکمیل کے ذریعے ارتقا کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کی فوری ضرورت ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں ارتقا پہلے سے متعین نہیں جیسا کہ سائنسدان آج اس بات پر زور دے رہے ہیں یہ ایک حادثاتی عمل ہے......ایک ایسا عمل جو ہمارے ارتقا کے اس نقطے پر زیادہ تر حادثاتی یا اس بات پر منحصر ہے کہ ہم انسان کس قسم کا خاندانی' سماجی' معاشی اور ثقافتی نظام تشکیل دیتے ہیں۔

محبت اور انسان ہونے کا عمل

محبت کے ارتقا کا محرک' بچوں کی تربیت و تحفظ کیلئے والدین اور/ یا گروپ کے دوسرے ارکان کو تحریک دینا تھا لیکن جیسا کہ ہم ہاتھی اور بن مانس کے بچوں کے معاملے میں پہلے ہی دیکھ چکے ہیں جو اپنی ماؤں کی موت پر دل شکستہ ہو کر مر جاتے ہیں' محبت کی ضرورت......محض جسمانی ضرورتوں سے علیحدہ......ارتقا کے دوران انسانی بچوں کی بقا کی ضرورت بن گئی۔ دل کو ہلا دینے والی اس چیز کو یتیم خانوں میں موجود اکثر انسانی بچوں میں دیکھا جا سکتا ہے' جن میں سے متعدد شدید قسم کی جذباتی اور صلاحیتی مشکلات کا شکار ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات تو مر بھی جاتے ہیں جبکہ ان کی جسمانی ضرورتیں وہ لوگ پوری کر رہے ہوتے ہیں جو ان کے ساتھ کوئی حقیقی جذباتی یا ہمدردانہ وابستگی نہیں رکھتے۔

یہ محبت کے ارتقا کا ایک پراسرار پہلو ہے۔ یہ اس سوال کو جنم دیتا ہے کہ یہ بچے محض دیکھ بھال کے بل پر پروان کیوں نہیں چڑھ سکے' یا زندہ کیوں نہیں رہ سکے۔ محبت کی یہ شدید ضرورت کیسے اور کیوں ظہور میں آئی؟

ہمارے پاس ان سوالوں کے کوئی جواب موجود نہیں لیکن ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ ہمدردانہ تعلق کی یہ انسانی آرزو...... چھوٹوں اور بڑوں دونوں کی محبت کی آرزو...... ہماری نوع کے اندر موجود ہے۔ یہ ہمارا نہایت بنیادی انسانی محرک ہے۔ یہ اس قدر اہم ہے کہ ہمدردانہ محبت سے محرومی......ابتدائی ماحول میں جو محبت ہمیں ملتی ہے اگر وہ بے حسی' بے توجہی' جبر' بدسلوکی اور/ یا تشدد سے جڑی ہو...... ہماری نشوونما کو شدید نقصان پہنچاتی ہے یا ہمیں ناکارہ بنا دیتی ہے۔

MashalBooks.org

بایں سبب ہم انسانوں کو اپنے ارتقائی امکانات کی تکمیل کیلئے حاکمیتی کے بجائے شراکتی سماجی تنظیم درکار ہے لیکن اس کے علاوہ ایک اور نہایت اہم وجہ بھی موجود ہے۔ یہ حقیقت کہ' جیسا کہ پہلے بھی توجہ دلائی گئی ہے' ارتقاہی ہمیں اس وقت مسرت کے کیمیائی صلے سے نوازتا ہے جب نہ صرف ہمیں محبت ملتی ہے بلکہ جب ہم محبت کرتے ہیں' نہ صرف جب' ہمیں ہمدردی کے ساتھ چھوا جاتا ہے بلکہ جب ہم کسی کو ہمدردی کے ساتھ چھوتے ہیں' نہ صرف جب ہم پر توجہ دی جاتی ہے بلکہ جب ہم دوسروں پر توجہ دیتے ہیں۔ باالفاظ دیگر' ہماری انسانی حیاتیات میں کیمیائی مادوں کی صورت میں محبت کی طرف سے جانے والی تحریک موجود ہے جو ہمیں جب' ہمیں محبت ملتی ہے اور جب ہم محبت کرتے ہیں...... خواہ یہ کوئی بچہ ہو' عاشق' دوست' پالتو جانور' ہماری انسانی بہنیں اور بھائی' یا ہماری خوبصورت زمین' ہر دو صورتوں میں آسودگی کا احساس عطا کرتی ہے۔

یہی نہیں بلکہ جن لوگوں کو تقویتی اور ہمدردانہ تعلقات میسر ہوتے ہیں' دیکھا گیا ہے کہ وہ بیماریوں اور حادثات سے بہت جلد صحت یاب ہو جاتے ہیں بعینہٖ' جو لوگ دوسروں کی ہمدردانہ دیکھ بھال کرتے ہیں جیسے کہ وہ لوگ جو رضا کارانہ کام کرتے ہیں' وہ زیادہ صحت مند رہتے ہیں اور زیادہ عمر پاتے ہیں۔ ان معاشروں میں بھی' جو حاکمیتی ماڈل کی طرف بنیادی جھکاؤ رکھتے ہیں' اتنی ہمدردی اور محبت ضرور موجود ہوتی ہے جو انسانی بقا کیلئے ناگزیر ہے لیکن' ایک سخت گیر حاکمیتی سماجی تنظیم ہمدردی کو دباتی ہے یا اسے خانوں میں تقسیم کر دیتی ہے' بصورت دیگر حاکمیت وتسلیم کے نظام ہائے مراتب کو جن کی پشت پر خوف اور طاقت موجود ہوتی ہے' برقرار نہیں رکھا جا سکتا۔ بچوں کی حاکمیتی تعلیم و تربیت...... انتہائی صورتوں میں ان کے ترقی پذیر دماغ کے عصبی روابط کی تشکیل کے ذریعے ...... انہیں نفسیاتی اور بالعموم جسمانی بدسلوکی کا عادی بنا دیتی ہے جو حاکمیت کے کڑے نظام ہائے مراتب کی بقا کیلئے ضروری ہے ایسے بچے جنہیں شدید طور پر دھمکی اور جارحیت کا شکار بنایا جاتا ہے بہت زیادہ چوکنے' دفاع پسند اور غصیلے ہو جاتے ہیں' اور خود کو اتنا بے حس بنا لیتے ہیں کہ انہیں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ یہ تمام ردعمل' ایک دشمن ماحول میں زندہ رہنے کے طریقے ہیں' اور سخت گیر حاکمیتی سیاق وسباق میں انہیں مطابقت کا نام دیا جا سکتا ہے۔ **(84)** مگر یہ نسل در نسل بالکل اسی قسم کے طرز ہائے عمل کی غیر شعوری نقل پر بھی منتج ہوتے ہیں جو لوگوں میں ناخوشگواری کا احساس پیدا کرتی ہے اور ان کی نشوونما کو روک دیتی ہے۔ مزید برآں یہ عام طور پر لوگوں کیلئے اس بات پر یقین کرنا بہت مشکل بنا دیتے ہیں کہ حاکم یا محکوم بننے کا متبادل موجود ہے۔ **(85)**

MashalBooks.org

بہرحال، تبدیلی ممکن ہے......اور کئی صدیوں سے ایسا ہوتا بھی آ رہا ہے......شدید مزاحمت کے باوجود، دنیا بھر میں استبدادی، مرد غالب، متشدد خاندانوں اور قوموں سے زیادہ جمہوری صنف منصفانہ اور غیر متشدد خاندانوں اور قوموں کی طرف تبدیلی کی ٹھوس تحریک موجود ہے۔

اپنے ثقافتی ارتقا کے اس نقطے پر، جبکہ صنعتی سے بعداز صنعتی معاشرے میں تیز رفتار تبدیلی متعدد پختہ عقائد اور اداروں کو غیر مستحکم کر رہی ہے، ہمیں اپنے ثقافتی ارتقا کو اپنی نوع میں محبت کیلئے ہماری شدید ضرورت اور استعداد سمیت اپنے اعلیٰ ترین انسانی امکانات کیلئے موجود ارتقائی تحریک کے ساتھ ہم آہنگ بنانے کا موقع میسر ہے۔ درحقیقت، ہم انسان ابتدا سے ہی اپنے ارتقا کے غیر شعوری تخلیق کار رہے ہیں۔ ہماری ثقافت اور ہمارا بیشتر طبعی ماحول دونوں انسانی تخلیقات ہیں لیکن گزرتے وقت نے ہمیں جو زبردست موقع فراہم کیا ہے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، ہمیں ایک شراکتی مستقبل کا شعوری، تخلیق کار بننے کی ضرورت ہے۔(86)

اولاً، ہمیں شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کی ایک واضح تفہیم درکار ہے۔ ثانیاً، ہمیں نہایت موثر دخل اندازیوں کو شناخت کرنے کی ضرورت ہے جو عقائد اور طرز ہائے عمل میں تبدیلیوں کے ذریعے، ہماری ثقافت کے حاکمیتی عناصر کے انتقال کو روک سکتی ہوں۔ (87) (باب 4 میں ''شراکت کی طرف تبدیلی'' ملاحظہ کیجئے) ثالثاً، ہمیں ایسی نئی سماجی اور معاشی اختراعات تشکیل دینے کی ضرورت ہے جو شراکتی تعلقات کو فروغ دے سکیں۔ آخرکار یہی تو شراکتی تعلیم کے مقاصد ہیں۔

MashalBooks.org

ہماری انسانی مہم

نمونے اور امکانات

سائنسدان بتاتے ہیں کہ ہم زمین پر تاخیر سے آنے والوں میں سے ہیں۔ ہماری آمد یہاں ابھی حال ہی میں ہوئی ہے کہ اگر ہم اپنے سیارے کی تاریخ کو چوبیس گھنٹے کا دن سمجھیں تو ہم آدھی رات سے ذرا قبل منظر میں داخل ہوتے ہیں۔

لیکن اب ہماری زمین کا مقدر ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ ہماری نوع کے ظہور سے سیارہ جاتی ارتقا میں ایک نئے عہد کی ابتدا ہوئی۔ انسانی ہم تخلیقیت کا عہد۔ تبدیلیوں کو تخیل میں سوچ لینے کی ہماری استعداد اور ساتھ ہی ساتھ آلات بنانے اور کام میں لانے کی استعداد کے استعمال سے ہم نے اپنے فطری مسکن کو غیر معمولی طور پر تبدیل کر لیا ہے۔ آج ہماری ٹیکنالوجی اتنی طاقتور ہو چکی ہے کہ فطرت کی قوتوں کا مقابلہ کرتی ہے۔ اس ٹیکنالوجی کی رہنمائی کرنے والے تصورات، اوزار اور معمولات ہی زیادہ تر ہمارے سیارے پر ہمارے مستقبل اور زندگی دوسری صورتوں کے مستقبل کا تعین کریں گے۔ یہ ایں وجہ نوجوان افراد کیلئے ہمارے ثقافتی امکانات کی واضح تر تفہیم حاصل کرنا لازمی ہے۔

شراکتی تعلیم نوجوان افراد کے سامنے انسانی ثقافتی امکانات کے دو تذکرے پیش کرتی ہے۔ یہ بے جوڑ اور کم معنویت کے حامل واقعات، انسانی اختراعیت اور تحصیلات کی کہانی ہے جن کا سبب مستقل جنگیں، جبر، خونریزی اور حاکمیت اور کنٹرول کی خاطر انسانوں، قبائل اور اقوام کے مابین لڑائیاں ہیں۔ یہ تہذیبوں کے مانوس عروج اور ناگزیر معلوم ہونے والے زوال کی کہانی ہے جو اپنے پیچھے حکمرانوں کی تعمیر کردہ یادگار عمارات چھوڑ جاتی ہیں۔ ایک ایسی تاریخ جسے فاتحوں نے لکھا ہے اور جس میں عورتیں، بچے اور ''نچلے طبقات'' اور ''کم تر نسلوں'' کے افراد محض معمولی کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ کہانی ہمیں بتاتی ہے کہ ہماری

نوع بنیادی طور پر ناقص ہے...... یعنی ایک ایسی نوع جو اپنی بے پایاں صلاحیتوں اور امنگوں کے باوجود' امن وانصاف سے زندہ نہیں رہ سکتی۔

دوسری کہانی تجزیاتی عدسے کو وسعت دے کر ہمارے سامنے زیادہ بڑا منظر پیش کرتی ہے۔ایک ایسا منظر جو قبل تاریخ سمیت کل تاریخ کا احاطہ کرتا ہے'اس میں کل انسانیت یعنی اس کے نسوانی اور مردانہ نصف دونوں شامل ہیں اور ہماری کل زندگیاں یعنی ''معمولی'' لوگوں کی روزمرہ زندگی کا نام نہاد سرکاری (غیر نجی) دائرہ اور نجی دائرہ' دونوں شامل ہیں...... یہ کہانی ہمارے ماضی اور حال کے حاکمیتی پہلوؤں کو تسلیم کرتی ہے مگر یہ ایک زیادہ پرامن اور منصفانہ طرز حیات کے امکان پر توجہ مرکوز کرتی ہے۔یہ شراکتی یا حاکمیتی ماڈل کی طرف بنیادی جھکاؤ رکھنے والے معاشروں یا ادوار کی تہہ میں کارفرما نمونوں کو نمایاں کرتی ہے اور یوں ایک پائیدار اور انسانی مستقبل کی تخلیق کیلئے امید اور تحریک کا سامان کرتی ہے۔

گزشتہ باب میں حیاتیاتی ارتقا کی جن دو کہانیوں کا خاکہ پیش کیا گیا ہے ان سے واقفیت حاصل کر کے طلبہ پہلے ہی یہ جان چکے ہوں گے کہ حیوانات کے متعلق ہمیں جو کچھ ابھی تک سکولوں' یونیورسٹیوں یا ٹیلی ویژن اور دوسرے ماس میڈیا کے ذریعے پڑھایا جا رہا ہے اس کا بیشتر حصہ جارحیت' تشدد اور حاکمیت کو توجہ کا مرکز بناتا ہے...... باوجود اس کے کہ نئے مطالعات بتاتے ہیں کہ حیوانوں سے متعلق متعدد نظریات پر نظرثانی کی ضرورت ہے۔اس موضوع کا جائزہ لینے کیلئے طلبہ کو یہ یاددہانی کروائی جاسکتی ہے کہ ٹیلی ویژن پروگرام یکے بعد دیگرے کس طرح ناظرین کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ بہت سی انواع میں ......مثلاً زیتونی بابون ...... جتنا کسی نر کا درجہ اور جارحیت زیادہ ہوتی ہے اتنا ہی مادہ اس کے ساتھ جنسی عمل میں زیادہ حصہ لیتی ہیں تاہم جنگلوں میں زیتونی بابون کے مشاہدے سے شرلی سٹرم جیسی ماہر حیوانات ریئسہ نے یہ پتہ چلایا ہے کہ زیادہ درجے اور جارحیت کے حامل نر کے ساتھ واقعتاً جنسی عمل میں سب سے کم حصہ لیا جاتا ہے نہ صرف یہ بلکہ جب کوئی خصوصی خوراک مل جاتی ہے تو ایسے نر پیچھے رہ جاتے ہیں' بظاہر اس کا سبب یہی ہے کہ انہیں اپنے ساتھ شریک کرنے والے دوستوں کی تعداد کم ہوتی ہے۔(1)

طلبہ سے باب 3 میں دیئے گئے مواد کے سرسری جائزے کیلئے بھی کہا جا سکتا ہے۔اس ضمن میں ''منفی اساطیر'' کے نام سے حجری بشریات دان ایڈرین زلمین کا کتابی تبصرہ ایک اچھا ماخذ ہے جس میں مصنفہ حیوانات ریئسہ کے جنسی طرز ہائے عمل سے متعلق پرانے اور نئے دونوں نقطہ ہائے نظر سے بحث کرتی ہیں۔(2)

پھر اساتذہ ہمارے ثقافتی ارتقا سے متعلق دو مختلف کہانیاں سنانے کی طرف آ سکتے ہیں جن کا خاکہ

MashalBooks.org

آنے والے صفحات میں دیا گیا ہے ایک جو حاکمیتی ماڈل کو واحد انسانی امکان کی حیثیت سے پیش کرتی ہے اور دوسری جو شراکتی متبادل کو سامنے لاتی ہے۔

ہماری ثقافتی شروعات سے متعلق دو نقطہ ہائے نظر

ہمیں جو کچھ بتایا جاتا ہے اس کا بیشتر حصہ ہمیں یہ یقین دلاتا ہے کہ ہماری نوع کو جو چیز متمیز کرتی ہے وہ اس کی تشدد اور جارحیت کی ''برتر'' استعداد ہے۔ سٹینلی کبرک کی فلم '2001ء ایک خلائی مہم' (جو آرتھر سی کلارک کے ناول پر مبنی ہے) ایک ڈرامائی منظر میں اسی چیز کی توضیح کرتی ہے جس میں آلات کی دریافت کی ابتدا بن مانس جیسے ایک جانور کے اس احساس سے ہوتی ہے کہ اس کی نوع کے ایک دوسرے رکن کو قتل کرنے کیلئے ایک بڑی ہڈی کو ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

طلبہ کو اس چیز پر بحث کیلئے کہا جا سکتا ہے کہ اس منظر سے کس طرح یہ نظریات جھلک رہے ہیں کہ حاکمیتی معاشرے کا ارتقا اور انسانی معاشرے کا ارتقا ایک ہی بات ہے۔ وہ دیکھ سکتے ہیں کہ یہ پیغام کس طرح ہمارے اردگرد نامحسوس اور محسوس انداز میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ غار میں رہنے والے وحشی کا وہ ''معصوم'' کارٹون جس میں وہ ایک ہاتھ میں ڈنڈا اٹھائے ہے اور دوسرے ہاتھ سے بالوں سے پکڑے ایک عورت کو گھسیٹ رہا ہے (ایک ایسا کارٹون جسے بچوں کو دکھاتے ہوئے ہم کچھ نہیں سوچتے) اسی پیغام کی ترسیل کرتا ہے۔ چند ''حیران کن'' جنبشوں کی مدد سے یہ بتایا ہے کہ ازل سے ہی مردوں نے جنس کو تشدد کے مترادف سمجھا ہے اور یہ کہ عورتیں مجہول جنسی اشیاء ہیں...... بہ الفاظ دیگر یہ کہ جنس کا مردانہ حاکمیت اور تشدد کے ساتھ تعلق بس ''انسانی فطرت'' ہے۔ مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے محققین ہماری ثقافتی شروعات کے بارے میں ہمیں ایک مختلف کہانی سناتے ہیں۔ اس کہانی میں' آلات کی ایجاد اس دریافت کی ابتدا سے نہیں ہوتی کہ ہم ایک دوسرے کو قتل کرنے کیلئے ہڈیاں' پتھر یا لاٹھیاں استعمال کر سکتے ہیں۔ اس کی ابتداء بہت پہلے جڑوں کو کھود نکالنے کیلئے (چمپانزی ایسا ہی کرتے ہیں) چھڑیوں اور پتھروں کے استعمال سے ہوتی ہے اور خوراک کو صرف ہاتھوں میں اٹھانے کے بجائے اٹھانے سنبھالنے کے نئے طریقوں کے ساتھ (سبزیاں رکھنے اٹھانے کیلئے ابتدائی جھولے اور ٹوکریاں) اور خوراک کو قابل استعمال یعنی نرم بنانے کیلئے ہاون دستے اور دوسرے آلات کے ساتھ جاری رہتی ہے۔ مختصراً' یہ زندگی لینے والے آلات کے بجائے اسے تقویت دینے والے آلات کو توجہ کا مرکز بناتی ہے۔(3)

اس کہانی میں' انسان نما اور پھر انسانی ثقافت کا ارتقا ایک کے بجائے کئی راستے اختیار کرتا ہے۔

ہمارے پاس متبادلات ہیں۔ ہم تعلقات کی تنظیم اس انداز سے کر سکتے ہیں کہ تشدد اور حاکمیت صلہ بخش بن جائیں یا جیسا کہ ہمارے کچھ ابتدائی آرٹ سے ظاہر ہوتا ہے' ہم ایک دوسرے کے ساتھ اور باقی زندہ دنیا کے ساتھ اپنے لازمی باہم تعلق کو تسلیم کر سکتے ہیں۔ ہم بنیادی طور پر حاکمیت کے نظام ہائے مراتب پر مبنی سماجی تعلقات تعمیر کر سکتے ہیں جن کی پشت پر خوف اور آخراً' طاقت کارفرما ہو یا ہم تکمیلیت کے نظام ہائے مراتب استوار کر سکتے ہیں جن میں طاقت کو دوسروں پر کنٹرول حاصل کرنے کیلئے نہیں بلکہ دوسروں کو اپنی اعلیٰ تر انسانی صلاحیتوں کو کام میں لانے کے قابل بنانے کیلئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو اس سے پورا معاشرہ مستفید ہوتا ہے۔ طلبہ سکول کے اندر اور باہر روزمرہ زندگی کے اپنے تجربات کی سادہ مثالوں کے ذریعے شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں اور حاکمیتی نظام ہائے مراتب اور تکمیلی نظام ہائے مراتب کے اختلافات کو جان سکتے ہیں۔ (4) اونچے درجوں میں' طلبہ دوسروں کو اپنی اعلیٰ تر صلاحیتوں کو پورا کرنے کے قابل بنانے (تکمیلیت) کے فوائد کے مقابل دوسروں پر کنٹرول حاصل کرنے (حاکمیت) کے نقصان دہ اثرات کا تجزیہ کر سکتے ہیں۔

اساتذہ' ثقافت اور ٹیکنالوجی کے ارتقا کے بارے میں پرانے مانوس نظریات سے متعلق مواد سے ابتدا کر سکتے ہیں جو ''وحشت'' اور ''بربریت'' سے ''تہذیب'' تک ثقافت اور ٹیکنالوجی کے مراحل کو اوپر کی جانب رواں خطی پیش رفت کے طور پر پیش کرتا ہے اور اس میں شراکتی یا حاکمیتی ماڈل کی طرف بنیادی جھکاؤ رکھنے والے معاشروں میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ وہ مثالیں دے سکتے ہیں کہ حقیقتاً ٹیکنالوجی کس طرح ایجاد ہوئی اور کیسے ضائع ہوئی (جیسے کہ یورپی عہد ظلمت میں) اور حالیہ دور میں ''مہذب معاشرے'' (جیسے کہ نازیوں کی تیسری ریاست اور میلاسودچ کا یوگوسلاویہ) کس طرح وحشت اور بربریت کی مثال بن گئے ......دوسرے الفاظ میں یہ کہ یہ نظریات حقیقت سے کس طرح مطابقت نہیں رکھتے۔

پھر طلبہ سے' دو مختلف امکانات کے طور پر شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کے مابین موجود کشمکش کے نقطہ نظر سے اس زمین پر ہماری انسانی مہم کے ایک تازہ جائزے کیلئے کہا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں طلبہ کو اس مواد سے متعارف کروایا جا سکتا ہے جو آگے آنے والے حصوں میں مہیا کیا جا رہا ہے۔ یہ مواد بتاتا ہے کہ انسانی تعلقات کی تفہیم کیلئے ایک کے بجائے کئی امکانات موجود ہیں۔ یہ ایک زیادہ پرامید مستقبل کا نقشہ پیش کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ وہ ادوار اور خطے جہاں بنیادی جھکاؤ شراکتی ماڈل کی طرف رہا ہے' ٹیکنالوجی کی ترقی کی سطح سے قطع نظر وہاں لوگوں کی زندگیاں بہتر ہیں۔

ہائی سکول کی جماعتوں کیلئے ایک مفید ماخذ میج برٹ ایگل اور رابن اینڈریا کی تیار کردہ مواد ہے۔

MashalBooks.org

یہ......اے میں شامل ہے۔ایک اور مفید ماخذ باکس 4.1 ہے۔

شراکتی، حاکمیتی تسلسل پر ان کے وقوع کے حوالے سے ابتدائی ثقافتوں اور اساطیر کا جائزہ اس کثیر الثقافتی تعلیم کا ایک اہم جزو ہوسکتا ہے جس کی آج ہمیں ضرورت ہے تا کہ ہمارے سکولوں اور قوموں میں نسلی اور نسلیاتی تعصبات سے جنم لینے والی کشمکش، اور بہت زیادہ عام ہوتے ہوئے تشدد کو گھٹانے میں مدد مل سکے۔مختلف نسلی اور نسلیاتی گروہوں کے ساتھ مشترک بنیاد کی تلاش کیلئے نوجوان افراد کی موثر ترین مدد کا طریقہ یورپ، ایشیا، افریقہ، شمالی اور جنوبی امریکہ اور آسٹریلیا کی ثقافتوں میں ایسی اساطیر کی کھوج ہے جو ابھی تک طرز حیات کے زیادہ شراکتی جھکاؤ کے آثار کی حامل ہیں۔زیادہ تر بچوں کیلئے یہ کھوج دلچسپی سے بھرپور ہوگی۔

اساتذہ طلبہ کو آگے آنے والے مواد سے متعارف کروا کے انہیں ان لوگوں کے مابین حالیہ کشمکش کو سمجھنے کیلئے کہہ سکتے ہیں جو ابھی تک ابتدائی انسانی ثقافتی ارتقا کو اصلاً حاکمیتی عدسے سے دیکھ رہے ہیں اور جو شراکت کی طرف جھکاؤ رکھنے والی ابتدائی ثقافتوں کی شہادت پیش کرتے ہیں۔اونچے درجوں میں طلبہ اس موضوع پر اس چیز کے سیاق وسباق میں بحث کر سکتے ہیں جسے سائنس کا مورخ، ٹامس کوہن پرانے اور نئے سائنسی پیمانوں کے مابین کشمکش کا نام دیتا ہے۔جیسا کہ کوہن ''سائنسی انقلابات کی ساخت'' (6) میں واضح کرتا ہے کہ جب ایسی شہادت جمع ہوگئی جو پرانے نظریات یا تعبیرات سے میل نہیں کھاتی تھی تو سائنس میں ایسی متعدد لڑائیاں لڑی گئیں اور بالخصوص جب موجودہ مقتدر ساختوں کو خطرہ لاحق ہوا تو نئی تعبیرات کے خلاف مزاحمت بہت زیادہ بڑھ گئی ...... جیسا کہ چرچ کے ساتھ گیلیلیو کے خطرناک اختلاف کی صورت میں ہوا۔

پھر طلبہ کو اس سوال کی تحقیق کیلئے مدعو کیا جا سکتا ہے کہ قبل تاریخ کی پرانی اور نئی تعبیرات ...... ثقافتی ارتقا کا وہ طویل عرصہ جس کیلئے ہمارے پاس کوئی قابل فہم تحریری ریکارڈ موجود نہیں...... انسانی فطرت سے متعلق کس طرح دو مختلف تناظرات کو تقویت دیتی ہیں۔

اگرچہ بہت سے اساتذہ جو کچھ آگے پیش کیا جا رہا ہے اسے موجود نصاب میں ایک ضمیمے کی حیثیت سے شامل کر لیں گے، تاہم یہ ایک اہم ابتدائی قدم ہے۔یہ طلبہ کیلئے اس بات کو ممکن بناتا ہے کہ وہ جو کچھ غیر واضح اور ناقابل فہم معلوم ہوتا ہے اس میں موجود نمونے دیکھ سکیں۔یہ اس چیز پر بھی روشنی ڈالتا ہے کہ انسانی تاریخ سے متعلق جو کچھ ہمیں پڑھایا گیا ہے اس کا بیشتر حصہ معروفیت کے دکھاوے کے باوجود، واقعتاً نسلی اور جنسی تعصب پر مبنی ہے۔اہم ترین بات یہ ہے کہ یہ طلبہ کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ وہ یہ تحقیق

MashalBooks.org

کریں کہ انسانی فیصلے، خواہ شعوری ہوں یا غیر شعوری، کس طرح اس چیز کا تعین کرتے ہیں کہ ہمارا مستقبل کیسا ہوگا......اور بلکہ یہ کہ ہمارا کوئی مستقبل ہوگا بھی یا نہیں۔

ثقافتی قلب ماہیت کا نظریہ

اونچے درجوں میں طلبہ کو ''ثقافتی قلب ماہیت کے نظریے'' پر مبنی زیادہ پیچیدہ تجزیے میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ یہ انداز نظر ایک نہیں بلکہ دو ارتقائی تحریکوں کو پیش نظر رکھتا ہے اور ان کے مابین باہمی تعامل کو توجہ کا مرکز بناتا ہے۔

ایک تحریک ٹیکنالوجی سے متعلق، ایک بڑے دور سے دوسرے بڑے دور میں تبدیلیوں پر مشتمل ہے۔ یہ وہی مانوس دور ہیں جن کا سبب ٹیکنالوجی کی بنیادی دریافتیں تھیں، یعنی زرعی انقلاب، صنعتی انقلاب اور ہمارے عہد کے نیوکلیائی، الیکٹرانک اور حیاتی کیمیائی انقلابات۔ دوسری تحریک ٹیکنالوجی سے نہیں بلکہ سماجی اور ثقافتی تبدیلی سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ ایسے ادوار کے مابین تبدیلیوں پر مشتمل ہے جو بنیادی طور پر یا تو شراکتی یا حاکمیتی ماڈل کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں۔

ان دونوں تحریکوں کے باہمی تعامل سے واقف ہو کر طلبہ دیکھ سکتے ہیں کہ جس درجہ کوئی عہد یا معاشرہ شراکتی یا حاکمیتی ماڈل کی طرف بنیادی جھکاؤ رکھتا ہے اسی قدر یہ ٹیکنالوجی سے متعلق ترقی اور دریافتوں کے استعمال کو متاثر بھی کرتا ہے۔ مثال کے طور پر جیسا کہ بعدازاں اس باب میں زیر بحث آئے گا۔ قبل تاریخ یورپ کے زیادہ شراکتی جھکاؤ کے حامل نوحجری لوگ دھاتوں کو بنیادی طور پر آلات، زیورات اور دوسری آرائشوں اور رسوماتی اشیاء کی حیثیت سے استعمال کرتے تھے مگر زیادہ حاکمیتی جھکاؤ کے حامل انڈو یورپی حملہ آور جنہوں نے بعدازاں یورپ کو تاراج کیا، دھاتوں کو پگھلانے کی ٹیکنالوجی کو بنیادی طور پر ہتھیار بنانے کیلئے کام میں لاتے تھے۔

ہمارے ثقافتی ارتقا کے دوران ان دونوں تحریکوں کے باہمی تعامل کو......ایک طرف، ٹیکنالوجی کے عہد سے متعلق تبدیلیاں اور نتیجتاً طرز ہائے پیداوار میں تبدیلیاں اور دوسری طرف شراکتی یا حاکمیتی بغاوتوں کے ادوار اور نتیجتاً ٹیکنالوجی سے متعلق ترجیحات میں تبدیلیاں...... ''ریان آئزلر، حاکمیتی اور شراکتی تبدیلیاں'' مشمول ''میکرو ہسٹری اور میکرو سٹورین: انفرادی، سماجی اور تہذیبی تبدیلی سے متعلق تناظرات'' میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب معروف شخصیات جیسے کہ ویکو، ہیگل، مارکس، ویبر، سپنگلر اور ٹائن بی کے نظریات کو بھی بیان کرتی ہے۔(5)

قدیم ہجری دور

ثقافت (تعلم کے ذریعے نسل درنسل منتقل ہونے والے عقائد اور طرز ہائے عمل) اور ٹیکنالوجی (آلات کی تشکیل) کی جڑیں قدیم ممالیہ بالخصوص حیوانات رئیسہ تک پہنچتی ہیں لیکن انسانوں تک آ کر ثقافت اور ٹیکنالوجی خصوصی اہمیت اختیار کر لیتے ہیں۔

انسانی خاندان کے ابتدائی ارکان' نام نہاد انسان نما' لاکھوں برس پہلے افریقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انسانی ثقافت اور ٹیکنالوجی کی جڑیں بھی افریقہ ہی میں ہیں' کیوں انسانی نما انواع یکے بعد دیگرے یہیں پر ظہور میں آئیں۔

خود ہماری نوع' ابتدائی انسان کا ظہور صرف ایک لاکھ بیس ہزار سال پہلے ہوا لیکن ہم بھی افریقہ ہی سے تعلق رکھتے ہیں اور ڈی این اے مطالعات کے مطابق ہمارے ابتدائی آباؤ اجداد کا تعلق یہیں سے تھا۔

ماں کی طرف سے ورثے میں ملنے والے ڈی این اے کا مطالعہ کرنے والی سائنسدانوں کی ایک ٹیم کا خیال ہے کہ تمام انسانوں کا تعلق ایک قدیم مادہ سے ہے جو ایک لاکھ چالیس ہزار اور دو لاکھ اسی ہزار سال پہلے کے دورانی عرصے میں افریقہ میں موجود تھی اگرچہ حیاتیات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ وہ کسی بھی اعتبار سے تمام انسانوں کی واحد آبائی ماں نہیں تھی کیونکہ دوسری مادائیں بھی اس وقت نسل میں اضافہ کر رہی تھیں لہٰذا ڈی این اے کے یہ مطالعات بتاتے ہیں کہ ان میں سے وہی ایک اکیلی تھی جو ایسے مادہ وارثین رکھتی تھی جو آئندہ کی نسلوں میں سے زندہ باقی بچیں۔ اسی لئے سائنسدان سے ''حوا'' ہماری مادر مشترک کا نام دے رہے ہیں۔ (7)

ایشیا میں بھی ابتدائی انسان نما آثار ملتے ہیں۔ چینی اکیڈمی برائے سماجی علوم کے انسٹیٹیوٹ آف آرکیالوجی کے پروفیسر جیاؤ تیان لانگ کے مطابق آثاریاتی مواد سے ظاہر ہوتا ہے کہ اٹھارہ لاکھ سال پہلے انسان نما پہلے ہی اس علاقے میں آباد تھے جسے آج ہم چین کہتے ہیں۔ اس مواد سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان کی ثقافت کس قسم کی تھی۔ (8) لیکن پروفیسر جیاؤ تیان لانگ کی رائے ہے کہ قدیم حجری یورپ کے خوراک اکٹھی کرنے والے اور شکاری لوگوں کی طرح یہ چھوٹے چھوٹے گروہوں پر مشتمل تھے' جو مختلف علاقوں میں مختلف ہوتے تھے اور جن میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں آتی گئیں۔ ان کا یہ خیال بھی ہے کہ یہ نتیجہ نکالنا بجا ہوگا کہ ''ایسے ارکان کے مابین برابری اور باہمی امداد موجود تھی جو زندہ رہنے کی کڑی جدوجہد میں ایک دوسرے کا ساتھ دیتے تھے۔'' (9)

MashalBooks.org

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان ابتدائی معاشروں میں تشدد مفقود تھا۔ کہنے سے مراد یہ ہے کہ مستقل جنگ و جدل، مرد حاکمیت اور خوف اور طاقت پر مبنی انسانی تعلقات سے متعلق مفروضات کو تقویت دینے والی متعدد ابتدائی تعبیرات دستیاب شہادت سے میل نہیں کھاتی ہیں۔(10)

اصل میں، اگر ہم حجری دور کے ان کھنڈرات پر نظر ڈالیں جنہیں مکمل طور پر دریافت کر لیا گیا ہے جیسے کہ بالائی حجری دور کے یورپی کھنڈرات، تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حجری دور کے ہاتھ میں ڈنڈا پکڑے غار میں رہنے والے قدیم انسان کی مقبول عام تصاویر مکمل طور پر بے بنیاد ہیں۔ یہ دریافتیں حاکمیت کی طرف جھکاؤ رکھنے والے طرز حیات کے بجائے شراکت کی طرف جھکاؤ رکھنے والے طرز حیات کا پتہ دیتی ہیں۔ یہ اس دور کی روایتی تعبیرات سے یقیناً مطابقت نہیں رکھتیں جو انسان بحیثیت شکاری/جنگجو کی کہانی'' سناتا ہے۔

مثال کے طور پر، طلبہ شکل 4.1 میں دکھائے گئے ''غلط سمت تیروں'' کو دیکھ کر یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس انداز نظر نے حجری دور کی دریافتوں کو کس طرح بگاڑا اور مسخ کیا ہے۔ اس قدیم نقش نگاری نے محققین کو پریشان کئے رکھا ہے کیونکہ دیکھنے میں چاروں تیروں کا رخ غلط سمت میں ہے، یہ ساتھ ہی کھودے گئے ارنا بھینسے کے سر کی سمت میں نہیں اس بات کا سہرا آثاریات میں ایک نوارد الیگزینڈر مارشک کے سر بندھتا ہے جنہوں نے یہ نشاندہی کی کہ مروجہ انداز نظر سے ہٹ کر دیکھنے سے ان اشیاء کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے جیسی کہ وہ ہیں یعنی شاخوں سمیت پودوں کے نقش جو ''صحیح سمت'' میں ہیں۔(11)

طلبہ کو حجری دور کے غار کے آرٹ سے متعلق ایک بڑے موضوع پر بحث کیلئے بھی کہا جا سکتا ہے:
فطرت کا حیات بخش اور زندگی کو برقرار رکھنے والا پہلو، تیس ہزار سال پرانے اس آرٹ میں جسے اب بھی زیادہ تر حیوانات کی خوبصورت مصوری کی حیثیت سے مانا جاتا ہے، لاتعداد عورتوں کی شبیہیں موجود ہیں۔ ان میں بڑے کولہوں والی عورتیں بھی ہیں اور بعض اوقات حاملہ عورتیں بھی یعنی نام نہاد زہرہ کی شبیہیں، جن کی ابتدائی تعبیرات ''پلے بوائے'' کے سنٹر فولڈ یا ''زرخیزی کے مسلک'' سے متعلق بت کے طور پر کی جاتی تھیں۔ محققین کی روز افزوں تعداد عورتوں کی ان شبیہوں کو فطرت کی تخلیقی و افزائشی قوت کی علامات کی حیثیت سے سمجھنے کی طرف مائل ہو رہی ہے جیسا کہ ماہر آثاریات، جیمز میلارٹ توجہ دلاتے ہیں یہ فطرت کی فراوانیت اور تخلیقیت سے منسوب نسوانی دیویوں کی ابتدائی پیش رو معلوم ہوتی ہیں جو بعد کی زرعی اور کانسی کے عہد کی تہذیبوں میں دریافت ہوتی ہیں۔(12)

MashalBooks.org

ان میں سے ایک شبیہہ قدیم ترین شبیہہ ہوسکتی ہے۔ یہ ایک کھدی ہوئی شے ہے جو جولان کی پہاڑیوں میں واقع بیر یخت رام کے مقام پر اسرائیل میں دریافت ہوئی ہے: یہ ایک جھری دار پتھر ہے جو ''نسوانی جسم کی کچھ خصوصیات کا حامل'' ہے' اور اسے ''سر اور ہاتھوں کی نشاندہی کیلئے تراشا'' گیا ہے۔ (13) تخمینہ ہے کہ یہ کھنڈر قریب قریب دو لاکھ تیس ہزار سال پرانے ہیں......یعنی قدیم حجری یورپی کھنڈرات کی نسبت تقریباً دو لاکھ سال پرانے لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ بیرخت رام سے ملنے والی شبیہہ' ایک یورپی غار سے دریافت ہونے والی نام نہاد زہ ویلنڈارفی سے غیر معمولی مشابہت رکھتی ہے جو تقریباً تیس ہزار سال پرانی ہے۔ (شکل 4.2 ملاحظہ کیجئے۔)

دنیا کے دوسرے علاقوں میں ابھی تک ابتدائی نسوانی شبیہیں دریافت نہیں ہوئی ہیں لیکن وہاں ابتدائی انسانی آبادیوں کے آثار ضرور ملے ہیں۔ مثال کے طور پر' لیوزول' ٹیکساس' سے ملنے والی انسانی باقیات اڑتیس ہزار سال پرانی ہیں اور نیومیکسیکو' البوکرک کے نزدیک سینڈیا پہاڑیوں کے کھنڈرات ستائیس ہزار سے سترہ ہزار سال پرانے ہیں۔ (14) جیسا کہ ہم آنے والے صفحات میں دیکھیں گے مقبول عام تصورات کے برعکس' ان آبادیوں کے لوگوں نے نہایت نفیس ثقافتیں تشکیل دی تھیں۔

غلط سمت تیر

ہڈی پر کھودی گئی چکارے کی اس تصویر میں ''غلط سمت تیر'' دکھائے گئے ہیں یہ بیس ہزار سال قبل مسیح کی ہے۔
بشکریہ: ریان آئس لروڈیوڈلوئی: شراکتی انداز: تعلم اور زندگی کیلئے نئے آلات' اصل پر مبنی تصویر کشی' جیف ہیلوگ

اولین کاشتکار

زرعی انقلاب' ٹیکنالوجی کے ایک بڑے دور میں تبدیلی کا پیش خیمہ تھا: خوراک اکٹھی کرنے یا شکار کرنے والی معیشت سے بنیادی طور پر ایک کاشتکارانہ معیشت میں تبدیلی۔ دنیا کے بعض علاقوں میں ٹیکنالوجی کا یہ دور تقریباً دس ہزار سال قبل شروع ہوا۔ یہ اس دور کا آغاز تھا جسے محققین نو حجری یا پتھر کے نئے زمانے کا نام دیتے ہیں۔ یہ اصطلاحات اصلاً گمراہ کن ہیں کیونکہ اب ہم اس بات سے واقف ہیں کہ اس دور کے آخری حصے میں' جسے بعض اوقات تانبے اور پتھر یا تانبے کا عہد بھی کہا جاتا ہے' آلات' زیورات اور رسوماتی اشیاء کیلئے دھاتوں کو پگھلایا اور استعمال کیا جاتا تھا۔

نو حجری دور کے ساتھ تہذیب کے ابتدائی گہوارے بھی ظہور میں آئے' جن کے متعلق یہ کہا جاتا ہے

MashalBooks.org

کہ وہ یورپ اور مشرق وسطیٰ میں تقریباً آٹھ ہزار پانچ سو سال پہلے سے تعلق رکھتے ہیں جیسا کہ ریڈیو کاربن ڈیٹنگ جیسے نئے سائنسی طریقوں سے پہلے خیال کیا جاتا تھا' جنھوں نے نوحجری زمانی سکیل پر نظرثانی کا سامان مہیا کیا' یہ اس کی نسبت بہت قدیم ہیں لیکن یہ محض زمانی سکیل نہیں جو تبدیل ہو رہی ہے بلکہ نوحجری دریافتوں کی تعبیرات میں بھی تبدیلیاں آ رہی ہیں۔(15)

نوحجری دور کی پرانی تعبیر' جو ابھی تک متعدد جگہوں پر پڑھائی جا رہی ہے۔ یہ ہے کہ زراعت کی ایجاد سے مرد حاکمیت' جنگ و جدل اور غلاموں' عورتوں اور ''عام لوگوں'' پر امیر اور طاقتور مرد گروہوں کی حکمرانی کا آغاز ہوا۔ یہ کہانی ان دعوؤں سے مطابقت نہیں رکھتی کہ مرد حاکمیت اور جنگ و جدل' انسانی ارتقا کی ابتدا سے ہی موجود ہیں...... یہ کہ یہ ہمار جینوں میں موجود ہیں' اور یہ کہ ٹیسٹوسٹرون جیسے ہارمون کو لازماً متشدد بناتے ہیں۔ تاہم یہ دونوں کہانیاں ان کی تہہ میں کارفرما پیغام کے حوالے سے مطابق ہیں یہ ایک حاکمیتی سماجی تنظیم کی ''ناگزیریت'' کی توجیہہ کرتی ہیں۔ بعینیہ جس طرح اس نظریے کیلئے کوئی ٹھوس بنیاد موجود نہیں کہ حاکمیتی سماجی تنظیم کی بنیاد جینیاتی ہے' اسی طرح یہ نظریہ بھی کوئی بہت زیادہ ٹھوس بنیادیں نہیں رکھتا کہ خوراک اکٹھی کرنے/ شکار کرنے والی معیشت سے کاشتکاری میں ہونے والی ٹیکنالوجی کی تبدیلی حاکمیتی ماڈل میں تبدیلی کا سبب تھی۔ اسے انیسویں صدی میں اس وقت ہی چیلنج کر دیا گیا تھا جب آثاریات ابھی اپنی طفولیت میں تھی۔ اس وقت متعدد محققین نے اس چیز کے بارے میں لکھنا شروع کر دیا تھا جسے وہ ''پدرسری'' کے بجائے ''مادرسری'' کا نام دیتے ہیں...... اور یوں ہمارے ثقافتی ماخذوں سے متعلق جنگ جو آج تک جاری ہے شروع ہو گئی تھی۔

ایڈورڈ ویسٹرمارک جیسے محققین کا استدلال ہے کہ ایسے خاندان یا معاشرے کبھی موجود نہیں رہے اور نہ رہ سکتے ہیں جن پر مرد کی حکمرانی نہ ہو...... یعنی پدرسری نظام واحد ممکنہ انسانی صورت ہے۔(16) دوسری محققین جن میں جے جے باخوفن اور لیوس ہنری مارگن اور بعد کے فریڈرک اینگلز اور الیگزینڈر رسٹوڈ شامل ہیں' یہ دلیل دیتے ہیں کہ آثاریات اور اساطیر نہ صرف ایسے قدیم معاشروں کی نشاندہی کرتی ہیں جو مادرسرانہ تھیں' بلکہ یہ بھی کہ ان معاشروں کے رہنما اصول زیادہ تر نسوانی اور مساوات پسندانہ اقدار پر مبنی تھے۔(17) دوسرے محققین اس بات پر متفق ہیں کہ ایک وقت میں مادرسری معاشرے موجود تھے' لیکن وہ یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ عورتیں ان معاشروں پر ظالمانہ انداز میں حکومت کرتی تھیں اور وہ انسانی قربانی جیسی بربریت پر مبنی رسوم کی ابتدا کو ان سے منسوب کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر جیمز فریزر کا اصرار ہے کہ ''جنگل کا بادشاہ'' جیسی بعد کی کہانیاں' جس میں بادشاہ اس وقت تک یہ عہدہ اختیار نہیں کر سکتا جب

تک وہ رومی دیوی ڈیانا سے وابستہ ایک خاص درخت کی ایک شاخ نہ توڑے اور پھر اپنے پیش رو کو قتل کر لے''انسانی یادداشت'' سے پہلے کے دور سے منتقل ہوتی آئی ہیں' جب اٹلی ابھی ایک بہت اجڈ ریاست تھا۔(18) یہ تعبیر' جسے فریز نے انیسویں صدی کے قبائلی معاشروں کی مماثلتوں سے تقویت دی جن میں سردار یا بادشاہ کو طاقتور نہ رہنے کی صورت میں قتل کر دیا جاتا تھا...... یہ ایسے معاشرے تھے جو بمشکل مادر سری تھے بلکہ یہ سخت گیر مرد حاکمیت کے حامل معاشرے تھے(19) انیسویں صدی میں ثقافتی تاریخ اس نقطہ نظر کے مطابق تھی جو بربریت سے تہذیب تک کی پیش رفت کو خطی اور اوپر کی جانب ہونے والی پیش رفت قرار دیتا تھا' یہ نقطہ نظر آج بھی کچھ حلقوں میں مروج ہے۔

بعض محققین کا اب بھی یہ اصرار ہے کہ رسوماتی قربانی ان قدیم معاشروں میں رائج تھی جہاں عورت کی حکمرانی قائم تھی۔(20) درحقیقت پدرسری ثقافتوں سے پہلے کی ثقافتوں میں رسوماتی قربانی کے دائم ہونے کی ایسی کوئی ٹھوس شہادت موجود نہیں۔ نہ ہی اس مؤقف کی حمایت میں کوئی شہادت موجود ہے کہ یہ ابتدائی معاشرے مادر سری تھے یا بس پدرسری کا الٹ تھے...... بالفاظ دیگر ایسے معاشرے جہاں عورتوں کی حکومت تھی اور مرد محکوم تھے۔

اس کے برعکس' جیسے کہ ترکی میں کتال ہویوک کے مقام پر جیمز میلارٹ اور بلقان اور یونان میں مریجا گمبوٹاس کی زیرنگرانی ہونے والی کھدائیوں کے ساتھ ساتھ بحیرہ روم کے اردگرد موجود کئی خطوں میں پائی جانے والی نوحجری تدفینی رسومات کے تجزیے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ نوحجری ثقافتیں ہزاروں برس اس چیز کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھتی معلوم ہوتی ہیں جسے میں نے ''گائلانی'' ماڈل کا نام دیا ہے۔(''گائلانی'' شراکتی ماڈل کیلئے صنف سے مخصوص ایک اصطلاح ہے جسے میں نے پدرسری اور مادرسری دونوں کے متبادل کے طور پر وضع کیا ہے۔)(21)

اپنی کتاب ''دیویوں کی تہذیب: قدیم یورپی دنیا'' میں گمبوٹاس ان لوگوں کے طرز حیات' مذہب اور سماجی ساخت کا جائزہ لیتی ہیں جو ساتویں سے تیسری قبل مسیح ہزارے تک یعنی تقریباً نو ہزار سے پانچ ہزار سال پہلے' یورپ میں آباد تھے۔(22) وہ بعد کی منوآنی کریٹ کی تہذیب پر بھی نظر ڈالتی ہیں جو تین ہزار پانچ سو سال پہلے تک باقی تھی۔(23) وہ لکھتی ہیں:

بیسویں صدی کی بشریاتی تحقیق میں مادرسری' کی اصطلاح سے متعلق یہ مشکل درپیش ہے کہ اسے پدرسری یا مادرسری حکومت کی مکمل تصویر کا نمائندہ فرض کیا جاتا ہے...... مراد یہ ہے کہ نظام ہائے مراتب پر مبنی ایک ایسا ڈھانچہ جس میں طاقت کے بل پر مردوں کی جگہ عورتوں کی حکومت ہے۔ یہ بات قدیم یورپ

کی حقیقت سے بہت بعید ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں نہ تو قدیم یورپ میں' نہ ہی قدیم دنیا میں عورتوں کی آمرانہ حکومت کا نظام ملتا ہے جس میں عورتوں پر یکساں جبر موجود ہو بلکہ ہمیں ایک ایسا ڈھانچہ ملتا ہے جس میں دونوں صنفیں کم و بیش برابر کی حیثیت رکھتی ہیں یعنی ایک ایسا معاشرہ جسے ہم ''گائیلینی'' کا نام دے سکتے ہیں۔ یہ اصطلاح ریان آئس لر نے وضع کی ہے (یہ ''گائنی'' سے جو عورتوں کی طرف اشارہ ہے اور ''اینڈروس'' یا مرد' سے ماخوذ ہے' ان دونوں کو حرف ''ایل'' سے جوڑا گیا ہے جو لفظ ''لائین'' یعنی تصفیہ کرنا یا ''لائیو' یعنی آزاد کرنا' سے لیا گیا ہے۔) گائیلینی سے مراد ہے کہ صنفیں ''نظام ہائے مراتب میں'' ''درجہ بند'' ہونے کے بجائے ''جڑی ہوئی'' ہیں۔(24)

گمبوٹاس اس بات کی طرف بھی توجہ دلاتی ہیں کہ ''جنگ کو حالت انسانی سے مخصوص خیال کرنا ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے۔'' وہ لکھتی ہیں ''عام جنگ اور قلعوں کی تعمیر' حقیقتاً' کانسی کے عہد سے اب تک ہمارے بلاواسطہ آباؤ اجداد کا طرز حیات رہی ہے تاہم' قدیم حجری اور نوحجری دور میں ایسا نہیں تھا۔ قدیم حجری دور کے غاروں کی تصاویر میں ہتھیاروں (دوسرے انسانوں کے خلاف استعمال ہونے والے ہتھیار) کی تصویر کشی موجود نہیں' نہ ہی قدیم یورپ کے نوحجری دور کے دوران انسان کے خلاف انسان کے ہاتھوں استعمال ہونے والے ہتھیاروں کی کوئی باقیات دریافت ہوئی ہیں۔ ان کے مطابق ''کتال ہویوک میں محفوظ رہ جانے والے کوئی ڈیڑھ سو تصاویر میں سے ایک تصویر بھی ایسی نہیں جس میں جھگڑے یا لڑائی' یا جنگ یا تشدد کے کسی منظر کو پیش کیا گیا ہو۔''(25)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ معاشرے تشدد سے پاک اور مثالی تھے۔ میں بار بار اس نکتے پر زور دینا چاہتی ہوں۔ ابتدائی نوحجری معاشروں میں تشدد کی کچھ مثالیں موجود ہیں لیکن یہ بہت زیادہ نہیں جیسا کہ آر بزائن فرگوسن کا خیال ہے' تشدد اور جنگ ایسے آثار چھوڑ جاتے ہیں جنہیں آرٹ اور دوسری آثاریاتی باقیات میں دریافت کیا جا سکتا ہے۔(26) یہ حقیقت کہ اس دور کے دوران ایسی باقیات کمیاب ہیں' نہایت اہم ہے۔

متعدد بااثر نظریات جس چیز کا بعد کی تاریخ میں مشاہدہ کیا گیا بس اسی کو ابتدائی ادوار پر منطبق کر دیتے ہیں جیسا کہ فرگوسن کی رائے ہے' قبل تاریخی تشدد کے نظریات کو اس مقدمے پر استوار کرنا کہ ''شہادت کی عدم موجودگی' عدم موجودگی کی شہادت ہے'' غلط ہے۔(27) تشدد سے متعلق شہادت کی عدم موجودگی واقعتاً جس چیز کو ظاہر کرتی ہے وہ یہ ہے کہ یوٹوپیائی یا مثالی ہونے سے قطع نظر' یہ ایسے معاشرے تھے جو بعد میں آنے والے معاشروں سے مختلف انداز میں منظم کیے گئے تھے۔

گمبوٹاس سینکڑوں کھدائیوں کی بنیاد پر یہ خیال ظاہر کرتی ہیں کہ قدیم یورپ کی آبادیوں کا انتخاب' مناسب مقام' بہتر پانی اور مٹی اور حیوانی چراگاہوں کی دستیابی کی بنا پر کیا جاتا تھا' ان کے دفاعی محل وقوع کی وجہ سے نہیں۔'' انہیں ''خال خال خندقوں سے محفوظ بنایا جاتا تھا' لیکن احاطہ بندی یا سنگلاخ دیواریں شاذ ہی ملتی ہیں۔'' حقیقتاً' فصیلیں اور دوسری دفاعی تعمیرات صرف بعد کی نوحجری اور تانبے کے عہد کی آبادیوں میں پائی جاتی ہیں جب بالخصوص پانچویں قبل مسیح ہزاریے کے آخر اور چوتھے قبل مسیح ہزاریے کے دوران' انسانی دخل اندازی کے ریلے سے گاؤں کے تحفظ کیلئے اقدامات کئے گئے۔(28)

اس ابتدائی یورپی تہذیب کی مجموعی سماجی ساخت بعد میں آنے والی انڈو یورپی ثقافتوں سے بھی مختلف تھی۔ گمبوٹاس بتاتی ہیں ''پورے قدیم یورپ میں' انڈو یورپی طرز کی پدرسری سرداری کی کوئی شہادت دستیاب نہیں۔ نہ تو کوئی مردانہ شاہی مقبرے موجود ہیں نہ ہی پہاڑی قلعوں پر قیام گاہیں' تدفینی رسومات اور آبادیوں کے نقشے شجرۂ مادری پر مبنی ساخت کی نمائندگی کرتے ہیں جبکہ قبروں میں دولت کی تقسیم معاشی مساوات کی گواہی دیتی ہے۔(29)

بالفاظ دیگر انسانی تعلقات جن میں انسانیت کے نسوانی اور مردانہ صنفوں کے درمیان تعلقات بھی شامل ہیں' ایک زیادہ مساوات پسندانہ ڈگر پر چلتے معلوم ہوتے ہیں۔ اگرچہ انسانی صورت میں الوہیت کی اصل تصویر کشی' نسوانی حیثیت میں ہی نمود پاتی ہے (یعنی دیوی' جس کے بارے میں گمبوٹاس لکھتی ہیں۔)(30) جو مادر مرکز یا ماں مرکز سماجی تنظیم کی عکاسی کرتی ہے لیکن جیسا کہ گمبوٹاس زور دیتی ہیں' یہ تصویر کشی مادرسری نظام کو ظاہر نہیں کرتی۔

یہ قدیم اور شراکت کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھنے والے معاشرے طاقت کو جس انداز میں متصور کرتے تھے وہ اس سے بالکل مختلف معلوم ہوتا ہے جس انداز میں ہمیں اسے متصور کرنا پڑھایا گیا ہے۔ یہاں ان طاقتوں کو جو کائنات پر حکمرانی کرتی ہیں مرد دیوتا کی حیثیت سے پیش نہیں کیا گیا ہے جن کی اختیار کے علامتیں بجلی کا کڑکا (یہووا یا ووٹن کی طرح) یا کوئی ہتھیار (زیوس یا تھور کی طرح) ہوتا ہے۔ ان کا طاقت کا تصور' زندگی دینے' اسے برقرار رکھنے اور پروان چڑھانے پر مرتکز تھا۔

قدیم دور سے نسوانی شبیہہ کی علامت جسے بعدازاں تاریخ میں ''عظیم دیوی'' کی حیثیت سے جانا گیا...... جس کی کوکھ سے ساری حیات جنم لیتی ہے اور موت پر جس کی کوکھ کی طرف دوبارہ پلٹ جاتی ہے...... سے ظاہر کی جانے والی اعلیٰ ترین طاقت کو ''زیر کرنے کی طاقت'' (حاکمیت' تسخیر' کنٹرول) کے طور پر نہیں بلکہ ''کرنے کی طاقت'' (زندگی دینے اور زندگی کو پڑھانے) کے طور پر متصور کیا جاتا تھا۔ موت اس چکر کا ایک اہم جزو تو تھی لیکن

زور پیدائش اور باز پیدائش پر تھا۔ مزید برآں اس ابتدائی اور زیادہ تر فطرت پر مبنی مذہب کی مرکزی اساطیر میں سے ایک اسطور دیوی اور دیوتا کے درمیان مقدس شادی تھی۔ دوسرے الفاظ میں' یہاں مردانہ اور نسوانی دونوں اصولوں کو فطرت اور جو کچھ بھی مقدس ہے اس کے جز کی حیثیت سے دیکھا جاتا تھا۔(31)

گمبوٹاس قدیم یورپ کی جو تصویر کشی کرتی ہیں' چین میں ہونے والی آثار یاتی دریافتوں سے بھی وہی تصویر سامنے آتی ہے۔ چائنیز اکیڈمی آف سائنسز کے انسٹیٹیوٹ آف آرکیالوجی کے زیر نگرانی **1994**ء سے ژیان شہر کے نواح میں بان پو کے مقام پر کی جانے والی وسیع کھدائیوں سے جو اہم قبل تاریخی باقیات دریافت ہوئی ہیں وہ چین کی ماقبل تاریخ میں ایک اہم باب کا اضافہ کرتی ہیں۔ بان پو کھنڈرات کے مہتمم' شی جیانگ بانگ کا خیال ہے ''بان پو کی آبادی مادری نسب پر مبنی قبیلے کی رہائشی آبادی تھی۔''(32) پروفیسر جیاؤ تیاؤ لانگ کے مطابق ''ساری آبادی مستحکم یک جہتی کا نمونہ پیش کرتی اور اجتماعیت اور مساوات پر زور دیتی تھی۔''(33)

جیسا کہ پروفیسر من جیاین کا خیال ہے' یہ تعلقات جن میں مردوں اور عورتوں کے درمیان مساوات پسندانہ تعلقات شامل ہیں۔ بعض نو حجری کاشتکار چینی آبادیوں میں موجود تھے اور یہ تاریخی ادوار تک باقی تھے۔ یونگ ننگ علاقے کے ناگجی لوگ اس کی مثال ہیں۔ یہاں' خاندان عورت مرکز تھے اور ان میں شادی کی ایک ایسی صورت جسے ''آہ جیاؤ'' کہا جاتا تھا' رائج تھی جس میں معاشی تحفظات پر محبت مقدم ہوتی تھی۔(34)

مختصراً' ہماری ماقبل تاریخ سے متعلق نئی معلومات کا ایک نہایت اہم اور دلچسپ پہلو یہ ہے کہ دنیا کے بالکل مختلف علاقے ابتدائی شراکتی ورثے کے حوالے سے ہم نوع ہیں (شکل 43 ملاحظہ ہو) یہ مشترک ورثہ دنیا بھر کے لوگوں میں یک جہتی کا موضوع ہے۔ اس سے واقفیت جس قدر بہتر ہوگی' اسی قدر یہ مختلف نسلی اور نسلیاتی گروہوں کیلئے مشترک بنیاد کی تلاش میں مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔ یہ اس بات کو واضح کر کے برابر کے لوگوں کے درمیان شراکت ایک قابل عمل متبادل ہے......عورتوں اور مردوں کی ''صنفوں کی جنگ'' کے خاتمے میں بھی مدد کرسکتا ہے۔

فسانے اور حقیقت کی قلب ماہیت

طاقت اور اہمیت کی حامل نسوانی دیویوں اور ساتھ ہی ساتھ راہباؤں اور راہبوں کے درمیان عملی شراکت سے متعلق کہانیاں آئرلینڈ سے ایران تک' چین سے میکسیکو تک' دنیا کے تمام مذاہب میں ملتی ہیں۔

یورپی اور جاپانی دیویاں بمعہ چکردار مولف

دنیا کے مختلف خطے ابتدائی شراکتی ثقافت کے حوالے سے ہم نوع ہیں۔ جیسا کہ (اے) یورپی اور

(بی) جاپانی شبیہوں کے اس موازنے سے ثابت کیا گیا ہے۔ بشکریہ: جان میسن

چار ہزار قبل مسیح سے پانچ سو قبل مسیح تک (35) کی یورپی کلٹی روایت میں ہمیں عظیم پیاسٹ (36) جیسی شبیہیں ملتی ہیں جس کی تصویر کشی سینگ والے بڑے سمندری سانپ کی صورت میں کی جاتی ہے اور جو دیوی / خالق معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ کلٹی ثقافت ایک مضبوط حاکمیتی غلاف میں لپٹی ہوئی تھی جو انڈو یورپی حملہ آوروں اور مقامی یورپی آبادی کی آمیزش کا عکاس تھا مگر اس میں ایک پرانی اور شراکت کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھنے والی روایت کے سراغ موجود ہیں۔ دنیا کے دوسرے سرے یعنی مقامی آسٹریلوی حکایات میں بھی ایک بڑے سانپ، دھنک سانپ کے بارے میں کہانیاں ملتی ہیں۔ یہ مخلوق جسے بعض اوقات ''عظیم ماں'' کی کوکھ سے جوڑا جاتا ہے، سورج سے بھی منسلک کی جاتی ہے جو کچھ مقامی آسٹریلوی اساطیر میں ایک نسوانی علامت ہے جسے ہر چیز میں موجود گرمی اور خوراک مہیا کرنے والے نباتی افزائش وحیات کے ایجنٹ کی حیثیت سے پیش کیا جاتا تھا۔ (37)

ان میں آسٹریلوی اساطیر نے خوراک اکٹھی کرنے / شکار کرنے والے معاشروں میں جنم لیا تاہم سورج بحیثیت نسواں کا موضوع زرعی تہذیبوں میں بھی موجود ہے۔ مثال کے طور پر قدیم مصری دیوی ہاتھور جو نیل کے چڑھتے ہوئے حیات بخش پانیوں سے منسوب کی جاتی تھی، سورج سے بھی جوڑا جاتا تھا اور دھنک سانپ کی طرح، یہ ایک مردانہ عضو کی حامل بھی ہوتی تھی جس کی علامت اس کے سینگ تھے۔ (38)

دنیا کی متعدد روایات میں نسوانی دیویوں کو اہم ایجادات سے بھی منسلک کیا جاتا ہے جبکہ بیشتر متون ان کا سہرا صرف مردوں کے سر باندھتے ہیں۔ میسوپوٹیمیا میں ننلل دیوی کو اپنے لوگوں کو بوائی اور کٹائی کے طریقوں کی سمجھ مہیا کرنے کی وجہ سے قابل احترام سمجھا جاتا تھا۔ سمیری جنت کی باضابطہ محرر ایک عورت تھی اور سمیری دیوی، نڈابا...... جو اس لئے محترم تھی کہ ابتدا میں نے مٹی کی تختی اور لکھنے کا فن ایجاد کیا...... مرد دیوتاؤں کی نسبت کہیں پہلے اس حیثیت میں ظاہر ہوئی تھی جس پر بعد میں انہوں نے قبضہ جما لیا۔ اس طرح، انڈیا میں سرسوتی دیوی حروف ابجد کی حیثیت سے محترم سمجھی جاتی تھی۔ (39)

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بنیادی انسانی ایجادات...... کھیتی باڑی سے لکھائی تک...... نسوانی دیویوں کا کارنامہ ہیں تو اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ ان کی ترقی میں عورتوں نے اغلباً کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ نسوانی

MashalBooks.org

دیویوں سے اس قدر قوت کا انتساب جس میں دنیا اور انسانیت کو تخلیق کرنے کی قوت بھی شامل ہے اس بات کا مظہر بھی ہے کہ ایک وقت میں عورتیں اپنے لوگوں میں قیادت کی حیثیت پر حاوی تھیں۔ یہ حقیقت کہ قوتوں کی حامل نسوانی دیویاں دنیا کے ہر مذہب کی قدیم کہانیوں میں موجود ہیں' ظاہر کرتی ہے کہ ایک دور میں عورتوں کی قیادت عام تھی۔

شمالی امریکہ کے متعدد مقامی قبائل کی روایات میں اس ابتدائی دور کے سراغ موجود ہیں۔ جیسا کہ پاؤلا گن ایلن ''مقدس ہوپ: امریکی ریڈ انڈین روایات میں نسوانی عناصر کی تلاش'' میں لکھتی ہیں' متعدد ریڈ انڈین اساطیر طاقتور نسوانی شبیہوں نے گرد گھومتی ہیں۔ (40) ان میں سے ایک سانپ عورت ہے۔ ایک اور اناج عورت ہے۔ ایک اور ''زمین عورت'' ہے اور ایک ''اناج کی بڑی ماں'' ہے۔ جیسا کہ ایلن لکھتی ہیں ''اس کا تنوع اور کثریت' اس کی پیچیدگی کا ثبوت ہیں۔ وہ اصل خالقہ ہے کیونکہ خود اس کو سمجھا جاتا ہے جس سے تمام کچھ جنم لیتا ہے...... وہی دیوتا جو ہر ہے جو درست توازن' درست ہم آہنگی کی تشکیل کرتا ہے اور یہ آگے چل کر تمام روابط کو اس کے قانون کے مطابق ترتیب دیتا ہے۔ (41)

ہوپی تذکرے میں اس خالقہ کو ٹھوس ہستیوں کی عورت کہا جاتا ہے۔ وہ ''زمین رکھتی ہے اگرچہ اس کا قیام دنیاؤں سے ماورا ہے جہاں چاند اور ستاروں کو قوت عطا کرتی ہے اور ٹھوس پن اور سخت پن اس کے بڑے پہلوؤں میں سے ہیں۔ ''سوچ عورت'' کی مانند ہے وہ پیدائش یا انسانوں کو جنم نہیں دیتی بلکہ مردانہ اور نسوانی پتلیوں میں روح پھونکتی ہے جو ہوپی کے والدین بنتے ہیں۔ (42) بعینہ کیریز پیبلو الہیات میں ایک خالقہ ہے جو مرکزی حیثیت رکھتی ہے' اسے ''وہ سوچ سوچتی ہے'' کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ ارفع ترین جوہر تمام لوگوں اور تمام مخلوقات کی ماں اور باپ دونوں ہے۔ (43)

اگرچہ جیسا کہ ایلن توجہ دلاتی ہیں مقامی امریکی لوگوں پر یورپیوں کی فتح نے ان کی سماجی ڈھانچوں میں بنیادی تبدیلی پیدا کی مگر اس طرح کی کہانیاں اس ابتدائی دور کا پتہ دیتی ہیں جب شمالی امریکہ کے متعدد قبائل ابھی زیادہ تر شراکتی خطوط پر منظم تھے۔ ایلن انہیں تریاراجی ڈھانچوں سے موسوم کرتی ہیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ ''تریاراجی قبائلی نظاموں میں' مساوات پسندی' شخصی خود مختاری اور گروہی ہم آہنگی کو بہت زیادہ قابل قدر سمجھا جاتا تھا' اور اس طرح فرد کی بہبود اور معاشرے کی بہبود کو تنسیخی کے بجائے باہمی طور پر تقویتی بنایا جاتا تھا۔ قبائلی معاشروں نے یک جہتی' ہم آہنگی اور تقویت پسندی پر مبنی ایسے ہی سماجی نظام کی فراہمی سے دونوں اقدار کو اداراتی شکل دینے کا راستہ تلاش کر لیا تھا جو انفرادی زندگی اور تخلیقیت کو پروان چڑھاتا اور اسے تحفظ دیتا تھا۔ انفرادی اور تخلیقیت اسے زیادہ بھرپور بناتے تھے۔ (44)

MashalBooks.org

چین میں بھی ہمیں ایک ایسے دور سے متعلق اساطیر ملتی ہیں جب ین یا نسوانی اصول ابھی یانگ یا مردانہ اصول کی متابعت میں نہیں آیا تھا۔ یہ وہ دور ہے جسے چینی حکیم لاؤ ژو، جس کا تعلق دو ہزار چھ سو سال قبل مسیح سے ہے۔ پرامن اور منصفانہ دور کی حیثیت سے بیان کرتا ہے۔اسی طرح ایک قدیم یورپی مصنف، یونانی شاعر ہسیاڈ، جو تقریباً دو ہزار آٹھ سو سال پہلے سے تعلق رکھتا ہے ہمیں بتاتا ہے کہ ایک ''سنہری نسل'' ہوا کرتی تھی جو ایک ''کم تر'' نسل کے آنے سے پہلے جو اپنے ساتھ ''آریز'' یعنی جنگ کے یونانی دیوتا کو لائی امن وسکون سے رہا کرتی تھی۔

بلاشبہ یہ کہانیاں قدیم وقتوں کی یادوں کو مثالی بنا کر پیش کرتی ہیں تاہم یہ ہمیں بتاتی ہیں کہ اگرچہ ابتدائی زرعی عہد تشدد سے پاک ایک یوٹوپیائی دور نہیں تھا لیکن یہ ایک حاکمیتی ماڈل کے بجائے شراکتی ماڈل کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھتا تھا۔ مزید برآں نوحجری دور ایک ایسا دور تھا جس کے دوران ٹیکنالوجی کی ایسی بہت سی صورتوں کی تشکیل وتکمیل ہوئی جن پر تہذیب کا دارومدار ہے۔(45)

تاہم نوحجری دور کے آخر میں ہمیں سماجی اور ثقافتی تبدیلی کی شہادت کے آثار نظر آنے شروع ہوجاتے ہیں۔ یورپی فتوحات سے پہلے امریکاؤں میں شدید خشک سالی کے دوران جنگجو قبائل کی یلغار کے آثار موجود نہیں۔ مثال کے طور پر شجری تاریخ سے براعظم امریکہ کے مغربی حصے میں خشک سالی کا پتہ چلتا ہے جو تقریباً 1275 اور 1290 کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ شمال سے آنے والے حملہ آوروں کی شہادت بھی موجود ہے جنہوں نے ابتدائی موگولن اور اناسازی آبادیوں کو تاراج کیا یا ان پر قبضہ جمالیا...... یہ بہت ترقی یافتہ ثقافتیں تھیں جو محققین کے مطابق امریکی قبل تاریخ کے سنہری دور کی نمائندگی کرتی ہیں (بعدازاں اناسازی ہوپی اور زونی پیبلو ریڈانڈین کی حیثیت سے مجتمع ہوگئے۔)(46)

یورپ اور ایشیائے کوچک میں حاکمیتی سے شراکتی جھکاؤ میں اس تبدیلی کا آغاز خاصہ پہلے تقریباً 5500 سال قبل ہوا۔ برطانوی ماہر آثاریات جیمز میلارٹ کے مطابق اس وقت شدید کشمکش کے آثار نمایاں ہوگئے۔قدرتی آفات کے ساتھ ساتھ آب وہوا میں شدید تبدیلیاں پیدا ہوئیں اور یہاں بھی خانہ بدوش گروہوں کی یلغاریں ہوئیں جو حاکمیتی سماجی تنظیم کو اپنے ہمراہ لائے۔(47)

ماہر آثاریات مریجا گمبوٹاس جسے قدیم یورپ (بلقان اور شمالی یونان) کہتی ہیں اس علاقے میں ہمیں پہلی مرتبہ ہتھیاروں کے بڑے ذخائر کی شہادت دستیاب ہوئی ہے۔ عام طور پر یہ ایک نئی قسم کے مدفنوں میں پائے جاتے ہیں یعنی ''سرداروں کی قبریں'' گھوڑوں، عورتوں اور بچوں کو بالعموم قربان اور اپنے آقا کے ہمراہ اگلی دنیا میں جانے کیلئے انہیں قبروں میں دفن کردیا جاتا تھا۔

چینی اکیڈمی برائے سماجی علوم' بیجنگ کے محققین نے بھی زیادہ پرامن اور مساوات پسندانہ معاشروں کی اس تبدیلی کا پتہ لگایا ہے جن میں نسوانی دیویاں بعد کے دور میں جب چینی معاشرہ حاکمیتی ماڈل کی طرف زیادہ جھکاؤ اختیار چکا تھا سرکردہ کردار ادا کیا کرتی تھیں۔(48) مثال کے طور پر پروفیسر کائی جون شینگ ''فسانہ اور حقیقت'' قبل تاریخی چین میں منفی تعلقات کا نقشہ'' میں خیال ظاہر کرتے ہیں ''نووا قبل تاریخی دور سے تعلق رکھنے والی اہم ترین اسطوری نسوانی شخصیت ہے۔چینی بہت عرصے تک نووا کو دنیا کا خالق/ خالقہ سمجھتے رہے تھے۔تاہم چینی اساطیر کے محتاط جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ بالکل اسی وقت جب سماجی ڈھانچہ ایک پدری ڈھانچے میں تبدیل ہو رہا تھا۔نووا کس طرح اپنی طاقت سے ہاتھ دھو رہی تھی اور آخرکار ایسی اساطیر ملتی ہیں جن کے مطابق وہ مر جاتی ہے۔(49)

حاکمیتی معاشرے میں تبدیلی کے دوران اساطیر کی قلب ماہیت کی وجہ سے...... یا جیسا کہ پروفیسر کائی جون شینگ کہتے ہیں ''پدرسری معاشرے کے طویل دور کے دوران معلومات کی قلم زدگی اور غلط تعبیرات کے سبب'' ......دستیاب مواد کے محتاط تجزیئے کی ضرورت ہے۔(50) تاہم جیسا کہ وہ بھی توجہ دلاتے ہیں ایسا تجزیہ نہایت اہم ثقافتی تبدیلی کے سراغ جیسا ہو سکتے ہیں۔

افریقہ میں بھی مقدس اسطوریات میں نسوانی حیثیت میں اسی طرح تبدیلی آئی جس طرح کی تبدیلی دنیا کے دوسرے مذاہب میں دیکھنے کو ملتی ہے جہاں اسطوری نسوانی شخصیت کی ابتداء ایک خالقہ کی حیثیت سے ہوتی ہے۔پھر وہ کسی مرد دیوتا کی بیوی یا ماں بن جاتی ہے پہلے اسے مساوی کردار ملتا ہے اور پھر ایک ماتحت کا۔ بعد میں اس کی حیثیت کم کرکے اسے غیر الوہی حیثیت دے دی جاتی ہے اور آخرکار اسے چڑیل یا عفریت میں ڈھال دیا جاتا ہے۔افریقی دیویاں بھی انہیں مراحل سے گزرتی دیکھی جاسکتی ہیں۔جنوبی افریقہ کی ما ''تخلیق کی دیوی'' ہے' کانگو کی مبیلی' ارفع ترین ہستی ہے' ہائین' تنزانیہ کی چاند دیوی ہے جس کا شوہر اشوئے (سورج) ہے' سیرالیون کی ''ڈگیو'' زمین کی دیوی ہے جو تمام پودوں اور درختوں کی ذمہ دار ہے۔مراکش کی لاحکم اوقلہ' ایک نسوانی ''جین'' بھی ہے جو ایک دریا کی باسی ہے اور دوسری بدروحوں پر حکمرانی کرتی ہے۔اور بینین کی' یالوڈے بھی' جو پاؤں کی بیماریوں کا باعث ہے۔جنوبی افریقہ کی ''ورٹا مراکہ'' جو ''بدی کی دیوی'' ہے کہا جاتا ہے کہ اس نے تمام بھوت پریت کو جنم دیا ہے۔(51)

آج ان سب نسوانی اسطوری شخصیات کی نمائندگی پہلو بہ پہلو موجود ملتی ہے لیکن اگر ہم تھوڑا سا جاسوسوں والا کام کریں تو ہم ان کی ابتداء کا پتہ چلا سکتے ہیں اور خالقہ سے متابعت' اور پھر مرد دیوتا یا چڑیل یا عفریت میں تبدیلی کے سلسلے میں ان کے مقام کا تعین کر سکتے ہیں مثلاً قدیم یورپ کی مجسمہ نگاری میں وہ

MashalBooks.org

شبیہ جیسے کمبوٹاس ''سانپ دیوی'' کا نام دیتی ہیں ایک نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔اس کا سبب غالباً یہ ہے کہ سانپ کو تخلیقی قوت کا ایک مظہر سمجھا جاتا تھا کیونکہ سانپ اپنی کینچلی اتار کر اس کی تجدید کر لیتے تھے (شکل 4.4 ملاحظہ ہو) لیکن بعد کی یونانی اسطوریات میں ہمیں عفریت نما مُدوسہ کی کہانی ملتی ہے۔ایک ہیبتناک عورت جس کے پر بالوں کی جگہ سانپوں کے گچھے موجود ہیں۔اہم بات یہ ہے کہ اسے زندگی دینے کی قوت سے عاری کر دیا جاتا ہے لیکن زندگی لینے کی قوت باقی رہتی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ وہ انسانوں کو پتھر میں تبدیل کر دیتی ہے۔ بعینیہٖ ہندو کالی اپنی خون آشام بے رحمی کی وجہ سے مشہور ہے۔ تاہم ہندو اسطوریات میں زندگی دینے کی نسوانی قوت کی باقیات بھی موجود ہیں جو متعدد دیویوں میں تقسیم ہو جاتی ہیں جن میں پاروتی شامل ہے۔کچھ تھوڑے سے مختلف انداز میں' ابتدائی یونانی ماتا دیوی ڈیمیٹر مسیحی' اسطورسازی کے ذریعے پہلے سینٹ ڈیمیٹر میں تبدیل ہوتی ہے اور بالآخر اسے سینٹ ڈیمیٹریٹس کے طرز پر مردانہ حیثیت دے دی جاتی ہے۔کچھ دوسرے انداز میں یونانی اسطوریات کی ایتھینا اور مشرق وسطیٰ کی اسطوریات کی اشتر' جنگ اور انسانی قربانی کی دیویاں بن جاتی ہیں۔اس سے زیادہ متشبہ نظام مراتب کے حامل اور مرد غالب سماجی ڈھانچے میں تبدیلی کا پتہ ملتا ہے۔

خون آشام نسوانی دیویوں سے متعلق اساطیر بعض اوقات ابتدائی ثقافتوں کو شیطان صفت قرار دینے والی اساطیر کے ساتھ مل جاتی ہیں...... یہ فاتحین کی ایک آزمودہ حکمت عملی تھی جس کی مدد سے وہ دوسرے لوگوں کے قتل اور/یا محکومیت کو جائز قرار دیتے تھے۔مثال کے طور پر جب رومن اپنے ایمفی تھیٹروں میں عیسائیوں کو شیروں کی خوراک بناتے تھے تو اس وقت عیسائیوں میں انسانی قربانی رائج ہونے سے متعلق کہانیاں موجود تھیں......جس کا ''ثبوت'' عشائے ربانی کی رسم ہے جس میں یسوع کی موت اور پھر جی اٹھنے کو اس کے جسم کو کھانے اور اس کے خون کو پینے کے علامتی انداز میں منایا جاتا تھا اور اب بھی منایا جاتا ہے۔ یہود دیوی کے قتل کو جائز قرار دینے کیلئے بیسویں صدی کے آخر تک ایسی ہی کہانیاں پھیلائی جاتی تھیں ان پر عیسائی بچوں کے قتل اور انہیں خوراک بنانے کا الزام لگایا جاتا تھا۔تقریباً اسی انداز میں قبل پدرسری ثقافتوں میں انسانی قربانی رائج ہونے کی اسطور کو انہیں شیطان صفت قرار دینے کیلئے استعمال کیا گیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ صرف حاکمیتی ماڈل میں تبدیلی کے بعد ایک ثقافتی رسم کے طور پر انسانی قربانی کا واضح پتہ ملنا شروع ہوتا ہے۔

انڈو یورپی ''سرداروں کی قبروں'' میں عورتوں اور ساتھ ہی ساتھ گھوڑوں کو قربان کر کے' ہتھیاروں اور دوسری مادی ملکیتوں کو مرنے والے مردوں کے ساتھ ہی دفنایا جاتا تھا۔مصری شاہی خاندان کی پرتعیش

قبروں میں غلاموں کو زندہ دفن کیا جاتا تھا۔ ازٹیکوں میں، انسانی قربانی ایک مرکزی مذہبی رسم تھی۔ ہم بائبل میں اس رسم کے بارے میں دیکھ سکتے ہیں یہ ایک ایسی دستاویز ہے جو حاکمیتی سماجی ڈھانچے میں تبدیلی کے خاصے عرصے بعد تحریر ہوئی تھی اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم کارتھیج کے باشندوں میں ایک نسوانی دیوی موسوم بہ ٹانیٹ کے دور سے کم از کم حکمران طبقات میں انسانی قربانی رائج تھی۔(52)

لیکن بربریت اور بے رحمی، رسوماتی قربانی اور قبائل کے مابین مستقلاً جنگ کی حالت سے تہذیب وترقی میں اوپر کی جانب ہونے والی مسلسل حرکت کا پرانا تصور آج بھی زندہ و برقرار ہے۔ یہ نازی جرمنی جیسے معاشروں کی ''مہذب'' بربریتوں کے باوجود باقی ہے۔ یہ اس شہادت کے باوجود باقی ہے کہ تاریخ کوئی خطی عمل نہیں...... یہ کہ ٹیکنالوجی کے ارتقاء میں یونانی اور مسیحی قرون ظلمت جیسی رجعتیں بھی موجود ہیں۔ یہ اس حقیقت کے باوجود موجود ہے کہ نوحجری دریافتیں جنہیں کبھی انسانی قربانی کی شہادت کا مظہر سمجھا جاتا تھا بالعموم ثانوی مدفن ثابت ہو رہی ہیں۔ یہ مدفن اب اس وقت کی مروجہ رسم سمجھے جا رہے ہیں اور یہ ایک ایسی رسم ہے جو آج بھی کہیں کہیں رائج ہے۔(53) یہ اس حقیقت کے باوجود کمزور نہیں ہوا کہ ''طاقتور مرد'' کی حکمرانی کی حامل سماجی تنظیم کی حاکمیتی صورت میں تبدیلی سے پہلے تک انسانی قربانی کی تصویری نمائندگی یا تصاویر دستیاب نہیں۔(54)

اس تبدیلی کا زمانی خط ہر خطے میں مختلف ہے لیکن ٹیکنالوجی کے حوالے سے ایک بڑی تبدیلی غیر متغیر طور پر اس کے ہمراہ ہے۔ ہر اس قسم کی زیادہ موثر ٹیکنالوجی پر روز بڑھتا جا رہا ہے جو زندگی کی تباہی کا باعث ہے۔ ایسا اسلحہ جو لوگوں کو معذور بناتا اور ہلاک کرتا ہے اور قدرتی اور انسانی ساختہ دونوں قسم کے وسائل کو تباہ کرتا ہے۔ ایسا اسلحہ......شدید نابرابری، تشدد اور عورتوں (اور ''نسوانیت'' کے ساتھ نام نہاد انداز میں وابستہ صفات) پر مردوں کی فوقیت (اور ''مردانہ پن'' کے ساتھ نام نہاد انداز میں وابستہ صفات) کے ہمراہ...... حاکمیتی سماجی تنظیم کا خاصہ ہے جو جیسا کہ ہم آج بھی دیکھتے ہیں توانائی اور وسائل کو کسی اور سمت میں موڑ دیتا ہے جنہیں بصورت دیگر انسانی ضروریات کی تکمیل کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

قبل تاریخ سے تاریخ تک

بعض خطوں میں، محققین جسے ''مدونہ تاریخ'' کہتے ہیں...... یعنی وہ دور جب سے تحریری ریکارڈ کی رمز کشائی ہوتی ہے...... اس کا آغاز 5000 سال قبل ہوا۔ اس دور کا نمونہ تانبے کے عہد کی تہذیبیں ہیں جن کے بارے میں ہم نے اپنی مغربی تاریخ کی نصابی کتابوں میں پڑھا ہے یعنی سمیری، بابلی، اور مصری

تہذیبیں، یہ مخلوط تہذیبیں ہیں جو پہلے ہی حاکمیتی ماڈل کی بنیادی جھکاؤ کی حامل تھیں اگرچہ شراکتی عناصر اب بھی دستیاب ہو سکتے ہیں۔

اپنی آخری کتاب میں (جس میں میرے ثقافتی قلب ماہیت کے نظریے کو فریم ورک کے طور پر استعمال کیا گیا) سمیری تہذیب کے ماہر، سموئیل نوح کریم نے سمیری معاشرے کی طاقتور مرد کی حکمرانی میں تبدیلی کا ذکر کیا ہے جب ایک زیادہ جنگجویانہ ماحول کے نتیجے میں "لگل" (جس کا لفظی ترجمہ "بڑا مرد" ہے) کے ظہور کا آغاز ہوا۔ (55) تاہم متعدد سمیری تحریریں...... خاص طور پر محبت اور نسل پروری کی سمیری دیوی، انانا کے حمدیہ اشعار...... بتاتی ہیں کہ ابھی کچھ عرصے تک عورتوں کو مردانہ ملکیت نہیں سمجھا جاتا تھا اور ابھی شادی کی ایک مساوات پسندانہ صورت موجود تھی۔ (56)

اگرچہ اس پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے...... یا بیشتر نصابی کتب میں اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا جاتا...... تانبے کے عہد کی انتہائی دلچسپ مغربی ثقافت مائنونی تہذیب سے جو بحیرۂ روم کے جزیرے کریٹ پر پروان چڑھی تھی۔ اس تہذیب سے ایسی تحریریں دریافت نہیں ہوئی ہیں جنہیں پڑھا جا سکے لیکن بیسویں صدی کے ابتدائی حصے میں اس میں وسیع کھدائیاں کی گئی ہیں۔ اس کی دریافت کو ایک دھماکے کا نام دیا گیا تھا کیونکہ محققین کو ایک ایسی تہذیب کی موجودگی کا گمان بھی نہیں تھا جو ٹیکنالوجی کے حوالے سے ترقی یافتہ اور تقریباً 3400 سال پہلے تک باقی تھی۔ یہاں ہمیں یورپ میں پہلی مرتبہ ہموار سڑکیں، اولین پل، حفظان صحت کا نظام جسے آج ہم جدید کا نام دیں گے (اس میں عمارتوں کی اندرونی پلمبنگ شامل ہے) اور بالعموم ایک اعلیٰ معیار حیات موجود ملتا ہے۔

تاہم اس نظریے کے بالکل برعکس جو آج بھی یونیورسٹیوں میں پڑھایا جا رہا ہے کہ ٹیکنالوجی اور پھر معاشرے سے متعلق زیادہ پیچیدگی، حاکمیتی، سماجی تنظیم کو لازماً اپنے ہمراہ لاتی ہے، مائنونی تہذیب میں شراکت کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھنے والے ابتدائی نوحجری معاشروں کے متعدد عناصر محفوظ ملتے ہیں۔ اسی دور کی "اعلیٰ تہذیبوں" کے برخلاف یہاں حاکموں اور محکوموں کے درمیان بہت زیادہ فرق نہیں پایا جاتا۔ یہاں عورتیں ابھی بلند مقام کی حامل تھیں اور یہاں فتوحات کے بجائے، تجارت خوشحالی کا سبب تھی۔

مائنونی معاشرے کی ایک اہم خصوصیت جو اسے دوسری قدیم اعلیٰ تہذیبوں سے متمیز کرتی ہے، یہ تھی کہ یہاں دولت کا منصفانہ استعمال موجود معلوم ہوتا ہے۔ یونانی ماہر آثاریات نکولس پلیٹن جنھوں نے کریٹ میں پچاس سال سے بھی زیادہ کھدائی کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ کاشتکاروں کا معیار حیات بھی بہت بہتر معلوم ہوتا ہے۔ اب تک جتنے گھر بھی دریافت ہوئے ہیں وہ برے حالات زندگی کی نشاندہی نہیں

MashalBooks.org

کرتے۔ (57)

مائنونی تہذیب کی ایک اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہاں شاہی حکمرانوں کے کوئی مجسمے یا نقش یا جنگ یا شکار کے کوئی عظیم الشان مناظر دریافت نہیں ہوئے ہیں۔ اگرچہ مائنونی بہت عمدہ قسم کے خنجر اور دوسرے ہتھیار تیار کرتے تھے۔ بلاشبہ ان کے تجارتی بیڑوں کے دفاع کیلئے استعمال کئے جاتے تھے مگر ایسے آرٹ کی عدم موجودگی جو حاکمیت اور تشدد کو مثالی بنا کر پیش کرتا ہے اس چیز کی غماز ہے جسے پلیٹن ''غیر معمولی طور پر امن پسند لوگ'' کا نام دیتا ہے جو بالعموم غیر قلعہ بند آبادیوں میں رہتے تھے۔(58)

مائنونی ثقافت بے حد تخلیقی ثقافت تھی۔ ان کے آرٹ کو ''قدیم دنیا کا انتہائی متاثر کن'' (59) آرٹ قرار دیا گیا ہے اور ان کی دستکاریاں نہایت عمدہ تھیں۔ جیسا کہ ہم آئندہ باب میں دیکھیں گے' حاکمیتی ماڈل کی نسبت شراکتی کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھنے والی تہذیبوں کے درمیان فرق کی عکاسی ان کے آرٹ میں ہوتی ہے۔(60)

جیسا کہ ماہر بشریات' روبی روہرلک لیوٹ لکھتی ہیں' مائنونی عورتیں ''مرکزی موضوعات ہیں' فن اور ہنر میں انہیں بہت زیادہ نمائندگی دی جاتی ہے'' اور ''بالعموم انہیں غیر نجی دائرے میں مصروف عمل دکھایا جاتا ہے''(61) مائنونی کریٹ کے سماجی نظم و نسق میں نسوانی اقدار چھائی ہوتی تھیں اور یہ چیز شراکتی ہیت کے بالکل مطابق ہے۔ پلیٹن کے مطابق یہاں ساری زندگی میں فطرت دیوی کا پرجوش عقیدہ سرایت کئے ہوئے ہے جو تمام تخلیق اور ہم آہنگی کا سرچشمہ ہے۔(62) لہٰذا اگرچہ مائنونی تہذیب مثالی یا یوٹوپیائی نہیں تھی لیکن شراکت کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھنے والے ابتدائی نوحجری معاشروں کے متعدد عناصر بہت دیر تک اس کا حصہ بنے رہے۔

یہ بات بھی خصوصی دلچسپی کی حامل ہے کہ جس چیز کو آج ہم ''ماحولیاتی شعور'' کا نام دیتے ہیں' مائنونی آرٹ میں وہ فطرت کے ساتھ وابستگی کی صورت میں موجود تھی۔ فطرت کی یہ تنظیم و تکریم دیوی ماں کی عبادت میں منضبط تھی جسے آج بھی ''دھرتی ماں'' کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔(شکل 4.5 ملاحظہ ہو)

زندگی دینے اور زندگی کو تقویت دینے والی فطرت کی قوتوں کی تعظیم و تکریم جس کی تجسیم نسوانی صورت میں ہوئی (جو دنیا کے بیشتر مذاہب میں ابتدائی نوحجری دور سے تعلق رکھتی ہے) متعدد مقام پر تانبے کے عہد تک موجود رہی ہے۔ تاہم جیسا کہ پہلے بھی ذکر آیا ہے اس کا کردار ابتدائی اور بعد کے عناصر کے ایک ناقابل قبول ملاپ کی صورت میں نئے حاکمیتی نظام کی عکاسی پہلے سے بڑھ کر کرتا تھا۔

پاکستان میں ہمیں اب بھی وادی سندھ کی دراوڑی روایت کے آثار مل جاتے ہیں۔ یہ تہذیب

انڈو یورپی حملہ آوروں سے پہلے ہندوستان کی مقامی تہذیب تھی جو جنگجویانہ ثقافت' ذات پات کا نظام اور مردحاکمیتی نظام اپنے ہمراہ لائے۔ یہ انڈو یورپی (یا آریا' جو نام انہیں ہندوستان میں دیا جاتا ہے) اسی لسانی اور ثقافتی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے جس سے حملہ آوروں کا تعلق تھا جنھوں نے ایک ہزار سال پہلے یورپ کو تاراج کیا تھا۔ وہ بھی وسط ایشیا کے میدانوں اور صحراؤں سے آئے تھے اور انہوں نے تقریباً 1800 اور 1700 قبل مسیح کے دوران ہندوستان کو فتح کیا۔ ویرونیکا ایونز کے بیان کے مطابق وہ ''صاف جلد اور بلانوش قسم کے لوگ تھے' گھڑسواری اور رتھ بانی پر ان کی دسترس اور تلواروں کا ان کا استعمال دراوڑوں پر ان کی آسان فتح کا سبب تھا۔ جنہیں انہوں نے داس' یا سیاہ جلد کہہ کر قابل تحقیر ٹھہرایا۔ (63) آریا اپنا مذہب اپنے ساتھ لائے جس میں طوفان کا دیوتا اندر شامل تھا جسے ہندو اسطوریات میں پہلے کے دیوتاؤں کو قتل کرنے یا تابع فرمان بنانے والا بتایا جاتا ہے۔ پھر بھی ہندو ویدوں میں ہمیں دراوڑی روایات کے نشانات مل جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ مقدس کتابیں کچھ شراکتی عناصر کی حامل ہیں مگر وہ نسوانی دیویوں کو زیادہ طاقتور مرد دیوتاؤں کی ازواج کی حیثیت سے پیش کرتی ہیں اور پرستش کرنے والوں سے یہ مطالبہ کرتی ہیں کہ وہ خود کو عاجز ترین سمجھیں اور اپنی عبادات میں نہایت انکساری سے دیویوں کی تعریف وتحسین کریں۔ مثلاً شکتی جیسی نسوانی دیوی کو بعض اوقات اپنے شوہر شیو کے جسم کا محض ایک پاسنگ قرار دیا جاتا ہے۔ اگرچہ ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی طاقت میں توازن پیدا کرتے ہیں۔

یہ تضادات ثقافتوں کی کشمکش کا پتہ دیتے ہیں پرانے عناصر باقی رکھے گئے ہیں لیکن ان کی صورت اس طرح تبدیل کر دی گئی ہے کہ وہ نئے سخت گیر نظام مراتب' مردانہ سیادت اور متشددانہ حاکمیت پر مبنی نظام کے تقاضوں کو پورا کرنے لگتے ہیں۔ تصویر اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجئے۔

اس تبدیلی سے متعلق اساطیر کا سراغ یورپ میں بھی ملتا ہے اگرچہ ہیسیاڈ کی تصنیف میں پہلے بھی توجہ دلائی گئی ہے قدیم یونان میں عورتوں کی تحقیر ومحکومیت کی عکاسی موجود ہے مگر اس نے ایک ''سنہری نسل'' کا ذکر کیا ہے جو ''امن وسکون'' کے ساتھ زندہ تھی تا آنکہ اس کی جگہ ایک ''کم تر نسل'' نے لے لی جو ''اریز'' جنگ کے یونانی دیوتا کو اپنے ہمراہ لائی...... ہیسیاڈ کے مطابق یہ کہانی اس تک اس کی ماں کے ذریعے پہنچی تھی۔ بعینیہ لوہے کے ہتھیار سے لیس کلٹیوں کے حملے کی آئرش حکایت کا عکس اس اسطوریات میں موجود ہے جس میں پریوں جیسی مخلوق یا ٹوا تھاڈی ڈانان' ...... دیوی ڈانا کے پیروکار...... کا ذکر کیا گیا ہے جو لوہے کے مس سے بیمار پڑ گئے اور تباہ ہو گئے تھے تاہم جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا ہے جنگجو کلٹیوں نے

کچھ ابتدائی آئرش روایات کو بھی قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے نسوانی صورت میں ''ماں' محافظ' اور داتا کی حیثیت سے'' زمین کی پرستش جاری رکھی۔ (64) کلٹی عورتوں کی حیثیت اپنی رومن اور یونانی معاصر عورتوں کی نسبت بہت بہتر تھی اگرچہ کلٹی مرد اپنی بیویوں اور بیٹیوں پر پہلے ہی بہت اختیار کے حامل تھے جس کا اظہار بعض اوقات وحشیانہ انداز میں ہوتا تھا لیکن عورتیں بعض موقعوں پر سیاسی اختیار کے استعمال سے پیچھے نہیں ہٹتی تھیں۔ اس کی وضاحت بوڈیشیا' کی مشہور کہانی سے ہوتی ہے یعنی ایک ایسی سخت جنگجو ملکہ جس نے رومنوں کے خلاف بغاوت کی قیادت کی۔ (65)

جیسا کہ ماہر بشریات' جون نیش نے شہادتوں کی مدد سے بتاتا ہے۔ ازٹیک اسطوریات میں شراکت کی طرف زیادہ جھکاؤ کے حامل ایک ابتدائی دور کے سراغ موجود ہیں۔ ازٹیکوں کے چار محفوظ قدیمی مخطوطات کے ساتھ ساتھ سولہویں صدی کے سپینیوں کی تحریروں جیسے بنیادی ماخذوں کی بنیاد بناتے ہوئے نیش لکھتا ہے ''ازٹیکوں کی تاریخ قرابت پر مبنی ایک ایسے معاشرے کی جس میں حیثیت کی کم سے کم تفریق موجود تھی' ایک ایسی مملکت میں قلب ماہیت کی مثال پیش کرتی ہے جو طبقاتی درجہ بندی کی حامل تھی'' شراکتی اور حاکمیتی ہیئتوں کے درمیان فرق کے حوالے سے یہ حقیقت خصوصی دلچسپی کی حامل ہے کہ نیش جنگ میں مردانہ اختصاص' شکاریانہ' فتوحات' اشرافیہ کے پدری نسب پر مبنی ریاستی بیوروکریسی جس کو مردانہ حاکمیت کی آئیڈیالوجی تقویت دیتی تھی اور مردوں اور عورتوں کے درمیان اس کے فوائد تک امتیازی رسائی کے مابین باہمی تعلق پر بالخصوص توجہ دیتا ہے۔ (66)

ازٹیکوں نے 820ء کے قریب ازٹلان میں اپنے آبائی وطن کو خیرباد کہا اور اس وسطی سطح مرتفع تک ہجرت کی جہاں آج میکسیکو شہر واقع ہے لیکن جہاں اس وقت ٹوٹلیکوں کی تہذیب موجود تھی۔ ازٹلان کو چھوڑنے کے تقریب تین سو سال' جب وہ ٹوٹلیک مملکت کے صدر مقام کے قریب پہنچے تو ہوئیٹز یلوپوکٹلی دیوتا اور اس کی بہن میلینا سز وچ دیوی کے درمیان مقابلہ ہوا۔ نیش کے مطابق یہ مقابلہ اس جہاں گرد قبیلے میں اختیار کی بدلتی ہوئی ساخت کی غمازی کرتا ہے۔

ہوئیٹز یلوپوکٹلی نے اپنی بہن کو ایک جادوگرنی ہونے کا الزام دیا جس نے قبیلے پر اپنا کنٹرول قائم کرنے کیلئے حیوانوں پر اپنی مافوق الفطرت طاقت کا استعمال کیا تھا اور اس نے اپنے آدمیوں سے ''اپنے ہتھیاروں اور بہادری کا مظاہرہ'' کرنے کیلئے کہا تاکہ وہ ٹوٹلیک لوگوں پر فتح حاصل کر سکیں۔ اس اسطور کی کچھ دوسری صورتوں میں جنگجو میلینا نروچ کو قتل کر دیتے ہیں اور اس کا بیٹا ان ازٹیکوں کے ساتھ ٹھہر جاتا ہے جو ہوئیٹز یلوپوکٹلی کے گروہ کے ساتھ جانے پر راضی نہیں تھے۔ دوسری صورتوں میں وہ زندہ رہتی ہے

اور مقابلے کے مقام پر ایک آبادی بساتی ہے۔ بہرصورت ہم اس اسطور میں اس اختیار کو ختم ہوتا سمجھتے ہیں جس میں عورتیں شامل تھیں اور اس میں ہتھیاروں کی طاقت اور بہادری (جو بعد ازاں' ازٹیکوں کی قوت کی بنیاد بنی) کا براہ راست ذکر بھی موجود ہے۔ یہ چیز ازٹیک ثقافت میں ایک سخت گیر حاکمیتی معاشرے میں تبدیلی کے آغاز کا پتہ دیتی ہے یعنی ایک ایسا معاشرہ جو انتہائی جنگجویانہ' مردحاکمیتی' بن گیا تھا اور جس پر بادشاہ اور پادری مطلق العنان انداز میں حکمرانی کرتے تھے جو لڑائیوں میں یا مذہبی رسومات مثلاً انسانی قربانی کا تقاضا کرتے رہتے تھے۔

اٹنرکوٹل کے دور حکمرانی (1429ء-1440ء) تک' ازٹیک اسطوریات کو بظاہر دوبارہ لکھا جا چکا تھا جو جنگجو حکمرانوں کے ہاتھوں میں طاقت کے مزید استحکام کی عکاسی کرتی اور ازٹیکوں کی شکاریانہ فتوحات اور رسوماتی قربانیوں کو جائز قرار دینے لگی تھی تاہم جیسا کہ نیش توجہ دلاتا ہے بالخصوص مملکت کے خارجی علاقوں میں مزاحمت کی شہادت بھی موجود ہے۔ مثال کے طور پر ٹوٹوک کے ایک صوبے میں ''جنت کی دیوی کا عقیدہ'' جو انسانی قربانی کو ممنوع ٹھہراتا تھا اب بھی رائج ہے......اور ریاست اور شاہانہ مجسمہ سازی میں اپنی حیثیت کے نقصان کے باوجود' فصلوں اور بارش سے وابستہ نسوانی دیویاں کئی گھریلو اور مقامی بت کدوں میں زندہ و باقی رہ گئیں۔

جیسا کہ نیش لکھتا ہے تین صدیوں سے بھی کم عرصے میں ''ازٹیک سماجی ڈھانچے کی قلب ماہیت ہوگئی'' ایک مردحاکمیتی معاشرہ ظہور میں آ گیا جس کی عکاسی نسوانی دیویوں کی محکومیت میں ہوتی تھی۔ عورتیں اب بھی اہم کردار ادا کرتی تھیں لیکن انہیں ایک سخت گیر نظام مراتب پر مبنی معاشرے میں اختیار کی حامل حیثیتیں دینے سے انکار کیا جاتا تھا جس کا خاصہ طاقتور مرد کی حکمرانی اور بہت زیادہ سماجی تشدد تھا۔ اس میں نہ صرف فتوحاتی جنگیں بلکہ مفتوح لوگوں کی رسوماتی قربانی بھی شامل تھی۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ جیسا کہ نیش بھی توجہ دلاتا ہے کہ یہ اس معاشرے کا حاکمیتی کردار ہی تھا کہ ٹینوکٹڈلان کے ہسپانی محاصرے کے آخری دنوں میں اس کے حکمران شہر کے دفاع کے لئے عام لوگوں کو ابھار نہیں سکے۔ نہ ہی وہ پوری مملکت میں کہیں حمایت حاصل کر سکے۔ دراصل مفتوح لوگوں میں سے کچھ لوگ ہسپانیوں کے اتحادی بن گئے......جنھوں نے اپنی باری آنے پر وحشیانہ حاکمیتی ریاست کا اپنا انداز ان پر مسلط کر دیا۔(67)

نیش کا کام اس چیز کی توضیح کرتا ہے جسے صریحاً گمبوٹاس ''آثاری اسطوریات'' کا نام دیتی ہیں (باکس 4.2 ملاحظہ کیجئے) یہ تحقیق کا ایک ایسا طریقہ ہے جس میں محقق نہ صرف کھدائیوں سے برآمد

ہونے والی طبعی شہادت بلکہ اسطوریاتی شہادت کو بھی پیش نظر رکھتا ہے اس میں متعدد ادوار کے دوران علامتوں اور الوہی ہستیوں (نسوانی اور مردانہ) کے کردار میں تبدیلیاں شامل ہوتی ہیں اور وہ اس بات کی تفتیش کرتا ہے کہ اب اسطوریاتی تبدیلیاں سماجی ڈھانچوں میں کس طرح منعکس ہوتی ہیں۔

اس طریقے کا کامیاب استعمال دستیاب مواد کے محتاط تجزیئے کا متقاضی ہے۔ جیسا کہ پروفیسر کائی جون شینگ نے توجہ دلائی ہے شراکتی سے حاکمیتی میں تبدیلی کے ادوار کے دوران اساطیر میں بالعموم بنیادی تبدیلی واقع ہو جاتی ہے اور ابتدائی اساطیر بتدریج فراموش ہو جاتی ہیں۔ اس نظامی انداز کا استعمال سراغوں کی تلاش کیلئے کی جانے والی جاسوسی کے مترادف ہے' اونچے درجے کے طلبہ پوری دنیا کی ثقافتوں کا جائزہ لینے کیلئے اسے استعمال کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں ہمارے مشترک شراکتی ورثے کی تلاش میں شراکتی اور حاکمیتی سانچوں کو کام میں لا سکتے ہیں۔

لڑکیوں اور لڑکوں دونوں کے لئے یہ اسطوریاتی جاسوسی ایک سنسنی خیز مہم بن سکتی ہے جب روزی مارٹن کی گیارہویں درجے کی آرٹ ٹیچر نے اسے کلاس میں نوحجری سانپ دیوی...... جس میں سانپ (جو ایک عرصے کے بعد اپنی کینچلی اتار دیتا ہے اور نئی کینچلی پیدا کر لیتا ہے) کو فطرت کی تخلیق آور قوتوں کی بھرپور علامت کے طور پر پیش کیا...... تو روزی کو احساس ہوا کہ عورتوں کو سانپوں کے ساتھ ملانا ہمیشہ کوئی منفی بات نہیں تھی...... سانپ دیوی کے زمانی سفر کا تعاقب کرتے ہوئے کلاس نے یہ دیکھا کہ یہ نسوانی آرکی ٹائپ ہیبتناک یونانی میڈوسہ میں کس طرح ڈھل گیا جو مردوں کو پتھر بنا دیتی ہے...... یعنی وہ تخلیق کے بجائے تباہی کی قوت کی علامت بن گئی۔ انہوں نے یہ مشاہدہ بھی کیا کہ نسوانی قوت کی مردوں کو لاحق ایک تباہ کن دھمکی کے ساتھ وابستگی کس طرح آج بھی موجود ہے...... جیسا کہ فلم ''کلیش آف دی ٹائیٹنز'' میں دکھایا گیا ہے جہاں یونانی ہیرو پرسیوس شیطان صفت مگر بے طاقت میڈوسہ کی گردن اڑاتا ہے۔ یوں لڑکیاں اور لڑکے دونوں ایک زیادہ تنقیدی نقطہ نظر سے ان آرکی ٹائپ کا جائزہ لے سکتے تھے کیونکہ اب وہ اس بات سے باخبر ہوتے ہیں کہ یہ مردانگی اور نسوانیت کی شراکتی ساخت کے بجائے حاکمیتی ساخت کی عکاسی کرتے ہیں۔

باکس 4.2 آثاری اسطوریات کلاس روم میں

طلبہ کو نسوانی دیویوں سے متعلق افریقی اساطیر کے ساتھ ساتھ ڈاہومی کی اساطیر کا جائزہ لینے کی دعوت دی جاسکتی ہے جہاں فون' نانا بولوکو' کی سب سے بڑی الوہی ہستی بیک وقت مرد بھی ہے اور عورت بھی۔ (68) وہ کیرولائن میرنگٹن (69) کی مدونہ ''ارسطوریات سے

متعلق عورتوں کی رہنمائی'' اور بار بر ادا کر کی ''اساطیر اور بھیدوں کا انسائیکلو پیڈیا برائے نسواں'' جیسی کتابوں کے ذریعے قدیم اساطیر کا کھوج بھی لگا سکتے ہیں اور ایسے سلسلوں کو تلاش کر سکتے ہیں جو ان موضوعات تک پہنچاتے ہیں جنہیں تاریخ اور قبل تاریخ دونوں کے مطالعے میں بالعموم آج بھی نظر انداز کیا جاتا ہے۔

طلبہ کی سرگرمیوں (اور ساتھیوں کے ذریعے تدریس) کا ایک اور مقام انٹرنیٹ ہے جہاں ان عورتوں (اور مردوں) نے اپنی ویب سائٹس مہیا کی ہوئی ہیں جو آج اس قدیم ورثے کا کھوج لگا رہے ہیں۔ دو دلچسپ مقامات یہ ہیں۔

(hHp:11 mempel. aol. com/ ATOYA/GODDESS/html)

(hHp:11 hmm.gg.caHech.edu/~maeve/2etalx4.html)

ایک اور جو ڈیوی 2000 پراجیکٹ کے تحت ستائیس صدیوں کے دیوی آرٹ کو مجتمع کر رہی ہے' یہ ہے (www.goddess 2000.02g)

یہ سائٹ ایک افریقی امریکی عورت کی نگرانی میں ہے جو بتاتی ہیں کہ جب وہ 1984ء کی گرمیوں میں اپنے روایتی بزرگوں سے ملنے نائیجیریا گئیں تو انہوں نے کس طرح یوروبا لوگوں کے قدیم علم کو محفوظ بنانے میں مدد دینے کا مصمم ارادہ کیا۔ ان کے لئے نسوانی دیویوں یا ''اودیساس'' جیسے کہ یموجا (سمندر اور آبی بھینس کی دیوی)' اوسون (دریاؤں کی دیوی)' اور اویا (سوروں' بگولوں' کڑکوں' اور بھینس عورتوں کی دیوی) سے متعلق کہانیوں کے ساتھ وہ لوگ کہانیاں خصوصی دلچسپی کی حامل تھیں جو یہ بتاتی تھیں کہ یوروبا روایت میں عورتیں کس طرح ایک اہم کردار ادا کرتی تھیں۔

تاریخ کے پوشیدہ نمونے

شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کے درمیان کشمکش کے آثار پوری کی پوری منضبط تاریخ میں ڈھونڈے جا سکتے ہیں۔ دنیا کے تمام خطوں میں ہمیں ایسے معاشرے ملتے ہیں جو حاکمیتی ماڈل کی طرف بنیادی جھکاؤ کے باوجود اہم شراکتی عناصر کے حامل ہیں۔ ایک قابل غور مثال جس سے یورپی اور کلاسیکی تاریخ کے طلبہ واقف ہیں قدیم یونان کی تہذیب ہے۔

بیشتر نصابی مواد یہ تاثر دیتا ہے کہ یورپی تہذیب کا آغاز کلاسیکی یونان سے ہوا لیکن یونانی' انڈو یورپی مائی سینیوں کی آل اولاد تھے جنہوں نے اپنی زیادہ تر تہذیب اپنی مفتوحہ مائینونی تہذیب سے لی

تھی۔ جیسا کہ ثقافتی مورخ جیکیٹا ہاکس ''دیوتاؤں کی ابتداء یونان کے مائینونی اور مائی سینی ماخذ'' میں لکھتی ہیں۔ وسط یونان میں یونانیوں کے ابتدائی بربری پیش رووں کی یلغار کے وقت' قریطی اپنی ترقی یافتہ مائینونی ثقافت تخلیق کر چکے تھے اور اپنے جزیرے کو یورپ بھر کا اولین مستقر بنا چکے تھے۔(70)

جیسا کہ وہ اس بات پر بھی توجہ دلاتی ہیں کہ ٹیکنالوجی کے حوالے سے ترقی یافتہ مائینونی تہذیب کا فن اور طرز تعمیر بعد کے یونانی فن اور طرز تعمیر کے لئے خاصی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ مائینونی مذہب نے جس کا مرکز نسوانی الوہی ہستی یا دیوی کی پرستش تھی' یونانیوں کو بھی متاثر کیا جنھوں نے بعد ازاں اپنے اولمپیائی بت کدے میں متعدد مائینونی الوہی ہستیوں کو شامل کر لیا۔ اگرچہ جیسا کہ ہم پہلے بھی دیکھ چکے ہیں اسی نمونے پر وہ بجلی کے کڑکے کے متشدد یونانی دیوتا' زیوس کی تابع ہوتی تھیں۔

ایتھنی معاشرے سے متعلق ہائی سکولوں کی بیشتر نصابی کتابیں اس حقیقت کو پیش نہیں کرتیں کہ آبادی کی بڑی اکثریت اس ''جمہوریت'' سے باہر تھی۔ نصف ایتھنز عورتوں کے ساتھ ساتھ ایسی عورتوں اور مردوں پر مشتمل تھا جو ایتھنی غلاموں کی بڑی آبادی کو تشکیل دیتے تھے' نہ ہی یونانی ڈراموں جیسے کہ ارسٹوفینیز کے لائی سسٹراٹا' میں اس بات کے شواہد سے متعلق کوئی بحث ملتی ہے کہ قدیم ایتھنز میں ہماری عورتوں کی جدید جنگ مخالف تحریک سے ملتا جلتا کوئی سماجی مظہر وقوع پذیر ہوا ہو۔(71)

شراکتی تعلیم پر مبنی نصاب میں دلچسپی کے حامل ان معاملات پر جو خود ہماری امریکی تاریخ سے اتنی مناسبت رکھتے ہیں توجہ دی گئی ہے جیسے کہ باقی رہ جانے والے شراکتی عناصر اور بعد کے حاکمیتی نقشے کے مابین کشمکش کی اصلاحات میں قدیم یونان کا جائزہ۔(72)

مثلاً اگر ہومر کو اس نقطہ نظر سے پڑھا جائے تو وہ بے حد دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔ ہومر کے جنگجو ہیرو تشدد کی انڈو یورپی اہمیت کے عکاس ہیں لیکن مائی سینی ثقافت میں عورتوں کی اعلیٰ تر حیثیت کے آثار کی موجودگی کے ساتھ ہمیں ہومر کی اوڈیسی میں متعدد طاقتور نسوانی شخصیات بھی مل جاتی ہیں۔ طاقتور جادوگرنی ملکہ سرسی' دوشیزہ کیلیپسو جو اوگیجیا کے جزیرے پر حکمران ہے۔ پرکشش سائرن (جل پریاں) شہزادی ناسیکا اور اس کی ماں ملکہ اریٹ (ہومر بتاتا ہے کہ آخری حیثیت ''تمام لوگ جو اسے دیوی سمجھتے ہیں پرستش کرتے ہیں'')

ہم سقراط جیسے فلسفیوں اور پیریکلز جیسے سیاسی مدبروں کے بارے میں بہت کچھ پڑھتے ہیں لیکن ہمیں شاید ہی کبھی یہ بتایا جاتا ہو کہ سقراط کی ٹیچر ایک عورت ڈائیوٹیما تھی جو مانٹی نیا کی کاہنہ تھی۔ یا یہ کہ پیریکلز کی ساتھی' ملیٹس کی اسپاسیا نام کی فلسفی تھی (یہاں یہ اضافہ کرنا ضروری ہے کہ جب بھی اسپاسیا کا

MashalBooks.org

ذکر آتا ہے تو بالعموم اسے ایک ''ہیٹائرہ'' ٹھہرایا جاتا ہے۔ یہ یونانی لفظ ایتھنی معاشرے میں ان عورتوں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا جو جنسی شئے' تفریح مہیا کرنے والی' موسیقار' یا مردوں کی فکری ساتھی کی حیثیت سے متعدد کرداروں کی حامل ہوتی تھیں۔ انہیں بالکل اسی طرح کے عورتوں کے مکانوں تک محدود رکھا جاتا تھا جیسے آج کل بنیاد پرست مسلم معاشروں میں پائے جاتے ہیں تاہم پروفیسر ماریو مانٹوری سقراط پر اپنی کتاب میں اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ اسپاسیا کو ہیٹائرہ کی حیثیت سے پیش کرنا حقیقت پر مبنی نہیں۔)(73)

کسی یونانی عورت' جیسے کہ یونانی شاعرہ سیفو کا ذکر اتفاق سے ہی پڑھنے کو ملتا ہے جس کی شاعری کے کچھ حصے باقی بچے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ وہ بڑی محنت سے لکھتی ہے کہ اس کے بچے کا نظارہ ہزاروں جنگی جہازوں کو پانی میں اتارنے سے کہیں زیادہ خوبصورت اور متاثر کن ہے مگر روایتی نصاب اب بھی زیادہ تر مردوں کو ہی توجہ کا مرکز بناتا ہے۔ اس اہم حقیقت کو دھندلا دیتا ہے کہ یونانی تہذیب' شراکتی اور حاکمیتی عناصر کا ایک خوشگوار اجتماع تھی۔

روایتی نصاب میں قدیم روم کا مطالعہ بھی رومنی تہذیب کے مختلف ادوار کے دوران شراکتی اور حاکمیتی عناصر کے مابین کوئی فرق نہیں کر پاتا۔ کلاسیکی یونان کے مطالعے کی طرح بیشتر مطالعاتی کام مرد کرتے ہیں اور مردوں کے بارے میں ہوتا ہے۔ مثلاً جب میں بچی تھی تو مجھے جولیس سیزر کی تحریریں لاطینی میں یاد کرنی پڑتی تھیں' مزید برآں یہ دستاویزات عام طور پر حاکمیت کی سیاست پر توجہ دیتی تھیں۔ کون کس پر فتح حاصل کرتا ہے اور اکثر ''بہادرانہ'' تشدد کے ذریعے۔ مثال کے طور پر پلوٹارک کی سوانح کا ملاحظہ کیجئے۔ اصل میں پلوٹارک کو پڑھنا ایک عجیب وغریب تحریر ہے کیونکہ وہ مردوں کی ان صفات کو بے حد مثالی بنا کر پیش کرتا ہے جو مردوں کو دوسروں کو تکلیف پہنچانے کے قابل بناتی ہیں۔ ان مشہور سوانح میں ہمدردی کا کوئی ذکر موجود نہیں اور محبت کا تو بالکل نہیں۔

تاہم رومن تاریخ کے بعض ادوار سے متعلق ایسی تحریریں بھی موجود ہیں جو بہت کم زیر مطالعہ آتی ہیں اور جن میں ہمیں محبت کا ذکر لازماً مل جاتا ہے۔ پہلی صدی قبل مسیح کے دوران لکھے گئے اووڈ اور کیٹولس کے کچھ نوحوں میں عورتیں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ہمیں ایسی ہیروئنیں بھی مل جاتی ہیں جو محبت کو ایک شراکت یا دو برابر افراد کے درمیان ''باہمی اتحاد کے رشتے'' کی حیثیت سے دیکھتی ہیں۔ یہ تصانیف بتاتی ہیں کہ اس دور کے دوران عورتیں اور مرد دونوں تعلقات کے ایسے طریقوں کی تلاش میں سرگرداں تھے جو شراکت کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھتے ہوں تاہم ان میں جنسی امتیاز اور عورت دشمنی' یا عورت نفرت کی مثالیں بھی موجود

MashalBooks.org

ہیں۔ رومنی تہذیب میں شراکتی اور حاکمیتی عناصر کے مابین کشمکش کی عکاسی کرتی ہیں۔(74)

شراکتی تعلیم ایسے معاملات کو نمایاں مقام دیتی ہے۔ یہ اس چیز کو بھی واضح کر کے سامنے لاتی ہے جیسے روایتی طور پر رومن تاریخ میں عورتوں کے اہم کردار کی حیثیت سے پڑھایا جاتا رہا ہے۔ اگرچہ دیکھا جائے تو ان میں سے بیشتر عورتیں بنیادی طور پر مردوں کی متابعت میں ہوتی تھیں مثلاً فلویہ نے جو مارک انٹونی کی بیوی تھی بعد میں اس کی عدم موجودگی میں اس کی خاطر ایک فوج کی قیادت کی۔ شہنشاہ کلاڈیئس کی بڑی ماں' لیویا نے اپنے شوہر اور بیٹے کی شاہی قوت کو برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ کہا جاتا ہے کہ کلاڈیئس کی بیوی اگریپنیا نے اسے اس لئے زہر دیا تا کہ پہلی شادی سے اس کا بیٹا نیرو بادشاہ بن جائے۔

شراکتی تعلیم اس حقیقت کو بھی نمایاں مقام دیتی ہے کہ پابندیوں کے باوجود بعض عورتوں نے اپنی آزادانہ پہچان برقرار رکھی' اس کی مثال قلوپطرہ ہے جو نوعمری میں ہی مصر کی حکمران بن گئی تھی۔ (بدقسمتی سے قلوپطرہ کی زندگی سے متعلق بیشتر کتابوں میں حقیقت کے بجائے فسانہ زیادہ بیان کیا گیا ہے یا پلوٹارک میں قلوپطرہ کے بارے میں جو پورا دفتر موجود ہے اس کی طرح یہ دو معروف رومنوں کے ساتھ اس کے تعلق پر توجہ مرکوز کرتی ہیں یعنی جولیس سیزر اور مارک انٹونی) جیسا کہ آج کل محققین طویل عرصے تک نظر انداز کئے جانے والے ریکارڈ کو کھنگال رہے ہیں تو یہ ممکن ہے کہ وہ مزید عورتوں کے بارے میں معلومات ڈھونڈ نکالیں جنہوں نے قدیم روم میں اہم ثقافتی خدمات سرانجام دیں۔ طلبہ اس معاملے سے متعلق حالیہ تحقیق کے لئے ورلڈ وائیڈ ویب اور دوسرے ذرائع کی چھان بین کر سکتے ہیں۔

شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کے درمیان کشمکش کی تہہ میں سماجی تنظیم سے متعلق پوشیدہ امکانات کے نقطہ نظر سے منضبط تاریخ کے مطالعے کے ذریعے طلبہ کو شراکتی ابھار کے غیر مسلسل ادوار کی موجودگی کا پتہ بھی ملے گا۔ پہلی صدی کے دوران ہی اس مفروضے کو چیلنج کر دیا گیا تھا کہ انسانی تعلقات کو حاکمیت اور متابعت کی درجہ بندیوں میں منظم کرنا ضروری ہے (جیسا کہ ارسطو کا دعویٰ تھا مرد آقاؤں' غلاموں اور عورتوں کے مابین تعلقات کے ضمن میں یہ بالکل فطری تھا) خود روم میں بھی اور رومن سلطنت کے دور افتادہ حصوں جیسے کہ فلسطین میں بھی ایسا ہی ہوا۔ یہاں ایک نوجوان یہودی نے جس کا نام یسوع (حضرت عیسیٰ) تھا شراکتی اخلاقیات کی تبلیغ شروع کی یعنی ''نسوانی'' سمجھی جانے والی اقدار جیسے کہ سماجی اور شخصی نظم و نسق کے ضمن میں رحمدلی' ہمدردی اور عدم تشدد کی اقدار۔ شراکتی ہیئت کے حوالے سے یہ حقیقت خاص توجہ چاہتی ہے کہ ابتدائی مسیحیت میں عورتیں قائدانہ حیثیت کی حامل تھی۔ باضابطہ مسیحی صحائف میں کسی حد تک اس چیز کی عکاسی موجود ہے۔ نئے عہد نامے کا جائزہ لیا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے

کہ ابتدائی مسیحی تحریک (جسے اس وقت ایک تخریبی تحریک سمجھا جاتا تھا) میں عورتوں نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ مثال کے طور پر ہم پڑھتے ہیں کہ عورتوں (بالعموم بیوائیں جو بیویوں کے مقابلے میں مردانہ کنٹرول سے کافی آزاد ہوتی تھیں) کے گھروں میں مجلسیں منعقد ہوتی تھیں۔ رومن 16:7 ملاحظہ کیجئے جہاں ہم پال کو جونیہ نام کی ایک عورت حواری کا بڑے احترام سے استقبال کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور جس کا ذکر وہ تحریک میں خود سے سینئر کی حیثیت سے کرتا ہے۔ وہ دوسری عورتوں کا ذکر بھی کرتا ہے جو ابتدائی مسیحیت میں بنیادی کردار ادا کر رہی تھیں۔

تاہم عورتوں کے کلیدی کردار سے متعلق معلومات کے انتہائی دلچسپ ذرائع غناسطی انجیلیں ہیں یہ ''گمشدہ کتابیں'' جنہیں غناسطی مسیحیوں نے ان لوگوں کے ہاتھوں تباہی سے بچانے کیلئے دفن کر دیا تھا جنھوں نے حضرت عیسیٰؑ کی وفات کے بعد ان کی وفات اور جی اٹھنے کی کہانی کو اپنے ''راسخ العقیدہ چرچ'' کو استوار کرنے کیلئے استعمال کیا' بتاتی ہیں کہ مریم میگڈالینی نے ابتدائی مسیحی تاریخ میں نہایت اہم کردار ادا کیا تھا۔ یہ دستاویزات (ان میں سے بعض نئے عہدنامے کی انجیلوں سے بھی پرانی ہیں) بیسویں صدی کے دوران بالائی مصر کے ایک دور دراز صوبے' نج جمادی کے ایک غار میں دریافت ہوئی تھیں۔ ان میں مریم میگڈالینی کو ایک طوائف کی حیثیت سے قلمزد نہیں کر دیا جاتا بلکہ اسے یسوع کی ''پسندیدہ شاگرد'' قرار دیا جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہی ایک اکیلی تھی جس نے پیٹر کو چیلنج کرنے کی جرأت کی کہ وہ مذہبی نظام مراتب پر مبنی اسی قسم کا ایک اور چرچ قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے جس کے خلاف حضرت عیسیٰؑ تبلیغ کر رہے تھے۔(75)

دراصل چوتھی صدی میں رومن شہنشاہ کونسٹنٹائن کے چرچ کے ساتھ اتحاد کی پیروی میں چرچ ایک استبدادی اور سخت گیر مردانہ حاکمیت کا حامل ادارہ بن چکا تھا جو متحارب ''ملحد'' مسیحی فرقوں کے خلاف بالعموم تشدد سے کام لیتا تھا۔ اگرچہ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کا شراکتی عنصر باضابطہ نظریے کا حصہ تو رہا اور متعدد راہبائین اور کاہن اس پر عمل پیرا بھی رہے لیکن خود چرچ ایک مرتبہ پھر اس قسم کے مذہبی نظام مراتب میں ڈھل گیا جس کی حضرت عیسیٰ نے مخالفت کی تھی۔ مزید برآں اگرچہ مسیحی تحریک کے ابتدائی دنوں میں رومن حکام نے جو مسیحیت کو اپنے اقتدار کے خلاف ایک خطرہ سمجھتے تھے۔ اس کے پیروکاروں کو شدید کا نشانہ بنایا مگر قرون وسطیٰ کی پوری مسیحی تاریخ میں چرچ نے بھی اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے تشدد کا استعمال کیا جس میں اس کی صلیبی جنگیں' عقوبت اور چڑیلوں کو نذر آتش کرنا شامل ہیں۔(76)

طلبہ کے لیے شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کے درمیان کارفرما اس کشمکش کے حوالے سے مشرق وسطیٰ

اور یورپ میں ابتدائی مسیحیت کے آغاز کے بعد کی تاریخ کو سمجھنا ضروری ہے۔ان کیلئے اس بات کو سمجھنا بھی ضروری ہے کہ یورپی قرون وسطیٰ کی تاریخ حقیقتاً کیا ہے کیونکہ آج کل اس ''عہد ایمان'' سے متعلق انتہائی گمراہ کن ناسٹیلجیا عام ہے۔

بعض افراد کے مطابق یہ ایک ایسا دور تھا جب دنیا کے بارے میں سائنسی نقطہ نظر کے بجائے مذہبی نقطہ نظر نے ایک بہتر کم متشدد' زیادہ منظم اور اخلاقی زندگی کا راستہ ہموار کیا۔اصل میں قرون وسطیٰ ایک بہت متشدد دور تھا۔چند مستثنیات کے علاوہ یہ وسطی دور جابرانہ ریاستی اور چرچ کنٹرول کا دور تھا۔کنٹرول تو تھا مگر نظم وضبط سے قطعاً خالی' اس کے برعکس یہ صدیاں جاگیردار' امراء' بادشاہوں اور پوپ کے درمیان جنگوں کا ایک طویل سلسلہ تھیں جو اپنی غیر منقولہ جائیداد کی ملکیت کی توسیع کیلئے برسرپیکار تھے۔

قرون وسطیٰ کے کچھ عرصہ بعد مگر' تاریخ کے قبل صنعتی حصے کے دوران مغربی یورپ نے دنیا کے دوسرے خطوں کو مفتوحہ اور اپنی نوآبادی بنانے کے عمل کا آغاز کر دیا تھا۔فتوحات اور نوآبادی بنانے کے اس عمل میں چرچ نے سرگرم تعاون کا مظاہرہ کیا۔سیاہ فام باشندوں کو مفتوح اور نوآبادی کا حصہ بنانے کا یہ وحشیانہ عمل جس نے افریقہ' ایشیا' آسٹریلیا اور امریکاؤں کی ثقافتوں کو ازحد متاثر کیا یورپی ثقافت کے حاکمیتی عناصر کا اظہار تھا لیکن یہ یاد رہنا چاہئے کہ مغربی یورپ کی ثقافت میں شراکتی عناصر اور شراکتی ابھار کے ادوار بھی موجود تھے۔ایک دلچسپ مثال گیارہویں اور بارہویں صدی کے دوران جنوبی فرانس میں وقوع پذیر ہوئی جب ابھی چرچ نے ابی گینیئسن صلیبی جنگ کا آغاز نہیں کیا تھا۔یہ واحد صلیبی جنگ تھی جو یہودیوں یا مسلمانوں کے نہیں بلکہ دوسرے عیسائیوں کے خلاف تھی۔اس دور میں عشقیہ شاعروں اور ان کے نسوانی ہمسروں کم معروف عشقیہ شاعرات کی ابتدا ہوئی۔

صلیبی حملہ آور مسلم سرّیوں کی جس شہوانی شاعری کے سحر میں گرفتار ہو کر اسے اپنے ساتھ لے آئے تھے یہ شعراء اسی شاعری سے متاثر ہوئے۔آج کے دور کے صوفیاء کی طرح یہ سرّی بھی الوہیت کی تمجید کے لئے شہوانی محبت کی زبان سے کام لیتے تھے (یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ جب یورپ ابھی عہد ظلمت میں لپٹا ہوا تھا' فنون اور علوم کی ایک اسلامی نشاۃ ثانیہ واقع ہو رہی تھی۔مصر میں سکندریہ جیسے علوم کے مراکز میں ایک وسیع المشرب ثقافت کا اختلاط عمل میں آ رہا تھا)

عشقیہ شاعروں نے جس چیز کو دوبارہ زندہ کیا وہ کچھ ایسے ہی اثرات تھے بالخصوص اسلامی تصوف' یہودی کبالیت اور مسیحی باطنیت کی سری روایات' اس کے ساتھ ساتھ عورتوں کو زیادہ باعزم سمجھنے والی

ثقافتوں کے آثار جن کا ہم پہلے ذکر چکے ہیں۔

ایک زیادہ منفی توازن پر مبنی نقطہ نظر سے اس دور کا جائزہ لینے سے ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ شراکتی ابھار کے ادوار اپنی خصوصیت کے حوالے سے وہ ادوار ہیں جب عورتوں اور خاص طور پر عورتوں سے وابستہ اقدار' کسی قدر بلند مقام حاصل کر لیتی ہیں۔ ایکویٹائن کی ایلینر اور اس کی بیٹیوں' ایلکس اور میری نے عشقیہ شاعروں اور شاعرات کی زیادہ شائستہ یا ''نسوانیتی'' ثقافت کو دوبارہ زندہ کرنے میں جو کردار ادا کیا تھا اس چیز کی وضاحت کرتا ہے۔

تاریخ کی بیشتر کتابوں میں ایکویٹائن کی ایلینر کے بارے میں جو کچھ ہمیں پڑھنے کو ملتا ہے وہ یہ صرف یہ ہے کہ وہ بادشاہوں کی بیوی اور ماں تھی۔ اس غیر معمولی عورت کو اس طرح غلط اور نامکمل انداز میں پیش کرنے سے ان لڑکیوں اور لڑکوں کو کوئی زیادہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا جو یہ جاننا چاہتے ہیں کہ شدید پابندیوں کے باوجود عورتیں قائدانہ حیثیت کی حامل بھی رہی ہیں۔ انہوں نے اپنے طور پر اہم خدمات بھی سرانجام دی ہیں۔ میرین میڈ کی ''ایلینر آف ایکویٹائن ایک سوانح'' (جیسے اقتباسات کی صورت میں' یا تبدیل کر کے ہائی سکول کے طلبہ کے لئے قابل استعمال بنایا جا سکتا ہے) جیسی کتابوں میں ایکویٹائن کی ایلینر کے بارے میں پڑھنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتنی پرعزم عورت تھی اور اس نے متعدد رکاوٹوں کو کس طرح عبور کیا۔ مزید برآں ایکویٹائن کی ایلینر نے تاریخ میں ایسے اضافے کئے جو کئی لحاظ سے ان بادشاہوں کی نسبت کہیں زیادہ اہم ہیں جن کی وہ ماں اور بیوی تھی کیونکہ یہ اس کے اور اس کی بیٹیوں کے درباری تھے جہاں عشقیہ شاعروں اور شاعرات کی ذیلی ثقافت پروان چڑھی۔

اس ذیلی ثقافت ے مغربی تہذیب کے ارتقاء پر اہم اور مثبت اثرات مرتب کئے۔ جنٹلمین کی اصطلاح ہمیں عشقیہ شاعروں (''مقدس مسرت'' میں اس کی تفصیل موجود ہے) ہی سے ورثے میں ملی ہے۔ مردوں کے لئے یہ آئیڈیل جس کا اطلاق قرون وسطیٰ کے سماجی ڈھانچے کی بندشوں کے پیش نظر زیادہ تر منتخب انداز میں کیا جاتا تھا۔ ''حقیقی مردانگی'' کے حاکمیتی ماڈل سے قطعی مختلف تھا جو مرد کو ایک جنگجو کی حیثیت دیتا تھا یعنی دوسروں کو تکلیف پہنچانے کی ''برتر'' استعداد کا حامل ہوتا)

عشقیہ شاعروں کی بدولت ہی مریم' خدا کی ماں کی عزت و تکریم کو قبول عام ہوا (شکل 4.6 ملاحظہ کیجئے) چرچ کے ارباب نے پہلے پہل تو اس تعظیم و تکریم کی سخت مزاحمت کی جو ہو سکتا ہے کہ اسے دیوی پوجا کی ابتدائی روایات کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بلند حیثیت دلانے کا ذریعہ بھی خیال کرتے ہوں لیکن

MashalBooks.org

آخراً خود چرچ نے اس پر قبضہ جمالیا اور یورپ نے کے نہایت حسین گرجے جن میں پیرس کا شاغتے اور نوٹرے ڈیم شامل ہیں ''آور لیڈی'' سے منسوب کردیئے گئے۔

عشقیہ شاعروں اور شاعرات کی شاعری ایک بڑا ثقافتی کارنامہ تھی اگرچہ اس دور سے متعلق تحریروں میں ہمیں ان شاعرات کا ذکر شاید ہی پڑھنے کو ملتا ہے لیکن یہ شاعری اس حوالے سے بہت دلچسپ ہے کہ اس میں ان صفات کا ذکر موجود ہے جن کی ایک مرد میں موجودگی کو یہ لوگ قابل قدر سمجھتے تھے۔ یہ ایسی صفات ہیں جنہیں عورتیں آج بھی قابل قدر جانتی ہیں۔ ان کا لکھنا ہے کہ ان کے عاشقوں میں بلاتکلفی اور عجز ہونا چاہیئے ان میں ہر ایک کے لئے شائستگی ہونی چاہیئے' انہیں شرافت' محبت کا پیکر اور کھرا ہونا چاہیئے' انہیں کسی بھی مرد کے ساتھ کسی جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہیئے۔

نشاۃ الثانیہ کے دوران ایک ایسا دور آیا جس میں انسان پسندانہ اقدار کو عروج حاصل ہوا۔ عورتیں اہم کردار کی حامل ہوتی تھیں اگرچہ اب بھی ان کے کردار کو شاید ہی تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کی ایک مثال کرسٹین دی پسان ہے جنہوں نے عورتوں کی حمایت میں ایک کتاب ''شہر نسواں'' لکھی۔ اگرچہ اس کتاب میں ایسی متعدد منفی سٹیریو ٹائپ موجود ہیں جنہیں اس وقت یہ عورتوں کی تذلیل' تحقیر اور توہین کے خلاف ایک پرجوش دفاع کی حیثیت رکھتی تھی۔ نشاۃ الثانیہ کے دوران ایسی عورتیں بھی سامنے آئیں جنہیں سیاسی وقعت واہمیت حاصل ہوئی' مثلاً کیٹرینا فورزا جو امیزون کے جنگجو ایک بردبار حکمران اور دنیا پسند عورت کا عجیب وغریب مجموعہ تھی۔ (قرون وسطیٰ اور نشاۃ الثانیہ کے دور کے عورتوں کی منافقانہ اور مختصر سوانح کیلئے جن میں فورزا بھی شامل ہے وکی یوین کی ''عہد وسطیٰ کی خود سر عورتیں'' ملاحظہ کیجئے) (77)

اگرچہ انہیں آرٹ کی تواریخ میں کم ہی شامل کیا جاتا ہے لیکن نشاۃ الثانیہ کے دوران اہم آرٹسٹ عورتیں بھی سامنے آئیں اس میں ایک سوفونسبہ رینگی سولا ہے جو نشاۃ الثانیہ کی ایک اطالوی مصورہ تھی جس کے پورٹریٹ اس قدر جاندار تھے کہ سپین کے بادشاہ (جو فنون کا بہت بڑا سرپرست تھا) نے اسے اپنے دربار کا شاہی پورٹریٹ بننے کی دعوت دی۔ مجھے ایک مرتبہ پھر یہ کہنا پڑتا ہے کہ فنکارانہ نصب العین کی حامل لڑکیوں کے لئے رول ماڈل کی کامیاب دریافت کا سہرا صرف نسواں پسند محققین کے سر بندھتا ہے (اس مصورہ کے بارے میں ایک خوبصورت کتاب فنی مورخ' ایلیا سنیڈ راپرلنگیری کی ''سوفونسبہ اینگی سولا'' ہے۔(78)

نشاۃ الثانیہ کو شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کے درمیان بڑھتی ہوئی کشمکش کے حوالے سے زیادہ بہتر

انداز میں سمجھا جا سکتا ہے۔ کئی اعتبار سے یہ شراکتی ابھار کا دور تھا مثلاً اس بات کو چیلنج کرنا کہ عورتوں کو مردوں کا اطاعت شعار ہونا چاہیئے۔ نشاۃ الثانیہ کا عورتوں کیلئے مساوی تعلیم کا نصب العین' زیادہ ''نسوانیتی'' اقدار کا عروج اور ''از کار رفتہ'' فنون پر زور دینا مگر شراکتی تحریک کو شدید حاکمیتی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

(اے) وقت کے ساتھ عظیم دیوی کو مریم' خدا کی ماں میں تبدیل کر دیا گیا۔

بشکریہ ''شراکتی انداز' زندگی اور تعلم کے نئے آلات'' از ریان آئس ارو ڈیوڈ لوئی' اصل پر مبنی تصویر کشی' جان میسن

(بی) کوان ین رحم دلی کی چینی دیوی ہے جو عورتوں کی حفاظت کرتی ہے اور بچوں کے خواہشمندوں کو بچے عطا کرتی ہے۔

بشکریہ: جان میسن

شکل:4.7 'چڑیلوں کا نذر آتش کیا جانا

قرون وسطیٰ کا یہ چوبی نقش جو1555 سے تعلق رکھتا ہے تین چڑیلوں کو نذر آتش کئے جانے کے منظر کو پیش کرتا ہے۔

بشکریہ: ''شراکتی انداز' زندگی اور تعلم کے نئے انداز'' ریان آئس لرو ڈیوڈ لوئی' اصل پر مبنی تصویر کشی: جیف ہیلوگ

''ملحدوں'' اور یہودیوں کے خلاف مسیحی عقوبت کی بربریت کے نتیجے میں جن لوگوں کو بے دخل یا قتل کر دیا جاتا تھا ان کی جائیداد چینی حکمران ضبط کر لیتے تھے۔ چڑیلوں کی باز پرس کے نتیجے میں کم از کم 1,00,000 عورتوں کو تشدد کا نشانہ بنایا اور ہلاک کیا گیا۔ یہ اس وقت کی یورپی آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ ہے (شکل :4.7 ملاحظہ کیجئے) (79) اس عمل میں معالج عورتوں یا سیانی عورتوں' دائیوں کے استیصال کے ذریعے' جو قدیم وقتوں سے جڑی بوٹیوں سمیت ضبط تولید کے دوسرے طریقوں کو نسل در نسل منتقل کرتی آ رہی تھیں۔ جیسا کہ جان ایم رڈل نے اپنی کتاب ''حوا کی جڑی بوٹیاں' مغرب میں ضبط تولید اور استقاط حمل کی تاریخ'' میں لکھا ہے چرچ نے بھی اس تمام علم کو ضائع کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔(80)

نشاۃ الثانیہ کے دور میں ہی نئے رجعت پسندانہ قوانین کا اجراء ہوا جیسے کہ خلف اکبر کا احیاء (جس کی رو سے خاندان کی زیادہ تر جائیداد پہلے پیدا ہونے والے بیٹے کو ملتی ہے) چڑیلوں کی باز پرس کی طرح جس نے یورپ کی عورتوں کو دہشت زدہ کر دیا تھا (بعض گاؤں ایسے بھی تھے جہاں ایک بھی عورت باقی نہ بچی تھی) کے خلفِ اکبر کے احیاء نے مردانہ حاکمیت کو درپیش کسی بھی چیلنج کا راستہ روک دیا اور عورتوں

کے لئے معاشی اور شخصی خودمختاری کے حصول کو مزید مشکل بنا دیا۔

صنعتی یا جدید دور

شراکتی ابھار اور حاکمیتی مزاحمت اور جوابی وار کی یہ جنگ یورپی تاریخ کے بعد کے بڑے دور میں اور بھی زیادہ شدت اختیار کرگئی۔ اس کا بڑا سبب ٹیکنالوجی کے دور میں دوسری بڑی تبدیلی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اتھل پتھل تھی۔ یہ زرعی سے صنعتی دور میں تبدیلی تھی۔

یورپ اور شمالی امریکہ کی تاریخ کے گزشتہ تین سوسالوں پر ریاستہائے متحدہ کے سکولوں میں بہت زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ اس دور کو عمومی طور پر صنعتی یا مشین کے دور کا نام دیا جاتا ہے۔ اگرچہ دنیا کے متعدد حصوں میں صنعت کاری کا عمل بہت بعد میں قدم انداز ہوا۔ چین، جاپان اور انڈیا میں صنعت کاری انیسویں صدی کے آخر میں شروع ہوئی اور افریقہ، ایشیا، امریکاؤں، آسٹریلیا اور دنیا کے دوسرے خطوں کے مقامی معاشرے، صنعت کاری سے متاثر ہونے کے باوجود ابھی تک بنیادی طور پر زرعی معاشرے ہیں۔

یورپ اور شمالی امریکہ میں مشینوں کا روز افزوں استعمال واقعتاً **18** ویں صدی کی روشن خیالی سے پہلے شروع ہوا۔ تاہم صنعت کاری میں تیزی روشن خیالی کے بعد ہی ممکن ہوسکی۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ تین سوسال کا دور ٹیکنالوجی اور معاشرے کے حوالے سے شدید عدم توازن کا دور ہے۔

اس عدم توازن کی وجہ سے ہی جو پرنٹنگ پریس اور صنعتی کام کیلئے درکار وسیع خواندگی اپنے ہمراہ لایا اس دور میں یکے بعد دیگرے منظم سماجی تحریکوں کا آغاز بھی ہوا جنھوں نے حاکیت کی روایات کو بڑی سرگرمی سے چیلنج کیا۔ اگرچہ وہ روایتی تاریخ، ی متون اور کلاسوں میں آج اس پر شاید ہی توجہ دی جاتی ہے مگر جیسے جیسے نئی ٹیکنالوجی نے مسلمہ اداراتی صورتوں کو غیر مستحکم کیا ویسے عقائد اور سماجی ساخت کے ان نظاموں کو چیلنج کرنے کے مواقع بھی پیدا ہوئے جنہیں کبھی ناقابل تبدیل خیال کیا جاتا تھا۔

جیسا کہ ہم باب **5** میں ریاستہائے متحدہ کی تاریخ کے حصے میں دیکھیں گے امریکی انڈین ثقافت کے شراکتی عناصر نے یورپی روشن خیالی کو متاثر کیا مثلاً ''شریف وحشی'' سے متعلق روسو کی تحریریں اس حقیقت سے متاثر تھیں کہ بعض مقالی امریکی معاشرے اس وقت کے یورپی معاشروں کی نسبت کم مراتب پسند اور کم استبدادی تھے۔

لیکن اس کے باوجود یورپی نو آبادیاتی پالیسی فتوحات اور غلبے کی حاکمیتی روح سے رہنمائی لیتی رہی

جیسا کہ امریکی انڈین کو قتل کیا اور غلام بنایا جاتا تھا اور افریقی عورتوں اور مردوں کو شمالی اور جنوبی امریکہ کی کالونیوں میں غلام بنانے کے لئے درآمد کیا جاتا تھا۔ مختصراً اگرچہ حاکمیت کی مستحکم روایات کو لاحق منظم چیلنج بہت کم توجہ پانے کے باوجود جدید تاریخ کا ایک بڑا موضوع ہیں تاہم حاکمیتی عناصر بھی بہ کثرت موجود ہیں۔

دراصل اگر ہم اس دور کو حاکمیتی اور شراکتی ماڈلوں کے درمیان کشمکش کی تہہ میں پوشیدہ انسانی امکانات کے نقطہ نظر سے دیکھیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ حاکمیتی مزاحمت اور دوری رجعتیں ہر برانچ پر بڑھتے ہوئے شراکتی دباؤ کو روک رہی ہیں۔

یقیناً روشن خیالی ایک ایسا دور تھا جس میں حاکمیت کے مستحکم نمونوں پر شدید تنقید کا آغاز ہو گیا تھا۔ سترہویں اور اٹھارہویں صدی کی انسان کے حقوق کی تحریک واقعتاً امریکی اور فرانسیسی دونوں انقلابوں اور بادشاہتوں سے جمہوریتوں میں بتدریج تبدیلی پر منتج ہوئی۔ بادشاہوں کے مفروضہ الوہی حق حکمرانی کو لاحق چیلنج کے متوازی اٹھارہویں اور انیسویں صدی کی نسواں پسند تحریک نے مردوں کے گھروں کے ''قلعوں'' میں عورتوں اور بچوں پر ان کے مفروضہ الوہی حق حکمرانی کو چیلنج کیا اور اس طرح کم آمرانہ اور مرد حاکمیتی خاندانوں میں بتدریج تبدیلی کے عمل کا آغاز ہوا۔

اسی دور میں ہم ایک بڑے درمیانہ طبقے کو جنم لیتا ہوا بھی دیکھتے ہیں جو اس پرانی ''اشرافیہ'' کیلئے چیلنج ثابت ہوتا ہے جس میں امریکی جنوب کے غلاموں کے مالک زمیندار حکمران طبقات بھی شامل تھے۔ استبدادی بادشاہتوں سے زیادہ جمہوری ریاستوں میں اور استبدادی خاندانوں سے زیادہ جمہوری خاندانوں میں تبدیلی کے ساتھ ہی غلامی کے خلاف تحریکوں کا آغاز بھی ہوا جو سیاہ فام غلاموں کی نجات کی منظم تحریک میں ڈھل گئیں۔

انیسویں اور بیسویں دونوں صدیوں کے دوران مقامی لوگوں کی نو آبادکاری، استحصال اور غیر ملکی حکمرانی سے ان کی آزادی میں تبدیلی کی تحریکوں کے ساتھ ساتھ معاشی استحصال اور ناانصافی کو چیلنج کرنے والی عالمگیر تحریکیں بھی موجود تھیں۔ منظم محنت اور سوشلزم کی ابتدا کے بعد کے دور میں روس، چین اور دوسرے ممالک میں کمیونسٹ انقلابوں نے جاگیردارانہ بادشاہتوں اور جنگجو آقاؤں کا تختہ الٹ دیا۔ دریں اثناء ریاستہائے متحدہ میں لٹیرے امراء کی غیر منضبط سرمایہ داریت سے حکومتی ضابطوں میں بتدریج تبدیلی ہو رہی تھی جن میں انسداد اجارہ داری کے قوانین اور سوشل سکیورٹی اور بے روزگاری کی انشورنس جیسے معاشی تحفظ کے سلسلے بھی شامل ہیں۔ ان میں انیسویں صدی کی نسواں پسند تحریک بھی تھی جو

عورتوں کے لئے مساوی تعلیم اور حق رائے دہی کا مطالبہ کر رہی تھی اور ووٹ کے حق کیلئے سیاہ فاموں کی منظّم تحریک بھی۔ ان کے بعد بیسیویں صدی کی شہری حقوق کی تحریکیں آ جاتی ہیں۔ انیسویں صدی کی امن پسند تحریک، پھر بیسیویں صدی کی امن تحریک بھی تھی جو بین الاقوامی تنازعات کو حل کرنے کے ذریعے کی حیثیت سے جنگ کو مسترد کرنے کا پہلا بھرپور اظہار تھیں۔ بیسیویں صدی کی خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک بھی تھی جو عورتوں کی نجات بچوں کیلئے زیادہ مواقع اور غربت کی کمی کی کلید تھی۔

تاہم بنیادی اعتبار سے حاکمیتی نظام اپنی جگہ مضبوطی سے جما رہا۔ سیاہ فام لوگوں کی نوآبادکاری، ہلاکت اور استحصال نے عالمگیر پیمانے پر غلبے اور فتوحات کی روایت کو برقرار رکھا۔ وقفوں وقفوں سے جوابی حملے بھی ہوتے رہے مثلاً غلامی کے خاتمے کے بعد جم کرو قوانین منظور کئے گئے۔ بیسیویں صدی کے پہلے نصف میں یونین کے خلاف تشدد عام تھا اور نسواں پسندی کے خلاف ایجی ٹیشن جاری تھا۔ اس میں اعلیٰ تعلیم کے خلاف مزاحمت اور انیسویں صدی میں عورتوں کے ووٹ کے حق سے لے کر مساوی حقوق کی ترمیم کی شکست اور بیسیویں صدی میں عورتوں کے تولیدی حقوق کی نئے سرے سے مخالفت تک شامل ہیں۔

بیسیویں صدی میں حاکمیت کو بڑی بڑی پسپائیاں بھی اٹھانی پڑیں مثلاً یورپ میں ہمیں ہٹلر کا جرمنی (1930ء کی دہائی کی ابتداء سے 1940ء کے وسط تک) اور سٹالن کا سوویت یونین (1920ء کی دہائی سے 1950ء کی دہائی تک) نظر آتا ہے جہاں ایک زیادہ منصفانہ معاشرے کے آدرشوں کو ''پرولتاریہ کی ڈکٹیٹر شپ'' سے بدل دیا گیا اور یوں حاکمیتی ماڈل کا ایک اور زیادہ وحشیانہ چہرہ سامنے آیا۔ افریقہ اور ایشیا میں مغربی نوآبادیاتی حکومتوں کے خاتمے کے بعد بھی مقامی خواص کی استبدادی آمریتیں اپنے ہی لوگوں پر مسلط ہو گئیں جس کا نتیجہ اور زیادہ جبر اور استحصال کی صورت میں نکلا۔

جدید صنعتی دور زیادہ موثر استحصال، غلبے اور ہلاکت کیلئے زیادہ ترقی یافتہ ٹیکنالوجی کا استعمال بھی اپنے ہمراہ لایا (صنعتی ٹیکنالوجی پر حاکمیتی جھکاؤ کے اثرات سے متعلق بحث کیلئے ''میکرو ہسٹری اور میکرو ہسٹورین (18) میں میرا باب ملاحظہ کیجئے) مزید برآں صنعتی دور کے دوران ہی ''انسان کی تسخیر فطرت'' کو بڑھانے کیلئے اعلیٰ ٹیکنالوجی کا استعمال بھی شروع ہوا جو پہلے سے کہیں زیادہ ماحولیاتی نقصان پر منتج ہوا۔

مابعد جدید دور

مابعد جدید کی اصطلاح کا عام استعمال بیسیویں صدی کے آخر میں شروع ہوا یہ اس دور کو بیان کرتی ہے جس کا آغاز نیوکلیئر / الیکٹرانک / بائیو کیمیکل اور ٹیکنالوجی کے انقلابات سے ہوا جو موجودہ ڈھانچوں

اور عقائد کو کہیں زیادہ بنیادی انداز میں غیر مستحکم کر رہے ہیں۔ اب حاکمیتی ماڈل اور ترقی یافتہ ٹیکنالوجی کا ملاپ زیادہ ناپائیدار ہوتا جا رہا ہے۔ نیوکلیئر بم' یا حیاتیاتی جنگ اور دہشت پسندی بلیڈ کی تیز دھار کی طرح ہیں حاکمیتی روح کو تقویت دینے والی پہلے سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ ٹیکنالوجی ہمارے فطری مسکن اور ساتھ ہی ساتھ بیشتر انواع کیلئے ایک خطرہ ہے جن کے ساتھ ہم اس سہارے پر زندہ ہیں۔

اس دور میں حاکمیت کی روایات کو مزید چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ دور ایک مضبوط ماحولیاتی تحریک کو سامنے لاتا ہے۔ لاکھوں لوگ اکٹھے مل کر ''انسان کی تسخیر فطرت'' کو چیلنج کرتے ہیں۔ یہ خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک کو تقویت دیتا ہے جو ماحولیاتی پائیداریت کا جز ولاینفک ہے۔ مقامی لوگوں کی محکومیت اور استحصال کے خلاف پھیلتی ہوئی تحریک کو ''ترقی یافتہ دنیا'' کی حاکمیت کے خلاف ''ترقی پذیر دنیا'' کے لوگوں میں بڑھتی ہوئی بیداری کو' دنیا بھر میں سیاسی جمہوریت' غیر متشدد طرز ہائے حیات' مقامی نسلی اور صنعتی انصاف کے لئے دنیا بھر میں نچلی سطحوں پر کام کرنے والی ہزاروں تنظیموں کو بھی تقویت دیتا ہے۔(82)

اہم بات یہ ہے کہ مابعد جدید دور قربت پر مبنی تعلقات کے ضمن میں غلبے اور تشدد کی روایات کو بہت منظم انداز میں چیلنج کرتا ہے۔ بچوں کے ساتھ بدسلوکی' ریپ اور بیویوں پر تشدد دنیا کے بعض حصوں میں زیادہ قابل گرفت بنتے جا رہے ہیں' عورتوں کے حقوق کی ایک عالمگیر تحریک انسانیت کے ایک نصف پر دوسرے نصف کی حاکمیت کو سختی سے چیلنج کر رہی ہے جسے اقوام متحدہ کی کانفرنسوں (1975ء-1995ء) سے بے اندازہ کامیابی حاصل ہو رہی ہے جو عورتوں کے خلاف تشدد' مساوی قانونی حقوق' معاشرتی مواقع اور تولیدی آزادی جیسے بنیادی معاملات پر دنیا بھر کی عورتوں کو ایک جگہ اکٹھا کرتی ہیں۔

تاہم صرف اس وجہ سے کہ شراکتی تحریک زیادہ شدت اور گہرائی حاصل کر رہی ہے یہ پہلی مرتبہ انسانی تعلقات کے اساسی ''نجی'' دائرے کو توجہ کا مرکز بنا رہی ہے جہاں ہم پہلے شراکت یا حاکمیت کا سبق سیکھتے ہیں اور پھر ان میں سے کسی ایک پر مسلسل عمل کرتے رہتے ہیں۔ تبدیلی کے خلاف مزاحمت میں بھی سختی آ رہی ہے' عورتوں اور بچوں کے خلاف تشدد اسی طرح جاری ہے اور بعض جگہوں پر تو اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اعداد وشمار میں کچھ اضافے کا سبب تو یہ حقیقت ہے کہ پہلے تشدد کو رپورٹ ہی نہیں کیا جاتا تھا کیونکہ یہ قابل گرفت نہیں تھا اور الٹا اس کے شکار کو ہی موردالزام ٹھہرایا جاتا تھا لیکن چونکہ یہ تشدد ہی ہے جو آخرکار حاکمیتی تعلقات کو قائم رکھتا ہے لہٰذا جیسے جیسے عورتوں اور بچوں کے انسانی حقوق پر اصرار بڑھتا جا رہا ہے ویسے ویسے انہیں مار پیٹ کر ماتحتی میں واپس لانے کیلئے ان پر تشدد بھی بڑھتا جا رہا ہے۔ کچھ

MashalBooks.org

ممالک میں حکومتی اہلکار اس تشدد کا ارتکاب کرتے ہیں مثال کے طور پر افغانستان' الجیریا' پاکستان' بنگلہ دیش اور ایران میں کسی بھی ایسے فعل کو مردوں کے جنسی اور شخصی کنٹرول کیلئے خطرہ سمجھا جاتا ہے۔ عورتوں کی تا مرگ سنگساری کو ''اخلاقی بنیادوں'' پر جائز ٹھہرایا جاتا ہے۔(83)

معاشی عالمگیریت کے بھیس میں دنیا بھر کی معاشی قوت ایک مرکز پر بھی مجتمع ہو رہی ہے۔ بڑی معاشی قوتوں کے دباؤ کے تحت حکومتیں سماجی خدمات میں کمی کر رہی ہیں اور معاشی تحفظ کے سلسلوں کو سمیٹ رہی ہیں جس کا نتیجہ ''معاشی تعمیر نو'' ہے جو پوری دنیا میں عورتوں اور بچوں کیلئے خاص طور پر نقصان دہ ہے۔ ترقی پذیر دنیا میں یہ تعمیر نو مقامی تصرف کیلئے خوراک اور اشیاء کی پیداوار سے برآمد کیلئے خوراک اور اشیاء کی پیداوار میں تبدیلی کے ذریعے حاکمیتی طبقات کو امیر تر بنا رہی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ تیسری دنیا کے لوگوں کی غربت میں اضافہ بھی کر رہی ہے جو وہ کچھ پیدا نہیں کر رہے ہیں جس کی انہیں ضرورت ہے اور وہ شہری مراکز میں دستیاب نوکریوں کے اور زیادہ محتاج بنتے جا رہے ہیں۔ نتیجتاً مابعد صنعتی معیشتوں میں اچھی تنخواہ کی نوکریاں کم ہو رہی ہیں' یوں کم تنخواہ کی نوکریوں (جو بالعموم مراعات کے بغیر ہوتی ہیں) کے لئے مقابلہ بڑھتا جا رہا ہے اور خودکاریت یا کاروباری تخفیف کے نتیجے میں نیلی پوش' گلابی پوش اور وسطی نظم و نسق سے متعلق کارکن بے گھری کا شکار ہو رہے ہیں۔ سابقہ سویت یونین سے لے کر ایشیا' افریقہ اور لاطینی امریکہ تک متعدد علاقوں میں جبراً سرمایہ داریت کے ابتدائی دنوں کا لٹیرے امراء کا کھیل دوبارہ کھیلا جا رہا ہے۔ دکانوں پر بچوں کی جبری محنت' عام سیاسی بدعنوانی اور منظم جرائم سے ہماری دنیا بھری ہوئی ہے۔(84) مختصراً ملکوں کے اندر اور ان کے درمیان غریبوں اور امیروں کا فرق بڑھتا جا رہا ہے۔

آبادی کی افزائش بھی منہ پھاڑے موجود ہے دنیا کی آبادی' جو گزشتہ چالیس برسوں میں دوگنی ہو چکی ہے۔ چند دہائیوں میں یہ پانچ ارب سے زیادہ ہو جائے گی جس کی بڑی اکثریت دنیا کے غریب ترین حصوں میں رہائش پذیر ہے اندازہ ہے کہ اکیسویں صدی کے وسط تک ایک مرتبہ پھر آبادی دوگنی ہو جائے گی اور یوں بھوک' تشدد اور انسانی بتلا کے دوسرے اسباب میں اضافہ ہو جائے گا اور دنیا کے قدرتی وسائل پر بوجھ اور بڑھ جائے گا۔ آبادی میں اس غیر پائیدار افزائش کا بڑا سبب حاکمیتی نظاموں کی مرکبات ہے جیسے کہ عورتوں کو تولیدی آزادی دینے سے مسلسل انکار (اور پہلی حاصلات کا بھی چھن جانا) اور تولید کے بجائے زندگی کے دوسرے متبادلات تک عورتوں کی رسائی کو روکنے کیلئے بالعموم متشددانہ کوششیں۔

عورتوں (بالخصوص غربت کا شکار اکیلی ماؤں) اور اقلیتوں کو بعض اوقات مذہبی بنیاد پرستی کے نام پر بیش از پیش قربانی کا بکرا بنایا جا رہا ہے۔ ریاستہائے متحدہ جیسے محفوظ مامون سمجھے جانے والے ممالک میں بھی دہشت گردی بڑھ رہی ہے اور بعض اوقات اس کا ارتکاب خود اس کے اپنے شہری کرتے ہیں۔ ''نسلی تطہیر'' نے بوسنیا اور کوسوو کو پامال کر ڈالا ہے۔ نسل کش جنگ نے روانڈا اور زائرے میں قیامت برپا کی ہوئی ہے اور اس دوران ماس میڈیا نے تفریح کے نام پر تشدد ہی کو توجہ کا مرکز بنائے رکھا ہے۔ تکلیف اور ایذا پہنچانے پر مسلسل زور دیتا رہا ہے جو حاکمیتی سیاسیات اور معاشیات کے بنیادی ستون ہیں۔

مختصراً یہ کہ دو بنیادی انسانی امکانات کی حیثیت سے شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کے درمیان کشمکش کا ابھی کوئی نتیجہ نکلتا نظر نہیں آ رہا۔

دو ممکنہ مستقبل

ہم ایک ایسے مقام پر ہیں جسے سائنسدان نقطہ تقسیم کا نام دیتے ہیں جہاں ہمارے مستقبل کے دو بالکل مختلف منظر موجود ہیں۔

پہلا منظر حاکمیتی نظاموں کا زوال ہے۔ حاکمیتی ماڈل سے رہنمائی پانے والی اعلیٰ ٹیکنالوجی کا غیر پائیدار مستقبل (باکس ''حاکمیت کا استقرار'' ملاحظہ کیجئے) یہ نیوکلیئر بچوں، حیاتیاتی جنگ اور بیش از پیش پیچیدہ دہشت گردی کا مستقبل ہے۔ یہ ایک ایسا مستقبل ہے جہاں فطرت پر حاکمیت کے نام پر اعلیٰ ٹیکنالوجی ہمارے فطری مسکن کو تباہ و برباد اور آلودگی کا شکار کرتی ہے۔

مذہبی بنیاد پرستی کے نام پر نئی مذہب پسندانہ حکومتیں تشدد، بے گناہ کی قربانی، عورتوں پر مطلق کنٹرول کا کھیل دوبارہ رچا رہی ہیں جو قرون وسطیٰ کے بدترین پہلوؤں کا خاصہ تھا۔ بین الاقوامی ضابطوں سے آزاد، میگا کارپوریشن بیشتر معاشی وسائل اور حکومتوں پر کنٹرول قائم کر رہی ہیں اگرچہ قومی ریاست اور زیادہ متروک ہوتی جا رہی ہے مگر اسے اب بھی ایک ایسے آلہ کار کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے جس کی مدد سے حاکمیتی طبقے سیاسی اور معاشی کنٹرول قائم رکھتے ہیں۔ نہ صرف عورتوں اور نظرانداز کئے گئے گروہوں پر بلکہ بہ حیثیت مجموعی تمام لوگوں پر نگہداشت اور دیکھ بھال کے سماجی لحاظ سے ناگزیر ''عورتوں کے کام'' کو اتنا بے وقعت سمجھا جاتا ہے کہ بچوں کی نگہداشت سے متعلق کارکنوں کو پارکنگ کے نگرانوں سے بھی کم معاوضہ دیا جاتا ہے اور گھروں میں بچوں کی دیکھ بھال کو تو کام میں شامل ہی نہیں کیا جاتا۔ یوں امیروں اور غریبوں کے درمیان فرق اور زیادہ بڑھتا جاتا ہے۔(85)

یہ ایک ایسا مستقبل ہے جہاں ترقی یافتہ ٹیکنالوجی ہمارے انسانی امکانات کو اجاگر کرنے کیلئے نہیں بلکہ زیادہ موثر انداز میں کنٹرول اور حاکمیت قائم کرنے کیلئے استعمال کی جائے گی۔ آخرکار یہ ماحولیاتی' نیوکلیائی یا حیاتیاتی تباہی کا مستقبل ہے۔

دوسرا منظر شراکت کا طلوع ہے۔ بنیادی طور پر شراکتی ماڈل کی طرف جھکاؤ کی حامل دنیا کا پائیدار مستقبل (باکس ''شراکت میں تبدیلی'' ملاحظہ کیجئے) یہ ایک ایسا مستقبل ہے جس میں اعلیٰ ٹیکنالوجی کو اس طرح ترقی دی جاتی ہے اور اسے اس انداز میں استعمال کیا جاتا ہے جو ماحولیاتی توازن اور ہماری نوع کے ان امکانات کی تکمیل کو فروغ دیتے ہیں جن سے ابھی تک کام نہیں لیا گیا ہے۔

بین الاقوامی ضابطے' کارکنوں' کمیونٹی اور ہمارے فطری مسکن کے ضمن میں کاروباری احتساب کو یقینی بناتے ہیں۔ نئے معاشی ادارے اور ضوابط' نگہداشت اور دیکھ بھال کے کام کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں' تشدد' استحصال' اور فطرت کی تباہی کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔(86)

اگرچہ شراکتی دنیا میں قومی ریاستیں بھی اپنے انجام کو پہنچ رہی ہیں مگر نسل کش نسلیاتی خانہ جنگیوں سے دامن بچایا جا رہا ہے کیونکہ تنوع کو قابل قدر سمجھا جاتا ہے اور ہمارا مشترکہ شراکتی ورثہ ثقافتوں میں یکجائی پیدا کرتا ہے۔ اگرچہ تشدد اب بھی موجود ہے لیکن حاکمیت کی درجہ بندی کو قائم رکھنے کے ایک ذریعے کی حیثیت سے نظام کے اندر موجود نہیں ہے۔ اگرچہ کشمکش اب بھی موجود ہے جیسا کہ انسانی تعلقات کے ضمن میں یہ ناگزیر ہے لیکن نوجوان افراد کے پاس انہیں تخلیقی انداز میں حل کرنے کے آلات موجود ہیں۔

عورتیں اور مرد ''نجی'' یا خاندانی دائرے اور ''پبلک'' یا خارجی دائرے دونوں میں برابر کے شریک ہیں اور نہ صرف حیاتیاتی والدین بلکہ تمام کمیونٹی بچوں کو قابل قدر سمجھتی ہیں' ان کی پرورش اور تربیت کرتی ہیں جس کا مطلب یہ تسلیم کرنا ہے کہ بچے ہمارا انتہائی قیمتی وسیلہ ہیں۔

یہ شراکتی دنیا ایک ایسی دنیا ہے جس پر انسانی حقوق اور ذمہ داریوں کو معیارات حکمرانی کرتے ہیں۔ ایک ایسی دنیا جہاں صرف ایک بھوک موجود ہے اور وہ ہے علم اور تخلیقی اظہار کی انسانی بھوک' جہاں سب لوگ خوراک' رہائش اور تعلیم کی بنیادی ضرورتیں پوری کر سکتے ہیں۔ یہ ایک ایسی دنیا ہے جہاں ہماری انسانی مہم کے کئی تخلیقی اور ہمدردانہ در وا ہوتے ہیں جہاں انسانی روح پھل پھول سکتی ہے۔ تاہم اس دنیا تک پہنچنے کیلئے بنیادی تبدیلیاں درکار ہیں جن میں ہماری تعلیم میں تبدیلیاں بھی شامل ہیں جو آج اور مستقبل کے بچوں کو یہ جاننے کے قابل بنا سکتی ہیں کہ ہمارے لئے ایک زیادہ منصفانہ' پرامن اور پائیدار مستقبل تخلیق کرنا ممکن ہے بشرطیکہ ہم اس علم اور مہارت کے حامل ہو جائیں جو ایسا کرنے کیلئے

MashalBooks.org

ضروری ہے۔

حاکمیت اور استقرار

لوگ اتنی بڑی انسانی قیمت کے باوجود حاکمیت کی درجہ بندیوں کو قائم رکھنے کیلئے غیر شعوری انداز میں تعاون کرنا کس طرح سیکھ لیتے ہیں؟ اگرچہ اس میں متعدد حرکیات کارفرما ہیں جیسا کہ دوسری تصانیف میں ان سے بحث کی گئی ہے۔(88) لیکن چار حرکیات خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔

اولاً اگر بچپن میں محبت' حاکمیت اور جبر کے ساتھ' جذباتی یا جسمانی بدسلوکی کے ساتھ' تکلیف اور رنج پہنچانے کے ساتھ وابستہ رہی ہے تو حاکمیت اور تسلیم ورضا کا خاتمہ غیر شعوری طور پر محبت کے خاتمے کے مترادف ہوسکتا ہے۔(89) اگرچہ یہ وابستگی مزمن ہو چکی ہے تو یہ ایک ایسا ذہنی سانچہ تشکیل دے دیتی ہے جس کا حامل انسانی تعلقات کے بارے میں صرف اپنے سے بڑوں کے احکامات کی تعمیل (محکوم ہونے کی حیثیت) یا احکامات دینے (حاکم ہونے کی حیثیت) اور یا بغاوت کر کے خود اختیارات سنبھالنے (حاکم بن جانے کی حیثیت) کی اصطلاحات میں ہی سوچ سکتا ہے۔ لہٰذا محبت کے ساتھ' وہ نگہداشت اور دیکھ بھال جس پر چھوٹے ہونے کی صورت میں ہم انسانوں کی بقا منحصر ہوتی ہے۔ حاکمیت اور تسلیم ورضا کی ابتدائی وابستگی ایک انتہائی موثر میکانزم ہے جو حاکمیتی نظاموں کے استقرار کی تہہ میں کارفرما ہوتا ہے۔

یہ تصور ہی کہ ایک شراکتی متبادل وجود رکھتا ہے یہ کہ ہم ایسے تعلقات کے حامل ہو سکتے ہیں جو بنیادی طور پر باہمی تقویت' شفقت اور ہمدردی پر مبنی ہوں ان لوگوں کے لئے بشدید پریشانی کا باعث ہو سکتا ہے جنہوں نے ابتدائے بچپن میں ہی اس ذہنی سانچے کو اپنی ذات کا حصہ بنالیا ہوتا ہے۔ یہ لوگ غیر شعوری بلکہ عصبی سطح پر بھی محبت کو حاکمیت اور تسلیم ورضا کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں۔ اسی لئے ایسے لوگ جن کی سماجی تربیت سخت گیر حاکمیتی خاندانوں اور سکولوں میں ہوتی ہے تبدیلی کے خلاف شدید مزاحمت کرتے ہیں۔ وہ اس بات پر مصر رہتے ہیں کہ حاکمیت اور تسلیم ورضا کی درجہ بندیاں انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔

ایک اور میکانزم جس کے ذریعے لوگ نفسیاتی طور پر بغیر سوچے سمجھے اسی نظام کو فروغ دینے والوں میں ڈھل جاتے ہیں جوان کے اور دوسروں کے لئے بہت زیادہ تکلیف کا سبب بھی ہوتا ہے داخلی بنانے کا عمل ہے یعنی بچپن سے ہی ایک ایسے ذہنی نقشے کو داخلی بنانے کا عمل جس میں انسانیت کے ایک

نصف پر دوسرے نصف کی حاکمیت بالکل نارمل سمجھی جاتی ہے۔ یہ تصور کہ انسان کے ایک نصف (نسوانی ''غیر'') کو زمین پر ''مددگار'' کی حیثیت سے صرف مردانہ نصف کی خدمت کے لئے بھیجا گیا ہے اور یہ کہ (جیسا کہ پنڈورا اور حوا کی کہانیوں میں ہے) ''انسان کے'' تمام مصائب کی ذمہ دار عورت ہے۔ یہ تصور حاکمیت اور محکومیت پر مبنی انسانی تعلقات کیلئے ایک نفسی سانچہ فراہم کرتا ہے۔ مستحکم ہونے کے بعد دوسرے بیرونی گروپوں، نسلوں، مذہب، طبقات اور ثقافتوں کے لئے اس سانچے کی تعمیم آسانی سے ہو سکتی ہے جنہیں پھر کمتر، یا خطرناک بھی سمجھا جانے لگتا ہے۔

حاکمیتی نظاموں کی استقرار کا تیسرا میکانزم یہ حقیقت ہے کہ حاکمیتی ماڈل اپنی فطرت کے تحت لگاتار مصنوعی قلت تخلیق کرتے ہیں۔ نہ صرف مادی بلکہ محبت کی قلت بھی کیونکہ اس نظام کو قائم رکھنے کیلئے ہمدردی اور محبت کی امنگوں کو مستقلاً دبائے رکھنا، یا کم از کم انہیں شدید محدود کیے رکھنا ضروری ہے۔ انہی تباہ کن جنگوں، اسلحے کے خطیر اخراجات اوپر والوں کیلئے وسائل کی غلط تقسیم اور باقی لوگوں کیلئے معمولی سے حصے، حمل کو کنٹرول کرنے کے ذرائع پر عورتوں کے عدم اختیار (جس کا نتیجہ آبادی میں اضافے کی صورت میں نکل رہا ہے) اور تخریبی ''تسخیر فطرت'' کی ٹیکنالوجی کی وجہ سے ہی حاکمیتی نظام آخرکار انتہائی ناکارہ ثابت ہو رہا ہے۔ لیکن یہ معاشی عدم کارکردگی ہی ہے جو اس نظام کی زندگی کا سبب ہے کیونکہ قلت ہی وہ مٹی ہے جس سے حاکمیتی نظام نے تاریخی طور پر جنم لیا ہے اور خود کو نئے سے نئے روپ میں جنم بھی دے رہا ہے۔

چہارم، حاکمیتی معاشروں نے ایسی اساطیر کے ذریعے خود کو تاریخی طور پر قائم رکھا ہے جو معاشرے کی بااختیار شخصیات کو تادیبی والدین کے مماثل قرار دیتی ہیں۔ یہ اساطیر جن کی ہمیں بچپن سے ہی تعلیم دی جا رہی ہے، ابتدائی ادوار سے ہی ہمارا ثقافتی ورثہ ہیں جو حاکمیتی ماڈل کی طرف کہیں زیادہ جھکاؤ کے حامل تھے۔ ہم آج بھی دنیا بھر میں ناراض اور تادیبی دیوی، دیوتاؤں کی اساطیر موجود دیکھتے ہیں جو برائی کا مرتکب ہونے کی وجہ سے انسانیت کو مستقلاً سزا دینے پر تلی ہوئی ہیں۔

بالکل اسی طرح جیسے سخت گیر حاکمیتی خاندانوں میں بچوں کو مستقلاً یہ بتایا جاتا ہے کہ انہیں اس لئے سزا دی جا رہی ہے کیونکہ سزا دینے والے ان سے بڑے ہیں اور بالکل اسی طرح جیسے سخت گیر حاکمیتی خاندانوں میں بچے بڑوں کے خلاف اپنی تکلیف اور غصے کو دبا لینا اور اس کی نفی کرنا سیکھ جاتے ہیں۔ ان مذہبی اساطیر میں بھی اس بات کا مکمل انکار پایا جاتا ہے کہ دیوی دیوتاؤں کے متلون، بے رحمانہ، متشدد اقدامات کسی بھی صورت مستوجب الزام ہو سکتے ہیں اس کے برعکس، ان اقدامات کو دیوتاؤں کی رضا کی

حیثیت سے مثالی سے مثالی بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور اگر کسی کو مستوجب الزام ٹھہرایا جاتا ہے تو وہ دیوتاؤں کے احکامات کی عدول حکمی کرنے والا ہوتا ہے۔ جیا کہ سخت گیر حاکمیتی خاندانوں میں ہوتا ہے۔ان الوہی ہستیوں کو جب محبت کی حامل بنا کر پیش کیا جاتا ہے تو ان کی محبت مکمل اطاعت شعاری سے مشروط ہوتی ہے۔

ان حرکیات سے آگاہی پریشان کن بلکہ تکلیف دہ ہوسکتی ہے لہٰذا انہیں اس انداز میں زیر بحث لانا ضروری ہے جو ہمارے لئے اپنے ردعمل اور احساسات کے آزادانہ اظہار کو ممکن بنا سکتا ہو۔ اگر ہم اس مکالماتی انداز سے کام لیں تو ہم کم از کم لحہ بھر کیلئے تو اپنے مسلمہ مفروضات کو علیحدہ رکھ سکتے ہیں اور دوسرے متبادلات کی تلاش ممکن ہوسکتی ہے۔

شراکت کی تبدیلی

گزشتہ کئی صدیوں کے دوران، سیاسی اور معاشی حاکمیت کی مسلمہ روایات کو چیلنج کرنے کے ساتھ ساتھ مردوں کی عورتوں پر حاکمیت کو بھی چیلنج کیا گیا ہے اور والدین کی ذمہ داری کا عمل درست تدریسیات کی حیثیت سے ''ڈونڈا استعمال نہ کریں اور بچے کو تباہ ہونے دیں'' سے دور ہونا شروع ہوگیا ہے لیکن ہر ترقی پسندانہ تحریک کی شدید مزاحمت کی گئی ہے اور ہورہی ہے۔طاقتور جوابی وار بھی ہوتے رہے ہیں۔

بہت سے لوگ دل شکستہ ہوجاتے ہیں انہیں یہ خوف ہوتا ہے جیسا کہ ہمیں اکثر بتایا جاتا ہے کہ ترقی پسندانہ سماجی تحریکیں ناکام ہوچکی ہیں۔ تاہم ثقافتی قلب ماہیت کے نظریے کے نقطہ نظر سے حاکمیتی رجعتیں حرکی عمل کا حصہ ہیں جہاں شراکتی تحریک کے خلاف جوابی وار، پرانی اور نئی دونوں صورتوں میں اس قسم کے سماجی ڈھانچے، عقائد اور طرز عمل کی تعمیر نو کرتے ہیں جو ہماری ثقافت کے حاکمیتی عناصر کو تقویت دیتے اور مستحکم بناتے ہیں۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ خواہ یہ ہٹلر اور سٹالن کا یورپ ہو، یا خمینی اور طالبان کا وسط مشرق۔ رجعتی ادوار ایسے ادوار ہوتے ہیں جب عورتوں کو مرد حاکمیتی خاندانوں میں اپنے ''روایتی کرداروں'' کی طرف واپس دھکیلا جاتا ہے جہاں بچوں کو کسی بھی حکم کی تعمیل نہ کرنے پر قطع نظر اس سے کہ یہ کتنا آمرانہ یا غیر منصفانہ ہے، سخت سزا دی جاتی ہے۔ آج ہم دنیا کے متعدد حصوں میں جن میں ریاستہائے متحدہ بھی شامل ہے۔ ایسی ہی رجعتی تحریک کا تجربہ کررہے ہیں اگرچہ یہ ہٹلر یا سٹالن کی نسل کشی کی مانند تو نہیں پر

یہاں نام نہاد بنیاد پرست مذہبی رہنما خوف اور نفرت کو ہوا دیتے ہیں۔ زیادہ استبدادی اور مرد حاکمیتی خاندانوں اور سکولوں کی طرف واپسی کی وکالت کرتے ہیں' ایسی سرکاری پالیسیوں کی حمایت کرتے ہیں جن میں فوج اور جیلوں (دفاع' جبر اور سزا) کے لئے تو ہمیشہ خاصے فنڈز مہیا کئے جاتے ہیں لیکن بچوں کی نگہداشت یا معمر افراد کی (ہمدردانہ دیکھ بھال) کیلئے کوئی فنڈز مہیا نہیں کئے جاتے۔

ہم ان جوابی واروں سے کیسے بچ سکتے ہیں؟ میری تحقیق بتاتی ہے کہ اگر ہم ایسی بنیادوں کی تعمیر کیلئے جن میں تعلقات کا ایک کم متشدد منصفانہ اور زیادہ انسانی نظام استوار ہوسکتا ہے صنعتی معیشت سے مابعد صنعتی معیشت میں تبدیلی کے نتیجے میں ہونے والی بے گھری کا فائدہ نہیں اٹھائیں گے تو یہ جوابی وار جاری رہیں گے۔ یہ بنیادیں باہم مربوط پانچ بڑے شعبوں پر مشتمل ہیں بچوں کی شراکتی نگہداشت' شراکتی صنعتی تعلقات' شراکت معاشیات' شراکتی روحانیت اور ان سب پر حاوی رسمی' رسمی اور غیر رسمی شراکتی تعلیم۔(90)

میں نے شراکت کی طرف تبدیلی کو مہمیز کرنے کیلئے تین کلیدی دخل اندازیوں کی نشاندہی کی ہے پہلی بچوں اور عورتوں کے خلاف تشدد کے خاتمے کیلئے کام کرنے والی قومی اور بین الاقوامی اتحادوں کی تشکیل ہے۔ دوسری صنفی انصاف کیلئے مربوط عالمگیر مہم ہے جو عورتوں کی حیثیت' حقوق اور مواقع میں بہتری سے لے کر کمیونٹی کی حمایت پر مبنی خاندانی منصوبہ بندی کی زیادہ دستیابی تک تمام معاملات کا احاطہ کرتی ہے۔ تیسری نئے معاشی ضوابط اور اداروں کی تشکیل سے جو نگہداشت جیسے سماجی طور پر ناگزیر کام کی اہمیت کو تسلیم کرتے اور اسے قابل فیصلہ سمجھتے ہوں۔(91)

دنیا بھر میں نچلی سطح پر ان سمتوں میں ایک مضبوط تحریک پہلے سے موجود ہے جس کی وضاحت ان دو مثالوں سے ہوتی ہے جن میں ذاتی طور پر میں شامل رہی ہوں۔ پہلی مثال "قریبی تشدد کی روک تھام کیلئے روحانی اتحاد" (ایس-اے-آئی-وی) ہے جسے میں نے امن کا نوبل انعام حاصل کرنے والی بٹی ولیمز کے ساتھ مل کر قائم کیا تھا۔ ایس-اے-آئی-وی کا مقصد قریبی اور گھریلو تشدد کے خلاف ایک مضبوط موقف اپنانے کیلئے معروف اور نچلی سطح پر وضع کرنے والی روحانی رہنماؤں' دونوں کی حمایت حاصل کرتا ہے۔ بچوں اور عورتوں کے خلاف یہ تشدد ہماری زمین پر نہ صرف انسانی حقوق کی مقبول عام خلاف ورزی ہے بلکہ بھروسے اور اعتماد سے نہایت بنیادی قسم کی غداری بھی ہے۔ دوسری مثال "اتحاد برائے ہمدردانہ معیشت" (اے-سی-ای) ہے جسے میں نے ایسی پالیسیوں اور معمولات کو فروغ دینے کیلئے قائم کیا ہے جو نگہداشت کے لازمی کام کی اہمیت کو تسلیم کرتے اور اس کا مناسب صلہ دیتے ہوں۔

MashalBooks.org

اس میں والدین کی حیثیت سے ذمہ داریوں کی ادائیگی کیلئے معاوضے سمیت رخصت، بچوں کی نگہداشت سے متعلق کارکنوں کو ریاست کی طرف سے مہیا کئے جانے والے فوائد، اور دوسری ''نگہداشتی معاشی ایجادات'' شامل ہیں جنہیں ابھی تشکیل دیا جانا ہے۔ (مرکز برائے شراکتی مطالعات کی ویب سائٹ <www.paztmecshipmay.o2g7> ملاحظہ کیجئے)

درست ہے کہ ایک زیادہ منصفانہ اور پرامن طرز حیات کی تحریک کو مضبوط اور مستحکم کرنے کیلئے ہمیں ابھی بہت طویل سفر طے کرنا ہے لیکن اگر ہم متذکرہ بالا تین دخل اندازیوں کی سرگرم انداز میں حمایت کریں تو ہم ان غیر متوازن بنیادوں کی تبدیلی کا آغاز کر سکتے ہیں جن پر جوابی وار کے ادوار کے دوران حاکمیتی نظاموں کو بار بار استوار کیا جاتا ہے اور اس کے بجائے ایسی بنیادیں قائم کر سکتے ہیں جن پر ایک بہتر مستقبل تعمیر کیا جا سکتا ہے۔

یہ کوئی آسان کام نہیں۔ مگر ہماری ثقافت اور ہمارا بیشتر عصبی ماحول، انسانی تخلیقات ہیں۔ اگر ہم اپنے ثقافتی ارتقا کے خود آگاہ تخلیق کار بن جائیں تو ہم شراکتی مستقبل میں تبدیلی کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکتے ہیں۔

MashalBooks.org

گنتی سے موجودہ واقعات تک

تعلیم کو بامعنی بنانے کا عمل

مجھے یاد ہے کہ میرے لئے یہ ایک دریافت تھی کہ ایسی عورتیں بھی موجود ہیں جنہوں نے اہم فلسفیانہ تصانیف تحریر کی ہیں۔ یہ ایک انکشاف تھا اور تصدیق بھی۔ میں خصوصاً نسواں پسند فلسفی شارلٹ پرکنز گلمین سے بہت متاثر ہوئی تھی جن کا یہ خیال تھا کہ ''جب تک ہم یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم کیا ہیں، تب تک ہم وہ کچھ بننے کیلئے کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے جو کچھ ہمیں ہونا چاہئے''(1)

میرا خیال ہے کہ اس چیز کی کہ ہم کیا ہیں اور کیا ہو سکتے ہیں ایک حقیقت پسندانہ اور پرامید تصویر پیش کرنا تعلیم کے کلیدی فرائض میں سے ہے اور یہ کہ گزشتہ ابواب میں افقی نصابی دھاگوں کا جو خاکہ پیش کیا گیا ہے اس کا مقصد یہی ہے یہ دھاگے ہماری زندگیوں کو اس حیرتناک ڈرامے میں متمکن کرتے ہیں جو ہماری کائنات ہمارے سیارے اور خود زندگی کے ظہور سے شروع ہوتا ہے اور ارتقائی افق پر ہماری انسانی نوع کے ظہور کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ ہماری ثقافتوں اور ٹیکنالوجی کی تخلیق کے ساتھ سفر کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ ہم اپنے انفرادی اور سماجی مستقبل کے شعوری خالق بن سکتے ہیں۔

اس رزمیہ ڈرامے کے اندر متعدد کہانیاں موجود ہیں جن میں سے چند ایک کا ذکر پچھلے دو ابواب میں ہم کر چکے ہیں اس باب میں ہم دیکھیں گے کہ اس زمین پر ہماری انسانی مہم کے مختلف پہلوؤں سے تعلق رکھنے والی کہانیوں کو شراکتی تعلم کی ٹیپسٹری کے عمودی دھاگوں کے ساتھ بن کر موجودہ نصاب کا حصہ کس طرح بنایا جا سکتا ہے۔ ان عمودی دھاگوں کی دو اقسام ہیں۔

پہلا گٹھا مسلمہ اور مطالباتی شعبوں پر مشتمل ہے۔ تین آر (ریڈنگ، رائٹنگ اور اریتھ میٹک) طبعی

MashalBooks.org

علوم، حیاتی علوم، سماجی علوم، انسانی علوم، آرٹ، موسیقی اور جسمانی تعلیم، مطالعے کی مسلمہ اکائیوں کی مثالیں ہیں۔ حال ہی میں ریاستہائے متحدہ کے مسلمہ نصاب کے حصے کے طور پر نئی مطالعاتی اکائیوں کے جیسے کہ کمپیوٹر خواندگی کے کورسز کا ظہور عمل میں آیا ہے۔

دوسرا گٹھا طلبہ کے لئے فوری دلچسپی کے حامل معاملات پر مشتمل ہے۔ ان میں تعلقات، جنسیت ٹیلی وژن، ماس میڈیا اور اخلاقیات شامل ہیں۔

شراکتی تعلم کی ٹیپسٹری کے کل پہلوؤں کی طرح اور ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں کی طرح عمودی دھاگوں کی یہ دو اقسام بھی اہم گتھی ہوئی ہیں اور اکثر ایک دوسرے کے متراکب ہوتی ہیں۔ مزید برآں جیسے کہ اساتذہ جانتے ہیں تعلم کئی سطحوں پر وقوع پذیر ہوتا ہے وقوف (ذہن)، اثر اندازی (جذبات)، عزم (ارادہ) کیونکہ ہر چیز جسدی عمل سے تعلق رکھتی ہے۔ جسد (جسم) کے ذریعے۔

شراکتی تعلیم وقوف، یا فکر کو پروان چڑھاتی ہے۔ یہ بچوں کے فطری تجسس کو تحریک دے کر ان کے ذہنوں کے عمل کو ابھارتی ہے۔ دراصل جب بچوں کے تجسس کو تحریک مل جائے تو جتنا وقت وہ سیکھنے میں گزارتے ہیں وہ اتنا اچھا ہوتا ہے کہ انہیں اس بات کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ تاہم تعلم کو اثر اور پائیدار بنانے کیلئے نوجوان افراد کے جذبات کو مصروف عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ اثر اور وقوف کے ساتھ جسدی یا جسمانی تعلم کا یہ ملاپ ہی ہے (تعلم کو تجربے پر استوار کرنے میں تعاون) جو عزم یا عمل کرنے کے ارادے پر منتج ہوتا ہے اور آخر کار تعلیم کا مقصد بھی یہی ہے۔

یہاں جو مواد پیش کیا جائے گا وہ اس بات کی توضیح کرتا ہے کہ اساتذہ ان تمام عناصر کو کلاس روم کے کورسز کا حصہ کس طرح بنا سکتے ہیں جن میں حیاتی علوم، ریاضی اور ادب سے لے کر آرٹ تاریخ، اور موجودہ واقعات تک شامل ہیں۔ ہر سیکشن کے شروع میں میں نے ان موضوعات کی فہرست بھی مہیا کر دی ہے جو مضمون کو افقی دھاگوں سے جوڑتے ہیں۔

اس باب میں ہم دیکھیں گے کہ افقی نصابی دھاگوں کے موضوعات کو مسلمہ کلاسوں کے ساتھ جوڑنے کا عمل تعلیم کی ایک زیادہ بامعنی اور رنگین ٹیپسٹری کو کس طرح جنم دیتا ہے۔ ہم ایسی مثالوں سے بھی کام لیں گے جن کا ذکر میں پہلے کر چکی ہوں اور نئی مثالیں بھی استعمال میں لائیں گے۔ پھر آئندہ باب میں ہم طلبہ کے لئے فوری دلچسپی کے حامل معاملات اور اس بات پر بھی متوجہ ہوں گے کہ شراکتی، حاکمیتی تسلسل کے تجرباتی عدسے کے ذریعے یہ معاملات خود کو اس اور اپنی دنیا کو سمجھنے کے لئے مواقع کس طرح مہیا کرتے ہیں۔

MashalBooks.org

ہم ان دونوں ابواب میں اسی بات پر توجہ مرکوز رکھیں گے کہ شراکتی، حاکمیتی تسلسل کے عدسے کا استعمال معلومات کو چھانٹنے، مثبت اقوام اور طرز ہائے عمل سیکھنے اور اپنے مستقبل کی تخلیق میں سرگرم شمولیت کی تیاری میں طلبہ کی مدد کس طرح کرتا ہے۔ چونکہ شراکتی تعلیم کا ایک بنیادی خاصہ یہ ہے کہ یہ منفی توازن کی حامل اور کثیر الثقافتی ہے۔ یہ دونوں باب ایک زیادہ کلیتی نصاب کے اہم پہلوؤں کی حیثیت سے عورتوں، نسلی اقلیتوں اور دوسرے بے اختیار گروہوں سے متعلق مواد کو مربوط بناتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بتاتے ہیں کہ اساتذہ تعلم کے مختلف طریقوں کو مربوط بنا کر سکول کو زیادہ دلچسپ اور مناسبت کا حامل کس طرح بنا سکتے ہیں۔

حیاتی علوم

زندگی کی تمام صورتیں باہم مربوط ہیں۔
باہمی تعاون، ارتقا کا اہم موضوع ہے۔
ان انواع کے بارے میں جاننے سے جن کے لئے تعلقات کا
بنیادی ماڈل، شراکتی ہے''انسانی فطرت'' سے متعلق
غلط تصورات رفع کرنے میں مدد مل سکتی ہے
شراکتی، حاکمیتی تسلسل کے تجرباتی عدسے کا استعمال
ذہنی، جذبات اور عمل کی طرف جھکاؤ رکھنے والے
تعلم کو آسان بناتا ہے۔

کلیتی (کثیر الثقافتی اور منفی توازن کا حامل) انداز نظر، تنقیدی فکر کی عادت کو فروغ دیتا ہے جس میں اہم یہ فہم بھی شامل ہوتی ہے کہ سماجی سیاق وسباق، حقیقت سے متعلق ادراکات اور حقیقت کی تعبیرات کو متاثر کرتا ہے۔

ہماری انسانی نوع کے ارتقا تک پہنچنے والے زمانی سلسلے (جسے باب 3 میں بیان کیا گیا ہے) کو کلاسوں میں پڑھائے جانے والے حیاتی علم کے ساتھ باہم جوڑنے سے کہانیوں کے ذریعے سائنس میں بچوں کی دلچسپی پیدا کی جا سکتی ہے۔ اس چیز کی اہمیت آج خصوصاً زیادہ ہے کیونکہ اکیسویں صدی کی تعلیم کیلئے سائنسی بنیادیں بھی ضروری ہیں۔ یہ چیز دنیائے فطرت کو بہتر انداز میں سمجھنے میں بھی طلبہ کی مدد کرتی ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب شہری زندگی اپنا دائرہ وسیع کر رہی ہے اور نتیجتاً انسانی فطرت سے

منقطع ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ تفہیم بھی از حد اہمیت کی حامل ہو جاتی ہے۔

نچلے درجوں میں حیاتی علوم کی تعلیم کو زندگی کی ایسی صورتوں کے بارے میں کہانیوں کی مدد سے آسان بنایا جاسکتا ہے جو ہماری فطری مسکن میں ہمارے حصہ دار ہیں (باب 3 ملاحظہ کیجئے) جیسا کہ بعض سکولوں میں پہلے ہی اس پر عمل کیا جا رہا ہے بچے اپنے پالتو جانوروں کو کلاس میں لا سکتے ہیں یا بچوں کو چڑیا گھر میں جانوروں کے بچوں کے ساتھ باہم تجربات حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ دونوں سرگرمیاں علم کو تجربے پر استوار کرنے میں مدد دیتی ہیں اور یوں ذہنی یا وقوفی تعلم کو اثری یا جذباتی تعلم کے ساتھ جوڑتی ہیں۔

ہائی سکول اور کالج کے طلبہ تو پہلے ہی تازہ ترین سائنسی دریافتوں کے بارے میں جاننے کے متمنی ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ضرورت کے مطابق انتہائی سہل بنا کر طلبہ کو ان مطالعات کے بارے میں بتایا جاسکتا ہے جو ثابت کرتے ہیں کہ ہم انسان جب ہمدرانہ طرز عمل کا مظاہرہ کرتے ہیں تو ہمیں صلے کے طور پر نیورو ہیپٹائیڈز اور دوسرے کیمیکلوں کے عمل کے ذریعے مسرت حاصل ہوتی ہے۔(2) ان مطالعات کے بارے میں گفتگو خیالات ہی نہیں احساسات کو بھی جگاتی ہے اور یوں فکر کو تحریک دینا اور جذبات کو ابھارنا دونوں کام ممکن ہو جاتے ہیں۔

حیاتی علوم کا مطالعہ ارتقائی سیاق و سباق میں کرنے سے طلبہ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ہم پودوں' درختوں اور متعدد دوسرے زندہ نامیوں کے ساتھ زندگی کے رشتے میں جڑے ہوتے ہیں جو ہماری بقا کو ممکن بناتے ہیں۔ وہ ابتدائی ثقافتی روایات سے بھی واقف ہو سکتے ہیں جو زمین کو بھی تقدیس کا حامل سمجھتی تھیں۔ یہ وہی چیز ہے جسے آج کل ہم ماحولیاتی شعور کا نام دے رہے ہیں۔ یہ احساس کہ یہ روایات جو بعض قبائلی معاشروں میں آج بھی محفوظ ہیں ہمارا گمشدہ انسانی ورثہ ہیں۔ جو دنیا بھر کے خطوں کی ثقافتوں کا حصہ رہا ہے اس احساس کو تقویت دیتا ہے کہ آج ہمیں بھی فطرت کا احترام کرنا چاہئے اور ایک صاف ستھرے اور صحت مندانہ مسکن کو قائم رکھنے کیلئے مل جل کر کام کرنا چاہئے (باکس 5.1 ملاحظہ کیجئے)

میں ایک مرتبہ پھر ان طریقوں کا ذکر کرنا چاہتی ہوں جن کے ذریعے اساتذہ سماجی وحیاتیاتی نظریات کی مقبول عام صورتوں کے پھیلائے ہوئے غلط تصورات کا زیادہ تنقیدی جائزہ لینے میں طلبہ کی مدد کر سکتے ہیں اور یہ تاثر دیتے ہیں کہ چونکہ خاص طرح کی صفات اور طرز ہائے عمل حیوانوں میں موجود ہیں لہٰذا وہ انسانوں کے لئے بالکل ''فطری'' ہیں۔ اگرچہ جانوروں سے متعلق پی-بی-ایس کی

دستاویزی فلمیں بنیادی طور پر شکار خور طرز عمل' دوسرے جانوروں کی گھات لگانا' انہیں ہلاک کرنا اور انہیں اپنی خوراک بنانا پر توجہ دیتی ہیں۔ لیکن جیسا کہ حیوانات رئیسہ کے ماہر فرانز ڈی وال لکھتے ہیں یہ طرز ہائے عمل حیوانوں کی زندگی کے ایک بہت مختصر حصے پر مشتمل ہوتے ہیں۔ چاہے وہ کتنی ہی جارح نوع سے تعلق کیوں نہ رکھتے ہوں ڈی وال بتاتے ہیں کہ 1970ء کی دہائی کے دوران جب جارحیت اور اشتعال پر تحقیق کیلئے فنڈز کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ تو انہوں نے دراز دم میکاک کے جارحانہ طرز عمل کے مطالعے کا کام شروع کیا جو اپنی شدید جنگجوئی کے لئے مشہور ہیں۔ انہوں نے اپنے ساز و سامان سمیت ان بندروں کے ایک مفید گروپ کی لڑائیوں کو ریکارڈ کرنے کیلئے کئی گھنٹے انتظار کیا۔ وہ بتاتے ہیں ''جب میں منتظر بیٹھا تھا تو جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ حیران کیا وہ یہ تھی کہ ان بندروں نے شاید ہی کوئی جھگڑا کیا۔ میں نے حساب لگایا کہ انہوں نے اس سرگرمی پر پانچ فی صد سے بھی کم وقت صرف کیا۔ زیادہ تر وقت وہ کھیلتے رہے' صفائی ستھرائی میں لگے رہے' اکٹھے سوئے رہے' یا کسی پرامن کام میں مصروف رہے۔''(5)

لیکن فطرت سے متعلق ٹیلی وژن پر چلنے والے پروگراموں میں جنہیں لاکھوں بچے اور بڑے دیکھتے ہیں باہمی تعاون کے حامل طرز عمل پر مشکل سے ہی کبھی توجہ دی جاتی ہے۔ یہ انتہائی گمراہ کن ہے کیونکہ باہمی تعاون ارتقا کا اہم موضوع ہے۔ درحقیقت یہ متعدد انواع کی بقا کیلئے مرکزی حیثیت رکھتا ہے جن میں بلوطی ہدہد' بھیڑیوں اور ہاتھیوں سے لے کر ایک بہت مختلف نوع یعنی چمگادڑیں تک شامل ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ خوراک بانٹ لیتی ہیں اور ان چمگادڑوں کا خیال رکھنے کی کوشش کرتی ہیں جو خود ایسا کرنے کے قابل نہ ہوں۔ ایسے پروگرام جو باہمی تعاون کے حامل طرز عمل کو توجہ کا مرکز بناتے ہیں ان میں سے ایک پروگرام پرائم ٹائم پرائمیٹس ہے۔ یہ بی-بی-ایس کی 1996ء کی ایک دستاویزی فلم ہے جس میں ایلن ایلڈا شامل ہیں اور حیوانات رئیسہ میں قیام امن اور باہمی تعاون سے متعلق ڈی وال کے کام کو پیش کیا گیا ہے)

ٹیلی وژن پر دکھائی جانے والی دستاویزی فلمیں بھی حاکمیتی قسم کے منفی تصورات اور تعلقات کو ناگزیر بنا کر پیش کرتی ہیں۔ ایسی دستاویزی فلمیں سائنسی حقیقت کی حیثیت سے یہ دعویٰ تک کرتی ہیں کہ مردانہ فوقیت ہماری جین میں ''پیوست'' ہے اس قسم کی غلط معلومات کو رفع کرنے کیلئے طلبہ کو ایسے مواقع مہیا کرنے چاہئیں جن کی مدد سے وہ مختلف انواع کے جنسی طرز ہائے عمل کی شدید تغیر پذیری اور حیرت انگیزی سے واقف ہو سکتے ہیں۔

باکس 5.1 شراکتی جھکاؤ کے حامل تناظرات

اونچے درجوں کی سطح پر طلبہ ایڈرین زلمین، نینسی ٹیز، بمہرٹو میٹورانا، ڈیوڈ لوئی اور ایلن کومبز جیسے محققین کے جن کا باب 3 اور 4 میں ذکر آیا ہے۔ شراکتی جھکاؤ کے حامل تناظرات کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ وہاں دیئے گئے ماخذوں اور ''مقدس مسرت'' کا اقتباس اور ڈیوڈ لوئی کی ''ڈارون کا گمشدہ نظریہ محبت'' کا اقتباس بھی ملاحظہ کیجئے جس کا اس کتاب کے آخر میں حوالہ دیا گیا ہے۔ اضافی معلومات ''مقدس مسرت'' (باب 2 اور 9) کے ساتھ ساتھ ایویلین فاکس کیلر کی ''صنف اور سائنس سے متعلق تاثرات'' (3) اور لنڈا جین سیفرڈ کی ''نقاب کشائی' سائنس کا نسوانی چہرہ'' (4) سے حاصل کی جا سکتی ہیں جو اس بات کا کھوج لگاتی ہیں کہ اگر سائنس اور سائنسدان ایک روح کے ساتھ کام کر رہے ہوتے جو احساس اور اخلاقیات کا مظہر ہوتی تو پھر سائنس اور سائنسدان کیسے معلوم ہوتے۔

بحری گھوڑے ایک ایسی نوع کی خوشگوار مثال ہیں جن کا جنسی طرز عمل حاکمیت کے بجائے شراکت کا حامل ہے۔ یہ چھوٹی سی خوبصورت مخلوق جب بھی جنسی اختلاط کرتی ہے تو ایک مختصر سے رقص کی صورت میں ایک دوسرے کو چھوتی اور باہم لپٹتی ہے۔ جب مادہ اپنے انڈے نر کے تھیلے میں ڈال دیتی ہے تاکہ وہ انہیں پیدائش کے قابل بنائے تو وہ اکیس دن تک انہیں اپنے تھیلے میں رکھتا ہے تا آنکہ (بڑی طویل ''لیبر'' کے بعد اس تھیلے سے ہی ان کی پیدائش عمل میں آتی ہے (شکل 5.1 ملاحظہ کیجئے)

شاہ پینگوئن بھی پیدائش کے عمل میں حصہ دار ہوتی ہیں جیسا کہ نیشنل جغرافک کی دستاویزی فلم ''برف کے شہنشاہ'' میں دکھایا گیا ہے باپ' ماں کے دیئے ہوئے انڈوں کو سخت سردیوں کے مہینوں میں سیتے ہیں اور اس عمل میں بعض اوقات اپنی جان بھی گنوا بیٹھتے ہیں۔ آخر کار مائیں واپس آتی ہیں اور والدین بڑی محبت سے پھر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔

بونوبو چمپانزی بھی' جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں حیوانوں کے جنسی اختلاط کے بارے میں متعدد عام مفروضات کی تردید کرتے ہیں۔ یہ دلکش حیوانات رئیسہ جنہیں بعض اوقات ٹھگنے چمپانزی کا نام دیا جاتا ہے باوجودیکہ وہ عام چمپانزیوں سے کسی بھی طرح چھوٹے نہیں ہوتے' حالیہ برسوں میں ہی خصوصی مطالعے کا موضوع بننا شروع ہوئے ہیں۔ لہٰذا بیشتر ابتدائی اور ثانوی متون میں ان کے بارے میں بہت کم معلومات دستیاب ہیں۔ (اس ضمن میں ایک اہم استثنیٰ' ایڈرن زلمین کی ''انسانی ارتقا' رنگ

بھریں کتاب'' ہے (6) یہ ایک ایسا ماخذ ہے جو پیچیدہ حیاتیاتی معلومات کو تصاویر کے ذریعے قابل فہم بناتی ہے اور اسے ہائی سکول اور یونیورسٹی کے کورسز میں کامیابی سے استعمال کیا گیا ہے۔)

شکل 5.1 بحری گھوڑوں کا جنسی اختلاط

بحری گھوڑوں کو آج کل عالمگیر قانون تجارت سے خطرہ لاحق ہے۔ انہیں چینی دوائیوں، شہوت انگیز نسخوں، نوادرات اور خوراک میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ہر سال بیس لاکھ بحری گھوڑے ہلاک کئے جاتے ہیں۔ یہ چیز اس عجیب وغریب چھوٹی سی خوبصورت مخلوق کے خاتمے پر منتج ہو سکتی ہے۔

کئی اعتبار سے، دوسرے حیوانات رئیسہ کی نسبت بونوبو چمپانزیوں میں وہ سب کچھ ہے جو ہم انسانوں میں موجود پاتے ہیں۔ وہ حیوانات رئیسہ کے ماہروں کی اصطلاح میں نازک اندام اور چھریرے بدن کے مالک ہیں، ان کی ٹانگیں لمبی ہیں جو چلتے وقت پھیل جاتی ہیں اور بیشتر دوسرے بن مانسوں کی نسبت ان کا سر، کان، گردن چھوٹے ہیں۔ چہرہ زیادہ کشادہ ہے اور ابروز یادہ باریک ہیں۔ یہ حقیقت خصوصی دلچسپی کی حامل ہے کہ انسانوں کی مانند اور بیشتر دوسری انواع سے مختلف بونوبو چمپانزیوں کیلئے جنس کا مقصد محض تولید نہیں بلکہ خالصتاً حظ کا معاملہ ہے اور اس سے بھی بڑھ کر پر مسرت تعلق کا قیام ہے۔

خوراک کے باہمی استعمال کے ذریعے اور جنسی تعلقات کے ذریعے باہم لطف اندوز ہونے کا یہ عمل، اصل میں بونوبو کی سماجی تنظیم کا ایک حیران کن پہلو ہے۔ یہ بات بھی اتنی ہی حیران کن ہے کہ اگرچہ ان کی سماجی تنظیم تشدد سے پاک نہیں ہے لیکن جو چیز دوسرے عام چمپانزیوں کی نسبت کہیں زیادہ حد تک انہیں جوڑتی ہے وہ باہمی فوائد کا تبادلہ ہے جو کہ شراکتی تعلقات کی خاصیت ہے۔ یہ نوع جو ہم سے قریبی تعلق رکھتی ہے سماجی یک جہتی اور نظم وضبط کو برقرار رکھنے کیلئے بنیادی طور پر باہمی لطف اندوزی پر انحصار کرتی ہے اور تکلیف (یا تشدد) کے خوف پر نہیں جو حاکمیت کی کڑی درجہ بندیوں کو قائم رکھنے کیلئے ضروری ہوتا ہے۔

باکس 5.2 بونوبو اور عام چمپانزی

بونوبو چمپانزیوں سے متعلق مواد کیلئے حیوانات رئیسہ کے ماہر ٹاکایوشی کانو کا ''نیچر'' میں چھپنے والا مضمون ملاحظہ کیجئے۔ انہوں نے ان بن مانسوں کا مطالعہ زائرے کے جنگلات میں کیا ہے۔ ایڈرین زلمین کا مضمون ''صنف سے متعلق اساطیر'' (نیچر 364، اگست 12، 1993ء) اور ''مقدس مسرت''

(باب 2) بھی ملاحظہ کیجئے۔ عام چمپانزیوں کے بارے میں مزید مواد کیلئے نیشنل جغرافک کی وڈیو بعنوان ''دی لیجنڈ آف لائف آف جین گڈال'' ملاحظہ کیجئے۔

یہ بات بھی خاصی حیران کن ہے کہ اگر چہ مادہ نر پر حاکم نہیں مگر بونو بو معاشرے میں مادہ بالخصوص معمر مادہ بہت زیادہ اختیار کی حامل ہوتی ہے۔ مزید برآں بونو بو کے گروپوں میں مادہ بونو بو کے باہمی تعلقات کے باعث ہی شکار خور قسم کے جنسی طرز عمل سے بچا جاتا ہے جو عام چمپانزیوں میں موجود ہوتا ہے جہاں نر مادہ پر جبراً جنسی تعلقات مسلط کرتے ہیں (باکس 5.2 ملاحظہ کیجئے)

انسانی جنسیت کے ارتقا کو سمجھنے کیلئے بونو بو چمپانزیوں کا مطالعہ۔ جو عام چمپانزیوں سمیت ہمارے قریب ترین حیوانی رشتے دار ہیں۔ انتہائی مفید ہے اس سے ہمیں یہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ انسانی جنسیت جس کی پرچھائیاں کسی قدر بونو بو میں موجود ہیں وہ کچھ نہیں جسے ہم خود میں ''حیوانی'' سمجھتے ہیں۔ یہ کہ انسانی جنسیت حقیقتاً بیشتر حیوانوں کی جنسیت سے مختلف ہے۔ (اس موضوع سے متعلق مواد کیلئے ''مقدس مسرت'' کے باب 2 اور 14 ملاحظہ کیجئے)

بونو بو چمپانزیوں کو سمجھنے سے طلبہ کو وقوفی آلات کی حیثیت سے شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کے استعمال سے متعلق اپنی مہارتوں کو چمکانے کا موقع بھی میسر آتا ہے۔ مثال کے طور پر ان ماڈلوں کو تجزیاتی عدسے کے طور پر استعمال میں لا کر طلبہ عام چمپانزیوں اور بونو بو چمپانزیوں کے تعلقات بنانے کے عمل کا موازنہ کر سکتے ہیں۔ اس جائزے سے یہ بات سامنے آئے گی کہ اگر چہ عام چمپانزی سخت گیر حاکمیتی سماجی تنظیم کے حامل نہیں، لیکن بونو بو چمپانزی شراکتی ماڈل کی طرف زیادہ قریبی جھکاؤ رکھتے ہیں۔ اصل میں یہاں ہم شراکتی حیثیت کے بنیادی عناصر کو موجود پاتے ہیں۔ بونو چمپانزی نر غالب نہیں وہ عام چمپانزیوں کی نسبت کہیں زیادہ خوراک کو باہم بانٹ کر استعمال کرتے ہیں (یہ ایک مساوات پسندانہ طرز عمل ہے) اور جیسا کہ باب 3 میں توجہ دلائی گئی ہے اگر چہ ان کا معاشرہ تشدد سے مکمل طور پر پاک نہیں ہے۔ وہ افراد کے مابین اور مختلف گروپوں کے درمیان تناؤ کو زائل کرنے اور تشدد کے مظاہرے سے بچنے کیلئے جنسی تعلق کی مسرت کو بڑی کامیابی سے استعمال کرتے ہیں۔

بونو بو کی سماجی تنظیم میں جنسی تعلق کی اہمیت کا مطالعہ کرتے وقت طلبہ کو یہ سوچنے کیلئے کہا جا سکتا ہے کہ جب جنس (جو مسرت کا ذریعہ ہے) زیر بحث ہو تو ہمیں بوکھلا کر گھگھیانا کیوں سکھایا جاتا ہے جبکہ تشدد (جو تکلیف کا باعث ہے) پر بات کرتے وقت یہیں گھبرانا نہیں سکھایا جاتا۔ یہ چیز دکھ درد کے معاملے میں

ہمیں کس طرح بے حس بنا دیتی ہے جو غیر ہمدردانہ تعلقات کے لئے بالکل مناسب ہے؟ جنسی تلذز کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے ہم بوکھلا کیوں جاتے ہیں؟ ہم اس وقت کیوں نہیں گھبراتے جب ایسے طرز ہائے عمل زیر بحث ہوتے ہیں جو جسمانی یا جذباتی تکلیف کا سبب بنتے ہیں۔ حتیٰ کہ سادیت پر گفتگو کرتے ہوئے بھی؟ جیسے جیسے ہم شراکتی ماڈل کی طرف بڑھیں گے تو کیا یہ اسی طرح موجود رہے گا؟

بونوبو چمپانزیوں سے متعلق معلومات کہ وہ کیسے نظر آتے ہیں؟ ہم کس طرح ان میں وہ تاثرات موجود دیکھتے ہیں جو خود ہمارے انسانی جذبات (جیسے کہ بچے کی اپنی ماں کے ساتھ وابستگی) کی پرچھائیاں ہیں؟ سے واقف ہو کر بچوں (اور بڑوں) میں ہمدردی کے ٹھوس جذبات جنم لیں گے۔ اس طرح نوجوان افراد میں زندگی کی دوسری صورتوں کیلئے ہمدردی بھی پیدا ہو سکتی ہے اور یوں ایک ماحولیاتی شعور بھی۔ یہ چیز اخلاقی سوالات کو بھی سامنے لاتی ہے جیسے کہ آیا ہمیں بونوبو چمپانزیوں کو چڑیا گھروں میں قید کرنا اور طبی تجربات کیلئے انہیں استعمال کرنا چاہئے۔

طلبہ میں دوسری انواع کیلئے ہمدردی پیدا کرنا ان تین انواع کی بقا کیلئے خصوصاً اہم ہے جن کا ابھی ذکر کیا گیا ہے۔ بحری گھوڑے، شاہ پینگوئن اور بونو چمپانزیوں جو خاتمے کے بالکل قریب ہیں۔ یہ ہاتھیوں کی زندگی اور موت کا معاملہ بھی ہے جنہیں آج کل ہاتھی دانت کیلئے بے رحمی سے ہلاک کیا جا رہا ہے۔ جب ہم ان انواع کو سمجھ لیتے ہیں تو اس سیارے پر ان کے تحفظ کیلئے ان کی خاطر اور خود اپنی خاطر کچھ نہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ وہ جنگلوں میں رہ کر تعلق کس طرح بناتے ہیں۔ یہ چیز زمین پر زندگی کے امکانات کی غیر معمولی زرخیزی کے متعلق ہمیں بہت کچھ بتاتی ہیں۔

یہ چیز ہمیں خود ہماری نوع اور مربوط تعلم کے تیسرے عنصر تک لے جاتی ہے یعنی عزم، عمل کرنے کا ارادہ، موثر تعلیم نہ صرف اس بات کی متقاضی ہے کہ ہم سوچنے اور محسوس کرنے کی اپنی عظیم انسانی استعداد کو پروان چڑھائیں بلکہ یہ عمل کرنے کی استعداد کو پروان چڑھانے کا تقاضا بھی کرتی ہے۔ حیاتی علم کی کلاسیں طلبہ کو یہ سمجھانے میں مددگار ہو سکتی ہیں کہ ہم سب ایک دوسرے کے ساتھ اور اپنے فطری مسکن کے ساتھ باہم مربوط ہیں۔ یہ کہ جب ہم صرف خودغرضی اور لالچ کے تحت عمل کرتے ہیں تو اس کے بڑے اثرات ہم سب کو سہنے پڑتے ہیں۔ جب ہم اس طرح عمل کرتے ہیں تو نہ صرف اپنی کمیونٹی بلکہ خود اپنی زندگی کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ اپنے سیارے کے حیاتی تنوع کو تباہ کر کے ہم نہ صرف زندگی کی دوسری صورتوں کو تباہ کرتے ہیں بلکہ خود کو اور مستقبل کی نسلوں کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں۔

حیاتی علم کی کلاسوں میں طلبہ کاروباری لوگوں کے متعلق جاننے میں دلچسپی لیں گے جو کاروبار کے

موجودہ انداز کو تبدیل کرنے کیلئے کوشاں ہیں اور اسے ماحولیاتی اور سماجی اعتبار سے زیادہ ذمہ دارانہ بنانا چاہتے ہیں۔(7) لیکن ان کے لئے یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ اس دنیا میں لوگوں کی کافی تعداد کو تبدیل کرنے کیلئے وسیع تر جمانی اور معاشی نظام کو تبدیل کرنا ضروری ہے۔

یہاں پھر شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کی تقسیم مفید ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس سے یہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ معاشی مواقع اور بندشیں افعال کو کس طرح مشکل کرتی ہیں مثال کے طور پر جب لوگوں کا روزگار خطرے میں ہو تو وہ اس بات سے بالکل منکر ہو جاتے ہیں اور آخری منٹ تک انکار کرتے رہتے ہیں کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں نقصان دہ ہے۔ یہ نکتہ 1966ء میں سگریٹ کی صنعت سے متعلق کانگریس کی سماعتوں کے دوران ڈرامائی طور پر سامنے آیا۔ خطرے کی گھنٹیاں بجانے والے بھی یقیناً موجود ہیں لیکن موجودہ نظام انہیں صلہ نہیں دیتا یا تحفظ بھی مہیا نہیں کرتا۔ جس چیز کی ضرورت ہے وہ نئے معاشی ضوابط ہیں جو صلہ دینے کے بجائے جیسا کہ ابھی تک عام طور پر ہو رہا ہے ماحولیاتی طور پر تباہی کے حامل طرز ہائے عمل کی حوصلہ شکنی کرتے ہوں۔

اس ضمن میں میری کتاب ''مقدر کی تعیین نو'' اور بالخصوص سماجی، معاشی، سیاسی اور ماحولیاتی خواندگی پر اس کے ابواب ایک اچھا ماخذ ہیں۔ وڈیو پراجیکٹ جو ایک محفوظ اور پائیدار دنیا سے متعلق کنڈر گارٹن سے بارہویں گریڈ تک کیلئے موزونیت کی حامل وڈیو تقسیم کرتا ہے(8) الائنس برائے نگہداشتی معیشت جو تبدیل ہوتے ہوئے معاشی ضابطوں پر توجہ دیتا ہے(9) اضافی ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

فطری علوم کا مطالعہ نوجوان افراد کو یہ سمجھنے کا موقع بھی فراہم کرتا ہے کہ سائنسی علم ثقافتی طور پر کس طرح متعین ہوتا ہے۔ خاص طور پر جب نصاب میں منفی تناظرات شامل ہوں (باکس 5.3 ملاحظہ ہو) تو طلبہ اس بات کو سمجھنے لگتے ہیں کہ سائنسی شعبوں سے عورتوں کی بے دخلی کے ساتھ ساتھ مغربی سائنسی منہاجیات اور نظریے نے ہر اس چیز کو نکال باہر کیا ہے جسے نسوانی سمجھا جاتا تھا۔ جیسے کہ معروضی (بے تعلق) مشاہدے کے بجائے ہمدردانہ (تعلق کا حامل) مشاہدہ۔

سائنس میں عورتوں کی بڑھتی ہوئی شمولیت نے سائنسی منہاجیات میں سے نسوانی سمجھے جانے والے انداز ہائے نظر کی بے دخلی کے عمل کو تبدیل کرنا شروع کر دیا ہے مثلاً باربرا مک کلنٹک نباتی جنیات میں اپنے کام میں، جس کیلئے انہیں 1983ء میں نوبل انعام دیا گیا۔ اس طریقے کو استعمال کیا جسے ایویلین فاکس کیلر نے ''نامیے کیلئے احساس'' کے طور پر بیان کیا ہے(16) حیوانی نسلیات کے ماہرین جیسے کہ جین گڈال، ڈیان فاسی اور سنتھیا ماس کے کام نے بھی اسی طرح صبر آزما مشاہدے کے ساتھ ہمدردانہ

انداز کو ملا کر اپنے شعبوں کو بدل ڈالا ہے۔

دونوں اصناف کے سائنسدان وجدانی، ہمدردانہ اور معروضی طریقوں کے ملاپ کی طرف آنا شروع ہوگئے ہیں جو سائنس میں بے پایاں اضافے کا سبب بن رہے ہیں۔ مثال کے طور پر جیسا کہ سائنسدان، مشاہدے کے زیادہ متوازن اسلوب کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اور نظریات کو ایسے مشاہدات پر استوار کر رہے ہیں جس میں نہ صرف درست مقداری پیمائشیں بلکہ اقداری کیفیتی پیمانے بھی شامل ہوتے ہیں۔ اسی طرح طبیعیات کے ماہرین فطرت میں ابہام کی موجودگی کو قبول کرنے اور اس کا مشاہدہ بھی کرنے لگے ہیں (17) اس ضمن میں معروف ترین دریافت یہ ہے کہ روشنی نہ تو خالصتاً مادہ (ذرات) ہے نہ توانائی (لہریں) بلکہ دونوں کا مجموعہ ہے۔ اس زیادہ کلیتی اندازِ نظر کے استعمال کے سبب سائنسدان ٹیکنالوجی کے حوالے سے اہم اطلاقات کی طرف بھی متوجہ ہو رہے ہیں۔ جیسے کہ ایسے کمپیوٹروں کی تشکیل جو ثنائی پیمائشوں کے بجائے تعمیمات کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ ''غیر واضح منطق'' کے حامل یہ کمپیوٹر مثال کے طور پر اگر کوئی کمرہ ٹھنڈا ہو جائے تو ایئر کنڈیشننگ کو آن یا آف کرنے کے بجائے اسے بتدریج کم کر سکتے ہیں۔ یوں بہت سی توانائی کو بچا سکتے ہیں۔ یہ بات بھی کسی انکشاف سے کم نہیں کہ ''غیر واضح منطق'' کی ترکیب ماضی میں عورتوں کے عملِ فکر کی تحقیر کیلئے استعمال کی جاتی تھی۔ (18)

باکس 5.3 سائنس سے متعلق صنفی تناظر

صنفی تناظر سے متعلق اچھے ماخذ یہ ہیں۔ ڈیوڈ نوبل ''عورتوں کے بغیر ایک دنیا' مغربی سائنس کی مسیحی کلیسائی ثقافت'' (10)

مارگریٹ وارٹ ہائم ''فیثا غورث کے پائجامے' خدا' طبیعیات اور صنفی جنگیں۔ (11) رتھ بلیئر' ایڈیٹر' سائنس سے متعلق نسواں پسند اندازِ فکر'' (12) لنڈا جین شیفرڈ ''نقاب کشائی' سائنس کا نسوانی چہرہ'' (13) ایویلین فاکس کیلر ''صنف اور سائنس سے متعلق تاثرات'' (14) کثیر الثقافتی سائنس کی تدریس کے موضوع سے متعلق مواد کے لئے مائیکل جے کیڈوٹو اور جوزف بروچک کی '' زمین کے نگہبان'' (15) ملاحظہ کیجئے۔

کثیر الثقافتی تناظر کے حوالے سے سائنس کی تدریس طلبہ کو یہ سمجھنے میں مدد دے سکتی ہے کہ علم کی سماجی تشکیل کیسے عمل میں آتی ہے۔ جیسا کہ جیمز اے بینکس نے لکھا ہے۔

علم کی مختلف اقسام کو پیش کرنے کا بڑا مقصد طلبہ کو یہ سمجھنے کے قابل بنانا ہے کہ علم کی تعمیر کس طرح

MashalBooks.org

ہوتی ہے اور یہ اس سیاق وسباق کی عکاسی کس طرح کرتا ہے جس میں یہ تخلیق ہوتا ہے۔ ان میں وہ تفہیمات اور مہارتیں پیدا کرنا بھی ہے جو خود علم کے معمار بننے کیلئے درکار ہوتی ہے۔ کثیر الثقافتی تعلیم کا ایک اہم مقصد سکول کے نصاب کی قلب ماہیت ہے تاکہ طلبہ نہ صرف وہ علم حاصل کرسکیں جسے دوسروں نے تعمیر کیا ہے بلکہ وہ یہ بھی سیکھ سکیں کہ جس علم پر انہوں نے عبور حاصل کیا ہے اس کا تنقیدی تجزیہ کس طرح کیا جائے اور ماضی، حال اور مستقبل کی خود اپنی تعبیرات کس طرح تعمیر کی جائیں۔(19)

مختصراً فطری علم کا مطالعہ نوجوان افراد کو یہ سمجھنے کے قابل بناتا ہے کہ ادب، آرٹ، فلسفے اور دوسرے انسانی کار اندازیوں کی طرح سائنس اور ٹیکنالوجی بھی اپنے ثقافتی سیاق وسباق کی عکاسی کرتی ہے۔ رضاحتاً طلبہ ایسے مظہرات کا جائزہ لے سکتے ہیں کہ شراکت کی طرف زیادہ جھکاؤ کے حامل مائنونی ٹیکنالوجی کے حوالے سے اپنے وافر علم کو سب کے لئے ایک اعلیٰ معیار کو یقینی بنانے کی خاطر استعمال کرتے تھے اور یہ کہ اگرچہ ان کے پاس ہتھیار تھے لیکن آلات حرب یا قلعہ بندی میں بڑی سرمایہ کاری کی کوئی شہادت موجود نہیں۔ زندگی کو تباہ کرنے والی ٹیکنالوجی کے بجائے زندگی کو تقویت دینے والی ٹیکنالوجی کی یہ اہمیت انڈو یورپی حملوں کے ہمراہ آنے والے حاکمیتی جھکاؤ سے قبل کے بیشتر یورپی نو حجری دور کا خاصہ بھی رہی ہے جبکہ انڈو ریورپیوں نے ٹیکنالوجی میں اپنی سرمایہ کاری کو ہتھیاروں پر مرتکز کیا۔ ان کے سرداروں کے مقبروں میں ہتھیاروں کے ڈھیر کے ڈھیر دریافت ہوئے ہیں اور یہی وقت تھا جب قدیم یورپ میں انڈو یورپیوں کی پیش رفت کے ساتھ دستکاریوں جیسے کہ ظروف سازی اور فنون کو زوال آتا گیا۔ ایسے شواہد بھی دستیاب ہیں کہ یورپیوں سے رابطے کے وقت شمالی امریکہ کے بعض مقامی لوگوں نے زندگی کو بہتر بنانے کیلئے (مقامی ادویات اور ادویہ سازی یورپیوں کی نسبت خاصی ترقی یافتہ تھی) زیادہ تر سرمایہ کاری ہتھیاروں کے بجائے سائنس اور ٹیکنالوجی میں کی ہوئی تھی۔ یقیناً ماحولیات یعنی زندہ چیزوں اور ان کے ماحول کے مابین باہمی تعاملات کا علم، امریکی انڈین کی داستانوں کی روحانی روایات میں پائی جانے والی قدیم حکمت کی یادگار ہے جو ہماری زمین پر زندگی کے باہمی ارتباط کی اہمیت کو یہ اصرار ظاہر کرتا ہے۔

<u>ریاضی</u>

دنیا بھر کی بیشتر ثقافتوں کے لوگ قبل تاریخی دور سے یہ اعداد کے استعمال سے واقف رہے ہیں۔

عورتوں نے اعداد کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

ریاضی کو شراکتی معاشرے کی تعمیر کیلئے ایک آلہ کار کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔

MashalBooks.org

ہماری اعلیٰ ٹیکنالوجی کے عہد میں ریاضی کا شعبہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ ابتدائی سالوں میں طلبہ کو ریاضی کی تعلیم کے حصول پر ابھارنے کیلئے اور ریاضی سے متعلق پریشانی (جو بعدازاں سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں ان کے لئے مشکلات پیدا کرتی ہے) کا مقابلہ کرنے کیلئے ریاضی کی تعلیم کیلئے سیاق وسباق کے حامل طریقوں کو استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔

ریاضی کو دلچسپ بنانے کا ایک طریقہ تو اس کے کثیر الثقافتی رابطوں کو واضح کرنا ہے (باکس 5.4 ملاحظہ کیجئے) ریاضی کی کہانی کی ابتدا یونانیوں سے کرنے کے بجائے جیسا کہ روایتی طور پر کیا جاتا رہا ہے۔ یہ مواد طلبہ کو یہ سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ ریاضی کلیتا مغربی فکر کا ثمر نہیں۔ یہ کہ اس کے برعکس دنیا کی متعدد ثقافتیں ریاضیاتی تصورات تشکیل دیتی اور انہیں استعمال کرتی رہی ہیں مثلاً ہمارے اعدادی نظام کی علامات کو بعض اوقات عربی اعداد کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ یہ عرب ثقافتوں کی ایجاد تھے اور گنتارا یا ایبیکس جو چین میں ایجاد ہوا جدید حسابی مشینوں کا پیش رو تھا۔ علاوہ ازیں بیشتر ثقافتوں نے کیلنڈر تشکیل دے دیئے تھے اور جیسا کہ ہم نے باب 4 میں دیکھا اور دنیا کی متعدد ثقافتیں بالعموم ریاضی کو پیچیدہ فلکیاتی حساب کتاب کے لئے استعمال کرتی رہی ہیں۔

جیسا کہ کرسٹین سلیٹر لکھتی ہیں "کثیر الثقافتی انداز میں ریاضی کی تدریس نسلی مرکزیت کو رد کرتی ہے اور ریاضیاتی نظاموں کا موازنہ کرنے کیلئے جو ہماری تاریخ میں انسان مختلف مقاصد کیلئے وضع کرتے رہے ہیں بچوں کی حوصلہ افزائی کرکے انہیں ریاضی کو بہتر انداز میں سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ نسلی ریاضیات طلبہ کو ایسے عملی مسائل حل کرنے کی طرف لاتی ہے جن کے ذریعے دنیا بھر کے متمدن لوگوں نے ریاضیاتی علم کو تشکیل دیا ہے" یہ ریاضی کی تدریس کا ایک اہم پہلو ہے کیونکہ جیسا کہ سلیٹر توجہ دلاتی ہے۔ بچے سکول آتے ہیں تو ریاضی کا روزمرہ کا عملی علم ان کے پاس ہوتا ہے اور اساتذہ اس بنیاد پر عمارت تعمیر کرسکتے ہیں۔(26)

یہ مشاہدہ ایک اور اہم پہلو پر منتج ہوتا ہے جس کی مدد سے بچوں کو کامیابی سے ریاضی کی تعلیم کی طرف لایا جاسکتا ہے یعنی ریاضی کی تدریس میں محض ایک ذہنی جہت کے بجائے ایک جذباتی جہت کا اضافہ۔ اس کا ایک طریقہ تو ریاضی کے مکالمے کو ہماری روزمرہ زندگیوں کے ساتھ جوڑنا ہے۔ مثال کے طور پر ہم گھریلو بجٹ بنانے میں اعداد سے کام لیتے ہیں۔

کثیر الثقافتی تناظر کے حوالے سے ریاضی کی تدریس

کثیر الثقافتی تناظر کے حوالے سے ریاضی کی تدریس کے لئے دو بہترین ماخذ ''ریاضی، سائنس، ٹیکنالوجی اور کثیر الثقافتیت'' (20) اور ''ثقافتیں اور ریاضی (21) ہیں۔ موخرالذکر آمدنی کی ریاضیات اور مڈغاسکر سالیٹیئر (تاش کا کھیل) کو بیان کرتی ہے اور مختلف قبائلی ثقافتوں میں ٹوکریوں کی بنائی کے ریاضیاتی نمونوں کی مثالوں کو سامنے لاتی ہے۔ اس ضمن میں اضافی ماخذ کلاڈیانہ سیلامسکی کی ''ٹک-ٹیک-ٹو اور ایک قطار میں تین جیسے دوسرے کھیل، قدیم مصر سے جدید کمپیوٹر تک'' (22) زیسلا فسکی کا مضمون ''ساری دنیا ریاضی کی کلاس میں'' (23) میورئیل فیلنگ کی ''موجا مطلب ایک، گنتی کی سواحلی کتاب'' (24) اور ڈی-نیلسن، جی-جوزف اور جے-ولیمز کی ''کثیر الثقافتی ریاضیات ایک عالمگیر تناظر سے ریاضی کی تدریس'' (25) ہیں۔

ہمیں کاروبار اور کارپوریٹ مالیات اور ساتھ ہی ساتھ حکومتی بجٹ کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہ سب کچھ براہ راست انداز میں ہماری زندگیوں کو متاثر کرتا ہے۔ یہ جان کر کہ حکومتی بجٹ بنیادی طور پر ترجیحات کا ایک مجموعہ ہوتا ہے جس میں بڑی ترجیحات کیلئے بڑے اعداد رکھے جاتے ہیں اور ایسے معاملات کیلئے چھوٹے اعداد یا کوئی اعداد نہیں رکھے جاتے جنہیں قانون ساز قابل ترجیح نہیں سمجھتے ہیں۔ طلبہ سیاسی فیصلوں کو زیادہ بہتر انداز میں سمجھ سکتے ہیں وہ ایسی پالیسیوں کا جائزہ بہتر انداز میں لے سکتے ہیں جیسے کہ تمباکو کی پیداوار کے لئے اعانت مہیا کرنا جبکہ کم آمدنی کے حامل گھرانوں میں پیدا ہونے والے بچوں کیلئے فنڈز میں کٹوتی کرنا۔

یہ علم شہریوں کو بنیادی سیاسی اور معاشی معاملات پر زیادہ توجہ مبذول کرنے کی طرف لاتا ہے مثلاً معاشی نانصافی کو بہتر طرور پر سمجھنے اور اسے تبدیل کرنے کیلئے شماریات کی کچھ سمجھ بوجھ ضروری ہے۔ غریب کی دل گرفتہ تصویر میں اعداد ٹھوس حقائق کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ریاستہائے متحدہ کی حکومت کے ان اعداد وشمار پر غور کیجئے۔1989ء میں امریکی آبادی کا ایک فیصد امریکی دولت کے 48 فیصد کا مالک تھا جبکہ 80 فیصد لوگوں کے پاس صرف چھ فیصد دولت تھی اور 1990ء کی دہائی میں فاصلہ گھٹنے کے بجائے بڑھ گیا ہے۔(27) اگرچہ میڈیا کا اصرار ہے کہ 1996ء میں وسطانی (نقطہ وسط یا اوسط پر واقع) گھرانوں کی آمدنی میں 1.2 فیصد اضافہ ہوا لیکن درحقیقت امریکی شماریاتی بیورو کے اعداد وشمار کے مطابق آمدنی کے حساب سے نچلی سطح کی 20 فیصد آبادی کی آمدنی میں پچھلے سالوں کی نسبت 1.8 فیصد کمی واقع ہوئی ہے جبکہ آبادی کے 20 فیصد امیر ترین افراد کی

آمدنی میں 2.2 فیصد اضافہ ہوا۔(28)

ریاضی کی تعلیم اور یوں انسانی ثقافت زندگی کے ایک اہم پہلو کی حیثیت سے اعداد پر توجہ مرکوز کرنے کے قابل ہونا' خبریں پڑھنے یا ٹیلی وژن پر خبریں سنتے وقت زیر بحث معاشی اعداد وشمار کے ضمن میں طلبہ کو تیز فہم بنانے میں مددگار ہوسکتی ہے۔اس طرح وہ کیفیتی' معلومات کو جیسے کہ پریشان حال لوگوں کے بہی کھاتے اور بے مایہ لوگوں کی جدوجہد' مقداری' معلومات کے ساتھ یکجا کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں جیسے کہ غربت اور اس رقم سے متعلق اعداد وشمار جو سیاستدان مختلف پروگراموں کیلئے مختص کرتے ہیں۔

مختصراً ریاضی کو حقیقی زندگی کے سیاق وسباق میں زیر بحث لانے سے اپنی دنیا کو مقداری اور کیفیتی مفہوم عطا کرنے کے ایک ذریعے کی حیثیت سے طلبہ کو ریاضی کے پڑھنے کی تحریک مل سکتی ہے۔ یہ چیز انہیں ایک زیادہ منصفانہ اور شراکتی جھکاؤ کی حامل دنیا کیلئے کام کرنے کیلئے بھی ابھار سکتی ہے۔(باکس 5.5 ملاحظہ کیجئے)

اعداد میں طلبہ کی دلچسپی کو ابھارنے اور راسخ کرنے کا ایک طریقہ یہ سوالات اٹھانا ہے کہ ہم انسانوں نے اعداد ''کیوں اور کیسے'' ایجاد کئے۔ بالائی حجری دور کا آرٹ ان سوالات کے ضمن میں دلچسپ مواد مہیا کرتا ہے۔ یہاں ہمیں قدیم زمانی سلسلے کے ابتدائی نشانات دستیاب ہوتے ہیں جو جیسا کہ الیگزینڈر مارشک توجہ دلاتے ہیں فطرت کے ادوار کی ترقی یافتہ (بلکہ جیسے ہم سائنسی یا کم از کم تجربیت پر مبنی) تقسیم کا پتہ دیتے ہیں۔نہ صرف یہ بلکہ نشانات اس بات کے اہم سراغ فراہم کرتے ہیں کہ ہمارے آباؤاجداد نے اعداد پہلے کیوں ایجاد کئے۔

باکس 5.5 ریاضیات اور حقیقی زندگی کا تناظر

کچھ اچھے ماخذ یہ ہیں ہولی سکلر کا مضمون ''ایک ملک کا تصور کریں'' (29) گریگری مینٹسیاس کا مضمون' ''طبقات اور امریکہ' فسانے اور حقیقتیں'' (30) نیوز لیٹر ''ازحد'' (31) پال کیوں والین کریٹن کا مضمون' ''امن کا قیام'' سماجی انصاف کے طور پر تشدد کا تدارک'' (32) ہولی سکلر کی کتاب ''بدنظمی یا کمیونٹی بری معاشیات کیلئے قربانی کے بکرے ہیں' حل کی تلاش'' (33) ایم فرینکن سٹین کی ''ریاضی کی تعلیم نو ایک مختلف تیسرا آر۔ نیا ریاضی'' اور نینسی فولبرے کی ''امریکی معیشت کے بارے میں نئی فیلڈ گائیڈ'' (34) جیف گیٹس کی ''ملکیت کا حل'' (35) کی طرح میری کتاب ''مقدر کی تعیین نو'' کے سماجی' معاشی اور سیاسی خواندگی سے متعلق ابواب ایک اچھا ماخذ ہیں۔(سماجی اور معاشی ترجیحات

MashalBooks.org

سے متعلق مزید بحث کیلئے موجودہ واقعات کا سیکشن ملاحظہ کیجئے)

الفاظ کی طرح اعداد ذہنی آلات ہیں۔علامات کی تشکیل کو ہم اعداد کا نام دیتے ہیں اور گنتی کے سیکھنے سے ہی ہمارے آباؤاجداد کیلئے وقت کی اکائیاں جنہیں ہم دن اور مہینے کہتے ہیں' وضع کرنا ممکن ہوا تھا۔ وقت کا حساب کتاب رکھنے سے وہ اس بات کی درست پیشن گوئی کرنے کے قابل ہو گئے کہ سرما کی برف کب پگھلے گی اور بہار کی آمد کب ہوگی۔موسموں کی پیشین گوئی کی ضرورت اس چیز کی ایک وجہ ہوسکتی ہے کہ ہمارے آباؤاجداد نے گنتی کے نظام کیوں تشکیل دیئے۔خوراک اکٹھی کرنے اور شکار پر مبنی معیشت کیلئے اس قسم کے علم کی اہمیت بہت زیادہ تھی کیونکہ اس کا انحصار بہار میں سبزہ وگل کی پیدائش نو سے جنم لینے والے خوراک کے نئے ذرائع سے متعلق توقعات پر ہوتا تھا۔

اعداد کی ایجاد کا ایک اور ممکنہ سبب یہ ہے کہ اعداد کا سلسلہ جسے ہم گنتی کہتے ہیں عورتوں کو یہ جاننے کے قابل بناتا ہوگا کہ ان کا حیض کا اگلا دور کب شروع ہوگا۔اعدادی نظاموں کی ابتدا سے متعلق اس چیز کا پتہ ایک غار کے دہانے پر کھدی ہوئی 30000 ہزار سال پرانی ایک نہایت اہم عریاں نسوانی شبیہہ سے ملتا ہے جو فرانس کے جنوب میں واقع ہے اور جہاں غالباً قدیم رسومات کا انعقاد ہوتا تھا۔یہ شبیہہ جسے لاؤسیل کی زہرہ سے موسوم کیا جاتا ہے اپنے ایک ہاتھ میں ہلالی چاند پکڑے ہوئے ہے جس کے تیرہ دندانے ہیں جبکہ دوسرا ہاتھ اس کے پیٹرو کی مثلث کی نشاندہی کر رہا ہے۔(شکل 5.2 ملاحظہ کیجئے) تیرہ سال کے قمری مہینوں کا عدد ہے جو بلاشبہ ہمارے آباؤاجداد کے وضع کئے ہوئے وقت کے ابتدائی ادوار ہیں کیونکہ چاند کا گھٹنا اور بڑھنا صاف طور پر قابل مشاہدہ مظہر ہے لیکن تیرہ حیض کے ادوار کا عدد بھی ہے جو عام طور پر ایک سال میں واقع ہوتے ہیں اور یہ ادوار فطرت میں چاند کے ادوار سے مطابقت رکھتے ہیں۔یہ چیز ایسے قبائلی معاشروں میں جہاں گیس یا بجلی جیسے روشنی کے ذرائع (جو بصورت دیگر حیض کے ادوار کے نقشے کو کسی حد تک متاثر کر سکتے ہیں) مفقود ہیں بہت عیاں ہوتی ہے۔دراصل ایسے شواہد موجود ہیں کہ حجری دور میں عورتوں کا اپنے حیض کے ادوار کا حساب کتاب رکھنا پیدائش کے عمل پر نظر رکھنے کے ساتھ جڑا ہوا تھا کیونکہ جب چاند پورا ہونے کے قریب ہو تو عورتیں بیض ریزی پر مائل ہوتی ہیں (ایسے ہی ان میں حمل ٹھہرنے کا زیادہ امکان ہوتا ہے) جبکہ ناپید آور ادوار کو قمری دور کے دوسرے حصے کے ساتھ وابستہ کیا جاتا ہے۔(36)

اس دیوی کی یہ ابتدائی شبیہہ قدیم حجری دور کی ایک چٹان پر کھدی ہوئی پائی گئی تھی۔ بشکریہ "شراکتی انداز زندگی اور

MashalBooks.org

اعداد کو ایک شراکتی تناظر میں رکھ کر دیکھنے سے جس میں عورتوں کی حیثیت مرد کی مددگار سے زیادہ ہوتی ہے اس تصور کو رفع کرنے میں مدد ملتی ہے جس کی ترسیل زیادہ تر مروجہ نصاب کے ذریعے ہوتی ہے کہ انسانی ثقافت اور ٹیکنالوجی کی تخلیق میں عورتوں کا کوئی کردار نہیں ہے۔ اس ضمن میں یہ بات دلچسپی کی حامل ہے کہ متعدد قدیم روحانی روایات میں نسوانی دیویوں کو مثلاً مصری ہاتھور اور ہندی سرسوتی کو اعداد اور ابجد دونوں کا موجد سمجھا جاتا ہے۔ ایسی اساطیر بھی موجود ہیں جیسا کہ ہم باب 4 میں دیکھ چکے ہیں جو انتہائی اہم انسانی ٹیکنالوجی یعنی زراعت کی ایجاد کو عورتوں کا کارنامہ قرار دیتی ہیں۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قدیم زمانے میں عورتوں کی ثقافتی خدمات کو تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جس سے بچوں کا واقف ہونا ضروری ہے۔

عورتوں کے کارناموں اور خدمات کا علم اور وہ بھی ایسے شعبوں میں جو عام طور پر روایتی نصاب میں ان سے وابستہ نہیں کئے جاتے لڑکیوں کیلئے ازحد اہمیت کا حامل ہے لڑکیوں کو عورتوں کے ایسے رول ماڈلوں کی ضرورت ہے جنہوں نے ان سائنسی شعبوں میں مقام بنایا اور کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جہاں اعلیٰ ریاضی کا علم لازمی تھا۔ باب 3 میں دی گئی چند مثالوں کے علاوہ ایک معروف مثال میری کیوری کی ہے جو ایسی واحد سائنسدان ہیں جنہوں نے ایک ہی شعبے میں دو نوبل انعام حاصل کئے (پہلا ان کی ریڈیم کی دریافت کیلئے' ایسا پہلا عنصر جو روشنی اور حرارت کے اخراج کا اہل تو ہے پر بغیر کسی قابل غور قلب ماہیت کے اور پھر تابکاری کے تصور کی تشکیل کے لئے ایٹمی دور کے آغاز کا سبب بنا) ایسی عورتیں بھی ہیں جو بہت کم معروف ہیں جیسے کہ جرمن یہودی طبیعیات دان' لیزی میٹز وہ جس وقت نازیوں سے بچنے کیلئے فرار ہو رہی تھیں ان کے جوہری انشقاق کے نظریے کو ہتھیاروں پر تحقیق کیلئے استعمال کیا جا رہا تھا۔ یہ ایک ایسا کام تھا جس کے ساتھ وہ اپنا نام وابستہ کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ روز الین ہالو بھی ہیں جنہیں 1971ء میں طب کے شعبے میں ایک لمبے آلے کی ایجاد پر نوبل انعام دیا گیا۔ اس آلے کو ''ریڈیو امیونو سے'' کا نام دیا گیا' اس سے طبی تحقیق کی دنیا میں ایک انقلاب برپا ہو گیا کیونکہ اس کے ذریعے تابکار ذرات کو ٹریسرز کے طور پر استعمال کرنے سے جسم میں موجود انتہائی خفیف ذرات کی پیمائش ممکن ہو گئی۔ (37) ان عورتوں کی یہ حاصلات اس اعتبار سے اور زیادہ اہمیت کی حامل ہیں کہ ابھی صرف ایک صدی پہلے عورتوں کے لئے اعلیٰ تعلیم دستیاب نہیں تھی۔ آج بھی اگرچہ لڑکیاں ریاضی میں بہت اچھی ہیں اور نچلے درجوں میں لڑکوں کی نسبت نمبر بھی زیادہ حاصل کرتی ہیں لیکن منفی نمونوں اور اکثر اوقات اساتذہ اور صلاح کاروں کے سبب انہیں اعلیٰ ریاضی کی تعلیم کے رستے سے

ہٹنا پڑ جاتا ہے۔(باکس 5.6 ملاحظہ کیجئے)

لڑکیاں اعلیٰ ریاضی کے مطالعے کی جستجو ترک کیوں کر دیتی ہیں؟ اس کا سبب صرف صلاح کاری اور روایتی ماڈل نہیں جو انہیں ریاضی دانوں اور سائنسدانوں کے ''اہم'' شعبے میں علیحدہ کر دیتے ہیں بلکہ اس کا سبب وہ انداز بھی ہے جس میں روایتی طور پر اعلیٰ درجوں میں ریاضی کی تعلیم دی جاتی ہے اور جو اسے کسی بھی شخصی یا فلسفیانہ سیاق وسباق' مفہوم اور مناسبت سے عاری بنا دیتا ہے۔ جیسا کہ جین بیکر ملر کی ''عورتوں کی نئی نفسیات'' کیرل گیلیگن کی ''ایک مختلف آواز'' اور ڈیوڈ مک کلیلنڈ کی ''اختیار' داخلی تجربہ'' جیسی تصانیف میں ثابت کیا گیا ہے۔ نام نہاد منفی سماجی تربیت لڑکیوں کو سیاق وسباق یا تعلقات سے زیادہ سروکار رکھنا سکھاتی ہے جبکہ لڑکوں کو تجرید اور بے تعلق کا سبق دیا جاتا ہے۔(41) یہ بھی سبب ریاضی کو اس طرح پڑھایا جانا ضروری ہے کہ سائنس کو روزمرہ کی زندگی کے سیاق وسباق کے ساتھ موڑ سکے۔

ریاضی میں مناسب تربیت کے بغیر لڑکیاں طبیعیات' کیمسٹری' حیاتیات اور دوسرے علوم کے مطالعے کے قابل نہیں ہو سکیں گی اور عورتوں کو ان شعبہ جات پر مبنی اعلیٰ معاوضے اور اثر ورسوخ کے حامل پیشوں تک رسائی حاصل نہیں ہو سکے گی۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جو نہ صرف عورتوں بلکہ پورے معاشرے کے لئے نقصان دہ ہے۔

چونکہ لڑکیوں اور عورتوں کی نام نہاد تربیت اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ تعلقات (یعنی دوسرے لوگوں سے) سے زیادہ سروکار رکھیں اور لڑکوں اور مردوں کی نام نہاد سماجی تربیت اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ سماجی سیاق وسباق سے بے تعلق حصول مقصد پر متوجہ ہوں۔ لہٰذا سائنس اور ٹیکنالوجی میں عورتوں کی اور زیادہ شمولیت کی کوششوں کا نتیجہ ہماری زندگیوں پر سائنس اور ٹیکنالوجی کے اثرات سے متعلق اور زیادہ سروکار کی صورت میں نکلے گا (باکس 5.7 ملاحظہ کیجئے) ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ عورتوں کی شمولیت سائنسی اور تکنیکی پیشوں کیلئے ایک اہم اور نیا تناظر کس طرح مہیا کرتی ہے۔(42) یہ سائنس کو اس چیز سے ہمکنار کرتی ہے جسے عمرانیات دان جیسی برنارڈ ''محبت کے فریضے کی روح'' اور تعلیم کار نیل نوڈنگز ''ہمدردی کی روح'' کا نام دیتی ہیں۔ ہمارے اعلیٰ ٹیکنالوجی کے دور میں دونوں کی اشد ضرورت ہے۔

باکس 5.6 منفی نمونوں کے اثرات

لڑکیوں پر منفی نمونوں کے منفی اثرات سے متعلق مواد کے اچھے ماخذ یہ ہیں۔ امیریکن ایسوسی ایشن آف یونیورسٹی وومن کی ''اے-ٹے-یو-ڈبلیو رپورٹ' سکول لڑکیوں کو کس طرح دھوکا دیتے ہیں'' (38) پیگی اورین سٹین کی ''سکول کی لڑکیاں' نوجوان عورتیں' عزت نفس اور اعتماد کا خلا'' (39) مائرہ اور

ڈیوڈ سیڈکر کی ''انصاف کی ناکامی'' (40) اور اے-اے-یو-ڈبلیو کی سفارش کردہ دوسری مطبوعات۔

مزید برآں جیسے جیسے عورتیں اعلیٰ حیثیت کے حامل پیشوں میں داخل ہو رہی ہیں اور اس طرح خود اپنی حیثیت کو بڑھا رہی ہیں۔ مخصوص نسوانی اقدار کی حیثیت بھی بہتر ہو رہی ہے اور مرد اس احساس کا کہ وہ ''مرد نہیں'' شکار ہوئے بغیر ان اقدار کو بہ آسانی اپنانے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔

آرٹ اور تخلیقیت

تخلیقیت ایک ایسی خاصیت ہے جس کے ہم سب حامل ہیں اور انسان جس کا اظہار ابتدائے ثقافت سے کرتے آ رہے ہیں۔

آرٹ اس چیز کی عکاسی بھی کرتا ہے اور اسے متاثر بھی کرتا ہے کہ ہم اپنی دنیا کو کس طرح دیکھتے ہیں اور اس میں کس طرح رہتے ہیں۔ آرٹ سے متعلق کثیرالثقافتی اور صنفی توازن پر مبنی انداز نظر شراکت کی روحانی روایات کے متعدد آثار کو سامنے لاتا ہے۔ آرٹ شراکتی اور حاکمیتی معاشروں میں مختلف موضوعات پر زور دیتا ہے اور اس بات کی توضیح کرتا ہے کہ آرٹ کے تاریخی سیاق وسباق کو کس طرح سمجھا جانا چاہئے۔

خواتین سائنسدان اور ریاضی دان

عورتوں اور ہمدردی اور شفقت جیسی مخصوص نسوانی اقدار کو تاریخی طور پر سائنس سے کس طرح خارج کیا گیا ہے۔ اس سے متعلق ایک دلچسپ کتاب جس کا ذکر اوپر آیا ہے ڈیوڈ نوبل کی ''عورتوں کے بغیر ایک دنیا'' ہے۔ (43) اس کا موضوع یہ ستم ظریفانہ حقیقت ہے کہ اگرچہ جدید سائنس نے مذہبی اعتقاد سے ناطہ توڑ لیا لیکن اس نے عورتوں کے اخراج اور ان کی اور ان سے وابستہ کسی بھی چیز کی تحقیر کی ابتدائی کلیسائی ثقافت کو اپنائے رکھا۔ مارگریٹ ورتھائم کی ''فیثا غورث کے پاجامے: خدا، طبعیات اور صنفی جنگیں'' (44) بھی اسی نکتے کی وضاحت کرتی ہے اور اس میں ریاضی دان اور فلکیات دان عورتوں کی کہانیاں شامل ہیں۔

تعلیم کاروں نے ریاضی اور سائنس میں لڑکیوں کی دلچسپی اور کارکردگی کو بڑھانے سے متعلق مواد پر مبنی جو مضامین لکھے ہیں اس کے لیے ''نیومون نیٹ ورکر'' (جولائی/اگست 1996ء) ملاحظہ کیجئے جو نیومون پبلشنگ ہاؤس، پی او بکس نمبر 3587، ڈیولتھ، منے سوٹا 55803-3587 سے دستیاب ہے۔

اس موضوع پر ایک ویڈیو بعنوان ''لڑکیاں اور ٹیکنالوجی'' بھی' جسے نیشنل کولیشن آف گرلز سکولز نے تیار کیا ہے' نیوموون پبشنگ ہاؤس سے دستیاب ہے۔ ٹیری پرل کی ''میتھ ایکولز'' اساتذہ کے لیے ان عورتوں سے متعلق ایک اہم ماخذ ہے جنہوں نے ریاضی کے شعبے میں خدمات انجام دی ہیں۔(45) یہ امریکن ایسوسی ایشن آف یونیورسٹی وومن جیسا ماخذ ہے جو اس ضمن میں بہت عمدہ تجاویز اور مواد فراہم کر سکتا ہے۔(46)

نہ صرف فنکارانہ کاوشوں بلکہ نام نہاد معمول کی زندگی سمیت تمام شعبوں میں شراکتی تعلیم تخلیقیت کو تحریک وتقویت دینے پر بہت زور دیتی ہے جیسا کہ میں نے ''مقدر کی تعین نو'' کے تخلیقیت سے متعلق سیکشن اور دوسری تحریروں میں واضح کیا ہے۔(47) شراکتی تناظر کے حوالے سے ہماری روزمرہ کی زندگیوں کو بہتر بنانے کا عمل مثلاً ایک جمالیاتی گھریلو ماحول کی تخلیق کے ذریعے' فنکارانہ تخلیقیت ہی کی ایک اہم صورت ہے۔

پرانے نصاب میں اور آرٹ کی متعدد نصابی کتب میں آرٹ کو ''آرٹس'' اور کرافٹس'' میں درجہ بند کیا گیا ہے۔ آرٹ سے متعلق میڈیا کو جہاں خاص طور پر عورتیں کام کرتی ہیں خواہ وہ یورپی ثقافت میں رضائی اور گدے بنانے کا یا مقامی امریکی ثقافتوں میں ظروف سازی کا کام ہو' حقیقی آرٹ کے بجائے محض کرافٹس کی حیثیت دے کر مسترد کیا گیا ہے۔(48) بعینہٖ' قبائلی ثقافتوں کے آرٹ کو بھی بالعموم ''قدیم'' کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے اور نسلی جغرافیہ کے عجائب گھروں کا حصہ بنایا گیا ہے۔ اس طرح آرٹ کے عجائب گھروں میں آرٹ کی حیثیت سے مقام نہ دے کر اس کا مرتبہ گھٹایا گیا ہے۔

آرٹ کا منفی توازن پر مبنی اور کیثر الثقافتی تناظر جو شراکتی تعلیم کا مطمح نظر ہے آرٹ کی یہ درجہ بندیاں قائم نہیں کرتا۔ نہ ہی وہ اس تصور کی دکانداری کرتا ہے کہ صرف سفید فام لوگوں کا آرٹ حقیقتاً اہم ہے۔

شراکتی تعلیم طلبہ کو خود اپنے طور پر یہ سمجھنے میں مدد دیتی ہے کہ شبیہیں اس چیز کو کہ ہم اپنی دنیا کے بارے میں کس انداز میں سوچتے ہیں اور اس میں کس طرح رہتے ہیں' کس طرح متاثر کرتی ہیں۔ یہ آرٹ کو ہماری انسانی مہم کے سیاق وسباق میں متمکن کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ آرٹ ابتدا ہی سے ایک اہم انسانی اظہار رہا ہے۔

اس تناظر کے حوالے سے ابتدائی درجوں میں آرٹ کی کلاسوں کو جیسا کہ آج کل بھی ہے اس طرح ڈیزائن کیا جائے گا کہ وہ بچوں کو اپنی تخلیقیت کے اظہار کا موقع فراہم کریں اور انہیں پینٹ

برش سے لے کر کمپیوٹر سافٹ ویئر تک تخلیقی قسم کی ٹیکنالوجی سے آشنا کریں، تاہم آزادانہ تخلیق کے لیے بچوں کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ مزید برآں ابتدا ہی سے بچے آرٹ کو تاریخ کے سیاق وسباق اور اس انداز میں سمجھیں گے جو ان کی روزمرہ زندگیوں سے مناسبت رکھتا ہے لہٰذا آرٹ کو دوسری کلاسوں کے ساتھ مربوط بنایا جائے گا اور آرٹ کی تاریخ کے مطالعے میں گرامر سکول سے یونیورسٹی کلاسوں تک تمام سطحوں پر شراکتی نصابی لوم کے افقی دھاگوں سے تعلق رکھنے والے آثاریاتی اور تاریخی مواد کو شامل کیا جائے گا۔

طلبہ کی دلچسپی کو قائم رکھنے کا ایک اچھا طریقہ انہیں سراغ رساں بن کر ایسے سوالوں کے جواب تلاش کرنے پر آمادہ کرنا ہے جیسے کہ آرٹ کا ظہور کیسے اور کیوں ہوا؟ آرٹ ہمارے لیے معنویت کا حامل کیوں ہے؟ آرٹ ہمارے جذبات سے تعلق کیونکر پیدا کرتا ہے؟ فنکارانہ تخلیقیت کیا ہوتی ہے؟

اگر ہم قبائلی آرٹ کو اس کے ثقافتی سیاق وسباق میں رکھ کر دیکھیں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کا بیشتر حصہ وہ کچھ ہے جسے ہم آج روحانی اور مذہبی کا نام دیتے ہیں۔ حجری اور ابتدائی زرعی عہد کے آرٹ کی طرح جن پر ہم گزشتہ باب میں غور کر چکے ہیں، یہ بھی سوالات کے ایک ایسے مجموعے سے تعلق رکھتا ہے جو قدیم وقتوں سے ہم انسانوں کا مسئلہ رہے ہیں: زندگی اور فطرت کے ادوار کے پیچھے کیا چیز موجود ہے؟ موت کے بعد ہمارے ساتھ کیا پیش آتا ہے؟ یہ آفاقی، حتمی اور ناقابل جواب سوالات ہیں اور تمام مذہبی ادارے اور روحانی روایات ان کا جواب دینے کی کوشش کرتی ہیں۔ غیر مغربی ثقافتوں کا قبائلی آرٹ بالعموم اس عمیق روحانی پہلو کا حامل ہے۔ یہ بات بیشتر مقامی امریکی آرٹ کے بارے میں بھی یقیناً درست ہے یہاں ہمیں چکردار موتیف کی حامل ظروف کی آرائش دستیاب ہوتی ہے جو زندگی کے تسلسل اور اس کی پیدائش نو کی علامت ہے اور شراکتی جھکاؤ کے حامل نوحجری یورپی دور کا خاصہ ہے (شکل 5.3 ملاحظہ کیجئے)۔

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ آرٹ کو خصوصاً رسوماتی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا تھا جیسے کہ نواہو کی سینڈ پینٹنگز۔ یہاں اناج ماں اور بڑی ماں جو زندگی دینے والی ہیں تصاویر کے ذریعے انہیں قدیم موضوعات کے ساتھ سامنے لاتی ہیں جن میں نسوانی شخصیات بہت اختیار کی حامل ہوتی ہیں۔

آرٹ کے ان روحانی ماخذوں اور جہتوں کی تفہیم مفہوم ومعنی کے متلاشی نوجوانوں کے خصوصی اہمیت رکھتی ہیں۔ یہ عموماً طلبہ کو یہ سمجھنے میں مدد دے سکتی ہیں کہ قبل تاریخی مغربی آرٹ اور حالیہ قبائلی آرٹ دونوں ایک شراکت مائل روحانیت کا کلمہ کس طرح بھرتے ہیں جس میں زندگی دینے اور اسے

پروان چڑھانے کی طاقت ایک اہم موضوع ہوتی ہے۔

شکل 5.3 دو ثقافتوں کے ظروف

(اے) ابتدائی یورپ کا مقامی ظرف، (بی) مقامی امریکی ظرف، بشکریہ: جان میسن

اس کی مجموعی حاکمیتی شکل کے باوجود جیسا کہ ہم نے گزشتہ باب میں دیکھا انڈیا کا آرٹ شرات کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھنے والی روایات کے عناصر کا حامل بھی ہے جن میں عورتیں اور نسوانی دیویاں اہم کردار ادا کرتی تھیں۔ یہ روایات موئن جودڑو اور ہڑپہ کی وادی سندھ کی تہذیبوں کے دستیاب قدیم ترین ہندی آرٹ سے تعلق رکھتی ہیں جہاں ماہرین آثاریات نے کانسی کی ایسی نسوانی شبیہیں دریافت کی ہیں جن کا تعلق انڈیا پر انڈو یورپیوں یا آریاؤں کے حملوں سے پہلے سے ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی توجہ دلائی گئی ہے، ہم اب بھی نسوانی دیویوں میں ان دراوڑی روایات کے نشانات ڈھونڈ سکتے ہیں جو ہندومت اور بدھ مت میں ابھی تک زندہ و باقی ہیں۔ یہ نشانات ہم آج انڈیا کے فوک آرٹ اور رسم و رواج میں بھی تلاش کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہم یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ رنگدار سینڈ پینٹنگز جنہیں جنوبی انڈیا کی عورتوں نے پوجا کے طور پر تخلیق کیا تھا اس ابتدائی دور کی یادگار ہیں جب ابھی عورتوں نے اپنے ملکیتی حقوق سے ہاتھ نہیں دھوئے تھے اور اپنی کمیونٹی کی رسوماتی زندگی میں سرکردہ کردار ادا کرتی تھیں۔

انڈیا کا مہندی کا آرٹ جس میں عورتیں مہندی سے اپنے ہاتھوں اور پاؤں پر ڈیزائن بناتی ہیں بلاشبہ رسوماتی اہمیت کا حامل ہے اور اس دور سے تعلق رکھتا ہے جب عورتیں اپنے جسم کی آرائش صرف مردوں کو ابھارنے کے لیے نہیں بلکہ خود کو حسین بنا کر پیش کرنے کے ایک رسوماتی عمل کے طور پر کرتی تھیں۔ یہ بات دلچسپی کی حامل ہے کہ مہندی کا آرٹ آج کل مغرب کے نوجوانوں لوگوں میں بھی مقبول ہے اور اس رجحان کو فروغ دینے کا سہرا موسیقاروں اور فلمی ستاروں کے سر ہے۔ یہ کسی بھی عمر کے طلبہ کے لیے ایک دلچسپ سرگرمی ہو سکتی ہے اور اسے مہندی کی قدیم علامتیت یا رمزیت اور اس کے شراکتی ماخذوں کے ساتھ جوڑا جا سکتا ہے اور طلبہ کو یہ بتایا جا سکتا ہے کہ یہ محض کوئی آج کا فیشن نہیں۔

(تصویر) افریقی آرٹسٹ لوئس چیر یبو کی 1994 کی تصویر

بشکریہ: بیٹی لاڈیوک

''گلیم'' یا مشرق وسطیٰ کے قبائلی نمدوں کی جنہیں عروسی نمدے کہا جاتا ہے کی ابتدائی تاریخ بھی بہت دلچسپ ہے اور یہ کئی اعتبارات سے شراکتی آرٹ کی ایک صورت ہیں۔ ایک حصے کی بنائی عورتیں کرتی ہیں اور دوسرے حصے کی مرد۔ نمدہ بنانے کے پہلے مرحلے میں روئی کا انتخاب عورتیں کرتی ہیں اس سے دھاگہ بناتی ہیں اور اسے روایتی انداز میں رنگتی ہیں۔ پھر مرد کھڈی پر اس سے کپڑا بنتے ہیں۔ آخری مرحلہ جس کے لیے بہت مہارت درکار ہوتی ہے کشیدہ کاری کا مرحلہ ہوتا ہے جسے عورتیں ہی سرانجام دیتی ہیں۔ وہ تین یا چار مختلف رنگوں کے دھاگوں سے نت نئے ڈیزائن تیار کرتی ہیں۔ عام موتیف سورج' چاند اور پانی ہوتا ہے۔ یہ تمام قدیم مذہبی علامات ہیں۔ رقاص اور ہرن' کھانا تیار کرنے کے برتن اور گہوارے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ فنکارانہ روایت کتنی قدیم ہے اور نو مربعوں والی مثلث کو بھی پیش کیا جاتا ہے جو قدیم سمیریا کی علامت ہے۔

افریقہ کا آرٹ جو شکل' نمونوں اور رنگوں کے اعتبار سے بہت بھرپور ہے نوحجری دور کے ابتدائی آرٹ سے مشابہ ہے: یعنی یہ نسوانی شبیہوں سے معمور ہے۔ اگرچہ بیشتر عجائب گھر ان شبیہوں کو محض ''عورت'' قرار دیتے ہیں مگر ان میں سے متعدد شبیہیں دیویوں کی ہیں جو فطرت کی زندگی دینے اور اسے پروان چڑھانے کی قوتوں کی عزت وتکریم کا اظہار ہیں۔ (اس موضوع سے متعلق مزید معلومات کے لیے باب 4 ملاحظہ کیجئے)۔ مزید برآں جیسا کہ بیٹی لاڈلوک کی دلچسپ کتاب' ''افریقہ: عورتوں کا آرٹ' عورتوں کی زندگیاں'' (49) میں بتایا گیا ہے افریقی عورتیں آج بھی بے حد ثمرآور اور تخلیقی آرٹسٹ ہیں۔ یہ چیز اس مخصوص مفروضے کی تردید کرتی ہے کہ آرٹ ہمیشہ ایک مردانہ تخلیق رہی ہے اور ہے۔ تصویر اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجئے۔

نوحجری دور کے ظروف کی طرح (مقبروں سے برآمد ہونے والے ماڈلوں کو سامنے رکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ انہیں بالعموم کاہنائیں مقدس برتنوں کے طور پر استعمال کرنے کے لیے بناتی تھیں)۔ افریقی عورتوں کے بنائے ہوئے آج کے ظروف بھی خوبصورت چکردار نمونوں سے بنائے جاتے ہیں۔ برکینا فاسو میں عورتیں مٹی سے بنی اپنے گھروں کی اندرونی اور بیرونی دیواروں کو بالکل دائرہ نما اور مثلث نما نمونوں سے رنگتی ہیں جو جیسا کہ لاڈیوک لکھتی ہیں ''اردگرد موجود فصلوں (جہاں عورتیں اپنے خاندان کی روزی کے لیے کام کرتی ہیں) کی ہم آہنگ افزائش کی بازگشت معلوم ہوتی ہیں''۔ (50) ٹمبکٹو میں عورتیں لباس کے لیے خوبصورت نمونوں والا کپڑا تیار کرتی ہیں۔ کیمیرون میں' عورتیں رسوماتی اشیاء' نقابی چہرے' پرندے' کلاباش اور فرنیچر کو پیچیدہ نمونوں سے گوندھتی ہیں۔ ان تخلیقات کا مطالعہ طلبہ کو اس آرٹ

کی زرخیزی کو سمجھنے کے قابل بناتا ہے۔ جسے پہلے ''قدیم'' کہہ کر رد کر دیا جاتا تھا' یہ انہیں دنیا بھر کی عورتوں کے تخلیق کئے ہوئے آرٹ کی قدر و قیمت کو سمجھنے میں مدد بھی دیتا ہے۔ اصلاً اسی وجہ سے میں خواتین آرٹسٹوں کو سامنے لانا چاہ رہی ہوں (مثلاً شکل 5.4 اور 5.5 ملاحظہ کیجئے۔)

(تصویر) ''خاندانی منصوبہ بندی''

ازافریقی آرٹسٹ گریس چیگو میرا، بشکریہ: بیٹی لاڈیوک

ہرارے' زمبابوے کی کولین میڈا مومب شاندار مجسمے تراشتی ہیں جن میں عاشق اور حاملہ عورتوں کے مجسمے شامل ہیں جو زیادہ شراکتی جھکاؤ کے حامل نوحجری دور کے ایسے ہی موضوعات کی یاد دلاتے ہیں۔ (51) زمبابوے کی شونا خواتین مجسمہ ساز' متنوع اسلوب کے باوصف نسوانی جسم اور عورتوں کی زندگیوں اور تجربات کو توجہ کا مرکز بناتی ہیں۔ رے ولکنسن (نیوز ویک' 14 ستمبر 1987ء) کے مطابق شونا مجسمہ سازی ''اس صدی میں افریقہ سے ابھرنے والی نئے آرٹ کی اہم ترین صورت ہے۔''(52)

متعدد اور مختلف روایتوں میں ایک جیسے موضوعات کی تکرار کی تفہیم طلبہ کو ابتدائی یورپی اور امریکی ثقافتوں سمیت دنیا کی ثقافتوں کی روزمرہ کی مثبت چیزوں پر متوجہ ہونے میں مدد دیتی ہے۔ اسی طرح کثیر الثقافتی تعلیم لوگوں کو کسی خوف کی بنا پر تقسیم اور کشمکش کا شکار کرنے کے بجائے انہیں ایک دوسرے کے قریب لاتی ہے۔

ایک ایسا نصاب بھی جو زیادہ صنفی توازن کا حامل ہو طلبہ کو اپنے دور کے آرٹسٹوں کے آرٹ میں موجود مشترک دھاروں کو سمجھنے میں مدد دے سکتا ہے جو قدیم روایات سے تحریک حاصل کر رہے ہوتے ہیں۔ ان خواتین آرٹسٹوں کا کام خصوصی دلچسپی کا حامل ہے۔ اس بات کے پیش نظر کہ آرٹ کی کلاسوں اور آرٹ کی تاریخ کی کتابوں میں ابھی تک مردوں کے آرٹ پر توجہ دی جاتی ہے اور خواتین آرٹسٹو کا ذکر مشکل سے ہی آتا ہے؟ جائز نمائندگی کا تو ذکر ہی کیا جو نہایت تحریک انگیز آرٹ تخلیق کر رہی ہیں' ایک ایسا آرٹ جو عورتوں کی زندگیوں کے موضوعات کو قدیم روایات کے ساتھ جوڑتا ہے (باکس 5.8 ملاحظہ کیجئے)۔

جوڈی شکاگو نے اپنی شاندار ''دی ڈنر پارٹی'' میں مختلف ادوار میں عورتوں کی خدمات سے متعلق موضوعات کو شامل کیا ہے۔ ان کی ''دی برتھ پراجیکٹ'' ڈرامائی انداز میں اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ بنائی جو روایتی نسوانی فنکارانہ اظہار کی حیثیت رکھتی ہے محض ایک کرافٹ نہیں بلکہ آرٹ ہے۔ وہ قبل

تاریخ کی ان شبیہوں سے تحریک حاصل کرتی ہے جن میں دیویوں کو پیدا کرنے کے عمل میں مصروف دکھایا گیا ہے۔(53)

باربرا شیفر کی آئل پینٹنگز شاعرانہ بھی ہیں اور اساطیری بھی' سکرول کی طرح کے یہ کینوس ماضی اور حال کے شعور کو اولین آرکی ٹائپ میں تبدیل کرتے ہیں اور قدیم طلسمی رسومات کی یاد دلاتے ہیں۔ان کا ملٹی میڈیا پراجیکٹ' ''دی سانگ آف میموری'' بھی اسی قسم کا ہے جو شراکت اور حاکمیت کی اجتماعی یادداشتوں کا موازنہ کرتا ہے۔این مورس کے لائف سائز سے خاصے بڑے کانسی کے مجسمے جو نسوانی اور مردانہ آرکی ٹائپ کے کلیتی اتحاد کی یاد دلاتے ہیں ٹھوس صورتوں کے ہمیں ہماری انتہائی قدیم جڑوں سے منسلک کرتے ہیں اور کلیت اور ربط کی ہماری آرزو کو ظاہر کرتے ہیں۔(54)

مایومی اوڈا' جاپانی' چینی' ہندی اور دوسری روایات سے تعلق رکھنے والی دیویوں کے پورے جسم کی تصویر کشی کرتی ہیں۔کھلنڈری اور طاقتور دیویوں کی حیثیت سے جو کبھی رحمدل ہوتی ہیں اور کبھی مشتعل۔ یولینڈا لوپیز میکسیکن روایت سے تحریک حاصل کرتی ہیں اور قبل کولمبیا کی دیوی' کوٹیلکو کو اس کی ہسپانوی جانشین' گواڈالوپے کی کنواری کے پہلو بہ پہلو مقام دیتی ہیں' ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی ماں اور بڑی ماں کے پورٹریٹ کو بھی شامل کرتی ہیں اور عورتوں کی روزمرہ زندگی کو تقدیس کا حامل بناتی ہیں اور فیتھ رنگولڈ اپنی افریقی' امریکی روایت سے کشید کرتی ہیں اور ہماری ثقافت میں سیاہ فام عورتوں کی سماجی حقیقت کی عکاسی کرتی ہیں۔ایک اہم مثال ان کی ''اشکبار عورتیں نمبر2'' ہے جسے ٹریون' رافیا اور سلے ہوئے کپڑے سے تیار کیا گیا ہے۔

شکل5.4 ''افریقہ:طلوع آفتاب''

آرٹ قدیم روحانی جڑوں کا حامل ہے۔، بشکریہ:بیٹی لاڈیوک

فرائیڈا کاہلو کا ابتدائی دور سے تعلق رکھنے والا آرٹ ان کی زندگی کی جدوجہد کو نہایت طاقتور انداز میں مقامی موضوعات کے ساتھ بھی جوڑتا ہے اس کی ایک مثال دھاتی شیٹ پر تیار کی گئی ان کی آئل پینٹنگ ''مائی نرس اینڈ آئی'' ہے۔ان کے شوہر ڈیگو ریویرا بھی جو ایک میکسیکن میورالسٹ ہیں مقامی موضوعات سے تحریک حاصل کرتے ہیں جس طرح ایک اور بڑے میکسیکن آرٹسٹ جوزے کلیمنٹ اور وزکو نے اپنے شاندار میورال میں ناانصافی اور آزادی کو موضوع بنایا ہے۔

کتاب صفحہ:159

شکل5.5 ''ملٹ ردھم''

آرٹ دنیا کے نئے در وا کرتی ہے۔
بشکریہ: بیٹی لاڈیوک

باکس 5.8 خواتین آرٹسٹ

قبل تاریخی موضوعات سے متعلق آرٹ کے لیے ملاحظہ کیجیے: ایلیز گیڈن' ''ماضی اور مستقبل کی دیوی''(55) اور گلوریا اورین سٹین کی ''دیوی کی بہارنو'' (56) نورا بروڈ اور میری گیرارڈ کی ''نسوانی آرٹ کی طاقت'' بھی ایک اچھا ماخذ ہے۔(57) بیٹی لاڈیوک کا ڈیوک کا کام متعدد مقامی' بالخصوص افریقی' آسٹریلوی اور لاطینی وشمال امریکہ کی روایات سے تحریک حاصل کرتا ہے ان کی پینٹنگز کا جاندار ردھم' عورتوں کی قوتوں' خوشیوں اور غموں کے ساتھ ساتھ اپنی روزمرہ کی زندگیوں میں خوبصورتی پیدا کرنے اور تلاش کرنے کی ان کی مساعی کے گن گاتا ہے۔ان کے کام کی مثالوں کے لیے ''کثیرالثقافتی خوشیاں: بیٹی لاڈیوک کی پینٹنگز'' ازگلوریا فیمن اورین سٹین (58) اور یہ ویڈیو ملاحظہ کیجیے' جو ان عنوانات سے دستیاب ہیں: ''بیٹی لاڈویک: برونکس سے ٹمبکٹو تک ایک آرٹسٹ کا سفر'' اور افریقہ فسانے اور حقیقت کے مابین: بیٹی لاڈیوک کی پینٹنگز اور اینچنگز''(59)

رچرڈ سیرا' روتھیلو اینڈرسن' رچرڈ روزن بلوم اور کرسٹوفو ووڈز کو جیسے آرٹسٹ سماجی انصاف اور ماحولیاتی توازن کے معاصر معاملات کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ وہ زندہ ہو کر ہمارے سامنے آ جاتے ہیں۔مثلاً ووڈزکو کی ''ہوم لیس وی ایکل پراجیکٹ'' شاپنگ کے چھکڑوں پر مبنی ہے جنہیں بے گھر لوگ ٹرانسپورٹ اور سٹور کے طور پر استعمال کرتے ہیں' ان چھکڑوں کو اس طرح پیش کرنے کا ان کا انداز غریبوں اور بے گھروں کے اس حق کا علامتی اظہار ہے کہ انہیں نظرانداز نہ کیا جائے۔جیسا کہ آرٹ کی ناقد اساطیری انداز میں پیش کرنے کی سعی کر رہے ہیں جو ثقافت کے حاکمیتی ماڈل سے شراکتی ماڈل میں تبدیلی میں ہماری مددگار ہو سکتی ہے۔(60)

متعدد دوسرے معاصر آرٹسٹ آرٹ سے سماجی ناقدوں کو صلائے عام دینے اور ایک بہتر دنیا کا تصور تشکیل دینے کا کام لے رہے ہیں۔مثلاً جان میسن کا مثالیتی کام' فطرت کے رنگین مناظر اور ورائے حقیقت تخیل سے دوچار کر کے ہمارے اندر اس طرح کے خیالات کو بیدار کرتا ہے کہ ہمارا مستقبل کیسا ہو سکتا ہے۔

ان میں سے بعض آرٹسٹ بچے ہیں جو آرٹ کے منصوبوں جیسے کہ بڑے بڑے میورال میں شریک

کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ ایسے منصوبوں کے ذریعے بچے اپنے مشاہدات' احساسات اور تصورات کے اظہار' اپنی تخلیقیت کی ترقی اور دوسروں کے ساتھ شراکت میں کام کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً میورالسٹ' جوڈتھ بیکا نے میورال تخلیق کرنے کے لیے لاس اینجلز میں نوجوانوں کو منظّم کیا ہے یہ نوجوان معاشرے سے اپنی رنجشوں کے ساتھ ساتھ اپنی امیدوں اور خوابوں کی تصویر کشی کرتے ہیں' اس طرح انہیں اپنی توانائیوں کو اجتماعی طور پر تعمیری اظہار میں ڈھالنے میں مدد مہیا کی گئی ہے۔ کیلیفورنیا سٹیٹ یونیورسٹی' مانیٹری بے' میں میورالسٹ' پیٹریشیا راڈریگیز نے طلبہ کی ایک کلاس کے ساتھ ایک میورال ڈیزائن اور تخلیق کیا ہے جس میں سٹرابیری کے کھیتوں میں میتھائل بروماِئیڈ کے استعمال اور کھیتوں میں کام کرنے والے کارکنوں کی صحت پر اس کے اثرات کو ایک نہایت اہم مقامی مسئلہ' تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ دونوں مثالوں میں آرٹ' پیغام اور باہمی تعاون پر مبنی عمل شراکتی تخلیقیت کا مظہر ہیں۔ (''معاصر آرٹ اور کثیرالثقافتی تعلیم'' (61) اساتذہ کے لیے ایک ایسا ماخذ ہے جو معاصر امریکی آرٹسٹوں اور ان کے کام کو سبقی منصوبہ بندی سمیت پیش کرتا ہے اور خاندان' قومی شناخت' جنگ اور ایڈز جیسے مسائل کو توجہ کا مرکز بناتا ہے۔)

اس وسیع تر تناظر میں آرٹ کا مطالعہ طلبہ کو ان اقدار کے بارے میں سوچنے کا موقع فراہم کرتا ہے جو مختلف اقسام کی تخلیقات کے ذریعے راہ پاتی ہیں۔ مثلاً ایسا آرٹ کس پیغام کی ترسیل کرتا ہے جس میں ریپ کے مناظر کو رومانوی انداز میں دکھایا گیا ہو جیسے کہ روبینز کی ''ریپ آف لکریشیا'' جسے آرٹ کی تاریخ کی کتابوں میں بالعموم عظیم آرٹ کی ایک مثال کے طور پر شامل کیا جاتا ہے یا وہ متعدد تصاویر جن میں زیوس یورپا یا لیڈا کو ریپ کر رہا ہے جو دنیا کے عجائب گھروں میں خوبصورت آرٹ کے نمونے کے طور پر آویزاں ہیں؟ طلبہ اس فنکارانہ تناظر کا موازنہ ہسپانوی پینٹر گویا کے ساتھ کر سکتے ہیں جس نے اول اول بربریت اور تشدد کو جیسا کہ وہ ہے اسی طرح پیش کیا' اس کے ساتھ ساتھ اس تناظر کا موازنہ کیتھ کولٹز کے ساتھ بھی کر سکتے ہیں جس نے تشدد اور حاکمیت سے پیدا ہونے والے دکھ کو پیش کیا ہے۔ وہ آرٹ میں عورتوں کی مرد مرکز تصویر کشی کو بھی دیکھ سکتے ہیں۔ جیسا کہ لنڈا ایڈ اپنی کتاب' ''نسوانی نیوڈ'' (62) میں بتاتی ہیں۔ ''مردانہ نظر'' سے عورتوں کی تصویر کشی' اس کی مثال ایڈورڈ مینیٹ کی مشہور ''بریکفاسٹ آن دی گراس'' ہے جس میں پوری طرح ملبوس مرد برہنہ عورتوں پر نظریں جمائے ہوئے ہیں۔ یہ کس قسم کے حاکمانہ تعلقات کی ترسیل کرتی ہے؟

طلبہ اس بات کا جائزہ بھی لے سکتے ہیں کہ اینڈی وارہول جیسے آرٹسٹ ہماری تفہیم کو اس طرح بہتر

بنا سکتے ہیں جیسے عظیم آرٹ بہتر بناتا ہے یا ان کا اور متعدد دوسرے غیر تعمیریت پسندوں کا کام ماس میڈیا کی بے مغز تکرار کو ہی دوہراتا ہے جس کے وہ خود مخالف ہیں۔ ایک لحاظ سے ایسا آرٹ پاپ کلچر کے بے معنویت کو نمایاں کر کے پیش کرتا ہے لیکن یہ ہمیں زیادہ بامعنی متبادلات کی تلاش کی طرف لے جانے میں ناکام رہتا ہے۔

ایسا آرٹ جس میں آج کے جدید عجائب گھروں کا بیشتر کارٹون آرٹ شامل ہے موجودہ پاپ کلچر کا واضح عکس ہے۔ کیا آرٹ کا کام محض عکاسی ہے؟ ایسے آرٹسٹوں کا کردار کیا معنی رکھتا ہے جو کسی وژن کے حامل ہوتے ہیں؟ کیا آرٹ بہت زیادہ جذباتی یا شیریں ہوئے بغیر ایک زیادہ منصفانہ اور کم متشدد دنیا کی تخلیق کے لیے تحریک بھی فراہم کر سکتا ہے؟ ہم سب اس عمل کو مہمیز کرنے کے لیے اپنی تخلیقیت کو کس طرح کام میں لا سکتے ہیں؟

آرٹ اور قدیم مغربی تاریخ

آرٹ، قدیم مغربی ثقافتوں کے مطالعے کو ایک جذباتی عنصر سے ہمکنار کر سکتا ہے۔

آرٹ، حاکمیتی ماڈل کی عدم انسانیت کے ہمارے شعور کو تقویت دے سکتا ہے اور ہمیں ایک زیادہ پرامن، منصفانہ اور ماحولیاتی طور پر متوازن معاشرے کو مصور کرنے اور اسے تخلیق کرنے پر ابھار سکتا ہے۔

آرٹ طلبہ کے سیکھنے کے عمل میں ذہن کے سات جذبات کو کس طرح شامل کر سکتا ہے؟ آرٹ اپنے مستقبل کی تشکیل میں زیادہ فعال ہونے کے لیے طلبہ کی مدد کر کے تعلم کے ارادی عنصر کو کس طرح مستحکم کر سکتا ہے؟

تاریخ کی کلاسوں کے ایک جزو لاینفک کی حیثیت سے آرٹ کا مطالعہ ان سوالوں سے نبرد آزما ہونے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اس کی وضاحت کے لیے میں نے ایک ایسی مثال کا انتخاب کیا ہے جس پر میں خود کام کر چکی ہوں: قدیم مغربی تاریخ (مجھے یہ بتا دینا چاہئے کہ میں یہ اصطلاح یہاں کلاسیکی یونانی اور رومن تہذیبوں کے روایتی مفہوم میں استعمال کر رہی ہوں۔)

یونانی اور رومن آرٹ میں ایسے متعدد مجسمے اور افریزیں موجود ہیں جن میں لوگ ایک دوسرے کو ہلاک و معذور کرتے دکھائے گئے ہیں۔ یہ ایسے مناظر ہیں جنہیں جدید اور بعد از جدیدی آرٹ اور بن حر، کیلی گوگیلا اور یولیسیز جیسی فلموں میں بار بار پیش کیا گیا ہے اور اس سے یہ تاثر دیا گیا ہے کہ تشدد ہمیشہ زندگی کا ایک مرکزی حصہ رہا ہے اور رہنا بھی چاہئے۔ اس تاثر کو زائل کرنے کا بہتر طریقہ ان شبیہوں کو

MashalBooks.org

ان شبیہوں کے متقابل رکھنا ہے جو ہمیں بعض قبل تاریخی یورپی ثقافتوں کے آرٹ میں دستیاب ہوتی ہیں۔ ہم باب 4 میں ان سے بحث کر چکے ہیں۔ اس تقابل کے مشاہدے سے نوجوان افراد کو تشدد اور آرٹ دونوں کے بارے میں بنیادی سوالات اٹھانے کی تحریک ملے گی۔

یونانی اور رومن آرٹ کا موازنہ زیادہ شراکتی جھکاؤ کے حامل قبل تاریخی معاشروں کے ساتھ کرنے سے طلبہ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے مناظر جن میں لوگ ایک دوسرے کو نشانہ ستم بنا رہے ہیں نوحجری (قریب قریب 10,000 سال قبل) دور اور مائنوئی تہذیب (قریب قریب 4000 سال قبل) کے آرٹ میں قطعاً موجود نہیں۔ یوں وہ اسطور اور آثاریات میں کم متشدد اور زیادہ منصفانہ ثقافتوں سے (اگرچہ یہ کوئی مثالی ثقافتیں نہیں تھیں) بعد میں سامنے آنے والی ثقافتوں میں تبدیلی کا سراغ لگاتے ہوئے اس بات کی تحقیق کر سکتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا۔

اساتذہ طلبہ کو ابتدائی اور زیادہ شراکت مائل معاشروں کے آرٹ سے واقف بنا کر اس عمل کی ابتدا کر سکتے ہیں۔ مثلاً وہ خوبصورت گلدان جو کریٹ کے مائنوئی تہذیب کی تخلیق ہیں پھر بعد کے دور کے آرٹ کی تصاویر اور سلائیڈیں دکھائی جا سکتی ہیں۔ ان میں بھی ہمیں یہی خوبصورت گلدان دیکھنے کو ملتے ہیں لیکن اب یہ یکے بعد دیگرے ایسے مناظر میں ملفوف ہیں جن میں جنگجو ایک دوسرے کو ہلاک و معذور کر رہے ہیں۔

شکل 5.6 ایک جدید ماحولیاتی پوسٹر؟

ہم آج جسے ماحولیاتی شعور خیال کرتے ہیں وہ مائنوئی کریٹ کے 3500 سال پرانے اس فرسکو سے عیاں ہے۔

بشکریہ: شراکتی انداز: زندگی اور تعلم کے نئے آلات' از ریان آئسی لرڈ یوڈلوئی' اصل پر مبنی تصویر کشی: رجم ہمین۔

میں نے یہ دیکھا ہے کہ جب یہ شبیہیں آمنے سامنے رکھ کر دکھائی جائیں تو شدید جذباتی ردعمل سامنے آتا ہے جیسا کہ بارہویں درجے کے ایک طالبعلم میتھیو نے بتایا کہ جب تشدد کے یہ منظر اچانک اس کے سامنے آئے تو اسے سخت تکلیف محسوس ہوئی: یعنی ایک ایسا عمل جو مزے اور دلچسپی کے بجائے تکلیف اور موت کا سبب بنتا ہے لیکن اس کے مطابق اچھی بات یہ ہے کہ ان شبیہوں کو دیکھنے سے اسے ایک مختلف قسم کی تحریک محسوس ہوئی: کسی نئی چیز کو دریافت کرنے سے ملنے والی تحریک۔

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ابتدائی آرٹ کس طرح زندگی اور فطرت کے گن گاتا ہے تو ہم تجربی طور پر دنیا سے متعلق ایک ایسے نقطہ نظر کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں جس میں ماحولیاتی شعور زندگی اور فطرت کا زیادہ اثبات کرنے والے طرز حیات کا لازمی حصہ معلوم ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر

اساتذہ طلبہ کو کریٹ کے نوسوس محل میں ملکہ کی رہائش گاہ سے ملنے والے ڈولفن کے خوبصورت فریسکو کو دکھا سکتے ہیں۔ یہ ایک ایسا فریسکو ہے جو حیران کن حد تک کسی جدید ماحولیاتی پوسٹر جیسا نظر آتا ہے (شکل 5.6 اور 5.7 ملاحظہ کیجئے)۔

پھر وہ طلبہ کو اس بات پر غور کرنے کے لیے مدعو کرسکتے ہیں کہ شراکتی جھکاؤ کے حامل مائنوئی ڈولفن کی تصویر کشی میں اتنی شدید دلچسپی کیوں رکھتے تھے جس کا ہم آج ایک ایسے مرحلے پر مظاہرہ کررہے ہیں جب ہم خود دنیا کے ایک زیادہ شراکت مائل انداز نظر کی طرف گامزن ہونے کے لیے کوشاں ہیں۔

سلائیڈوں کے ساتھ ساتھ قدیم آرٹ کی اشیاء کی نقول کے ذریعے اس قسم کا تجربیتی تعلم کالج اور ہائی سکول کے طلبہ کے ضمن میں بہت موثر ثابت ہوا ہے' تاہم اسے مڈل سکول اور اس سے نچلے درجوں میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ جذباتی ردعمل اور جاندار مباحث کو جنم دیتا ہے۔ یہ طلبہ کو خود اپنی آنکھوں سے یہ دیکھنے کے قابل بناتا ہے کہ ''حقیقت'' سماجی طور پر کس طرح تشکیل پاتی ہے اور حاکمیتی جھکاؤ کی حامل ثقافتوں کے مقابلے میں شراکت مائل ثقافتوں کی یہ تشکیل کس طرح مختلف ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں فنکارانہ شبیہوں کے یہ موازنے یونانی اور رومن تاریخ سے متعلق نوجوان افراد کی تفہیم کو گہرائی اور گیرائی بھی بخشتے ہیں' یہ تاریخ کے ایسے ادوار میں جو امریکہ کے ہائی سکولوں اور کالجوں کے روایتی نصاب کا حصہ ہیں جیسا کہ ہم نے باب 4 میں دیکھا' قدیم یونان کے بارے میں بیشتر نصابی مواد مائنوئی تہذیب کے ذکر سے خالی ہے۔ یوں طلبہ اس بات کو نہیں جان پاتے کہ یونانی حکمران طبقات نے جو انڈو یورپی اکیائیوں کے جانشین تھے اپنی بیشتر تہذیب مائنوئیوں سے مستعار لی تھی جو ٹیکنالوجی کے حوالے سے بھی بہت ترقی یافتہ تہذیب تھی ایک ایسی تہذیب جو یورپ میں اولین ہموار سڑکوں' اولین پلوں' اولین گھریلو پلمبنگ اور ایسے آرٹ اور طرز تعمیر کے لیے مشہور ہے جس نے بعد ازاں یونانی تہذیب کی بنیادوں کو استوار کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ روایتی نصاب طلبہ کو یہ نہیں بتاتا کہ یہ تہذیب کریٹ اور بحیرہ روم کے دوسرے جزیروں میں پروان چڑھی تا آنکہ اس پر انڈو یورپی فاتح قابض ہو گئے اور بالآخر مائی سینیائی تہذیب میں ڈھل گئی جس کا ذکر ہمیں ہومر کی اوڈیسی میں ملتا ہے۔ یہ طلبہ کو اس بات سے واقف نہیں کراتا کہ مائنوئی مذہب نے جس میں پرستش کا مرکز دیوی تھی یونانیوں کو بہت متاثر کیا تھا جنہوں نے متعدد مائنوئی الوہی ہستیوں کو اپنے بعد کے اولمپیائی بت کدے میں شامل کر لیا۔ مختصراً روایتی نصاب کے ذریعے طلبہ کو یہ آگہی نہیں ملتی کہ مائی سینیائی جنہیں ہومر نے اپنے رزمیوں میں مثالی بنا کر پیش کیا تھا انڈو یورپی تھے اور انہوں نے بیشتر مائنوئی ثقافت کو اختیار کر لیا تھا لیکن وہ پھر بھی

زیادہ تر حاکمیتی ماڈل کی طرف جھکاؤ کے حامل ہی رہے۔ نہ ہی انہیں وہ تاریخی پس منظر مہیا ہوتا ہے جس کی مدد سے وہ دوسری روایات کو سمجھ سکیں جن میں مائنونی اور دوسری زیادہ شراکت مائل تہذیبوں کی یادیں جھلکتی نظر آتی ہیں۔ مثلاً ہیسیاڈ کی ''ورکس اینڈ ڈیز'' جو ایک ''سنہری نسل'' کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتی ہے۔ یہ نسل ایک ''کم تر نسل'' کے آنے اور جنگ کے یونانی دیوتا' اریز کو اپنے ہمراہ لانے سے پہلے ''امن وسکون'' کے ساتھ رہتی تھی۔ (63)

قدیم یونان کو ایک ایسے تناظر میں جس میں اس قسم کی معلومات شامل ہوں رکھ کر دیکھنے سے طلبہ کے لیے آرٹ سے متعلق یونانیوں کی محبت' ان کی جمہوریت اور ان کے انسان پسندانہ آدرشوں کی جڑوں کو ایک ابتدائی اور زیادہ شراکت مائل تہذیب میں تلاش کرنا ممکن ہو جاتا ہے بلکہ یہ انہیں یونانی ثقافت کے حاکمیتی عناصر کو پہچاننے کے قابل بھی بناتا ہے: یعنی ان کا حاکمیت اور تشدد کو آرٹ میں مثالی بنا کر پیش کرنا' ان کا جمہوریت کو حاکم طبقات کے مردوں تک محدود رکھنا اور ان کی کچھ انسانیت پسندی کی عدم انسانیت (جیسے کہ ارسطو کا یہ تصور کہ آزاد مرد فطرتاً عورتوں اور غلاموں کو محکوم بنانے کے حقدار ہیں)۔

طلبہ کو رومن تہذیب اور آرٹ (شکل 5.8 ملاحظہ کیجئے) کا موازنہ ایٹروریائی تہذیب اور آرٹ کے ساتھ کرنے کے لیے کہا جا سکتا ہے جن سے رومنوں نے اپنی بیشتر تہذیب اختیار کی تھی۔ ایٹروریاڈئی کو بھی قدیم اطالوی تہذیب کے مطالعے میں شاذ ہی شامل کیا جاتا ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ قبل انڈو یورپی زبان بولنے والوں کی حیثیت سے (باالفاظ دیگر' یورپ کی ابتدائی قبل انڈو یورپی آبادی کی باقیات)۔

ایٹروریاؤں نے مائنونیوں کی طرح رومنوں کے ساتھ شدید جنگ اور ان کی مکمل فتح سے پہلے تک یورپ کی ابتدائی تہذیب کے متعدد عناصر کو محفوظ کئے رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایٹروریائی آرٹ' اپنی تازگی' موثر رنگوں کے استعمال اور خط کی سیالیت کے لحاظ سے قدیم مائنونی آرٹ کی یاد دلاتا ہے۔

ایٹروریائی آرٹ ضیافتوں کے دوران بجائے اس کے کہ عورتیں مردوں کی خدمت کے لیے ان کے عقب میں کھڑی ہوں۔ عورتوں او مردوں کو اکٹھے نیم دراز دکھاتا ہے۔ کچھ رومن مصنفین کے مطابق یہ ''بدنام'' مناظر ''بداخلاقی'' کا مظہر تھے۔ (شکل 5.9 ملاحظہ کیجئے)۔

ایٹروریا میں عورتیں خواندہ تھیں اور یونان اور اٹلی کی عورتوں کے برعکس' خود اپنے ناموں سے جانی جاتی تھیں۔ یہ چیز بھی ایٹروریا کے قبل انڈو یورپی والے زمانے کی عکاس ہے جس میں جیسا کہ رومن مصنف تھیو پومپسن نے بڑی برہمی سے گلہ کیا ہے۔ ''ناجائز'' بچوں کو بھی (غلامی یا موت کا شکار

MashalBooks.org

بننے کے لیے چھوڑ دینے کے بجائے) پالا پوسا جاتا تھا۔(64) مختصراً حاکمیتی ماڈل میں تبدیلی اور رومن فتح سے پہلے ایٹروریاؤں نے متعدد شراکتی عناصر کو اپنی ثقافت میں باقی و محفوظ رکھا تھا۔ انسانیت کے دو نصفوں یعنی عورتوں اور مردوں کے مابین زیادہ مساریانہ شراکت ایٹروریائی معاشرے کا ایک ایسا ہی عنصر تھا۔

شکل 5.8 رومن ہیرو

ایک رومن فریز جس میں ہلاکت کو مثالی بنا کر پیش کیا گیا ہے۔

بشکریہ: شراکتی انداز: زندگی اور تعلم کے نئے آلات'

از ریان آئس لروڈیوڈ لوئی' اصل پر مبنی تصویر کشی: جان میسن

ریاستہائے متحدہ کی تاریخ

ریاستہائے متحدہ کی تاریخ کو ایک کم یورپ مرکز اور زیادہ منفی توازن پر مبنی تناظر میں رکھ کر حاکمیتی اور شراکتی عناصر پر نکتہ در نکتہ زور دینے سے زیادہ بہتر انداز میں سمجھا جاسکتا ہے۔

شراکتی عناصر کی مثالیں جمہوریت کے آدرشوں میں کارفرما دیکھی جا سکتی ہیں جن کا اظہار ریاستہائے کے متحدہ کے آئین' حقوق کے بل' غلامی کے خاتمے اور شہری حقوق کی تحریکوں' نسوان پسند اور عورتوں کے حقوق کی تحریکوں اور زیادہ معاشی انصاف اور ماحولیاتی توازن کی تحریکوں میں ہوا ہے۔

حاکمیتی عناصر کی مثالیں مقامی لوگوں کی تسخیر اور نسل کشی' افریقی نسل کے لوگوں کو غلام بنانے میں' ریاستہائے متحدہ کی آبادی کے نسوانی نصف کو سیاسی اور معاشی حقوق کے انکار اور ریاستہائے متحدہ کی آبادی کے ایک قلیل حصے کے ہاتھوں میں معاشی اور سیاسی قوت کے ارتکاز میں موجود دیکھی جا سکتی ہیں۔

یہ انداز نظر جو طلباء کو شراکتی اور حاکمیتی عناصر کی شناخت میں مدد دیتا ہے کہ ان کا تاریخی کردار کیا رہا ہے' انہیں یہ سمجھنے کے قابل بھی بناتا ہے کہ ہمارے اپنے دور میں کیا ہو رہا ہے اور انہیں ریاستہائے متحدہ کی ثقافت میں شراکتی عناصر کو زیادہ مؤثر انداز میں تقویت دینے کے لیے تیار بھی کرتا ہے۔

نیم دراز ایٹروریائی عورت اور مرد

ان ایٹروریائی شریکین کو سروپیٹری' اٹلی میں تقریباً 520 قبل مسیح میں امر کر دیا گیا تھا۔

بشکریہ: شراکتی انداز: تعلم اور زندگی کے نئے آلات' از ریان آئس لروڈیوڈ لوئی' اصل پر مبنی تصویر کشی: جان میسن

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں جس انداز میں تاریخ بتائی اور سنائی جاتی ہے اس کا انحصار اس بات پر

ہوتا ہے کہ کسے اور کس چیز کو اس حد تک اہم سمجھا جاتا ہے کہ تاریخ میں شامل کرلیا جائے اور یہ کہ مخصوص واقعات کی تعبیر کس طرح کی جاتی ہے۔ ریاستہائے متحدہ کی تاریخ کے پرانے بیانیے قریب قریب کلی طور پر سفید فام مردوں پر توجہ دیتے تھے اور ابتدا اولین سفید فام آبادکاروں سے کی جاتی تھی۔ ایک زیادہ درست اور زیادہ دلچسپ کہانی کثیر الثقافتی اور منفی توازن کی حامل کہانی ہے جس کا آغاز ان لوگوں سے ہوتا ہے جو سفید فاموں کے آنے سے ہزاروں برس قبل امریکاؤں میں بسے ہوئے تھے (باکس 5.9 ملاحظہ کیجیے)۔

میری مراد یہ نہیں کہ جارج واشنگٹن اور تمام سفید فام' تمام مرد بانیوں جیسے افراد پر مرکوز پرانا نصاب اٹھا کر پھینک دیا جائے مگر اتنا کہ جمہوریت کے اصل آدرشوں سے متعلق اس کہانی کو جس نے ریاستہائے متحدہ امریکہ کو اٹھارہویں صدی کے یورپیوں کے لیے ایک روشن امید میں ڈھال دیا تھا تقویت دینے اور ایک ایسے سیاق وسباق میں ضرور رکھا جائے جس سے یہ پتہ چلے کہ حاکمیتی سے شراکتی ماڈل میں تبدیلی کی جدید تحریک میں ایک اضافہ ہے۔ باالفاظ دیگر طلباء کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ اس مواد کی تشکیل نو بھی ہے جسے روایتی طور پر ریاستہائے متحدہ کی تاریخ کے مطالعے میں شامل کیا جاتا رہا ہے اور نیا مواد مہیا کرنا بھی ہے۔ یعنی ایک ایسا عمل جو متعدد مخلص تعلیم کاروں کے کام کے سبب پہلے ہی شروع ہو چکا ہے۔

کس نے کسے ''دریافت'' کیا؟

بشکریہ: جان میسن

''تم کیا کہنا چاہتے ہو تم نے ہمیں دریافت کیا؟
ہم نے تمہیں یہاں ساحل پر دریافت کیا۔''

مثال کے طور پر' جیسا کہ بل بگلو ''کولمبس کی دریافت: ماضی کا مطالعہ' میں لکھتے ہیں آج متعدد اساتذہ کولمبس کی امریکہ کی ''دریافت'' کے بجائے دوسری تراکیب استعمال کر رہے ہیں یا جیسا کہ کامیڈین سٹین فریبرگ کے ایک خاکے میں ایک مقامی امریکی کولمبس سے پوچھتا ہے ''تم کیا کہنا چاہتے ہو تم نے ہمیں دریافت کیا؟ ہم نے تمہیں یہاں ساحل پر دریافت کیا۔'' (تصویر اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجیے)

ان لوگوں کی ابتدا کے بارے میں لاتعداد نظریات موجود ہیں جو کولمبس کی آمد سے کافی پہلے امریکاؤں میں آباد تھے۔ ایک نظریہ' جسے متعدد محققین قابل قبول سمجھتے ہیں یہ ہے کہ یہ لوگ برفانی عہد

کے شکاریوں کی آل اولاد ہیں جو بہت پہلے شکار کی تلاش میں آبنائے بیرنگ کے پار اس سرزمین پر پہنچ گئے تھے۔ ایک اور نظریہ ان کی مقامی ابتدا کی بات کرتا ہے۔ امریکی' سنہری' لسانی روایت میں ان دونوں کی عکاسی موجود ہے۔

تخلیق سے متعلق متعدد رنگ برنگ کہانیاں جو قبیلہ در قبیلہ تبدیل ہوتی جاتی ہیں' قدیم یورپی اسطوریات میں پائی جانے والی کہانیوں کی طرح نسوانی صنف کے ہاتھوں ایک رزمیہ تخلیق کا قصہ سناتی ہیں۔ مثلاً لیگوناپیلو کے کیریز انڈین کی مذہبیات میں مرکزی حیثیت خالقہ یعنی وہ جو سوچتی ہے کو حاصل ہے۔ جیسا کہ پاؤلا گن ایلین لکھتی ہیں کیریز کی دیوی ماں کو اناج ماں کے طور پر جانا جاتا ہے یعنی وہ جس نے لوگوں کو اناج کا تحفہ دیا۔ بہت سی کہانیوں میں ایک جدی بڑی ماں کی شخصیت بھی موجود ہے۔ مثلاً مایا دعا میں ''سورج کی بڑی ماں'' سے التجا کی جاتی ہے۔(65) ایروکیوں کی اسطور کے مطابق دنیا کی ابتدا اس وقت ہوئی جب ''آسمانی عورت'' ایک جزیرے پر آن گری جس کا ظہور سمندری کیچڑ سے ہوا تھا اور جو ایک کچھوے کے خول پر ٹکا ہوا تھا۔ یہاں اس نے ایک بیٹی کو جنم دیا۔ یوں انسانی زندگی کا آغاز ہوا۔(66) تاہم مقامی ابتدا سے متعلق ان اساطیر کے علاوہ بالعموم ''ڈوبتے سورج کی سرزمین'' سے ایک رزمیہ ہجرت کی کہانیاں بھی موجود ہیں' بعض قبائل کا کہنا ہے کہ وہ شمال' جنوب یا مشرق سے آئے تھے۔(67)

امریکی سنہری تہذیب کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا بیشتر حصہ وسطی اور جنوبی امریکہ کو توجہ کا مرکز بناتا ہے: بعض مایا' ایزٹیک اور انکا کی تہذیب کو۔ لیکن شمالی امریکہ میں ایک ایسا دور بھی تھا جسے محققین مقامی امریکی تہذیب کا سنہری دور قرار دیتے ہیں جو شمالی امریکہ کے مشرقی اور مغربی دنوں حصوں میں پروان چڑھا۔ یہ سنہری دور تقریباً 1200 قبل مسیح سے 1250 عیسوی تک' دو ہزار سے زیادہ برسوں پر محیط تھا۔ جنوب مشرق میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ثقافت انا سازیوں کی تھی جو نہایت خوبصورت ظروف اور ٹوکریاں بناتے تھے۔ کھیتوں کے اونچے نیچے فرش بچھاتے تھے اور زمینوں کو سیراب کرنے کے لیے چھوٹے چھوٹے ذخیروں میں پانی کو محفوظ کرتے تھے۔ ان کی پانچ منزلہ رہائشی عمارتوں کے کھنڈرات میساورڈے' کولوریڈو میں آج بھی تلاش کئے جا سکتے ہیں۔ انا سازیوں کے دوسرے مقامات کینین ڈی چیلی (ایریزونا) اور چیکو کینین (نیومیکسیکو) ہیں۔(69) شمالی امریکہ کے مشرق میں آباد لوگوں نے جنوبی الی نائے میں کیہوکیا جیسے شہر بسائے' سنہری دور کے دوران جن کی آبادی کا تخمینہ 20,000 سے 50,000 افراد تک لگایا گیا ہے۔(70) لیکن گرچہ وسطی میکسیکو میں ٹیوتھی ہواکان اور گوئٹے مالا میں فکال کے اہرام تو خاصے معروف ہیں' مگر اکثر لوگ کیہوکیا کے اہرام سے

ناواقف ہیں۔

1250 سے 1500 کے دوران شمالی امریکہ کی یہ تہذیبیں عہد زوال سے گزریں' مغرب میں' اس زوال کا سبب ایک بڑی خشک سالی (اندازاً 1275-1290 میں) اور شمال کی جانب سے حملہ آوروں کی شدید یلغاریں تھیں' جو ایک زیادہ ترقی یافتہ تہذیب کو اپنا شکار بنانے لگے۔ 1500 کے آس پاس یورپیوں کے پہنچنے تک متعدد چھوٹی چھوٹی قبائلی اکائیاں (قریب قریب تین سو قبائل) اس علاقے پر قابض تھیں جو آج ریاستہائے متحدہ کا حصہ ہیں۔

یورپی فاتحوں کے ہاتھوں مقامی آبادیوں پر کیا گزری اس کی اصل کہانی آہستہ آہستہ تاریخ کے نصاب میں جگہ پا رہی ہے۔ باوجود اس کے فتح اور غلبے کی اس تاریخ کا ریکارڈ بہت عرصے سے ہمارے پاس موجود تھا جس کی ابتدا ویسٹ انڈیز میں مقامی آبادی کی نسل کشی سے ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر' کولمبس رافیل سانچیز' اراگون کے خزانہ دار کے نام اپنے خط (مورخہ 14 مارچ 1493ء) میں لکھتا ہے کہ وہ مقامی لوگوں کی فیاضی اور دیانت سے از حد متاثر ہوا ہے۔ اس کے مطابق ''وہ خود کو ترجیح دینے کی قیمت پر دوسرے لوگوں سے محبت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔'' تاہم وہ یہ بھی کہتا ہے ''اگر عالی مرتبت کا حکم ہو تو تمام باشندوں کو کاسٹل پکڑ لایا جائے یا انہیں جزیرے پر ہی غلام بنا لیا جائے۔ 50 افراد کے ساتھ ہم ان تمام کو محکوم بنا سکتے ہیں اور انہیں جو ہم چاہیں وہ کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔'' (71) اور کولمبس نے خوفناک بے رحمی کے ساتھ عین یہی کچھ کیا۔

جن غلاموں نے بھاگنے کی کوشش کی کتوں کے ہمراہ ان کا تعاقب کیا گیا اور انہیں قتل کر دیا گیا۔ تاکہ دوسرے اس سے عبرت پکڑیں۔ جیسا کہ ہانز کوننگ لکھتے ہیں' کولمبس برادرز کے محض دو سالہ دور انتظام میں ''ہسپانولا کی آبادی کے تقریباً ایک حصے کو قتل کر دیا گیا یا انہوں نے خود کو ہلاک کر لیا۔ مختلف تخمینوں کے مطابق یہ تعداد 125,000 سے 500,000 کے درمیان تھی''۔ (72)

آج جسے ریاستہائے متحدہ کہا جاتا ہے اس میں یہ قتل عام کچھ تاخیر سے شروع ہوا۔ لٹل بگ مین اور بھیڑیوں کے ساتھ ڈانس جیسی فلموں میں اس کی ڈرامائی تصویر کشی کی گئی ہے۔

ریاستہائے متحدہ کی تاریخ کا ایک اور باب جو حاکمیتی عناصر کا عکاس ہے افریقی' امریکیوں کی تاریخ ہے (باکس 5.10 ملاحظہ کیجئے)۔ اس کہانی کو بھی بس حال ہی میں معیاری نصاب میں جگہ ملنا شروع ہوئی ہے۔ یہ یورپیوں کے ہاتھوں ریاستہائے متحدہ کی نوآبادکاری اور افریقی غلاموں کی درآمد سے پہلے سے شروع ہوتی ہے۔ خاص سور پر یہ افریقیوں کے وطن سے شروع ہوتی ہے جہاں بہت سے

مختلف قبائل اور قومیں ہزاروں برسوں سے آباد تھیں۔

اصل میں یہ کہانی اب تک دریافت ہونے والے بعض ابتدائی انسانی مجرات یا فوسلوں سے شروع ہوتی ہے جو (جیسا کہ ہم نے باب 3 میں دیکھا) ہماری نوع کے ظہور کو مشرقی افریقہ سے جوڑتے ہیں۔ یہ نہ صرف قدیم مصر، بینین اور ایتھوپیا (مشہور ملکہ شیبا کا وطن جس کا ذکر ہمیں بائبل میں ملتا ہے) جیسی تہذیبوں کا تذکرہ کرتی ہے بلکہ اس حقیقت کو بھی سامنے لاتی ہے کہ افریقہ پر غیرملکی حملوں کا آغاز دور قدیم سے ہو گیا تھا (مثلاً مصر پر ہونے والے یونانی اور رومن حملے) اور یہ سلسلہ صدیوں تک جاری رہا، ان حملوں میں یورپیوں کے ساتھ ساتھ عرب بھی شامل تھے۔

امریکہ میں افریقیوں کی تاریخ تشدد اور حاکمیت ہی کی تاریخ ہے۔ اس کی ابتدا عربوں اور یورپیوں کے ساتھ ساتھ بعض افریقی قبائلی سرداروں کی غلاموں کی تجارت سے ہوتی ہے۔ اس میں جہازوں پر سفر کے دوران غلاموں پر ہونے والا ناقابل بیان خوفناک ظلم وستم (جہاں گرفتار عورتوں، بچوں اور مردوں میں سے نصف سے زیادہ بھوک، پیاس اور بیماریوں سے مر جاتے تھے) شامل ہے جو کاشتکاری کے غلامانہ نظام کی صورت میں جاری رہتا ہے اور جس کا نقطہ عروج نجات اور شہری، سیاسی و معاشی حقوق کے لیے سیاہ فام جدوجہد ہے۔ یعنی ایک ایسی جدوجہد جو آج بھی جاری ہے۔

باکس 5.9 مقامی امریکی تناظر

امریکی تاریخ کے اس دور سے متعلق تدریسی ماخذوں کے لیے ''کولمبس پر نظر ثانی'' (73)، گیری نیش کی ''سرخ، سفید و سیاہ: قدیم امریکہ کے لوگ'' (74)، ہاورڈ زن کی ''ریاستہائے متحدہ کے عام لوگوں کی تاریخ'' (75) اور ڈی براؤن کی مرتبہ ''بیری مائی ہارٹ ریٹ دونڈ ڈنی'' (76) ملاحظہ کیجیے۔ مقامی امریکی لوگوں اور ان کی ثقافت کی فتح اور تباہی کی المناک کہانی کی ایک ابتدائی دستاویز جان کولیئر کی کتاب ''امریکاؤں کے ریڈ انڈین'' ہے جو 1947ء میں شائع ہوئی تھی۔ (77) میری لو ایوی ایکٹا کی ''سیلو'' (78) کے ساتھ ساتھ ولمہ مین کلر (شریک مصنف مائیکل ویلس) کی خودنوشت سوانح ''مین کلر: ایک سردارنی اور اس کے لوگ'' (79) بھی ملاحظہ کیجیے۔ دو اور ماخذ جن میں مقامی نقطہ نظر سے امریکی تاریخ سے متعلق تدریس کے لیے سبقی منصوبے، ہینڈ آؤٹ اور مواد موجود ہے۔ کیرن ڈی ہاروی اور لزا ڈی ہر جو کی ''ریڈ انڈین ملک: امریکہ کے مقامی لوگوں کی تاریخ'' (80) اور آر گولڈن، ایم مک کینئل، پی۔ ملر، سی۔ پوپین اور ایم۔ ٹرکووچ کی ''خطرناک یادداشتیں: حملہ اور مزاحمت

1492ء سے اب تک'' (81) ہیں۔ (موخرالذکر کتاب میں جو وسطی امریکہ سے تعلق رکھتی ہے اور جسے شکاگو مذہبی ٹاسک فورس نے شائع کیا تھا' یہ معلومات بھی شامل ہیں کہ مقامی امریکی لوگ فتح اور حاکمیت کے خلاف مزاحمت کے لیے کس طرح منظم ہوئے تھے۔)

طلبہ اور بڑوں کے لیے بعض اوقات محض ایک صدی پہلے کی افریقی' امریکی زندگی کی ابتدا اور مشکلات کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ ہم میں سے اکثر لوگ اس بات سے بے خبر ہیں کہ قانونی بندشوں نے سیاہ فام لوگوں کو بیشتر بنیادی حقوق اور مہارتوں سے کس طرح محروم کر رکھا تھا۔ اس کی ایک مثال یہ حقیقت ہے کہ امریکی جنوب میں سیاہ فام غلاموں کو پڑھنا سکھانا ایک جرم تھا۔ لیکن یہ چیز ان کی ذہانت اور جرأت کا ثبوت ہے کہ بہت سے غلام پھر بھی خواندہ بننے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اس چیز کی نہ بھولنے والی مثال وہ نامعروف کہانی ہے جس میں ایک لڑکے نے جو بعد ازاں غلامی کے خاتمے کی تحریک کا لیڈر' فریڈرک ڈگلس بنا' خود کو پڑھنا سکھانے کے لیے کیا کچھ کیا: اس نے کچھ سفید لڑکوں کو وہ حروف تہجی اونچی آواز میں پڑھنے پر تیار کیا جو اس نے لکڑی کے ایک ٹکڑے پر کھودے تھے۔ یہاں تک کہ آخر کار وہ ابجد کی پہیلی کو حل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

یقیناً مساوی تعلیم تک رسائی کی یہ جدوجہد بیسویں صدی تک جاری رہی ہے جس کی شہادت 1960ء کی دہائی کے دوران مخلوط سکول کی جنگ ہے۔ اس جنگ کی ''روبی برہجز'' جیسی فلموں میں ڈرامائی انداز میں پیش کیا گیا ہے جو ایک چھ سالہ سیاہ فام طالبہ کی کہانی ہے جسے مشتعل ہجوم سے بچنے کے لیے اپنی پہلی کلاس میں پورا ایک برس وفاقی محافظوں کی معیت میں نیو اورلینز کے سابقہ غیر مخلوط سکول جانا پڑا (یہ فلم 1998ء میں اے بی سی پر دکھائی گئی) اور 1950ء کی دہائی کے دوران جنوب میں مخلوط تعلیم کی جدوجہد سے متعلق پی بی ایس کی ٹیلی ویژن سیریز بھی ایک ہی فلم ہے۔ دونوں ہی ایلیمنٹری اور ثانوی درجات کے طلبہ کے لیے اچھے ماخذ ہیں۔

طلبہ کو خود اپنی کہانیاں تخلیق کرنے کے لیے بھی کہا جا سکتا ہے' جیسے کہ کسی ایسے فرد کے کردار کو اپنا کر خود کلامی پر مبنی تحریر جو غلامی کے خاتمے کی تحریک یا شہری حقوق کی تحریک کا کارکن رہا ہو اور پھر انہیں زبانی یا تحریری صورت میں پیش کیا جائے۔ آٹھویں گریڈ سے متعلق پروجیکٹ بعنوان سیاہ فام تاریخ کی جستجو میں جو ایک صحافی بنا اور اس نے ایک اداریہ لکھا کہ ہمیں افریقی' امریکیوں کی خدمات کو کیوں سراہنا چاہیے اور بارھویں گریڈ کی میری بیتھ نے غلاموں کی اصل ڈائریوں کے اقتباسات کی بنیاد پر عورتوں کی غلامانہ زندگی

۔ابتدائی گرفتاری سے لے کر بعض صورتوں میں زیرِ زمین ریل روڈ کے ذریعے فرار تک کا جائزہ لیا۔

طلبہ کو بالعموم بیل ہکس کی تصانیف جیسے کہ سسٹرز آف دی یام (89) بے حد دلچسپ معلوم ہوتی ہیں کیونکہ یہ افریقی، امریکی عورتوں کی آج کی زندگی کے حوالے سے بہت بصیرت افروز ہوتی ہیں۔ وہ زیرِ زمین ریل روڈ سے متعلق بچوں کی کتابوں کے ساتھ ساتھ ان کتابوں کا مطالعہ بھی کر سکتے ہیں جن میں جم کرو قوانین اور ہجوم کے ہاتھوں ہلاکتوں کے خلاف آزاد کردہ افریقی امریکیوں کی بعد کی جدوجہد کو بیان کیا گیا ہے جو امریکی جنوب میں بغیر کسی فوجداری عمل کے 1960ء کی دہائی تک جاری تھیں۔ وہ متاثر کن سوانح عمریوں کی ورق گردانی بھی کر سکتے ہیں جیسے کہ فریڈرک ڈگلس کی خودنوشت سوانح عمری، جسے (متعدد دوسرے بچوں کی طرح) اس کی ماں سے علیحدہ کر دیا گیا تھا اور جس نے اپنی بیشتر زندگی ایک شراکتی دنیا کے لیے لڑتے ہوئے گزاری اور سوجرنر ٹروتھ کی زندگی کی تاثر انگیز کہانی جو ایک غیر معمولی سیاہ فام عورت تھی اسے بھی اس وقت اس کی ماں سے جبراً علیحدہ کر دیا گیا تھا جب ابھی وہ بہت چھوٹی تھی۔ ایک موقع پر اس جرأت مند سابقہ غلام نے جو سیاہ فاموں اور عورتوں دونوں کے حقوق کی علمبردار تھی، اپنی زندگی کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ وہ سیاہ فام بدمعاشوں کے ایک جتھے کے آگے بھاگنے کے بجائے پرسکون انداز میں گفتگو کرتے ہوئے ایک رکاوٹ بن گئی جو سیاہ فاموں کے احیا سے متعلق ایک جلسے کو دہشت زدہ کرنا چاہتے تھے۔

باکس 5.10 افریقی، امریکی تناظر

ریاستہائے متحدہ کی تاریخ کے اس باب سے متعلق معیاری نصابی کتب حاکمیتی تعلقات کو اہمیت دیتی ہیں جبکہ سیاہ فاموں، مقامی امریکیوں اور بعدازاں چینیوں اور دوسرے ایشیائی مہاجرین کے ساتھ غیر انسانی سلوک کی بربریت کو پوری طرح سامنے نہیں لاتیں۔ طلبہ ان کتابوں کو نقطہ آغاز کے طور پر کام میں لا سکتے ہیں، لیکن ایک زیادہ جامع نقطہ نظر کے لیے ان کی توجہ ایسے ماخذوں کی طرف مبذول کروائی جانی چاہیئے جو شراکتی عناصر کو اہمیت دیتے ہیں اور یا ان گروہوں کے فراموش کر دیئے جانے والے تناظر کو سامنے لاتے ہیں جنہیں محکوم بنا لیا گیا ہے، جیسے کہ ڈبلیو ای بی ڈو بوئیز کی ابتدائی کلاسیک، دنیا اور افریقہ (82)، ڈیوڈیوٹی کی ایوارڈ یافتہ ایک قوم کی صحت یابی (83) (اس کا انتساب ڈو بوئیز کے نام ہے) ہاورڈ زان کی ریاستہائے متحدہ کے عام لوگوں کی تاریخ (84) شیرون ہارلی، سٹیفن مڈلٹن اور شارٹ سٹوکس کی افریقی، امریکی سرگزشت (85) اور مولیفی اسنٹ اور مارک میٹسن کی افریقی

امریکیوں کی تاریخی اور ثقافتی اٹلس (86) اضافی ماخذوں میں مشہور ٹیلی ویژن سیریز روٹس، (اور اسی نام کی کتاب) (87)، کے ساتھ ساتھ حالیہ فلم ایمسٹیڈ شامل ہیں۔ سیاہ فام عورتوں اور غلامی سے متعلق ایک کتاب جسے میں نے بہت متاثر کن پایا، ڈیوڈ بیری گیسپر اور ڈالرلین کلارک ہائن کی مرتبہ، ڈھورڈنگر سے بڑھ کر، (88) ہے، اس میں سیاہ فام غلام عورتوں کی المناک اور جرأت آزما زندگیوں سے متعلق بہت سے کم معروف واقعات شامل ہیں۔

طلبہ سفید فام لوگوں، نوجوانوں اور بوڑھوں کی حقیقی زندگی کی متاثر کن کہانیوں کا مطالعہ بھی کر سکتے ہیں جنہوں نے شہری حقوق کی جدوجہد میں سیاہ فاموں کے شانہ بشانہ حصہ لیا۔ بعض اوقات انہوں نے اپنی زندگیوں کو بھی داؤ پر لگا دیا، یہاں تک کہ جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ مثال کے طور پر، کالج کے دو نوجوان یہودی طالب علم، اینڈریو گڈمین اور مائیکل شیورنر ایک سیاہ فام نوجوان جیمز چینی کے ہمراہ مارے گئے، وہ 1960ء کی دہائی کی ابتدا میں فریڈم رائیڈر کے طور پر سی پسی گئے تھے۔ (90)

نسلی تعلقات کے اس منقسم عہد میں، اساتذہ کو اس بات پر زور دینا چاہئے کہ شہری حقوق کی بڑی تنظیمیں، جیسے کہ این اے اے سی پی اولاً سفید فام اور سیاہ فام، مردوں اور عورتوں نے اکٹھے مل کر قائم کی تھیں اور یہ کہ سفید فام بالعموم یہودی ہوتے تھے۔ یہ بتانا آج ایک ایسے مرحلے پر خصوصاً اہم ہے جب کچھ جذبات پسند سیاہ فام لیڈر سیاہ فام صیہونیت دشمنی کو ہوا دے رہے ہیں۔ (91)

مختصراً، ریاستہائے متحدہ میں سیاہ فام لوگوں کو درپیش اداراتی رکاوٹوں کے باوجود اور اس حقیقت کے باوجود کہ امریکی جمہوریت اور مساوات عموماً زندہ حقیقتوں کے بجائے محض خالی خولی الفاظ ہیں، ریاستہائے متحدہ کی تاریخ میں ایسا بہت کچھ ہے، جس پر ہم فخر کر سکتے ہیں۔

حقیقتاً جیسا کہ میں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ تدریس کا پرانا انداز ریاستہائے متحدہ کی تاریخ کو شک میں ملفوف کر کے پیش کرتا ہے، ساتھ ہی ساتھ یہ نوجوان افراد کو اس بات کی پوری آگاہی دینے میں بھی ناکام رہ جاتا ہے کہ ہماری قوم کے ماضی میں کتنا کچھ قابل قدر بھی ہے۔

ہمارے پاس غیر معمولی لیڈر تھے جیسے کہ جارج واشنگٹن، ٹامس جیفرسن، ابراہیم لنکن، تھیوڈور روزویلٹ اور فرینکلن ڈیلانو روزویلٹ جنہوں نے ریاستہائے متحدہ اور دنیا کی تاریخ میں نہایت اہم اور مثبت خدمات سرانجام دیں، تاہم اب تک سامنے نہ آنے والے گروہوں کے بہت سے کم معروف رہنماؤں نے بھی اہم خدمات سرانجام دی ہیں، جیسے کہ عورتیں، سیاہ فام، مقامی امریکی اور ہسپانوی

(باکس 5.11 ملاحظہ کیجئے)۔ ایک ایسی ہی لیڈر، ایما گولڈ مین ہیں جن کی خود نشت سوانح نہ صرف جرأت، عزم اور زندگی کی مسرت کی متاثر کرنے والی داستان ہے بلکہ ریاستہائے متحدہ کی تاریخ کے مطالعے کو ایک جہت بھی عطا کرتی ہے جس میں سماجی اصلاح کی متعدد تحریکیں شامل ہیں جن کا باب 4 میں ذکر آ چکا ہے۔ دوسری مثالوں میں مزدور رہنما سیزر چیویز اور ڈولورز ہرٹا، شہری حقوق کے رہنما مارٹن لوتھر کینگ اور روزا پارکس اور مقامی امریکی رہنما جیسے کہ ولمہ مین کلر اور ونو نا لا ڈیوک شامل ہیں۔

باکس 5.11 مزدور رہنما

ریاستہائے متحدہ کی مزدور تحریک اور لوگ اپنی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے کس طرح منظم ہوئے، سے متعلق تدریسی مواد کے لیے ولیم بگلو اور نارمن ڈائمنڈ کی طاقت ہماری دسترس میں، ایک اچھا ماخذ ہے۔ (92) وکی روئیز کی کینزی عورتیں: کینزی زندگیاں، کیلیفورنیا کی یونین تحریک میں میکسکن عورتوں کے کردار سے متعلق ایک مناسب وسیلہ ہے۔ (علاوہ ازیں، چکانو تاریخ اور تصاویر کے پانچ سو برس، مرتبہ ایلز بیٹھ مارٹینز، ہسپانوی تاریخ کے بارے میں ایک اچھا وسیلہ ہے، اس میں اس وقت کے نصف میکسیکو کی فتح شامل ہے)۔ (93)

جب اساتذہ ریاستہائے متحدہ کی تاریخ کو دو انسانی امکانات کی حیثیت سے شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کے مابین کشمکش کے وسیع تر سیاق وسباق میں رکھیں گے تو نوجوان افراد کے لیے ہماری تاریخ کو بہتر انداز میں سمجھنا اور اس سے ایسے اسباق اخذ کرنا ممکن ہو جائے گا جن کی آج ضرورت ہے۔ وہ حاکمیتی سے ایک شراکتی سماجی تنظیم میں تبدیلی کی جدید تحریک میں ہماری قوم کی تاریخی کردار کو جان سکیں گے۔ وہ یہ دیکھ سکیں گے کہ ہمارا آئین۔ جو، جیسا کہ ہم نے باب 4 میں دیکھا، مقامی امریکی روایات کے اثرات کا حامل ہے، عالمی جمہوریت کی راہ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ہمارے بل آف رائٹس (جو تقریر کی آزادی اور چرچ اور ریاست کی علیحدگی کے بنیادی اصولوں پر مبنی ہے) کی بے پایاں اہمیت کو سمجھ سکیں گے اور یہ کہ اپنی تمام تر خامیوں کے باوجود، ریاستہائے متحدہ کی جمہوریت دنیا بھر کے لوگوں کی جمہوریت نواز تحریکوں کے لیے فیض کا سرچشمہ رہی ہے بلکہ وہ یہ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ شراکتی ماڈل کی اس تحریک کی راہ میں شدید حاکمیتی مزاحمت کس طرح آڑے آتی ہے اور ریاستہائے کے متحدہ اور دوسری جگہوں پر اسے کس طرح بار بار پسپا ہونا پڑا ہے۔

MashalBooks.org

حاصل کلام، ریاستہائے متحدہ کی تاریخ کا مطالعہ طلبہ کو شراکتی اور حاکمیتی عناصر کی مثالوں کو شناخت کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے اور یہ دیکھنے کے قابل بناتا ہے کہ انہوں نے تاریخ میں کیا کردار ادا کیا ہے۔ دراصل، جیسا کہ ہم نے باب 4 میں دیکھا شراکتی ماڈل کی طاقتور تحریک جسے شدید حاکمیتی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور دوری جوابی عملوں اور پسپائیوں کے مابین گزشتہ تین سو برسوں پر محیط کشمکش کو جاننے سے طلبہ جدید تاریخ اور خود ہمارے بعداز جدیدی دور کو بہتر انداز میں سمجھ سکتے ہیں (باکس 5.12 ملاحظہ کیجئے)۔

باکس 5.12 تاریخ اور اس کی تردید

روشن خیالی کی تحریکوں نے جنہوں نے ریاستہائے متحدہ کے جمہوری تجربے کو متاثر کیا، سترہویں، اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں شراکتی تحریک کو مہمیز کیا۔ اس تحریک کو، جیسا کہ ہم نے قبل ازیں دیکھا، ٹیکنالوجی کی تبدیلی اور ثقافتی اتھل پتھل سے تقویت ملی جو زرعی سے صنعتی معاشرے میں تبدیلی کا شاخسانہ تھیں۔ یہ عدم توازن کا ایک ایسا دور تھا جیسا کہ ثقافتی قلب ماہیت کے نظریے سے واضح ہے، جس نے بنیادی تبدیلی کا موقع فراہم کیا، تاہم ساتھ ہی ساتھ، سترہویں اور اٹھارہویں صدی کے دوران یورپ اور ریاستہائے متحدہ میں چڑیلوں کی بیخ کنی اور دوسروں کو قربانی کا بکرا بنانے کی دوسری حاکمیتی صورتیں اور افریقی غلاموں کی تجارت اور ''کمتر'' نسلوں کے خلاف دوسری بربریتیں جاری رہیں۔ انیسویں صدی نوآبادیاتی سامراج کے تشدد، مزدوروں کی تنظیم کاری کے بزور خاتمے اور شکار خور قسم کی ''رابر بیرن'' کی حیات نو کے ساتھ نسواں پسند تحریک اور عورتوں کی سماجی، معاشی، مذہبی اور سیاسی محکومیت کے خلاف اس کے شدید چیلنج کی گواہ بھی بنی۔

شراکت کی تحریک خط مستقیم پر گامزن نہیں۔ مزاحمت اور دوری رجعتوں کے مقابل اسے پھیلنا اور سکڑنا پڑتا ہے۔ مثلاً سیاہ فام غلاموں کی نجات کے بعد جم کرو قوانین اور کوکلکس کلین کا جوابی وار سامنے آیا۔ اینٹی ٹرسٹ قوانین اور سوشل سکیورٹی جیسے سماجی پروگراموں کے بعد جس نے تمام شہریوں کو بنیادی تحفظ مہیا کیا، چند بڑے ہاتھوں، بالعموم عالمگیر کارپوریشنوں کے ہاتھوں میں معاشی طاقت کا ارتکاز سامنے آیا جن کا مقصد دولت کو چند لوگوں تک محدود کرنا تھا اور اس کا نتیجہ اور سماجی معاہدے کی تنسیخ کی کوششوں کی صورت میں نکلا جنہیں نیوڈیل اور غربت کے خلاف جنگ نے تشکیل دینے کی سعی کی تھی۔ شہری حقوق اور عورتوں کی تحریک کے بعد جو جوابی وار ہوا اس میں اثباتی اقدام کے خاتمے کی کوششیں شامل تھیں جو ملک کے کچھ حصوں میں کامیابی سے ہمکنار ہوئیں اور والدین، بچے اور مرد، عورت کے

قریبی تعلقات سے متعلق تشدد اور بدسلوکی کے خاتمے کی تحریک کے بعد نام نہاد مسیحی دائیں بازو نے جوابی وار کیا! ''عہددار'' کے نام سے ریلیاں منعقد کی گئیں جن میں مردوں کو ایک مذہبی فریضے کی حیثیت سے عورتوں پر دوبارہ کنٹرول حاصل کرنے کے لیے اکسایا گیا اور والدین کی ذمہ داری سے متعلق ''فدائی طریقہ'' جیسے کورسز کا اجرا کیا گیا جو والدین کو اپنے بچوں کو متشددانہ انداز میں ٹھیک کرنے کا سبق دیتے تھے تاکہ ان کا کہا ایک مرتبہ پھر قانون بن جائے۔ اس کی انتہا یہ تھی کہ آٹھ ماہ کے بچوں کو اپنی نشست پر ہاتھ باندھے چپ بٹھانے کے لیے انہیں دہشت زدہ کرنا بھی جائز تھا۔(94)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ خاندانی، سماجی اور معاشی تنظیم کی حاکمیتی سے شراکتی صورت میں تبدیلی کی جدوجہد میں کچھ ہاتھ نہیں آیا ہے۔

باکس 5.13 صنفی توازن پر مبنی عدسے کی مدد سے تاریخ کا مطالعہ

انیسویں صدی اور ابتدائے بیسویں صدی کی نسواں پسند تحریکوں نے نصف آبادی، عورتوں کو متعدد ظالمانہ قوانین اور رواجوں سے آزادی دلائی جن میں بیویوں کے معاشی حقوق اور طلاق کے بعد بچے کی تحویل کے حق سے انکار شامل ہیں۔ انہوں نے عورتوں کے لیے اعلیٰ تعلیم کا حق، ووٹ کا حق اور نتیجتاً کسی عہدے کے لیے انتخاب لڑنے کا حق حاصل کیا۔

ان اقدامات نے معاشرے کو انسانی بنانے میں بڑا کردار ادا کیا کیونکہ انہوں نے مخصوص نسوانی اقدار اور کام کو گھر کے نجی دائرے (جہاں عورتوں کو بالعموم محدود کر دیا گیا تھا) سے نکال کر پبلک کے دائرے یا مردوں کی ''دنیا'' (جہاں سے عورتوں کو بے دخل کر دیا گیا تھا) تک پہنچا دیا تھا۔ مثلاً انیسویں صدی کی جین ایڈمز اور فلورنس نائٹ اینگل جیسی نسواں پسندوں کا کام سوشل ورک اور نرسنگ جیسے بالکل نئے پیشوں کی تخلیق پر منتج ہوا۔ ڈوروتھیہ ڈکس نے ذہنی معذوروں اور بیماروں کے ساتھ عمومی غیر انسانی سلوک کے ضمن میں اصلاحات کو عمل میں لانے کے لیے کام کیا۔ نیلی بلائی جیسی رپورٹروں نے بیگار خانوں کو بے نقاب کیا۔ ایما گولڈمین جیسی مزدور رہنماؤں نے لیبر اصلاحات کے سلسلے میں کام کیا جن میں کام کرنے کے محفوظ حالات سے متعلق قوانین شامل تھے اور مارگریٹ سینگر نے عقوبت اور قید کے باوجود ضبط تولید کی بتدریج دستیابی اور اسے قانونی بنانے کے لیے کام کیا۔ اس اہم سماجی تحریک کی بدولت ہی عام تعلیم ممکن ہوئی، کیونکہ نئی تعلیم یافتہ عورتوں نے ایک زیادہ جمہوری معاشرے کی طرف اس ناگزیر پیش قدمی کے لیے وومین پاور مہیا کی۔

MashalBooks.org

اس نکتے کو زیادہ مؤثر انداز میں ثابت کرنے کے لیے ریاستہائے متحدہ کی تاریخ سے متعلق ایک زیادہ منفی توازن پر مبنی انداز نظر اپنانا ضروری ہے جس میں انیسویں اور بیسویں صدی کی نسواں پسند تحریکوں کو وہ اہمیت دی گئی ہو جس کی وہ مستحق ہیں۔ان تحریکوں کا درست مطالعہ۔ان کا محض سرسری تذکرہ نہیں، جیسا کہ بیشتر مسلمہ متنوں میں کیا جاتا ہے۔ڈرامائی پسند تحریک نے سماجی اصلاحات کے ضمن میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے جنہوں نے عورتوں اور مردوں دونوں کی زندگیوں میں مستقل بہتری پیدا کی (باکس 5.13 ملاحظہ کیجئے)۔

''اہم علم'' کے ایک جزو کی حیثیت سے تاریخ میں عورتوں کی خدمات سے متعلق طلبہ کی تدریس ایک زیادہ بھرپور اور زیادہ مناسبت کے حامل نصاب پر منتج ہوتی ہے (ماخذوں کے لیے، باکس 5.14 ملاحظہ کیجئے)۔نسواں پسند انقلاب کو بھی اتنی ہی اہمیت دینے سے جتنی امریکی انقلاب کو دی جاتی ہے۔ اساتذہ جبر سے آزادی کے لیے عورتوں کی غیر متشدد، جدوجہد اور مردوں کی متشدد، جدوجہد کے درمیان ایک توازن پیدا کر سکتے ہیں۔

باکس 5.14 ریاستہائے متحدہ کی تاریخ میں عورتوں سے متعلق ماخذ

ریاستہائے متحدہ کی تاریخ میں عورتوں سے متعلق کچھ اچھے ماخذ لنڈا کربر اور جین ڈی ہارٹ میتھیو کی عورتوں کا امریکہ: ماضی کا جائزہ، (95) کیرل ڈوبوئیز اور وکی ایل روئیز کی مرتبہ، غیر مساوی بہنیں: ریاستہائے متحدہ کی عورتوں کی کثیر الثقافتی تاریخ، (96) اور مریم شنائیر کی مرتبہ ہمارے دور کی نسواں پسندی، (97) ہیں۔اساتذہ کو ایک ایسے ماخذ سے بھی واقف ہونا چاہئے جس کی مدد سے نئی شائع ہونے والی کتابوں تک رسائی ممکن ہو سکتی ہے: یعنی، کیلیفورنیا، ونسر میں نیشنل وومینز ہسٹری پراجیکٹ، (98) اور اس سلسلے میں دو اچھی ویڈیو وین ورڈن، روکی آسکر یافتہ عورتیں، امریکہ کے لیے، دنیا کے لیے اور کلیرین ایوارڈ یافتہ امریکی عورتیں: جرأت کی تصویریں ہیں۔(99)

اگر طلبہ جو کچھ ہمارے وقت میں ہو رہا ہے اسے بہتر انداز میں سمجھنا چاہتے ہیں تو تاریخ کی کلاسوں میں شراکتی تحریک کی پیش رفت اور حاکمیتی مزاحمت اور جوابی وار کی پسپائی کی حرکیات کی طرف بار بار واپس آنا ضروری ہے۔اس حرکیات کا فہم حاصل کر کے نوجوان افراد سرمایہ داریت بمقابلہ اشتراکیت' دایاں بازو بمقابلہ بایاں بازو اور مذہبی مقابلہ سیکولر کی پرانی درجہ بندیوں سے آگے نکل سکتے ہیں جنہوں

نے شدید قسم کی تقسیم اور بدگمانیوں کو جنم دیا ہے (جیسا کہ 1950ء کی دہائی کی میکارتھی پکڑ دھکڑ اور 1990ء کی دہائی کے نام نہاد مسیحی دائیں بازو کی سیاست سے ظاہر ہے)۔

یہ پرانی تقسیمیں نوجوان افراد کو مستقبل کے لیے تیار کرانے میں مفید نہیں کیونکہ یہ اس اصل سوال سے توجہ ہٹا دیتی ہیں کہ کوئی معاشرہ کس قسم کے تعلقات کو تقویت دیتا ہے اور کس قسم کے تعلقات کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے: یعنی، شراکت پر مبنی تعلقات یا حاکمیت پر مبنی تعلقات۔ اس سے بھی بدتر یہ کہ سوچ کے پرانے انداز، تنازعات اور دوسروں کو قربانی کا بکرا بنانے کے عمل کو ابھارتے ہیں، جیسا کہ ہم آج کل ان مسائل کے ضمن میں "کاہل غریب" اور "بیہودی مائیں" کے الزامات سنتے ہیں جو اصلاً ہماری سماجی تنظیم کے حاکمیتی پہلوؤں کا شاخسانہ ہیں۔ اس نقطہ نظر سے تاریخ کا مطالعہ نوجوان افراد کے لیے یہ سمجھنا بھی ممکن بناتا ہے کہ گزشتہ تین سو برسوں میں غلامی کے خاتمے سے لے کر ماحولیات تک، ہر ترقی پسند سماجی تحریک کو شدید قسم کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ یہ چیز جواباً انہیں یہ دیکھنے کے قابل بناتی ہے کہ معاملہ یہ نہیں کہ آیا مخصوص سماجی تصورات مقبول ہیں یا غیر مقبول۔

تاریخ بتاتی ہے کہ یہ ترقی پسند اور بالعموم انتہائی غیر مقبول تصورات کی حامل ایک مختصر اقلیت ہی ہوتی ہے جو تبدیلی لاتی ہے۔ سماجی تحریکیں جنہوں نے ہماری زندگیوں میں پائیدار مثبت تبدیلیاں برپا کیں، ایسا اس لیے کر پائیں کیونکہ جیسے جیسے چند لوگوں کا شعور تبدیل ہوا، یہ لوگ اور زیادہ لوگوں کے شعور کو تبدیل کرنے کے لیے منظم ہوتے گئے۔ مختصراً ہم میں سے ہر کوئی کچھ نہ کچھ تبدیلی پیدا کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ ہم حاکمیتی جوابی دار کے سامنے حوصلہ نہ ہاریں اور شراکتی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے اکٹھے مل کر کام کریں۔

ادب

ادب اس وقت اور زیادہ بامعنی ہو جاتا ہے جب طلبہ شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کے سانچوں کو تجرباتی آلات کے طور پر استعمال میں لاتے ہیں۔

ادب کا مطالعہ طلبہ کو یہ سمجھنے میں مدد دے سکتا ہے کہ کہانیاں کس طرح غیر شعوری طور پر رویوں کی تشکیل کرتی ہیں۔

کثیر الثقافتی اور منفی توازن کے حامل تناظر کی مدد سے ادب کا مطالعہ طلبہ کے لیے روایتی طور پر

نظر انداز کر دیئے جانے والے گروہوں کو سمجھنے اور ان کے بارے میں ہمدردی پیدا کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

روایتی نصاب میں ادب کا مطالعہ شاذ ہی تاریخی اور ثقافتی سیاق وسباق میں کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ہائی سکول اور یونیورسٹی کی کلاسوں میں بھی تعلقات یا سماجی ڈھانچوں کی انواع پر بالکل توجہ نہیں دی جاتی جن کی عکاسی ہمارے زیر مطالعہ کتابوں اور ڈراموں میں ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر، شیکسپیئر کی نگارشات کو عام طور پر خوبصورت انداز میں لکھی گئی تصانیف کی حیثیت سے زیر بحث لایا جاتا ہے اور یقیناً یہ ایسی ہیں بھی لیکن اس کے کچھ ڈرامے کن پیغامات کی ترسیل کرتے ہیں؟

اس کا ڈرامہ، بدمزاج عورت کی تربیت جسے اب بھی ہائی سکولوں اور کالجوں کے تھیٹروں میں کھیلا جاتا ہے، گھریلو تشدد کو رومانوی انداز میں پیش کرتا ہے۔ اس کا پیغام یہ ہے کہ کیٹ ایک خودسر عورت ہے جو پٹائی کی مستحق ہے اور یہ کہ اس پٹائی کے نتیجے میں اس میں اپنے شوہر کے لیے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

ہیملٹ میں، ہمیں ایک خود میں گم ہیرو ملتا ہے جو پہلے اوفیلیا کی حوصلہ افزائی کرتا ہے پھر اس کے ساتھ سرد مہری سے پیش آنے لگتا ہے اور اس کی رومانوی پیش رفت کو ٹھکراتا ہے اور آخر اُس کے باپ کو قتل کر کے اسے اتنا شدید صدمہ پہنچاتا ہے کہ وہ پاگل ہو جاتی ہے لیکن اس کے بھائی کی اشتعال آمیز آہ وزاریوں کے سوائے اس بات سے متعلق کوئی شدید ناپسندیدگی موجود نہیں کہ شہزادہ ہیملٹ اس حساس نوجوان لڑکی کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے۔ یا اس کے باپ کے قتل سے متعلق کوئی بات، جسے ایک زبان دراز احمق کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس، شیکسپیئر نے اس ڈرامے کو اس طرح بنا ہے کہ ہم اوفیلیا کے بجائے ہیملٹ کے رنج میں زیادہ شریک ہو جاتے ہیں۔

اس طرح کے کلاسیک عورتوں اور ان سے وابستہ چیزوں کی تحقیر کی عکاسی کرتے ہیں اور غیر شعوری طور پر ہمیں بھی اسی طرح پیش آنے کے لیے تیار کرتے ہیں۔ بالکل اسی وجہ سے کہ یہ تصانیف خوبصورت انداز میں لکھی گئی ہیں اور ان میں طاقتور ڈرامہ موجود ہے، ہم ان سے جذباتی طور پر بھی اور ذہنی طور پر بھی عورتوں کی تحقیر کرنا سیکھتے ہیں اور غیر شعوری طور پر عورتوں کی محکومیت کو قبول کر لیتے ہیں بلکہ اسے رومانوی بنا کر پیش کرنے لگتے ہیں۔

یقیناً میں یہ نہیں کہہ رہی کہ شیکسپیئر اور دوسروں کی تصانیف کو جنہیں کلاسک کی حیثیت سے پڑھایا جاتا ہے نصاب سے خارج کر دیا جائے۔ یہ تصانیف نہ صرف ادبی محاسن کی حامل ہیں بلکہ منفی مفروضات

اور ایسی دوسری اقدار کی تاریخ کی تحقیق کے ضمن میں اہم ماخذ بھی ہیں جو آج کل طلبہ کی زندگیوں پر بہت اثر رکھتی ہیں۔ اصل میں شیکسپیئر کی تصانیف کو حاکمیتی اور شراکتی عدسوں کی مدد سے پڑھنے سے طلبہ کے لیے یہ سمجھنا ممکن ہو جاتا ہے کہ ایسی تصانیف جو عورتوں اور مردوں کے درمیان اس قسم کے تعلقات کو ''بس یہ اسی طرح ہوتے ہیں'' کے طور پر پیش کرتی ہیں، مرد غالب سماجی نظام کی عکاسی کرتی ہیں اور اسے تقویت دیتی ہیں۔

ہیملٹ اور بدمزاج عورت کی تربیت، دونوں شیکسپیئر کے وقت کے انگریزی معاشرے کے آئینہ دار ہیں اور یہ اس وقت کی بات ہے جب انصاف اور جمہوریت ابھی مغربی ثقافت کے نصب العین نہیں بنے تھے اور یہ شیکسپیئر کا احسان ہے کہ اس کے متعدد ڈرامے طاقتور نسوانی کرداروں (جیسے کہ وینس کا تاجر میں پورشیا) اور راندے ہوئے اور عقوبت زدہ گروہوں (جیسے کہ یہودی شائی لاک) کے لیے ہمدردی کی تصویر کشی کرتے ہیں۔

طلبہ کو شراکتی، حاکمیتی تسلسل کے تجزیاتی عدسے کے ذریعے ہمارے ادبی ورثے کے مطالعے کے لیے مدعو کرنے کا نتیجہ معاصر کہانیوں پر مباحثے کی صورت میں نکل سکتا ہے جن میں مرد کرداروں کو عورتوں کے ساتھ وحشیانہ اور غیر انسانی سلوک کے برے نتائج (جیسے کہ جیمز بانڈ اور آرنلڈ شوارزینگر کی مقبول فلموں میں ہوتا ہے) بھگتنے نہیں پڑتے۔ یہ انداز نظر اس چیز کی تحقیق پر بھی منتج ہو سکتا ہے کہ ایسی کہانیاں (جو تشدد کو شہوت آمیز بنا کر پیش کرتی ہیں) غیر منصفانہ اور متشددانہ تعلقات کو قائم رکھنے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں جبکہ شراکت مائل پیغامات کی حامل کہانیاں (جیسے کہ فرائیڈ گرین ٹومیٹوز' ایلس اب یہاں نہیں رہتی اور گراؤنڈ ہاگ ڈے) ایسے تعلقات کا نمونہ پیش کرتی ہیں جہاں عورتوں کو زیادہ قابل احترام سمجھا جاتا ہے اور تشدد کو مثالی بنا کر پیش نہیں کیا جاتا۔

ادب کی کلاسوں میں کثیر الثقافتی تناظرات کا استعمال بھی فزوں تر دلچسپی اور وسیع تر تفہیم کا سبب بنتا ہے۔ اس ضمن میں اساتذہ' طلبہ کو ایک جاپانی مصنفہ کے ناول سے متعارف کروا سکتے ہیں جو ہزار سال پہلے لکھا گیا تھا اور اس سے مغرب میں ناول کے ظہور کی ابتدا تقریباً سات سو سال پہلے ہوتی ہے۔ یہ ناول جسے بیسویں صدی میں ''گینجی کی کہانی'' کے عنوان سے انگریزی میں ترجمہ کیا گیا' میوراساکی شیکیبو (974-1031) نے لکھا تھا۔ شیکیبو نے جو ایک مشہور جاپانی شاعر کی پڑپوتی تھی اپنی ڈائری اور نظموں کا مجموعہ بھی چھوڑا ہے۔ دراصل ''گینجی کی کہانی'' کی دو نظمیں ناول کی بنیاد کہی جا سکتی ہیں' جسے آج کل بعض نقاد لکھا جانے والا سب سے عظیم ناول قرار دے رہے ہیں اور ان کے مطابق اس کی گہرائی

وگیرائی کو اگر کوئی مصنف پہنچ سکا ہے تو وہ بیسویں صدی کا مشہور فرانسیسی ادیب مارسل پروست ہے۔

اساتذہ اپنے طلبہ کو جاپانی عورتوں کی معاصر شاعری سے بھی متعارف کروا سکتے ہیں (باکس 5.15 ملاحظہ کیجئے)۔ طلبہ جس سے خاصے واقف ہوں گے وہ جان لینن کی بیوہ' یوکو اونو ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ بھی اور بہت ہیں جن میں وہ عورتیں شامل ہیں جنھوں نے ہیروشیما اور ناگاساکی کے المیے اور اس نے ان کی زندگیوں کو کس طرح متاثر کیا' اس پر شاعری تخلیق کی ہے۔ (ایسے ایک مجموعے کے لئے' سفید جسم' کالی بارش: جاپان کی عورتیں بم کو دوبارہ سہتی ہیں' ملاحظہ کیجئے)۔ (100)

باکس 5.15 جاپانی خواتین شاعرات

جاپانی خواتین شاعرات کے ایک مناسب مجموعے اور ان کے حالات زندگی کے لیے جاپان کی خواتین شاعرات' (101 ملاحظہ کیجئے۔) خواتین کی شاعری کے ایک حالیہ مجموعے کے لیے میریلن سیویل کی مرتبہ' روح کی پکار' (102) دیکھئے۔ امریکی مغرب سے تعلق رکھنے والی عورتوں کی نگارشات کے ایک اہم مجموعے کے لیے سوزن بٹریل کی مغربی محاذ سے عورتوں کی پکار' (103) ملاحظہ کیجئے۔

اصل میں جاپانی خواتین شاعروں کا طویل اور دلچسپ سلسلہ کم از کم ساتویں صدی سے' ابتدائی یاماٹو لوگوں سے جڑا ہوا ہے۔ (جاپان کے تاریخی شاہی خاندان کا ظہور انہیں سے ہوا)۔ یہ حکمران خواتین شہنشاہ تھیں جو اغلباً شمنائیں یا کاہنائیں یعنی قبیلے کی مذہبی اقدار کی تجسیم کہی جا سکتی ہیں۔ ان خواتین شہنشاہوں میں سے شہنشاہ جیٹو (645-702) جاپان کے ابتدائی شاعروں میں سے تھی۔

ایزومی شیکیبو جو گیارہویں صدی کی ایک شاعرہ تھی' اپنی شہوت انگیز شاعری کے لیے مشہور ہے گرچہ اس نے اپنے آخر حیات میں بدھ متی شاعری بھی تخلیق کی۔ اس نے کئی شادیاں کیں' اس کے متعدد عاشق تھے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بہت دلچسپ زندگی گزاری۔

یوسانو اکیکو صدیوں پر محیط جاپانی خواتین شاعرات کی اس مسلسل روایت کی پیروکار ہیں' انہوں نے 17000 مختصر نظمیں لکھیں اور 75 کتابیں شائع کی ہیں جن میں کلاسیکی یورپی ادب کے تراجم بھی شامل ہیں۔ اکیکو کی تصانیف بہت متنازعہ ہیں۔ وہ اس چیز کی حامل تھیں جسے ہم آج نسواں پسند شعور کا نام دیتے ہیں۔ وہ پہلی جاپانی ادیب تھی جس نے ایک سیاسی پمفلٹ میں شہنشاہ کو براہ راست تنقید کا نشانہ بنایا اور یہ پمفلٹ روس' جاپان جنگ میں اس کی شمولیت کے موقعے پر لکھا گیا تھا۔ علاوہ ازیں اس

نے 1900ء کی ابتدا سے تعلق رکھنے والے سوشلسٹ اور انارکسٹ شہدا کے دفاع اور ان کی یاد میں بھی قلم اٹھایا۔ جیسے کہ وہ مزدور مظاہرین جنہیں شکاگو کی گھاس منڈی میں گولیوں کا نشانہ بنایا گیا اوساکو اور وینزیٹی' جنہیں مزدوروں کی معمولی اجرتوں اور خطرناک حالات کار میں تبدیلی کے لیے مزدور یونینوں کو منظم کرنے کی جدوجہد کے دوران پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔

تعلیم کار اس بات کی اہمیت کو تسلیم کرنے لگے ہیں کہ عورتوں کی شاعری اور دوسری نگارشات کا مطالعہ لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے لیے ایک اہم تعلیمی تجربہ ہے۔ ٹونی ماریسن' ایلس واکر' مایا انجیلو' گلوریا نیلر' سینڈرا سیسنر وس' لیزلی مارمن سلکو اور ایمی ٹین جیسی مختلف النوع نسلی اور ثقافتی پس منظروں سے تعلق رکھنے والی امریکی عورتوں کی تصانیف کو اہم ادبی خدمات کی حیثیت سے تسلیم کرنے کے رجحان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایسی تصانیف افریقی' امریکی' ہسپانوی' مقامی امریکی اور ایشیائی پس منظر کے حامل طلبہ کے لیے خود اپنی تلاش کے عمل کو ممکن بناتی ہیں۔ یہ ایسے طلبہ کو جو ان پس منظروں سے تعلق نہیں رکھتے ثقافتی تنوع اور بنیادی انسانیت جو ہم سب کا خاصہ ہے دونوں کی تفہیم عطا کرتی ہیں۔ مزید براں یہ ایک ایسا تناظر فراہم کرتی ہیں جو بیشتر ''کلاسیکی'' معیار کا حصہ نہیں تھا: یعنی انسانیت کے نسوانی نصف کا تناظر۔

مثال کے طور پر ٹونی ماریسن کی ''محبوب'' جبر کی ابتلا اور ماں اور بچے کے درمیان محبت کے مضبوط رشتے کی دل خراش کہانی ہے۔ یہ غلامی کی اذیتوں اور ایک عورت کو درپیش اس اخلاقی مخمصے کو سامنے لاتی ہے جسے یہ فیصلہ کرنا ہے کہ آیا وہ اپنی بیٹی کو غلامی کی زندگی کے حوالے کردے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ محبت اور زندگی کا اثبات کرتی ہے اور بربریت کی تمام صورتوں کے خلاف آواز اٹھاتی ہے۔

لیزلی مارمن سلکو کے ناول ''تقریب'' میں ایک مقامی امریکی اس بات کا کھوج لگاتا ہے کہ امتیاز اور جنگ کی وحشت کے سبب ٹکڑوں میں بٹی ہوئی دنیا میں توازن کو محسوس کرنے کا کیا مطلب ہے۔ جب ناول کا بڑا کردار ٹیرو ویت نام میں ملٹری سروس کے بعد ایک ایسے ملک میں اپنے گھر واپس لوٹتا ہے جہاں سفید فاموں نے مقامی لوگوں کو دھکیل کر کنارے کر دیا ہے تو وہ اپنے لوگوں کی مقامی تقریبات کی قدیم حکمت کے ذریعے ذات اور توازن کے احساس کو بحال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

مینگو سٹریٹ والا گھر میں سینڈرا سسنیر وس مختصر کہانیاں سناتی ہیں جن میں عورتوں کی ان کوششوں کو نمایاں کیا گیا ہے جو وہ اپنے اردگرد کو تبدیل کرنے اور لوگوں کے لیے ایک بہتر دنیا تخلیق کرنے کے لیے کرتی ہیں۔ ایک بچی ایسپرینزا (امید) کی کہانیوں کے ذریعے سسنیر وس زندگی کی دو حقیقتوں سے بار بار رجوع کرتی ہیں' ایک تو غریب شہری آبادی کے حالات کی حقیقت ہے اور دوسری ایک ایسے مقام یا

گھر کے لیے لڑکی کی جستجو جہاں پھولنے پھلنے اور تخلیق کرنے کے مواقع میسر ہوں جبکہ وہ اس آبادی ہی سے جڑی رہنا چاہتی ہے جہاں وہ پلی بڑھی اور جہاں اس نے ایک بہتر دنیا کے خواب بنے۔(106)

ایک اور کتاب جو حاکمیت اور تباہی کی لرزہ خیزیوں کے ساتھ ساتھ ہمدردی اور امید کی انسانی استعداد کا تذکرہ کرتی ہے کیرولین فورچ کی مرتبہ فراموشی کے خلاف ہے۔ یہ کتاب دنیا بھر کے ایسے مرد و زن کی نظموں کا مجموعہ ہے جنہوں نے مختلف قسم کا تشدد اور جبر سہا جس میں یہودی ہولوکاسٹ اور جنگ عظیم دوم سے لے کر ریاستہائے متحدہ کی شہری حقوق کی جدوجہد' لاطینی امریکہ کا جبر اور انقلاب تک شامل ہیں۔ وہ گواہ کی حیثیت سے لکھتے ہیں تاکہ ہم کہیں بھول نہ جائیں اور اہم ترین بات یہ کہ ہم ایک ایسی دنیا تخلیق کرنے کے قابل ہوسکیں جہاں حاکمیت کے بجائے شراکت مسلمہ اصول ہوگا۔(107)

اس طرح کی کتابیں ہمارے ساتھ ان عورتوں کی زبان میں گفتگو کرتی ہیں جن کے خیالات اور احساسات روایتی ادب کی کلاسوں کے ضمن میں ایک مختصر سا اضافہ ضرور ہیں۔ مزید براں یہ عام طور پر ان شعبوں پر توجہ دیتی ہیں جنہیں روایتی نصاب میں چھوڑ دیا گیا ہے جیسے کہ غربت میں رہنے والی عورتوں اور بچوں کی زندگیاں' بہتر حالات کار اور مناسب اجرت کے لیے محنت کشوں کی جدوجہد اور وہ صورتحال جس نے ''رابر بیرن'' سرمایہ داریت کے ابتدائی دنوں میں ریاستہائے متحدہ کے لوگوں کی اکثریت کو جکڑائے رکھا۔

ایک ایسی ہی تصنیف جو مختصر صورت میں ہائی سکول کے طلبہ کے لیے مناسب ہوگی' ایک غیر معمولی عورت کی خودنوشت سوانح ہے جس کا ذکر میں پہلے کر چکی ہوں: ایما گولڈ مین۔ گولڈ مین کی دو جلدوں پر مشتمل اہم کتاب ''جینا میری زندگی'' لڑکیوں کے لیے ایک خودمختار مگر ہمدرد عورت کا طاقتور بدل ماڈل فراہم کرتی ہے اور یہ لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کو ایک بہتر دنیا کے لیے کام کرنے کی تحریک بھی مہیا کرتی ہے۔ (108) ایک ایسی ہی کتاب خودنوشت سوانح پر مبنی اگنس سمیڈی کا ناول دھرتی کی بیٹی ہے۔(109)

انیسویں صدی کے ادب کا ایک کلاسک' نہایت موزوں عنوان کی حامل کیٹ چوپین کی ''بیداری'' ہے(110) جو اپنے راستے کی تلاش میں سرگرداں ایک عورت کی جدوجہد کے بارے میں خوبصورت انداز میں لکھی گئی کتاب ہے۔ ایک جدید کلاسیک' جین ریز کی وائیڈس راگا سوی ہے جو بالکل اسی طرح کی کہانی کو بیان کرتی ہے جیسی شارلٹ برونٹے کی ''جین آئر'' میں بیان کی گئی ہے لیکن اسے بالا خانے

میں بند ''مخبوط الحواس عورت'' کے تناظر سے لکھا گیا ہے۔(111) یہ مختصر سی کتاب انگریزی زبان کی نہایت عمدہ کتاب میں سے ہےاور اسے اس وقت ہی یہ مقام دے دیا گیا تھا جب یہ بیسویں صدی کے آغاز پر اول اول شائع ہوئی۔ لیکن جیسا کہ عورتوں کی کتابوں کے ساتھ اکثر ہوتا ہے اسے تب سے ہی سکولوں میں اہم ادب کے طور پر پڑھائی جانے والی فہرست سے باہر نکالا جا چکا ہے۔

علاوہ ازیں اساتذہ طلبہ کو مشہور عورتوں کے حالات زندگی پر مبنی کہانیوں کے مجموعوں سے روشناس کروا سکتے ہیں۔ اس ضمن میں ایک خوبصورت تصویری کتاب' ربیکا ہیزل کی کثیرالثقافتی تصنیف' ہیروئنیں: تاریخ کی عظیم عورتیں ہے جس میں فرانسیسی جون آف آرک سے لے کر مقامی امریکی سکا گاویا اور چینی سن یات سین تک کو شامل کیا گیا ہے۔(112)

عورتوں کے ہاتھوں لکھے گئے یوٹوپیا اور ڈسٹوپیا بھی دلچسپی کے حامل ہیں۔ شارلٹ پرکنز گلمین کی ہرلینڈ ایک ابتدائی یوٹوپیا ہے جو ایک ایسے معاشرے کا تصور پیش کرتی ہے جس میں بچوں کی نگہداشت ازحد اہمیت کا حامل سماجی معاملہ ہے۔ یہ ایک ایسا معاشرہ ہے جس کا نظم ونسق عورتوں کے اختیار میں ہے۔(113) اس کے قابل' مارگریٹ ایٹووڈ کی ''خادمہ کی کہانی'' ایک ڈسٹوپیا کو بیان کرتی ہے جس میں ایک ڈراؤنے خواب میں مستقبل کے نوبنیاد پرست حاکمیتی معاشرے میں عورتوں کو تولید نسل کی ٹیکنالوجی بنا کر رکھ دیا گیا ہے جو مردوں کے کنٹرول میں ہے۔ میرا حال ہی شائع ہونے والا ناول ''دی گیٹ'' بھی جو کیوبا میں ایک مہاجر کی حیثیت سے گزارے گئے میرے بچپن پر مبنی ہے اس لیے دلچسپی کا حامل ہے کہ یہ دکھاتا ہے کہ ایک بہتر مستقبل کی تعمیر کا ارادہ چند بنیادی تجربات سے کس طرح تشکیل پا سکتا ہے۔(114) ایسے لوگوں کے لیے جو تخیل کی مہم جوئی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ میری جیکو بر کی کتاب ''ہائی کیمیلن'' مناسب ہے یہ ایک ایسی کہانی ہے جو شراکتی اور حاکمیتی طرز ہائے حیات کا بصیرت افروز موازنہ پیش کرتی ہے اور جو خود مصنفہ کے مطابق ''چیلیس اور بلیڈ'' سے متاثر ہو کر لکھی گئی تھی۔(115)

باکس 5.16 لوگ اور معذوریاں

نیشنل انفرمیشن سنٹر برائے معذور بچگان ونوجواناں (این۔آئی۔سی۔ایچ۔سی۔وائی) بچوں کے ادب اور معذوری سے متعلق اپنی ویب سائٹ پر ایک گائیڈ مہیا کرتا ہے:(116)

ایکLhttp://www.Kidsource.com/NICHCY/Literature.html7

اور اچھا ماخذ ہمارے کلاس روموں کی نظر ثانی: تدریس، برابری اور انصاف کے لیے (117) ہے۔

ادب کا مطالعہ اساتذہ کو یہ موقع بھی فراہم کرتا ہے کہ وہ طلبہ میں روایتی طور پر نظر انداز کر دیئے جانے والے گروہوں کے ارکان کے لیے زیادہ ہمدردی پیدا کر سکیں۔ جسمانی چیلنج کے شکار لوگوں کی اپنی لکھی اور ان کے بارے میں لکھی گئی کتابیں جیسے کہ ہیلن کیلر کی اہم خودنوشت سوانح جو پیدائشی طور پر بینائی اور سماعت دونوں سے عاری تھیں اس ضمن میں اچھے ماخذ ہیں (باکس 5.16 ملاحظہ کیجئے)۔

بل بگلو اور لنڈا کرسٹنسن کا مضمون بعنوان ''داخلی خودکلامی کے ذریعے سماجی تخیل کا فروغ'' (118) خصوصاً مفید ہے۔ یہ ایک سرگرمی تجویز کرتا ہے: اول کوئی فلم دیکھنے کے بعد یا ناول، مختصر کہانی یا مضمون پڑھنے کے بعد طلبہ ایسے مخصوص کلیدی لمحات، اہم موڑوں یا اہم پیروں پر غور وخوض کریں جن سے کردار دوچار ہوئے۔ دوم، انہوں نے اس میں شامل کسی ایک کردار کے تناظر سے جو کچھ پڑھا ہے اس کے بارے میں لکھیں۔ سوم، وہ کلاس کے ساتھ اپنی تحریروں کا تبادلہ کریں۔ اس آخری مرحلے کے دوران، انہیں ایسے سماجی سیاق وسباق پر بحث کا موقع میسر آتا ہے جو زیادہ ایزا رساں طرز ہائے عمل کو فروغ دینے کے بجائے ہمدردی اور شفقت پر مبنی طرز ہائے عمل کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ یہ بھی شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کے درمیان اختلاف کو انسانی امکانات کی حیثیت سے سمجھنے کا ایک انداز ہے۔

شراکتی اور حاکمیتی تسلسل کے تجزیاتی عدسے کے ذریعے ادب (ساتھ ہی ساتھ فلمیں اور ٹیلی ویژن) کے جائزے میں طلبہ کی دلچسپی پیدا کرنے کا ایک اور طریقہ شراکتی بمقابلہ حاکمیتی ہیرو اور ہیروئینوں سے متعلق شراکتی انداز میں دی گئی مشق ہے۔ ایک استانی نے اپنے ہائی سکول کی کلاس میں اس مشق سے کس طرح کام لیا اور ایک طالب علم کا مضمون کہ اس مشق سے اسے یہ سمجھنے کے قابل بنایا کہ مختلف پروگراموں میں کس نوع کے کردار، تعلقات اور اقدار کو نمونہ بنا کر پیش کیا ہے اس سے متعلق ایک مثال ضمیمہ اے میں دیکھی جا سکتی ہے۔

زبان

شراکتی تعلیم طلبہ کو یہ سمجھنے کے قابل بناتی ہے کہ ہماری زبان غیر شعوری طور پر دنیا کے بارے میں ایک حاکمیتی نقطہ نظر کو کس طرح تقویت دے سکتی ہے۔

ادب اور انگریزی کی کلاسیں طلبہ کو براہ راست اس بات کے جانچنے کا موقع فراہم کرتی ہیں کہ الفاظ ہمارے نظام اقدار کی تشکیل کس طرح کرتے ہیں‘ مگر اس معاملے کو تمام کلاسوں میں زیر بحث لایا جا سکتا ہے۔

طلبہ شراکت کو تقویت دینے والے الفاظ اور تراکیب کے استعمال اور جہاں ضروری ہو ان کی ایجاد سے ایک شراکتی زبان کی تخلیق میں سرگرمی سے شمولیت اختیار کر سکتے ہیں۔

زبان ہمارے خیالات کی تشکیل کرتی ہے اور یوں دنیا کے بارے میں ہمارے نقطہ نظر کی بھی‘ ہمارے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ بہت سے الفاظ‘ تراکیب اور لسانی تشکیلات جو ہمیں حاکمیت کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھنے والے ادوار سے ورثے میں ملی ہیں غیر شعوری طور پر ہماری سوچ کو اس انداز میں ڈھال دیتی ہیں جو دنیا کے بارے میں شراکتی نقطہ نظر کے بجائے ایک حاکمیتی نقطہ نظر کو مستحکم کرتا اور اسے برقرار رکھنے میں مدد دیتا ہے۔

آج اس بارے میں آگاہی بڑھ رہی ہے کہ الفاظ کے استعمال جیسے بالغ آدمی کو لڑکا کہہ کر مخاطب کرنے کا مطلب سیاہ فام مردوں پر سفید فام مردوں کی برتری ہوتا ہے اور یوں حاکمیتی نسلی تعلقات کو قائم رکھتا ہے۔ اگرچہ اب ایسے استعمالات سماجی طور پر قابل قبول نہیں رہے‘ تاہم دوسری ناگوار اصطلاحات زندہ و باقی ہیں۔ اس کی ایک مثال عورتوں (بشمول اجنبی) کو ہنی یا ڈیئر کہہ کر مخاطب کرنے کی سرپرستانہ رسم ہے۔

دراصل طاقت پر مبنی صنفی تعلقات کی معنویات‘ دنیا کی بیشتر زبانوں کے تانے بانے کا حصہ ہے۔ مثلاً مردانہ ضمائر اور کچھ زبانوں میں‘ اسم اور صفات انسانیت کے نسوانی نصف کو غیر مرئی بنا ڈالتے ہیں جس کا واضح مطلب عورت پر مرد کی برتری ہوتا ہے۔

کچھ لوگ استدلال کرتے ہیں کہ ’’ہی‘‘ ’’مین‘‘ اور ’’مین کائنڈ‘‘ جیسے الفاظ مردوں اور عورتوں کے لیے استعمال کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن اس کا متبادل‘ یعنی ’’شی‘‘ ’’وومین‘‘ اور ’’وومن کائنڈ‘‘ جیسی اصطلاحات کا عورتوں اور مردوں دونوں کے لیے استعمال‘ ان لوگوں کو خوفزدہ کر دیتا ہے۔ باوجود یکہ ’’وومن‘‘ ’’وومن کائنڈ‘‘ کی اصطلاحات میں ’’مین‘‘ اور ’’ہی‘‘ واقعتاً شامل ہیں جبکہ دوسری صورت میں ایسا نہیں ہے۔

نوجوان افراد کو اس غیر شعوری ذہنیت کا جائزہ لینے کے لیے کہا جا سکتا ہے‘ جو عورتوں کے مقابلے مردوں کو زیادہ اہمیت دیتا ہے اور یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں کہ ایک زیادہ منصفانہ اور جامع زبان کے

MashalBooks.org

خلاف مزاحمت کا حامل بھی ہے۔ وہ اس کی ابتدا ایسے ادب کے مطالعے سے کر سکتے ہیں جو ''ہی'' اور ''ہز'' کا استعمال کرتا ہے اور پھر مردانہ ضمائر کو ''شی'' اور ''ہر'' جیسے نسوانی ضمائر سے تبدیل کر سکتے ہیں۔ وہ اس مشق سے جنم لینے والے احساسات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں اور انہیں زیر بحث لا سکتے ہیں۔ وہ اس بات پر بھی غور کر سکتے ہیں کہ زبان کو جامع بنانے کی کوششوں کے باوجود اب بھی ''ہی'' اور ''ہز'' کو بالعموم ''شی'' اور ''ہز'' سے پہلے کیوں رکھا جاتا ہے۔ بالکل بنیاد پرست ثقافتوں کی رسم کی طرح جہاں عورت مرد سے چند قدم پیچھے چلتی ہے۔

اس بات کا کھوج لگانے کے لیے کہ لوگ کس طرح طاقت اور مراعت کو مردانگی کے مساوی سمجھنے کے عادی ہو گئے' انگریزی کی کلاس میں طلبہ کو درج ذیل جملوں میں خالی جگہوں کو مناسب ضمائر سے پر کرنے کے لیے کہنا ایک مناسب نقطہ آغاز ہو سکتا ہے۔ ''جج نے سیکرٹری کو کچھ پیپر ٹائپ کرنے کے کہا ...... نے دستاویزات کا ایک پلندہ دیا اور کہا کہ...... کام خصوصی احتیاط سے کرے۔'' یہ مشق صنفی یا طاقت پر مبنی تعلقات سے متعلق کسی بھی بحث سے پہلے کی جانی چاہیے۔

کالج کے طلبہ میں سے بھی بیشتر نے جج کی جگہ کو ''ہی'' اور سیکرٹری کو ''شی'' سے پر کیا اور متعدد طلبہ یہ جان کر حیران رہ گئے کہ حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جو خود کو صنفی شعور کا حامل گردانتے تھے مردوں کو بحیثیت عہدے اور عورتوں کو ماتحت کردار کے ساتھ عادتاً منسلک کر بیٹھے۔

طلبہ کو ان احساسات کو زیر بحث لانے کے لیے کہا جا سکتا ہے جو اس قسم کے تجربے سے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ کانگریس مین اور چیئر مین جیسے الفاظ کو دیکھ سکتے ہیں اور یہ بحث کر سکتے ہیں کہ اس قسم کی اصطلاحات زبان کا حصہ کس طرح بن گئیں جو ہمیں بحیثیت عہدوں کے ساتھ صرف مرد کو وابستہ کرنے کا سبق دیتی ہے۔ وہ یہ مباحثہ کر سکتے ہیں کہ یہ معمول کس طرح نہ صرف لیڈر شپ کی خواہشمند عورتوں کی حوصلہ شکنی کرتا ہے بلکہ عورتوں اور مردوں دونوں کو کس طرح اس انداز میں محسوس کرنے کا عادی بھی بناتا ہے کہ بااختیار عہدوں پر عورتوں کا ہونا کچھ نہ کچھ غلط ہے۔ اس طرح یہ اس بات کی توجیہہ میں مدد کرتا ہے کہ ہم میں سے بیشتر لوگ اب بھی قیادتی عہدوں پر عورتوں کے متمکن ہونے پر خواہ وہ کاروبار میں باس کی حیثیت ہو یا سیاست میں عہدیدار کی بے چینی کیوں محسوس کرتے ہیں۔

طلبہ اس بات کو زیر غور لا سکتے ہیں کہ عورتوں کو ''کانگریس وومین'' اور ''چیئر وومین'' کہنے سے بھی مسائل پیدا ہوتے ہیں کیونکہ بعض تنظیموں میں یہ اصطلاحات روایتی طور پر انتظامی کردار کے بجائے انتظامی معاونت سے منسوب ہیں۔ وہ یہ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ کانگریس پرسن' چیئر پرسن' یا چیئر جیسی صنفی طور

پر غیر جانبدار' جانبدار مجموعی اصطلاحات' صنفی اعتبار سے ان حیثیتوں میں علیحدگی کے گھٹتے ہوئے اثر سے کس طرح دامن بچاتی ہیں۔

پھر طلبہ کو زیادہ گہرائی میں جا کر اس معاملے کا جائزہ لینے کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ ''ایمیسکو لیٹ'' (خصی کرنا' آختہ کرنا) یا ''ایفیمینیٹ'' (زنانہ بنانا یا کمزور کرنا) جیسے الفاظ جو صنفی مفہوم کے اظہار کے لیے استعمال کئے جاتے ہیں۔ صنفی تحقیر کے مخفی ذیلی سیاق وسباق اور ''نسوانیت'' پر مردوں اور ''مردانگی'' پر مقدم گردانتی ہے۔ وہ اس چیز پر بھی گفتگو کر سکتے ہیں کہ مردوں کے ہم عمر گروہوں (خاص طور پر سپورٹس اور ملٹری) میں لڑکوں یا مردوں کو ''لڑکیاں'' یا ''لیڈیز'' کہہ کر مخاطب کرنا خوفناک تذلیل سمجھا جاتا ہے۔

وہ ان اسالیب کو بھی زیر بحث لا سکتے ہیں جن کے ذریعے ہماری زبانیں ہمیں سوچ اور تعلقات کی غیر صحت مندانہ صورتوں کا اسیر بنا لیتی ہیں۔ مثلاً جنسی اختلاط یا جنسی اعضا کو گالی کی حیثیت سے بیان کرنے والے الفاظ کے ذریعے جنسیت کو صنفی مفہوم کا حامل بنا دیا جاتا ہے۔ وہ یہ بحث بھی کر سکتے ہیں کہ ''بچ'' کی اصطلاح جس کا سادہ سا مطلب کتیا ہے اتنی ناپسندہ کیوں ہے اور اس کا یہ استعمال ہمارے حاکمیتی ورثے سے کس طرح منسلک ہے۔ ''سپیئر ہیڈنگ این ایفرٹ'' ''مور دین ون وے ٹو سکن اے کیٹ'' یا ''کلنگ ٹو برڈز ودھ ون سٹون'' جیسی تراکیب ہمیں مثبت مفہوم کو تشدد کے ساتھ وابستہ کرنے کا عادی بناتی ہیں۔ طلبہ کو متبادلات سوچنے کے لیے کہا جا سکتا ہے۔ مثلاً ''ہیچنگ ٹو برڈز فرام ون ایگ'' زندگی کا زیادہ اثبات کرنے والا اور زیادہ حقیقت پسندانہ خیال ہے۔

نوجوان افراد کو نئے الفاظ ایجاد کرنے کے لیے بھی مدعو کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ ایک اکیلے لفظ کے استعمال کو منفی ضمائر سے تبدیل کر سکتے ہیں جیسا کہ فنش اور ہنگرین میں ہے جو ''ہی'' اور ''شی'' دونوں کی نشاندہی کے لیے صرف ایک ضمیر سے کام لیتی ہیں۔ اسی طرح وہ اعزازی عہدے کے لیے ''فیلو'' اور ''برادر ہڈ'' کے لیے فرینڈ شپ جیسے الفاظ کے متبادلات کی جستجو بھی کر سکتے ہیں۔

چونکہ ہمارے بیشتر ادبی اور انسانیاتی کلاسیک جنسی (اور بالعموم نسلیتی) امتیاز کی حامل زبان میں لکھے گئے ہیں' لہٰذا الفاظ' اساتذہ اور طلبہ دونوں کے لیے ایک چیلنج ہیں لیکن اس معاملے پر بے لاگ بحث تخلیقی انداز ہائے نظر کی تلاش میں مددگار ہو سکتی ہے۔ اس ضمن میں طلبہ دوسروں کو اس مسئلے کا احساس دلانے اور تخلیقی قسم کے حل کا تجربہ کرنے کے حوالے سے سرگرم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

چونکہ زبان کا مسئلہ حقیقت سے متعلق ہمارے ادراکات اور تعبیرات کی تشکیل میں بہت اہمیت رکھتا ہے' لہٰذا اسے نہ صرف ادب کی کلاسوں بلکہ انگریزی گرامر کی کلاسوں میں سوشل سٹڈیز کی کلاسوں اور

موجودہ حالات و واقعات کی کلاسوں میں بھی اور ساتھ ہی ساتھ دوسری زبانوں کے مطالعے میں بھی زیر بحث لایا جانا چاہئے۔ (شراکتی انداز کا شراکتی زبان کے بارے میں مختصر سیکشن جسے میں نے ضمیمہ اے میں شامل کیا ہے' ایک اچھا ماخذ ہے)۔

انسانی علوم

انسانی علوم کا مضمون طلباء کو ان چیزوں کے جائزے کا موقع فراہم کرتا ہے جنہیں بڑے ثقافتی کارناموں کا درجہ دیا جاتا ہے۔

شراکتی تناظر کے حوالے سے انسانی علوم کا مضمون زیادہ کثیر الثقافتی' صنفی توازن کا حامل اور انسانی حقوق اور ذمہ داریوں کے معاملات پر زیادہ توجہ رکھنے والا ہے۔

ہمارے عہد کے حوالے سے زیادہ مناسبت کے حامل تناظر کی مدد سے انسانی علوم کا مطالعہ اساتذہ کو اقدار اور سماجی ترجیحات کے بارے میں بنیادی سوالات پر غور و فکر میں طلباء کی دلچسپی پیدا کرنے کا موقع مہیا کرتا ہے۔

ہائی سکولوں میں ادب اور انسانی علوم عام طور پر اکٹھے پڑھائے جاتے ہیں' گرچہ یونیورسٹی کے نصاب میں بالعموم یہ علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ میں نے اس سوال کو سامنے لانے کے لیے کہ ہمیں کس چیز کو "انسانی علوم" کا نام دینا چاہئے یہاں انہیں علیحدہ علیحدہ ہی رکھا ہے۔

جیسا کہ عمومی طور پر پڑھایا جاتا ہے۔ انسانی علوم کا مضمون مغربی فلاسفہ کی فکر کو پیش کرتا ہے جس میں ہماری کائنات اور ہماری نوع کے بارے میں آفاقی قسم کے سوالات کو زیر غور لایا جاتا ہے۔ یہ انداز نظر قابل قدر تصورات اور بعض اوقات ذہن کی کچھ خوش بیانیوں کو سامنے لاتا ہے۔ (رچرڈ ٹیرناس کی مغربی ذہن کی سرگرانی' (120) ملاحظہ کیجئے)۔ تاہم یہ محدود اور مسائل کے بوجھ سے گراں بار بھی ہے۔

اول تو یہ بات ہی عجیب و غریب ہے کہ جو کچھ انسانی علوم کے نام کے تحت پڑھایا جاتا ہے اس میں سے نہ صرف بیشتر غیر مغربی ثقافتوں کو بلکہ انسانیت کے ایک پورے نصف یعنی: عورتوں کو بھی خارج کر دیا جاتا ہے۔

شراکتی تناظر کی مدد سے انسانی علوم کے مطالعے کے ذریعے طلباء' عورتوں اور غیر سفید فام مردوں کی اہم خدمات سے آگاہی حاصل کر سکتے ہیں۔ مثلاً ڈبلیو ای بی ڈوبوئیز' ارنیل ویسٹ اور ڈارلین کلارک ہائن کی تصانیف' سیاست اور نسلی تعلقات سے متعلق اہم افریقی' امریکی تناظرات مہیا کرتی ہیں۔ ایک

فلسفی اور سماجی معاشی انصاف کی جدوجہد سے منسلک ایک رہنما کی حیثیت سے گاندھی کی تحریروں اور گاندھی کے بارے میں تحریروں کے ذریعے غیر مغربی تناظرات کا قابل قدر فہم حاصل کیا جا سکتا ہے۔ بشمول اس حقیقت کے کہ انڈیا کو برطانوی نوآبادیاتی راج سے آزاد کرانے کی جدوجہد میں گاندھی نے بالکل اسی طرح کے غیر متشددانہ طریق ہائے کار اختیار کئے جو انگلینڈ اور ریاستہائے کے متحدہ کے انیسویں صدی کے نسواں پسندوں نے عورتوں کے لیے شہری اور سیاسی حقوق کے حصول کی اپنی جدوجہد میں استعمال کئے تھے۔

اٹھارہویں اور انیسویں صدی کی نسواں پسند فلاسفہ جیسے کہ میری وولٹن کرافٹ اور ایلز بیتھ کیڈی سٹینٹن اور بیسویں صدی کی نسواں پسند فلاسفہ جیسے کہ شارلٹ پرکنز، گلمین ' گلوریا' سٹین مین کی تصانیف اور بیل ہکس کو نسوانی مطالعات تک محدود کرنے کے بجائے انسانی علوم کے نصاب میں شامل کیا جانا چاہئے۔ اسی طرح ماحولیاتی نسواں پسندوں جیسے کہ رونڈا نا شیوا اور سوزن گریفن کی تحریروں کو بھی جو عورتوں کے ریپ اور فطرت کے ریپ کے درمیان ایک ربط پر زور دیتی ہیں۔ (121) اس نصاب کا حصہ ہونا چاہئے۔

علاوہ ازیں انسانی علوم کے نصاب کو اس حقیقت پر خصوصی توجہ دینی چاہئے کہ بالعموم جس چیز کو انسانی علوم کے نام کے تحت بیان کیا جاتا ہے اس نے انسانیت دشمنی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ مثلاً ارسطو کی فلسفیانہ تحریریں یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ غلام اور عورتیں ''فطرتاً'' ایک ادنیٰ مقام کی حقدار ہیں اور بلکہ یہ کہ عورتیں ناقص' بریدہ مرد ہیں اور فلسفی نیٹشے (جس کی تصانیف کو انسانی علوم کے معیاری نصاب میں بنیادی حیثیت دی جاتی ہے) مدعی ہے کہ مردوں کی ایک برتر حاکم نسل دوسرے مردوں (اور تمام عورتوں) پر حاکمیت کی حقدار ہے۔ یہ ایک فلسفہ ہے جس نے ہٹلر کے آریائی نسلی برتری کے پراپیگنڈے کو بنیاد مہیا کی' لاکھوں زندگیوں کو تباہ کیا اور نہایت ہولناک قسم کے ظلم وستم اور انسانیت دشمنی کو عقلی بنا کر پیش کیا۔ (122)

سو کس چیز کو ''انسانی علوم'' کا نام دیا جا سکتا ہے؟ اگر ہم اس معاملے کو شراکتی' حاکمیتی تسلسل کے عدسے سے دیکھیں تو کچھ بنیادی سوال سامنے آتے ہیں۔ انسانی علوم کے روایتی نصاب کو کونسی تحریریں ہمیں خود کو اور دوسروں کو بہتر انداز میں سمجھنے میں مدد دیتی ہیں اور کونسی تحریریں ہمارے ذہنوں تک غیر انسانی اور انسان دشمن پیغامات کی ترسیل کرتی ہیں؟ ہومر کی ایلیڈ اور ''اشرافیہ'' اور ''جانبازی'' سے متعلق ہیمنگوے کے ناولوں جیسے ''کلاسیکی ادب'' سے حقیقتاً ہم کیا سیکھتے ہیں؟ اس قسم کی تصانیف انسانی تعلقات کے بارے میں ہمیں کیا درس دیتی ہیں؟

ایلیڈ، ہیرو ایکیلز اور بادشاہ ایگا میمنن کے درمیان ''جنگ کے انعام'' ایک نوجوان عورت کے بارے میں بحث سے شروع ہوتی ہے، جسے یونانیوں نے گرفتار کیا تھا اور جسے سپاہیوں نے ہیرو ایکیلز کو پیش کر دیا تھا لیکن بادشاہ اس کا خواہشمند ہے۔ اس تصنیف میں اس نوجوان عورت، بریسیس کے ساتھ ملکیت نہیں بلکہ ایک انسان کی حیثیت سے سلوک کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ کہیں بھی اس کے احساسات، اس کی ضروریات، اس کی خواہشات یا مصیبتوں پر دھیان نہیں دیا جاتا۔ اس کی حیثیت ایک شے، ایک غلام سے زیادہ نہیں جو ایگا میمنن یا ایکیلز کے جنسی استعمال کے لیے ہے۔ ہومر کے مطابق اصل معاملہ یا مخمصہ یہ ہے کہ دونوں آدمیوں، بادشاہ یا ہیرو میں سے کون اس ''انعام'' کا ''صحیح'' حقدار ہے۔

شراکتی تناظر کی مدد سے انسانی علوم کے مطالعے کی ابتدا جیسا کہ متعدد کورسز میں پہلے ہی ہو رہا ہے۔ ایلیڈ سے کی جا سکتی ہے لیکن اسے یہاں طلباء کو یہ سوچنے پر اکسانے کے لیے استعمال کیا جائے گا کہ کس چیز کو صحیح طور پر ''انسانی علوم'' قرار دیا جا سکتا ہے۔

اساتذہ اس قسم کے سوالات پیش کر سکتے ہیں جیسے کہ کیا چیز ہماری ہمدردی کی استعداد کو مردہ کرنے کے بجائے اسے بارآور بناتی ہے؟ کونسی تحریروں نے اس استعداد کی ترقی میں کردار ادا کیا ہے؟ کیا ایلیڈ بھی جو ہلاکت کو شجاعت کے ایک مظہر کی حیثیت سے بڑا بنا کر پیش کرتی ہے اسی قسم کی تحریر ہے؟ یا اس کا مطالعہ ایک عمدہ تصنیف کی حیثیت سے بنیادی طور پر تاریخی تناظر کی مدد سے کیا جانا چاہئے جو ایک ایسے دور کی کہانی سناتی ہے جب حاکمیت اور فتح کو اعلیٰ ترین ''مردانہ'' اقدار سمجھا جاتا تھا؟

شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کے نمونوں کی مدد سے طلباء ان معیاراتی پیغامات کا جائزہ لے سکتے ہیں جن کو ''عظیم کتابیں''، عظیم فلاسفہ اور ''عظیم کلاسیک'' نارمل اور اخلاقی سمجھ کو قبول کرنے کا درس دیتی رہی ہیں، یقیناً اس قسم کی متعدد تصانیف میں شراکتی عناصر ڈھونڈے جا سکتے ہیں، تاہم خوبصورت انداز تحریر کے حامل یہ متون بالعموم تعصب اور بے رحمی کو مثالی بنا کر پیش کرتے ہیں اور ہمیں ایسے احساسات اور طرز ہائے عمل کو قبول کرنے کا عادی بناتے ہیں اور یہ صحت مندانہ، تکمیلاتی، غیر متشددانہ اسلوب ہائے حیات کا نمونہ شاذ ہی پیش کرتے ہیں۔

میں سمجھتی ہوں کہ انسانی علوم کے مطالعے کو اولاً اور ترجیحاً نہ صرف قول بلکہ عمل میں بھی انسانی حقوق کے لیے احترام کا جذبہ پیدا کرنا چاہئے۔ بیشتر طلباء اس بات سے بھی ذرا بھی واقف نہیں کہ گزشتہ نصف صدی کے دوران اقوام متحدہ کے بڑے بڑے کونشن سامنے آئے ہیں جو ایک زیادہ انسانی مستقبل کا خاکہ پیش کرتے ہیں۔ اس کی مثالیں 1948ء کا ''انسانی حقوق کا عالمی ڈیکلریشن'' اور ''بچوں کے حقوق

کا کنونشن'' ہیں۔ ان کے علاوہ' ماحول' آبادی اور ترقی سے متعلق اقوام متحدہ کے اہم کنونشن بھی موجود ہیں۔(123)

اقوام متحدہ کی کارکردگی سے متعلق اختلاف آرا سے قطع نظر' یہ کنونشن اور دستاویزات ایک شراکتی دنیا کے اہم تعمیری بلاک ہیں۔

اصل میں اقدار اور اخلاقیات کے بارے میں معاصر مکالمہ جو بالعموم روگردانی کرنے والے ہر فرد کی سزا اور ایذا رسانی پر توجہ مرکوز کرتا ہے' انسانی حقوق کے لیے احترام کی اصطلاحات میں فوری طور پر ایک نئی تشکیل کا متقاضی ہے۔ اسے دوسروں سے متعلق ہماری روزمرہ ذمہ داریوں کے انسانیاتی فلسفے کے متون کے مجرد تناظر سے اوپر اٹھنے کی ضرورت بھی ہے۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر ایک زیادہ منصفانہ اور غیر متشددانہ معاشرے کی تخلیق کی ذمہ داری تک پہنچنے کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ عورتوں سے متعلق کیرل گلیگن کی تحقیق سے عیاں ہے کہ اخلاقیات کے بارے میں ان کا انداز نظر مجرد کے بجائے سیاق و سباق کا حامل ہوتا ہے تو اس صورت میں یہ مکالمہ فطری طور پر زیادہ صنفی توازن کے حامل انداز نظر سے انسانی علوم کی طرف سفر کرے گا۔(124)

شراکتی نصاب میں' انسانی حقوق کے ایک کلیتی ماڈل کو جس میں عورتوں اور بچوں (انسانی آبادی کی اکثریت) کے حقوق شامل ہوتے ہیں نظر انداز کرنے کے بجائے نمایاں مقام دیا جاتا ہے۔ (باکس 5.17 ملاحظہ کیجئے)۔ یہ ماڈل نوجوان افراد کو اس بنیادی صداقت کی تفہیم کا اہل بناتا ہے جس سے عموماً صرف نظر کیا جاتا ہے: یعنی کہ یہ بات ہمارے بڑوں' بچوں اور مردوں' عورتوں کے تعلقات کی اساس میں کارفرما ہوتی ہے جسے ہم اولاً یا تو انسانی حقوق کے لیے احترام کی صورت میں سیکھتے ہیں یا انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کو ''بس ایسے ہی ہوتا ہے'' کی قبولیت کی صورت اختیار کرتے ہیں۔

انسانی علوم کے مطالعے کے ضمن میں ایک زیادہ صنفی توازن کا حامل انداز نظر ہر دو صناف کے طلباء کو عدم تشدد' ہمدردی' شفقت اور احساس و توجہ جیسی مخصوص نسوانی صفات اور طرز ہائے عمل کی زیادہ قدر کرنا سکھائے گا۔ یہ اس چیز کو بھی واضح کرے گا کہ ان ادوار میں بھی جب عورتوں کو عموماً بیویوں' ماؤں' گھریلو ملازماؤں یا بڑی بوڑھیوں جیسے کرداروں تک محدود رکھا جاتا تھا۔ انہوں نے انسانی ثقافت کے لیے اہم کارنامے انجام دیئے اور اس کام کو جاری بھی رکھا۔ ایسے کارنامے جن کے بغیر ہمارا کسی کا بھی زندہ رہنا ممکن نہ ہوتا۔

یہ چیز طلباء کے لیے یہ سمجھنا ممکن بنائے گی کہ روایتی طور پر عورتوں کیساتھ وابستہ کاموں کو جیسے کہ

اپنے گھرانوں کے بچوں، بیماروں اور معمر افراد کی دیکھ بھال اور گھر میں ایک صاف ستھرے اور جمالیاتی ماحول کا استقرار، انسانی ثقافت کے بڑے کارناموں کی حیثیت سے قابل قدر نہیں سمجھا گیا ہے۔ کیا یہ چیز منطقی ہے؟ کیا یہ انسانی ہے؟ طلبہ سے اس بات پر غور کرنے کے لیے بھی کہا جا سکتا ہے کہ کیا یہ چیز منطقی اور انسانی معلوم ہوتی ہے کہ فوجی کی حیثیت سے قتل و غارت کے لیے مردوں کی (اور حالیہ طور پر عورتوں کی بھی) تربیت تو حکومتی فنڈز سے ہوتی ہے مگر حکومت کی طرف سے عورتوں اور مردوں کو یہ سکھانے کے لیے کہ بچوں کی بہتر نگہداشت کیسے کی جائے ہمیں کوئی فنڈز میسر نہیں ہوتے۔ باوجودیکہ نفسیاتی تحقیق بہت پہلے یہ ثابت کر چکی ہے کہ بہتر نگہداشت زندگی کے لیے دوررس نتائج کی حامل ہوتی ہے۔

باکس 5.17 انسانی حقوق

انسانی حقوق کے ایک سچے انسان پسندانہ ماڈل سے متعلق مباحث کے لیے ریان آئس لر کا مضمون، ''انسانی حقوق: عمل کے لیے ایک مربوط نظریے کی جانب'' مشمولہ: انسانی حقوق کواٹرلی۔ (125) شارلٹ بنچ کا مضمون، ''عورتوں کے حقوق انسانی حقوق ہیں: انسانی حقوق پر نظر ثانی مشمولہ: انسانی حقوق کواٹرلی، (126) شارلٹ بنچ اور نیام رائیلی، احتساب کا تقاضا: عورتوں کے حقوق کے لیے عالمی مہم اور ویانا ٹریبونل'' (127) اور ریان آئس لر کا مضمون: ''انسانی حقوق اور تشدد: نجی اور پبلک دائروں کا ارتباط'' مشمولہ: ''تشدد کا جال: بین الاشخاصی سے عالمی تک'' (128) ملاحظہ کیجیے۔

زندگی دینے اور زندگی کو پروان چڑھانے پر زندگی لینے کی اہمیت کو ایلیڈ اور ایسی ہی دوسری تصانیف میں جو ہمارے ادب اور انسانی علوم کے کورسز میں پڑھائی جاتی ہیں ''بہادرانہ'' تشدد کو بالعموم مثالی بنا کر پیش کرنے کے عمل کے ساتھ کس طرح جوڑا جاتا ہے؟ اس کا اس حقیقت سے کیا تعلق ہے کہ ان ''کلاسیک'' میں ان عورتوں کے سماجی کارناموں کا بس معمولی سا ذکر ملتا ہے جنھوں نے بہادری کے ساتھ بچوں کو جنم دیا اور اپنی بیشتر زندگیاں ان کی نگہداشت کے لیے وقف کر دیں؟

سماجی اہمیت کے حامل اس کام کو جس کے بغیر ہم میں سے کسی کی بقا بھی ممکن نہ ہوتی آج بھی پیداواریت کے قومی اور بین الاقوامی جائزوں میں ''حقیقی کام'' کیوں نہیں سمجھا جاتا جبکہ اسے کسی بچوں کی نگہداشت کے مرکز کے بجائے گھروں میں انجام دیا جاتا ہے؟ بچوں کی نگہداشت کو اتنی ادنیٰ حیثیت کیوں دی جاتی ہے اور اس کا معاوضہ اتنا کم کیوں ہے (باکس 5.18 میں ملاحظہ کیجیے)۔

MashalBooks.org

طلبہ کو اس حقیقت پر غور کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ فوجیوں کے کام کو سماجی اعتبار سے قابل قدر سمجھا جاتا ہے انہیں حکومت سے پنشن ملتی ہے جبکہ ان عورتوں اور مردوں کے لیے کوئی پنشن نہیں جو بچوں کی نگہداشت کا سماجی اعتبار سے ناگزیر اور ضروری کام کرتے ہیں۔ انہیں اس حقیقت پر سوچنے کی دعوت بھی دی جا سکتی ہے کہ پلمبروں کو جن کی اکثریت آج بھی مرد ہے، بچوں کی نگہداشت سے متعلق کارکنوں کی نسبت زیادہ معاوضہ ادا کیا جاتا ہے جن کی اکثریت آج بھی عورتوں پر مشتمل ہے۔ کیا پلمبنگ بچوں کی نگہداشت کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے؟ بچوں کی اہمیت کے بارے میں بھرپور لفاظی کے باوجود ہم چیزوں کی قدر و قیمت کے اتنے عجیب وغریب نظام کے حامل کیوں ہیں؟ اسے تبدیل کرنے کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں؟ (اتحاد برائے نگہداشتی معیشت، اس ضمن میں ایک اچھا ماخذ ہے)۔(130)

باکس 5.18 عورتوں کا کام

اس موضوع پر مواد کے لیے میریلین وارنگ کی کتاب ''اگر عورتیں شمار میں آئیں''، ریان آئسلر، ڈیوڈ لوئی اور کیری نورگارڈ کی ''عورت، مرد اور زندگی کا عالمی معیار'' اور ریان آئسلر کا مضمون کھیل کے قواعد کی تبدیلی: کام، قدریں اور ہمارا مستقبل'' (129) ملاحظہ کیجیے۔ اتحاد برائے نگہداشتی معیشت سے متعلق معلومات کے لیے

(www.partnershipmay.org)

بھی ملاحظہ کیجیے۔

اگر اساتذہ آموزش کے عمل میں عزم یا عمل کے ارادے کے عنصر کو شامل کرنا چاہتے ہیں تو جذباتی اہمیت کے حامل یہ سوالات نہایت اہم ہیں۔ اس قسم کے سوالات پر غور وفکر سے طلبہ کو فکری تحریک ملے گی۔

بلاشبہ، وہ کچھ پریشان خیالی اور اضطراب کا شکار بھی ہوں گے لیکن جب نوجوان افراد شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کو اقدار کے جائزے کے ضمن میں گائیڈ کے طور پر استعمال میں لانا شروع کر دیں گے تو انہیں اقدار کے ایک ایسے انسانی نظام کی تخلیق میں سرگرم شمولیت کے لیے تیار کرنا آسان ہو جائے گا جو ایک بہتر مستقبل کے لیے ضروری ہے۔

موجودہ حالات و واقعات

MashalBooks.org

سوکس اور سوشل سٹڈیز کی کلاسیں نہ صرف نوجوان افراد کو بہتر شخصی انتخابات کرنے میں مدد بلکہ اس بات کو یقینی بنانے کے ضمن میں انہیں سماجی اقدام کی اہمیت کو سمجھنے میں بھی مدد دے سکتی ہیں کہ بہتر انتخابات میسر ہوتے ہیں۔

معاصر سماجی سیاسی اور معاشی مسائل کو ایک شراکتی تحریک اور اس کی مخالف حاکمیتی مزاحمت اور نام نہاد نجی اور پبلک دونوں دائروں میں ہونے والی رجعت پسندی کے مابین کشمکش کی اصطلاحات میں زیادہ بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔

جب طلبہ اس حرکیات کو سمجھنے لگتے ہیں جو ہماری زندگیوں پر اثر انداز ہوتی ہے جیسے کہ حاکمیتی صنفی سانچے اور قدریں تو وہ روایتی اضداد جیسے کہ دایاں بازو بمقابلہ بایاں بازو اور مذہبی بمقابلہ سیکولر سے بلند ہو کر بنیادی معاملات تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔

ماحول' انصاف اور دوسرے شراکتی مقاصد کے لیے مصروف کار طلبہ کو تنظیموں کے بارے میں معلومات مہیا کرنے سے تعمیری سمتوں کے ساتھ ان کی وابستگی کی ضرورت کو پورا کیا جا سکتا ہے۔

موجودہ حالات و واقعات کی کلاسیں طلبہ کو بہتر شہری بننے اور رہنمایانہ کردار اختیار کرنے کی تیاری کے علاوہ کمیونٹی اور اس کے عمل میں ان کی شمولیت کے حصول میں بھی مددگار ثابت ہو سکتی ہیں۔

1998ء میں یونیورسٹی آف کیلیفورنیا' لاس انجلز کے ایک سروے سے پتہ چلا کہ سال اول کے کالج کے طلبہ کی 1.6 ملین تعداد میں سے (یہ اس فیصدی تعداد کے نصف سے بھی کم تھی جو 1966ء میں ریکارڈ کی گی تھی) صرف 27 فیصد کا یہ خیال تھا کہ سیاسی معاملات سے باخبر رہنا زندگی کا ایک اہم مقصد ہے اور محض 14 فیصد کا یہ کہنا تھا کہ وہ اکثر سیاست پر تبادلہ خیال کرتے ہیں (یہ تعداد 1968ء کی نسبت 30 فیصد کم تھی)۔(131) موجودہ حالات و واقعات کے بارے میں یہ بے حسی ایک جمہوری مستقبل کے لیے کوئی خوش آئند بات نہیں لیکن آج کے حالات میں یہ کوئی حیرانی کی بات بھی نہیں کیونکہ ہماری ثقافت میں ایسا بہت کچھ موجود ہے جو عدم فعالیت' بیگانگی اور بے حسی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور صرف شخصی تبدیلی پر زور دیتا ہے جبکہ سماجی سیاق و سباق پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے جو ہمارے شخصی انتخابات کی تشکیل کرتا ہے۔

بالخصوص سماجی اور معاشی طور پر نقصان میں رہنے والے گروہوں کے لیے یہ انداز نظر جو سماجی تبدیلی پر توجہ کے بغیر شخصی تبدیلی پر توجہ مرکوز کرتا ہے غیر حقیقت پسندانہ بھی ہے اور غیر مؤثر بھی۔ یہ نوجوان افراد کی زندگیوں کے حقائق سے انکار کرتا ہے۔ یہ ان حقیقی حالات کو سمجھ نہیں پاتا جو تبدیلی کے

متقاضی ہیں: یعنی ریاستہائے متحدہ جیسے خوشحال ملکوں کے شہروں کی ''تیسری دنیا'' کی معاشی طور پر روندی ہوئی بستیوں کی غربت اور تشدد اور دنیا کے بیشتر لوگوں بالخصوص عورتوں کو پریشان حالی میں مبتلا کرنے والی نامناسب غذائیت' غیر معیاری حفظان صحت اور ناخواندگی جو اپنے بچوں سمیت نہ صرف دنیا کی غریب بلکہ غریب ترین اکثریت بھی ہیں۔(132)

ہر فرد کی زندگی پر اثر انداز ہونے والے معاملات کے حوالے سے سماجی اور ثقافتی تبدیلی سے صرف نظر کرنا غیر حقیقت پسندانہ بھی ہے اور غیر مؤثر بھی۔ مثلاً صحت مند رہنے کے لیے ہمیں ایک صحت مند ماحول درکار ہے: یعنی' ہمیں سانس لینے کے لیے صاف ہوا' پینے کے لیے غیر آلودہ پانی اور کھانے کے لیے ایسی خوراک کی ضرورت ہے جس میں نقصان دہ کھادوں کی ملاوٹ موجود نہیں۔ یہ تمام ایسے معاملات ہیں جو صرف شخصی تبدیلی نہیں' سماجی اور ثقافتی تبدیلی کا تقاضا کرتے ہیں۔

سماجی تبدیلی کے لیے کام کرنے کے امکان سے بے خبری متعدد نوجوان افراد کو بعض اوقات تخریب پسندانہ بلکہ متشددانہ انداز میں معاشرے سے علیحدگی اور فرار اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ان میں سے اکثر خود کو بے بس پاتے ہیں اور بیگانگی اور عدم فعالیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

لیکن زندگی میں دلچسپی نہ لینے یا خود کو تباہی میں دھکیلنے والے فیصلوں کے لیے نوجوان افراد کو قصوروار ٹھہرانا کافی نہیں جیسے کہ ٹیلی ویژن کے اشتہارات میں بچوں کو منشیات ''بالکل نہیں'' کہنا بتایا جاتا ہے۔ میں درست شخصی انتخابات اور اقدامات کی اہمیت گھٹانا نہیں چاہتی۔ یہ آموزش اور بالغ نظری کے اہم عناصر ہیں لیکن موجودہ حالات و واقعات کی (اور دوسری) کلاسوں میں نوجوان افراد کے لیے یہ اہم ترین سبق سیکھنا ضروری ہے کہ ثقافتی عقائد' سماجی ڈھانچے اور سیاسی و معاشی پالیسیاں ان کی زندگیوں پر براہ راست اثر رکھتی ہیں۔ایک اور اس سے متعلق سبق یہ ہے کہ اس بات کو یقینی بنانے کا دارومدار ان پر ہے کہ یہ عقائد' ڈھانچے اور پالیسیاں درست ہیں یا نہیں۔

وہ یہ کام کس طرح کر سکتے ہیں؟ ہمارے ماس میڈیا اور ہمارے سکولوں' دونوں میں جب بھی سماجی تبدیلی کے لیے اقدام کی بات کی جاتی ہے تو بالعموم اسے اختیار کے لیے سرگرداں مردوں کے مابین متشددانہ جدوجہد کی اصطلاحات میں پیش کیا جاتا ہے۔ مثلاً دنیا کے متعدد خطوں میں ہونے والی مسلح بغاوتیں' دہشت گردی اور سیاسی ہلاکتیں سرخیوں کی زینت بنتی ہیں۔ ریاستہائے متحدہ کی سیاست کے حوالے سے ماس میڈیا بھی اس بات پر زور دیتا ہے کہ کون جیتا کون ہارا۔یعنی اصل معاملات کے بجائے حریفانہ حکمت عملی اور طریق کار پر زور دیا جاتا ہے۔ یہ چیز سیاست دانوں پر عدم اعتماد اور کسی بھی ثقافتی

تبدیلی کے حصول کے ضمن میں لاحاصلیت کے احساس کو فروغ دیتی ہے۔

شراکتی تناظر سے سوکس اور موجودہ حالات و واقعات کی تدریس نوجوان افراد کو یہ جاننے میں مدد دے سکتی ہے کہ دنیا بھر میں ہزاروں گروپ عام لوگوں کی سطح پر انصاف' انسانی حقوق' ماحول' امن یعنی ایک بہتر زندگی کے لیے برسر پیکار ہیں۔ان میں سے متعدد گروپوں میں عورتوں (مثلاً روزا پارکس' بیٹی فریڈن' ہیلسن کیلڈی کاٹ' میرین رائٹ ایڈل مین' رگوبرٹا مینچو اور آنگ سان سوچی) نے اہم رہنمایانہ کردار ادا کیا ہے۔ان گروپوں میں ایسی تنظیمیں بھی شامل ہیں جو ہمارے ماحول کے تحفظ کے لیے کام کررہی ہیں۔(یہ ایک ایسا شعبہ ہے جس میں ریچل کارسن نے ابتدائی لازمی رہنمائی مہیا کی)۔ان میں ایسی تنظیمیں بھی شامل ہیں جو دنیا بھر میں قریبی تعلقات کے ضمن میں حاکمیتی روایات کو چیلنج کررہی ہیں۔اس کی مثالوں میں عوتوں کے وہ گروپ شامل ہیں جنھوں نے نیروبی' کینیا میں **1985**ء میں عورتوں کی ضرورتوں اور امنگوں کو ڈرامائی انداز میں بڑی بڑی تقریبات میں پیش کیا' ویانا میں **1993**ء میں انسانی حقوق سے متعلق اقوام متحدہ کی کانفرنس میں عورتوں کے حقوق کے سلسلے میں ایک ٹربیونل قائم کیا اور **1995**ء میں بیجنگ میں اقوام متحدہ کی عورتوں کی کانفرنس میں عورتوں کے خلاف تشدد کو ایک بنیادی موضوع کا مقام دیا۔

ان تمام تحریکوں کا مشترک نکتہ حاکمیت کے مسلمہ نمونوں کا چیلنج کرنا تھا جیسا کہ ہم نے سابقہ ابواب میں دیکھا ایک مضبوط شراکتی تحریک کے وسیع تر تناظر کے سیاق وسباق میں موجودہ حالات و واقعات کی تدریس نوجوان افراد کو یہ سمجھنے میں مدد دے سکتی ہے کہ سماجی سرگرمی مثبت تبدیلی برپا کرسکتی ہے اور تاریخی طور پر اس نے ایسا کیا ہے۔یہ طلبہ کو انتہائی اہمیت کی حامل ایک اور چیز سمجھنے کے قابل بھی بناتی ہے: یہ کہ حاکمیت اور تشدد کی نارمل اور اخلاقی حیثیت کے خلاف مستحکم ہوتے ہوئے چیلنج آج شدید جوابی حملے کو ہوا دے رہے ہیں۔اس جوابی حملے کا ایک پہلو سکولوں پر ڈالا جانے والا یہ دباؤ ہے کہ ایسے معاملات سے دامن بچایا جائے جو متنازعہ ہوسکتے ہیں۔ان میں یقیناً وہ معاملات بھی شامل ہیں جو نوجوان افراد کے مستقبل کو نہایت شدت سے متاثر کریں گے۔

درحقیقت جوابی حملے کے اس دور میں موجودہ حالات و واقعات کے اساتذہ کو جو مشکلات درپیش ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ''بہت زیادہ لبرل'' ہونے کے الزام کا شکار ہوئے بغیر تدریس کس طرح کی جائے۔ان سے استفسار کیا جاتا ہے۔''کیا یہ درست ہے؟'' کہ کیا یہ درشتگی امریکی انداز نہیں ہے؟ اور کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ اساتذہ کو''لبرل'' قسم کے تمام نظریات کے''کیس'' کے ساتھ متوازن بنانا چاہیے؟

شراکتی تعلیم کار کو اس بات کو اپنے ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ ہر معاملے میں جو چیز زد پر ہے وہ وہ لبرل یا قدامت پسندانہ تناظرات نہیں بلکہ انسانی تناظر اور جمہوریت کا اساسی امریکی تناظر ہے۔ آزادی' امن اور مساوات اب قابل بحث نظریاتی متغیرات نہیں رہے بلکہ یہ ایسے ''مسلمات'' ہیں جن میں بحث کا آغاز کیا جاتا ہے۔ جیسے یہ بحث کہ انہیں بہتر انداز میں کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ہمیں دایاں بازو بمقابلہ بایاں بازو' مذہبی بمقابلہ سیکولر یا قدامت پسندانہ بمقابلہ لبرل جیسے روایتی سیاسی مباحث سے بلند ہو کر موجودہ حالات و واقعات کے بارے میں اپنی تفہیم کو وسعت دینے کی ضرورت کو ذہن میں رکھنا چاہیئے اور طلبہ کو بھی اس کی تدریس کرنی چاہیئے۔ طلبہ جب دو بنیادی انسانی امکانات کے طور پر شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کے مابین کشمکش کی حرکیات کو سمجھ لیں گے تو وہ ان سطحیات سے بلند ہو سکتے ہیں۔ وہ ان سانچوں کو سمجھ سکتے ہیں جو ہماری دنیا کے بظاہر غیر متعلق دھاروں اور مخالف دھاروں کی تہہ میں کارفرما ہیں اور اس طرح اپنے مستقبل کی تشکیل میں مؤثر دخل اندازی کے لیے بہتر طور پر تیار ہو سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر ریاستہائے متحدہ میں ''ڈنڈا استعمال نہ کریں اور بچے کو تباہ ہونے دیں'' کے اصول کی مخالفت میں اضافہ ہو رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ بعض لوگ گھروں اور سکولوں دونوں میں بچوں کی درست تربیت کے ایک تقاضے کی حیثیت سے اور زیادہ جسمانی سزا کی وکالت کی طرف واپس آ رہے ہیں۔ اس معاملے کا لبرل یا قدامت پسند ہونے' مذہبی یا سیکولر ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک کم متشددانہ اور زیادہ منصفانہ معاشرے کی تحریک کے خلاف حاکمیتی مزاحمت' اس کا محرک بالعموم غیر شعوری ہوتا ہے جیسا کہ باکس **4.3** میں بتایا گیا ہے کا ایک پہلو ہے جیسا کہ میں پہلے بھی ذکر کر چکی ہوں کہ بچپن کے تشکیلی دور کے ذریعے ہی ہمیں اولاً یہ سبق ملتا ہے کہ کیا نارمل ہے اور کیا اخلاقی ہے۔ بایں سبب' قربت آمیز تعلقات کے ضمن میں حاکمیت اور تشدد کے خلاف چیلنج' حقیقی آزادی' امن اور مساوات کے لیے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

گو عورتوں کے خلاف ریپ اور تشدد کی دوسری صورتوں میں قانونی گرفت (منظم نسواں پسند سماجی اقدام کی بدولت) میں اضافہ ہو رہا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ میوزک ویڈیوز جنہیں لاکھوں نوجوان دیکھتے ہیں لڑکیوں اور عورتوں کی تحقیر' تذلیل اور متشددانہ بدسلوکی کو سیکسی بنا کر بھی پیش کر رہی ہیں۔ ان متحارب دھاروں اور مخالف دھاروں کو دایاں بازو بمقابلہ سیکولر کے روایتی پیمانوں کی مدد سے سمجھنا ممکن نہیں' بعض لوگ جو خود کو قدامت پسند سمجھتے ہیں تشدد کے بجائے سیکس پر سنسر میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں اور سیکولر لیفٹ اور لبرل رائٹ کے بعض لوگ' بلکہ وہ لوگ بھی جو مسائل کے پرامن حل کی وکالت کرتے ہیں متشددانہ تصویر کشی کو غلط نہیں سمجھتے۔ بالخصوص جب یہ جنسی سیاق وسباق میں سامنے آتی ہے۔

اس تصویری پیش کش کو حصہ اول میں بیان کئے گئے شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کی بنیادی ہیئتوں کے تناظر سے دیکھ کر ہی ہم ان نمونوں کو سمجھ سکتے ہیں جنہیں قدامت پسندانہ بمقابلہ لبرل اور مذہبی بمقابلہ سیکولر کے روایتی پیمانوں نے دھندلا دیا ہے۔ سیکس کو تشدد کے ساتھ جوڑنے والی تصویر کشی اس پیغام کی تصویر کشی کرتی ہے کہ مردانہ تشدد نہ صرف نارمل بلکہ سیکسی بھی ہوتا ہے۔ حاکمیت اور تشدد کو شہوت آمیز بنا کر پیش کرنا غیر شعوری طور پر اس مائنڈ سیٹ کو پختہ کرتا ہے۔ ایک ایسا مائنڈ سیٹ جو متعدد لوگوں میں موجود ہو سکتا ہے قطعہ نظر اس سے کہ وہ مذہبی ہوں' سیکولر ہوں یا لبرل۔

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ انسانیت کے نسوانی اور مردانہ نصفوں کے تعلقات اور کردار جس انداز میں تشکیل پاتے ہیں وہ معاشرے کے حاکمیتی یا شراکتی اختیاری ڈھانچوں کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ انسانیت کے ایک نصف پر دوسرے نصف کی حاکمیت کو نارمل کی حیثیت سے قبول کرنا ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ انسانی تعلقات میں حاکمیت اور اطاعت کوئی غلط بات نہیں اور عورتوں کے خلاف تشدد کو سکیسی کی حیثیت سے پیش کرنا بربریت اور بے رحمی کو مردانہ اور ہیجان انگیز بنا کر پیش کرنے کا ہی ایک انداز ہے۔

آج جو کچھ ہو رہا ہے نام نہاد نجی اور پبلک دائروں دونوں کی سماجی تنظیم کے لیے حاکمیتی اور شراکتی سانچوں کے مابین مستقبل سے تعلق ہماری جدوجہد کے تناظر سے دیکھنا اس کو سمجھنا بھی ممکن بناتا ہے کہ منفی تصورات اور منفی تعمیمات جنہیں قدامت پسند اور لبرل دونوں بالعموم مسلمہ کی حیثیت سے قبول کرتے ہیں زندگی کے تمام دائروں میں حاکمیت کے نظام ہائے مراتب کو قائم رکھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ایک مثال کی حیثیت سے حاکمیتی منفی تصورات اور تخصیصات کے ذیلی سیاق وسباق پر غور کیجئے جو معاصر سیاست میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی پشت پر کارفرما ہے۔

حاکمیتی نقطہ نظر سے حکومت کا بنیادی وظیفہ کنٹرول کو برقرار رکھنا ہے جو آخرکار طاقت پر مبنی ہے۔ اس کنٹرول کی مثال قید خانوں (جرائم کے انسداد کے بجائے سزا دینے کے لیے اور اہل اختیار کی مخالفت کو روکنے کے لیے) کی تعمیر کے لیے لوگوں کی ٹیکسوں سے ایک خطیر رقم مختص کرنا اور ساتھ ہی ساتھ ٹیکنالوجی کے حوالے سے زیادہ پیچیدہ اور مہنگے سے مہنگا اسلحہ تیار کرنا ہے۔ باالفاظ دیگر اس نقطہ نظر کی رو سے' حکومت کو صرف مخصوص قسم کے کردار ادا کرنے چاہئیں جو حاکمیتی معاشروں میں مردوں سے منسوب سمجھے جاتے ہیں: سزا دینے والے باپ کا سخت گیر کردار اور جنگجو کا بہادرانہ کردار۔

اس کے برعکس شراکت کا ابھرتا ہوا نقطہ نظر طاقت کو بنیادی طور پر بلیڈ کے نہیں بلکہ چیلس کے مساوی ٹھہراتا ہے اور ایسی پالیسیوں کو فروغ دیتا ہے جن کی مدد سے ٹیکس کے فنڈز کو بنیادی طور پر ایسی

چیزوں کے لیے مختص کیا جاتا ہے جنہیں بعض اوقات ''سافٹ'' (مخصوص طور پر ''نسوانی'') سرگرمیوں کا نام دیا جاتا ہے۔ مثلاً بچوں کے لیے شفقت اور ان کی تعلیم و تربیت (اور یوں اصلاً جرائم کا تدارک) ماحول کا بچاؤ اور تحفظ اور دولت کی زیادہ منصفانہ تقسیم (جیسا کہ سکنڈے نیویا کی اقوام میں ہے جہاں عورتوں کو اور یوں مخصوص ''نسوانی'' اقدار کو زیادہ بہتر مقام حاصل ہے۔ اس شراکتی نقطہ نظر کی رو سے اسلحے کے لیے کچھ نہ کچھ فنڈز پھر بھی موجود رہیں گے کیونکہ ہماری آج کی دنیا میں یہ افسوسناک طور پر ضروری ہیں، تاہم ہمارے ملک کی مارکیٹ میں اسلحہ با آسانی دستیاب نہیں ہوگا جہاں یہ متشددانہ جرائم کا ایک بڑا سبب ہے نہ ہی اسلحہ دوسری اقوام کو برآمد کیا جائے گا جہاں اسے اپنے ہمسائیوں کو معذور بنانے اور ہلاک کرنے کے لیے خود اپنے لوگوں کو دبانے کے لیے یا دہشت گردی کا ارتکاب کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس میں جیسا کہ پہلے ہی اس پر عمل ہو رہا ہے، ریاستہائے متحدہ جیسی اسلحہ برآمد کرنے والی اقوام کے خلاف دہشت گردی بھی شامل ہے اور نہ ہی اسلحے کو ''حقیقی مردانگی'' کے ساتھ وابستہ کیا جائے گا جیسا کہ موجودہ طور پر ہماری کھلونوں کی صنعت اور ماس میڈیا میں ہو رہا ہے۔

طلبہ یہ جان کر کہ حکومتیں حاکمیتی رجعت کے ادوار کے دوران جس سے ہم حالیہ طور پر گزر رہے ہیں فنڈز کس طرح مختص کرتی ہیں اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ مردوں اور ''مردانگی'' کے ساتھ وابستہ کی جانے والی کسی بھی چیز کی برتر حیثیت غلط سماجی پالیسیوں کی تشکیل کرتی ہے۔ (باکس 5.19 ملاحظہ کیجئے) مثلاً 1992ء میں منتخب ہونے والے کانگریس کے ارکان نے بچوں کو خوراک مہیا کرنے، خاندانوں کے حفظان صحت اور ایک صاف ستھرے اور صحت مندانہ ماحول کے قیام سے متعلق پروگراموں میں شدید تخفیف کر دی تھی۔ یہ تمام ایسی سرگرمیاں تھیں جو عورتوں اور خاص ''عورتوں کے کام'' سے تعلق رکھتی تھیں (شکل 5.11 ملاحظہ کیجئے)۔ ساتھ ہی ساتھ ان لوگوں نے فرسودہ قسم کے بم بردار طیارے تیار کرنے کے لیے اربوں ڈالر مختص کر دیئے تھے جو پینٹا گون کو قطعاً درکار نہیں تھے۔

شراکتی، حاکمیتی تسلسل کے تجزیاتی عدسے کی مدد سے طلبہ طاقت اور قیادت سے متعلق معاصر بحث میں صنف کے پوشیدہ ذیلی سیاق و سباق کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔ حاکمیت کے حامی ایسے لوگ ہیں جن کا یہ خیال ہے کہ ایک ''طاقتور لیڈر'' (جسے تکلیف پہنچانے کی دھمکی کے ذریعے کنٹرول قائم کرنے کی استعداد کا حامل سمجھا جاتا ہے) چیزوں کو اپنے ''کنٹرول میں لا کر'' ہمارے تمام مسائل کو حل کر دے گا۔ یہ استبدادی، طاقتور، مرد حاکم کا فارمولا ہے۔ شراکت کے حامی وہ لوگ ہیں جو ایک نئی قسم کے لیڈر کی ضرورت کا احساس رکھتے ہیں جو مسائل کے تخلیقی حل کی تحریک دے گا اور ان کے لیے آسانی پیدا کرے گا

اور جو کم متشدد اور ساتھ ہی ساتھ زیادہ ہمدردی کا حامل بھی ہوگا۔ یہ لیڈر شپ کا ایک ایسا تصور ہے جو مخصوص ''نسوانی'' صفات پر مشتمل ہے۔

لیڈر شپ (اور یوں پالیسی سازی میں) میں' سیاست' معیشت' مذہب' سائنس' تعلیم اور خاندان میں مساوی نمائندگی کے حصول کے لیے عورتوں کی جدوجہد زیادہ انسان پسندانہ سماجی پالیسیوں کی طرف ایک اہم قدم ہے۔ اس سے یہ انکار مراد نہیں کہ عورتیں حاکمیتی اقدار نہیں اپناتیں۔ یقیناً بعض عورتیں ایسا کرتی ہیں لیکن ایک ووٹنگ بلاک کی حیثیت سے خواتین قانون ساز اوسطاً بچوں کی نگہداشت اور حفظان صحت جیسے خاص ''عورتوں کے کام'' کے لیے فنڈز کی حامی ہوتی ہیں۔ بہرصورت حقیقی شراکتی جمہوریت پالیسی سازی میں انسانیت کے نسوانی نصف کی نمائشی نمائندگی سے کچھ زیادہ کا تقاضا کرتی ہے۔

غیر عیاں عورتیں

اگر گھریلو کام کی قدر کو ان خدمات کے مساوی شمار کیا جائے جو باورچی' صفا کار اور نرسیں انجام دیتی ہیں تو اس سے متعدد ملکوں کی خام قومی پیداوار میں نصف کے قریب اضافہ ہو جاتا ہے۔

تاہم اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ صرف مرد ہی لیڈر ہو سکتے ہیں مثلاً مسیحی مردوں کی تحریک جو خود کو ''عہد دار'' کا نام دیتی ہے یہ کہتی ہے کہ مردوں کو اپنی بیویوں اور بچوں کا کنٹرول دوبارہ حاصل کرنا چاہیئے۔ وہ یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ مردوں کو اسی طرح اپنے خاندانوں کا سربراہ ہونا چاہیئے جس طرح حضرت عیسیٰؑ چرچ کے سربراہ ہیں۔ بہ الفاظ دیگر یہ کہ اپنے خاندانوں میں مردوں کا اختیار خدا کے اختیار کی طرح مطلق ہونا چاہیئے!۔

سماجی اداروں' خاندان اور مذہب سے لے کر سیاست اور معیشت تک کی تنظیم کے آمرانہ حاکمیتی اور جمہوری شراکتی انداز کے مابین یہ جنگ پبلک ایجوکیشن سے متعلق آج کی بیشتر جدوجہد کی تہہ میں کارفرما ہے۔ ایک جانب ہم ایسے تعلیمی پروگراموں کو بے اثر بنانے کی کوششوں کو دیکھتے ہیں جو صنف یا نسل کے اختلافات کو خود بخود کمتری یا برتری کے مساوی ٹھہرانے کے بجائے بچوں کو تنوع کی تعلیم دیتے ہیں۔ سکولوں میں جسمانی سزا کو دوبارہ متعارف کروانے کی قانونی کوششیں بھی ہمارے سامنے ہیں۔ ہم نجکاری اور واؤچر کے ذریعے پبلک سکول سسٹم کو تباہ کرنے کے دباؤ سے بھی واقف ہیں۔ باوجود یکہ پبلک ایجوکیشن جدید جمہوریت کا ایک بنیادی ستون ہے اور نجی تنظیمیں انتہائی نااہل ثابت ہو سکتی ہیں جیسا

MashalBooks.org

کہ ان کے دیوالیہ ہونے کی اونچی شرح کی شہادت سے ظاہر ہے۔

منفی تشخیصات

نفی تشخیصات کا یہ مخفی ذیلی سیاق وسباق منفی انداز میں ہماری زندگیوں پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے اس ضمن میں مفصل بحث کے لیے ریان آئس لر کی کتاب مقدس مسرت، چیلیس اور بلیڈ اور مقدر کی تعیین نو اور عورتیں، مرد اور زندگی کا عالمی معیار بھی ملاحظہ کیجئے۔ جیسا کہ پہلے بھی بتایا جاچکا ہے یہ آخری تصنیف جسے شراکتی مطالعات کے مرکز نے شائع کیا ہے۔89 اقوام سے لیے گئے ڈیٹا پر مبنی ہے اور اس بات کو واضح کرتی ہے کہ عورتوں کی بلند حیثیت تمام لوگوں کے اعلیٰ معیار حیات سے کس طرح منسلک ہے۔ یہ دریافت اس چیز کی توجیہہ میں مدد دیتی ہے کہ سیکنڈے نیویا کے بلاک کی اقوام جو دنیا کی امیر ترین قومیں نہیں مگر دوسری بہت سی اقوام کی نسبت از حد صنفی انصاف کی حامل ہیں۔ اقوام متحدہ کے مجموعی معیار حیات کی درجہ بندیوں میں مستقلاً اونچے مقام پر فائز ہوتی ہیں۔

ایک اور ماخذ میرا مضمون ''کھیل کے قواعد کی تبدیلی: کام، اقدار اور ہمارا مستقبل'' ہے جسے مرکز برائے شراکتی مطالعات کی ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کیا جا سکتا ہے۔

(www.partnershipmay.org)

یہی مضمون اتحاد برائے نگہداشتی معیشت کی بنیاد بنا جسے مرکز برائے شراکتی مطالعات اور عالمی مستقبل فاؤنڈیشن نے مل کر قائم کیا تھا۔ اتحاد جو تنظیموں کے نیٹ ورک پر مشتمل ہے معاشیاتی ضابطوں میں تبدیلی کے لیے کام کر رہا ہے تا کہ معیشت کے دونوں سیکٹروں یعنی مارکیٹ میں بھی اور غیر مارکیٹ میں بھی۔ تربیت اور نگہداشت کے کام کی قدر و قیمت تسلیم کیا جائے او اس کا معاوضہ ادا کیا جائے۔(133)

دوسری طرف تعلیمی رہنماؤں کی تعاون پر مبنی آموزش، ہم عمروں کے ذریعے تدریس اور آموزش کی سابقتی پیائش کے بجائے معیاراتی پیائش جیسے شراکتی اقدامات کو متعارف کروانے کی کوششیں ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تعلیم کار سکولوں میں افسر شاہی کے انداز کو ختم کرنے کے لیے یعنی، اوپر سے نیچے کے نظام ہائے مراتب سے اساتذہ، طلبہ، والدین، منتظمین اور دوسرے عملے کے مابین شراکت میں تبدیلی کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تعلیم کار پرائمری اور سیکنڈری نصاب کی تبدیلی کے لیے بھی کام

کر رہے ہیں تا کہ یہ شراکتی اقدار کی تدریس کا آئینہ دار بن سکے۔

متعدد معیاری کلاس روموں میں اساتذہ ہدایات دیتے ہیں اور طلبہ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ ایک شراکتی کلاس روم میں استاد طلبہ کو اختیار میں حصہ دار بناتا ہے (کم از کم کچھ معاملات میں تو ضرور) اور انہیں شراکتی اہلیتوں کی تعلیم دیتا ہے جیسے کہ ذمہ دار بنانا، باہمی تعاون سے فیصلے کرنا (باکس 5.20 ملاحظہ کیجئے)۔ سو موجودہ حالات و واقعات کی کلاسیں طلبہ کے لیے ایک ایسی جگہ ہیں جہاں وہ شراکتی تعلقات کی مشق کر سکتے ہیں یہاں وہ یہ سیکھ سکتے ہیں کہ شراکت داری کے ساتھ کام کرنے کا مطلب اساتذہ اور دوسرے لوگوں کا احترام تو ضرور ہے جن کے پاس علم ہے اور جو اسے منتقل کرنا چاہتے ہیں لیکن اس کا مطلب بغیر سوچے سمجھے اندھی تقلید نہیں۔ درحقیقت وہ خود سوچنا اور خود اپنے عقائد کی تشکیل کرنا اور ان کا دفاع کرنا سیکھ سکتے ہیں۔

جمہوریت اور سماجی اقدام

ذیل میں کچھ ماخذ دیئے جا رہے ہیں جنہیں اساتذہ طلبہ کو جمہوری مہارتیں سکھانے اور ان کی مشق کرنے کے ساتھ ساتھ سیاسی طور پر مثبت تبدیلیاں منظم کرنے کے ضمن میں استعمال کر سکتے ہیں۔ باربرا اے لیوس کی کتاب سماجی اقدام کے لیے بچوں کی گائیڈ؛ (134) نینسی شنائیڈ ونڈ اور ایلن ڈیوڈسن کی مساوات کے لیے کشادہ ذہن؛ (135) طلبہ کی شہریاتی سرگرمی سے متعلق وینڈی شیٹر بیل کی ہینڈ بک جو ورلڈ ایجوکیشن سنٹر ریسورسز کی ویب سائٹ سے دستیاب ہے۔

<www.uvm. edu/uvmcwe/resouvces.html>

اور ویڈیو پراجیکٹ جو ماحول اور معاشیات سے لے کر نسلی اور صنفی انصاف جیسے معاملات سے متعلق انعام یافتہ دستاویزی فلموں کی متاثر کن فہرست فراہم کرتا ہے۔ ویڈیو کے دو اور عمدہ ماخذ، میڈیا ایجوکیشن فاؤنڈیشن اور کیمبرج ڈاکومنٹری فلمز ہیں۔(136)

ایک فلم جو خود میری نظر میں بہت متاثر کن اور تحریک انگیز ہے مارگریٹ وان ٹروٹا کی ''روزا لکسمبرگ'' ہے یہ امن اور معاشی انصاف کے لیے برسرِ پیکار ایک جرمن کی زندگی کی کہانی ہے۔(137)

موجودہ حالات و واقعات کی کلاسیں نوجوان طلبہ کو عالمی شہری بننے کا موقع بھی فراہم کرتی ہیں۔ جب جارج اور اس کے بارہویں گریڈ کے ہم جماعتوں نے افریقہ میں ہونے والے واقعات کے

بارے میں عام لوگوں کی واقفیت کا ایک سروے کیا تو انہیں معلوم ہوا کہ انہوں نے جن لوگوں کا انٹرویو کیا تھا ان میں سے بیشتر جو کچھ ہو رہا ہے اس سے بالکل بے خبر تھے یہاں تک کہ انہیں خوراک کے بحران جیسے معاملات سے متعلق بھی کچھ علم نہیں تھا جبکہ یہ چیزیں سرخیوں کی زینت بنتی رہی تھیں۔ پھر انہوں نے خوراک کے بحرانوں کی وجوہات کی تحقیق کے لیے گروپ تشکیل دیئے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ معاملہ نہ صرف آبادی کے دباؤ' زمین کی ابتری اور جنگ سے بلکہ معاشی اور سیاسی پالیسیوں سے بھی جڑا ہوا تھا۔ مثلاً ترقیاتی پروگراموں نے ان لوگوں یعنی عورتوں کے بجائے جو افریقہ میں زیادہ تر خود اپنی زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے کاشتکاری کرتی تھیں ایسے بڑے کاروباری اداروں کو بھاری رعایتیں مہیا کی تھیں جو فصلوں کو برآمد کی خاطر اگاتے اور بیچتے تھے۔ (شکل 5.12 ملاحظہ کیجئے) اس تحقیق سے طلبہ نے یہ سیکھا کہ ٹی وی پر خبریں دیکھنے یا روزانہ اخبار پڑھنے کا مطلب باخبر ہونا نہیں ہے۔ انہوں نے نظامیاتی سوچ سے متعلق ایک بنیادی سبق یہ بھی سیکھا کہ کسی مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کے ضمن میں متعدد عوامل پر غور کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ ان میں سے بعض عوامل مروجہ پیمانوں کے باعث نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ موجودہ حالات و واقعات کی کلاسیں ان طلبہ کے لیے بھی مددگار ثابت ہو سکتی ہیں جو مستقبل سے متعلق اپنی پریشانیوں میں خود کو یکہ و تنہا محسوس کرتے ہیں۔ یہ انہیں ایک ایسا ماحول مہیا کرتی ہیں جہاں وہ اپنے احساسات میں دوسروں کو حصہ دار بنا سکتے ہیں اور یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ ان کی طرح کے دوسرے لوگ بھی موجود ہیں۔ کچھ خاص قسم کی سرگرمیوں میں شامل ہونے کے لیے طلبہ کی حوصلہ افزائی کی جا سکتی ہے یعنی ایسی سرگرمیاں جو دوسرے لوگوں کے لیے کارگر اور دنیا بھر میں شراکتی تبدیلیاں برپا کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہیں۔

عورتیں اور زراعت

شہادت اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہے کہ اگر عورتوں کو اسی طرح کی مدد' حوصلہ افزائی اور ترغیبات مہیا کی جائیں جیسی مردوں کو مہیا کی جاتی ہیں تو ان کی زرعی پیداوار یت کم از کم مردوں کے برابر پہنچ جاتی ہے۔ بشکریہ: دنیا کی عورتوں کی حالت سے متعلق اقوام متحدہ کی رپورٹ (1985ء)

محنت کی تقسیم

افریقہ کی عورتیں اپنی گھریلو ذمہ داریوں کے علاوہ تمام زرعی کام کا تین چوتھائی تک کام کرتی ہیں۔

ہل چلانا 30 فیصد

پودے لگانا 50 فیصد

مویشی پالنا 50 فیصد

کٹائی 60 فیصد

فصلوں کو جڑی بوٹیوں سے پاک کرنا 70 فیصد

فصلوں کو سنبھالنا اور محفوظ کرنا 85 فیصد

گھریلو کام 95 فیصد

ماخذ: یو این معاشی کمیشن برائے افریقہ

متعدد مقامی اور قومی تنظیمیں نوجوان افراد کو سماجی اور ماحولیاتی مسائل کے حل میں سرگرمی کے ساتھ شریک ہونے کے مواقع فراہم کرتی ہیں جبکہ وہ ساتھ ہی ساتھ کسی گینگ میں شامل ہونے یا تازہ ترین ٹین فیشن کے خریدار بننے کے بجائے مثبت اقدامات کے ذریعے ایسی وابستگی کی ضرورت کی تکمیل بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن ان تنظیموں کو ماس میڈیا میں کبھی کبھار ہی جگہ ملتی ہے۔ ان تنظیموں سے متعلق نوجوان افراد کو زیادہ سے زیادہ باخبر بنانا سکولوں کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ (ایک جزوی فہرست کے لیے باکس 5.21 ملاحظہ کیجئے)۔

اپنی کمیونٹی اور دوسرے لوگوں میں خدمات عامہ کی نشاندہی کے ضمن میں بھی طلبہ کی حوصلہ افزائی کی جاسکتی ہے۔

مثال کے طور پر ملواکی، وسکونسن کا پبلک پارکوں اور پبلک سوئمنگ پول کا نظام ریاستہائے متحدہ کے کسی بھی شہر کے مقابلے میں بہترین ہے اور یہ ملواکی کے محنت کش طبقے سے شہریوں کی بدولت ہے جو تفریح کے لیے بڑی بڑی نجی جگہوں کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے منظم ہو کر پبلک کے وسائل کو پبلک کے لیے استعمال کرنا شروع کیا۔ (اس کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ گرین بے پیکرز کی فٹ بال فرینچائز کے مالک بھی گرین با کے شہری ہیں، یہ واحد بڑی لیگ ٹیم ہے جس کی ملکیت پبلک کے پاس ہے)۔ یہ اس چیز کی مثالیں ہیں کہ شراکت تمام لوگوں کے لیے کس طرح فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔

کمیونٹی اور سماجی اقدام

دنیا بھر میں ہزاروں تنظیمیں مقامی، قومی اور بین الاقوامی سطحوں پر ایک شراکتی مستقبل کے لیے کام کی خاطر لوگوں کو اکٹھا کرتی ہیں۔ کچھ تنظیمیں نوجوان افراد کو انٹرن شپ کے مواقع فراہم کرتی ہیں بعض

مقامی شاخیں تشکیل دیتی ہیں اوران میں سے بیشتر کانفرنسوں اور دوسرے جلسوں کا انعقاد کرتی ہیں۔

کوآپ امریہ جو1612 کے سٹریٹ' این ڈبلیو' نمبر600' واشنگن ڈی سی20006 (فون: 202-87205307' ویب سائٹ<www.coopameria.ory>) میں واقع ہے ماحولیاتی تنظیموں کے ساتھ ساتھ "سبز" کاروباروں کی ہزاروں اشیاء اور خدمات کی فہرستیں مہیا کرتی ہے۔ (ہم چاہیں تو ان کی مدد کرسکتے ہیں) دوسری ماحولیاتی تنظیموں میں یونین آف کنسرنڈ سائنٹسٹس' گرین پیس' سیرا کلب' رین فاریسٹ ایکشن نیٹ ورک اوارتھ آئی لینڈ انسٹیٹیوٹ شامل ہیں۔

نیشنل ایسوسی ایشن فار دی ایڈوانسمنٹ آف کلرڈ پیل (این اے اے سی پی) (ویب سائٹ: <www.maacp.org>) کے واپس سکول کوسکول میں ایلو پروگرام اور نیشنل کونسل آف لا راز کے نوجوان رہنما پروگرام کا ہدف خصوصاً نوجوان افراد ہیں۔ سدرن پاورٹی لاء سنٹر جس کا ہیڈکوارٹر مانٹگمری' ارابا (ویب سائٹ :<splcenter.ovg>) میں ہے اور سائمن ویزینتھل جس کا ہیڈکوارٹر لاس اینجلز میں ہے یہیں اس کا میوزیم آف ٹالرینس بھی واقع ہے۔ (ویب سائٹ : <wiesenthal. com>) تعصب اور نفرت پرمبنی جرائم کے خاتمے کے لیے کام کرنے والوں میں سرفہرست ہیں۔

امریکن ایسوسی ایشن آف یونیورسٹی وومین جس کا ہیڈکوارٹر واشنگٹن ڈی سی میں ہے مقامی شاخوں کی حامل ہے اور بہتر تعلیمی نظام میں دلچسپی رکھنے والے اساتذہ اور طلبہ کی سرگرمی سے امداد کرتی ہے۔ نیومون (ڈیولتھ' منی سوٹا) چار سے چودہ سال عمر کی لڑکیوں کے مسائل اور دلچسپیوں پر توجہ دیتی ہے۔ نیشنل وومینز پولیٹیکل کاؤکس' نیشنل آرگنائزیشن فار وومین (این۔ او۔ ڈبلیو) اور لیگ آف وومین ووٹرز کی قومی اور مقامی شاخیں سیاسی میدان میں پبلک عہدوں کے لیے امیدوار او تعلیم یافتہ سرگرم ووٹر دونوں کی حیثیت سے عورتوں کے لیے کام کرتی ہیں۔ نیشنل کمیٹی آن یو۔ این/سی۔ ای۔ ڈی۔ اے۔ ڈبلیو(520 نارتھ کیمڈین ڈرائیو' بیورلی ہلز' کیلیفورنیا 3202-90210) جیسی تنظیمیں ریاستہائے متحدہ کی حکومت سمیت حکومتوں کو عورتوں کے خلاف امتیاز کی تمام صورتوں کے خاتمے پر سے متعلق اقوام متحدہ کے کنونشن کی توثیق پر قائل کرنے کے لیے کام کرتی ہیں۔ 1997ء تک 161 ممالک یو این کے اس اہم پالیسی بیان کی توثیق کرچکے تھے لیکن ریاستہائے متحدہ کے سینٹ نے ابھی تک ایسا نہیں کیا ہے!

"پلینڈ پیرنٹ ہڈ" خاندانی منصوبہ بندی کے فروغ اور عورتوں کی تولیدی صحت سے متعلق حقوق

MashalBooks.org

کے تحفظ کے لیے کام کرتی ہے۔ اس کا ہیڈکوارٹر واشنگٹن ڈی سی میں ہے اور اس کی مقامی ہیں۔ پاپولیشن ایکشن انٹرنیشنل (واشنگٹن ڈی سی) آبادی کی پائیدار افزائش کے کام کے ضمن میں رہنما حیثیت رکھتی ہے۔

سٹوڈنٹس فار سوشل رسپانسیبلیٹی، بزنسز فار سوشل رسپانسیبلیٹی، سوشل وینچر نیٹ ورک او ورلڈ بزنس اکیڈمی ماحولیاتی اور سماجی اعتبار سے کاروبار کے ذمہ دارانہ طریقوں کی کھوج کے لیے مواقع مہیا کرتی ہیں۔

انٹرنیشنل پارٹنرشپ نیٹ ورک (آئی۔ پی۔ این) سنٹرفار پارٹنر شپ سٹڈیز (<www.partnershipmay.ovg>) کی سسٹر تنظیم ہے۔ ڈیل جونز اس کے کوآرڈینیٹر ہیں اور اس کی انٹرنیٹ لسٹ سرو کے لیے ان سے پی او باکس 323، ٹسان ایریزونا 85702 پر رابطہ کیا جا سکتا ہے۔ (فون 520-298-6542 فیکس 520-298-0639؛ ای میل : <Delme r Ar@aol.com>) سی پی ایس کی ایک اور سسٹر تنظیم الائنس فار کیٹرنگ اکانومی (اے۔ سی۔ ای) ہے جو شمالی کیلیفورنیا اور بوسٹن کے علاقوں میں انٹرنشپ کے مواقع فراہم کرتی ہے۔ (برائے رابطہ وینڈی پریٹ، گلوبل فیوچرز فاؤنڈیشن، 801 کراکر روڈ، سیکرامینٹو، سی۔ اے 95864 فون: 916-486-5999؛ ویب سائٹ <www.globalff.ovg/ace>)۔

چلڈرنز ڈیفنس فنڈ (25 ای سٹریٹ این۔ ڈبلیو، واشنگٹن ڈی۔ سی۔ 20001) اور چلڈرن ناؤ (1212 براڈ وے، ففتھ فلور، اوکلینڈ، سی۔ اے 94612، ویب سائٹ : <www.childremmom.ovg>) دسری اہم تنظیمیں ہیں۔ امریکن فرینڈز سروس کمیٹی (1501 چیری سٹریٹ، فلاڈیلفیا، پی۔ اے 19102) اور سنٹر فار کیمپس آرگنائزنگ (پی۔ او باکس 425748، کیمبرج، ایم اے 02142) بھی سماجی اقدام کے لیے مواقع اور ماڈل مہیا کرتی ہیں۔ کپیسیٹر، سی۔ اے۔ پی۔ اے۔ سی۔ آئی۔ ٹی۔ آر (23 ایسٹ بیچ سٹریٹ، سوئٹ 206، ویٹسن ول سی۔ اے 95076؛ فون 831-456-9426؛ ای میل <capacitar@igc.apc.org>) ریاستہائے متحدہ اور لاطینی امریکہ دونوں میں جسم، ذہن، روح کی مشقوں کے ذریعے شخصی اور سماجی صحت کے فروغ کے لیے کام کرتی ہے۔

دوسری تنظیموں کے لیے باربرا اے لیوس کی سماجی اقوام کے لیے بچوں کی گائیڈ' (منیاپولیز، منی سوٹا، فری سپرٹ پبلشرز 1998ء) اور مقدس مسرت کے باب 18 اور 19 ملاحظہ کیجئے۔

سوکس اور موجودہ حالات و واقعات کی کلاسیں نوجوان افراد کو اس بات سے آگاہ ہونے کا موقع بھی فراہم کرتی ہیں کہ وہ خود نئی تنظیمیں تشکیل دے سکتے ہیں۔ مثلاً یوتھ فار اینوائرنمینٹل سینیٹی جسے اوشین روبنز، سول سولومنز اور ہائی سکولوں کے دوسرے حساس طلبہ نے 1990ء میں قائم کیا تھا۔ چالیس سے زیادہ اقدامی کیمپ لگا چکی ہے جن میں ستائیس ممالک کے نوجوان افراد شریک ہو چکے ہیں۔(139)

اپنی کمیونٹی اور دنیا میں سرگرمی سے دلچسپی لینے کے ضمن میں طلبہ کی حوصلہ افزائی خصوصی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ آج طلبہ ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ دونوں میں بالکل کھو چکے ہیں۔ ٹیلی ویژن پروگراموں کی نوعیت لازماً ایک مجہول سرگرمی پر مبنی ہے؛ یہ تماشائی کا ایک اور کھیل ہے بلکہ انٹرنیٹ بھی جو زیادہ شمولیتی ہے ابھی تک صرف معلومات کو ذخیرہ کرنے پر اور عمل کے بجائے گفتگو پر توجہ دیتا ہے۔

تاہم انٹرنیٹ ٹیکنالوجی کے حوالے سے ہمیں نہ صرف معلومات کے ذریعے بلکہ مثبت منظم اقدام کے ذریعے بھی آپس میں تعلق قائم کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اس ضمن میں پہلے ہی "زینز" یا آن لائن نیوز لیٹرز کی صورت میں کچھ پیش رفت ہو چکی ہے جو مالیاتی اور سماجی طور پر باشعور نوجوان افراد کی تخلیق ہیں۔ اس کی ایک مثال نیومون ویب سائٹ <hhp:11www.memmoon.org> ہے۔ خصوصاً آج جبکہ سکول انٹرنیٹ کی رسائی حاصل کر رہے ہیں، تعلیم کاروں پر سائبر فعالیت کو پروان چڑھانے اور تقویت دینے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

نہ صرف خود اپنے کلاس روموں بلکہ نچلے درجوں میں بھی اور ساتھ ہی ساتھ اپنی کمیونٹی میں بھی ہم عمروں کی تدریس کے لیے طلبہ کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے۔ وہ معاصر مسائل سے متعلق موجودہ طور پر دستیاب متعدد مطالعات کا جائزہ لے سکتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ انہیں اس بات سے بھی باخبر ہونا چاہیے کہ معاملات سے نہ نمٹنے کا ایک طریقہ وہ نامختتم مطالعات ہیں جو حکومتوں اور کارپوریشنوں کے ایما پر کیے جاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ کسی مسئلے کا بار بار مطالعہ بہرحال اسے حل نہیں کرتا۔

مختصراً موجودہ حالات و واقعات کی کلاسیں۔ جب تدریس خصوصاً شراکتی تناظر کی مدد سے کی جائے۔ ایسی جگہیں ہیں جہاں اساتذہ وسیع تر مسائل میں طلبہ کی دلچسپی کو تحریک دے سکتے ہیں، تاہم انہیں یہ واضح کرنا ہوگا کہ ان کی موجودہ اور روزمرہ زندگیوں سے متعلق اہم معاملات ان وسیع تر مسائل کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ یہ کلاسیں ایسی جگہیں ہیں جہاں طلبہ نہ صرف اپنی زندگیوں بلکہ اپنی کمیونٹی اور وسیع تر دنیا میں بھی مثبت تبدیلیاں لانے کی خاطر ذمہ داری اور رہنمائی اختیار کرنے کے لیے خود کو تیار کر سکتے ہیں۔

آموزش اور زندگی

طلبہ کی دلچسپیوں اور مسائل کا باہمی تعلق

ہم پیدائشی طور پر متجسس ہوتے ہیں۔ بچے اپنے گردوپیش موجود ہر چیز کے بارے میں جاننا اور اسے کھوجنا چاہتے ہیں۔ بچے جیسے جیسے بڑے ہوتے ہیں، سینکڑوں سوالات اٹھانے لگتے ہیں۔ بحیثیت بالغ وہ خود اپنے تصورات وضع کرنے لگتے ہیں اور زندگی میں معنی کی جستجو کرتے ہیں۔

لیکن ہماری داخلی اور بیرونی دنیاؤں کے بارے میں سوچنے اور کھوجنے کی اس جستجو کو زیادہ تر ایسی تدریسیات تباہ کردیتی ہیں جو آزادانہ سوچ کو دباتی اور جو بتایا جائے اسے رٹنے اور جو حکم دیا جائے اس کی تعمیل کرنے پر زور دیتی ہیں۔ اس کا نتیجہ بالعموم بغاوت ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم اپنے اردگرد ہوتا دیکھتے ہیں، تجسس اور آزادانہ تشخص کی جستجو اکثر اوقات مہمل یا تباہ کن مشاغل میں ڈھل جاتی ہے۔

طلبہ کی ان ترقیاتی جستجوؤں کو بامعنی اور تعمیری شکل دینا سکولوں کی ذمہ داری ہے اور جیسا کہ بیشتر اساتذہ جانتے ہیں اس کا بہتر طریقہ ان معاملات سے ابتدا کرنا ہے جن میں وہ دلچسپی رکھتے ہیں یا جو ان کی پریشانی کا سبب ہیں۔

ابتدائے بچپن سے ہی نوجوان افراد اقدار میں اور یہ جاننے میں بنیادی دلچسپی رکھتے ہیں کہ کیا چیز صلے یا سزا، پسندیدگی یا ناپسندیدگی کی حامل ہے۔ ان میں انصاف کا مفہوم پہلے سے موجود معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ بچوں کی اخلاقی نشوونما سے متعلق پیاجے اور دوسرے محققین کی تحقیق بتاتی ہے، ہم انصاف کے اس مفہوم کا مشاہدہ اس وقت بڑی آسانی سے کرسکتے ہیں جب ایک بچہ بڑی شدومد سے یہ اصرار کرتا

MashalBooks.org

ہے کہ کوئی چیز درست ہے یا نہیں۔ اس کی نشوونما کا تعلق اس چیز کے ارتقا سے ہے جسے ڈارون نے اخلاقی حس اور ڈیوڈ لوئی نے اخلاقی حساسیت کا نام دیا ہے۔(۱)

لیکن اس کے باوجود حاکمیتی تعلیم زیادہ تر ہمدردی کی اخلاقیات کے بجائے جبر' محبت' احساس اور بیرونی کنٹرول پر داخلی محرکات کے بجائے خارجی محرکات (میں اس معاملے پر اس باب میں بعد میں بات کروں گی) پر مبنی رہی ہے۔ لہٰذا معتد نوجوان افراد کو منفی محرکات کے بجائے مثبت محرکات پر مبنی درست اقدار کو اپنی ذات کا حصہ بنانے کا موقع نہیں مل پاتا۔

شراکتی تعلیم کا مقصد نوجوان افراد کو یہ موقع فراہم کرنا ہے۔ یہ ایسے ذمہ دارانہ طرز ہائے عمل کو تقویت دیتی ہے جو انسانی حقوق اور ہماری زمین پر زندگی کے نازک اور معجزاتی تاروپود کو قابل احترام گردانتے ہیں۔ ان طرز ہائے عمل کو میں نے اس باب کے ایک بعد کے سیکشن میں ''زندگی کے لیے موافق'' طور پر بیان کیا ہے۔ یہ نوجوان افراد کو معاشرے میں پھلنے پھولنے اور اپنے بالغانہ مقام کو اختیار کرنے کے ضمن میں درست اقدار کی تلاش کے لیے حوصلہ افزائی مہیا کرتی ہے۔

میں یہاں ان معاملات پر توجہ دوں گی جو آج طلبہ کے لیے فوری دلچسپی اور اہمیت کے حامل ہیں۔ جو کچھ یہاں مہیا کیا جائے گا اسے سائنس، صحت اور ادب سے لے کر تاریخ، معاشرتی علوم اور موجودہ حالات و واقعات تک کی کلاسوں میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ آئندہ حصوں میں دیا جانے والا بیشتر مواد ایسا ہے جس کا سبب ہائی سکولوں اور ایلیمنٹری سکولوں کے طلبہ کے ساتھ مکالمات ہیں اس لیے اسے ایلیمنٹری اور ہائی سکولوں کے مطالعاتی منصوبوں کی بنیاد کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ طلبہ کو ایسے نئے نصابی ماڈلوں کی تیاری میں شمولیت کے لیے بھی کہا جا سکتا ہے جن میں یہ مواد شامل ہو۔

ماس میڈیا

نوجوان افراد کو ایسی معلومات اور رہنمائی مہیا کرنا سکولوں کی ذمہ داری ہے جو میڈیا کے نقصان دہ پیغامات کا مقابلہ کرنے کے لیے ضروری ہے۔

شراکتی، حاکمیتی تسلسل کا تجزیاتی عدسہ میڈیا کے پیغامات کی تقسیم و ترتیب کے ضمن میں بہت مفید ہے۔

طلبہ ایسی تنظیموں کے ساتھ کام کر کے جو ماس میڈیا کے مواد کو تبدیل کرنے کے مقصد کے حصول کے لیے کوشاں ہیں اور شراکتی میڈیا کے لیے لکھ کر اور شراکتی میڈیا تخلیق کر کے میڈیا کے مواد کو تبدیل کرنے کے عمل میں سرگرم انداز میں شمولیت اختیار کرنا سیکھ سکتے ہیں۔

نوجوان افراد آج ٹیلی ویژن، فلموں، انٹرنیٹ اور دوسرے ماس میڈیا میں بے حد دلچسپی رکھتے ہیں۔ جو کپڑے وہ پہنتے ہیں، جو خوراک وہ کھاتے ہیں، جس انداز میں وہ بات کرتے، چلتے اور اپنے جسموں کو سنبھالتے ہیں اور خود اپنے بارے میں جو کچھ محسوس کرتے ہیں یہ سب کچھ اشتہارات سمیت میڈیا کی تصاویر سے بہت گہرائی تک متاثر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ثقافتی ماحولیاتی تحریک کے صدر اور اینبرگ سکول فار کمیونیکیشن کے سابق ڈین، پروفیسر جارج گربنر توجہ دلاتے ہیں، ''آج بچہ ایک ایسے گھرانے میں جنم لیتا ہے جہاں ٹیلی ویژن دن میں اوسطاً سات گھنٹے سے زیادہ آن رہتا ہے۔''(2) اور جیسا کہ ڈیان لیون ریموٹ کنٹرول چائلڈ ہڈ: میڈیا کلچر کے نقصانات کا مقابلہ کیسے کیا جائے میں نشاندہی کرتی ہیں۔ ریاست ہائے متحدہ کے بچے کنڈر گارٹن میں داخل ہونے سے پہلے ممکنہ طور پر 4,000 گھنٹے ٹی وی کے سامنے گزار چکے ہوتے ہیں ''اس سے زیادہ وقت جتنا وہ سونے کے علاوہ کچھ اور کرنے میں صرف کرتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ وقت جتنا وہ سکول میں گزاریں گے''۔(3) لہٰذا سکول کی ابتدا سے کہیں پہلے وہ اپنی تعلیم کا بیشتر حصہ ٹیلی ویژن کے ذریعے حاصل کر چکے ہوتے ہیں۔

اس تعلیم میں وہ سیکھ لیں گے کہ کیا اور کون اہم ہے یا اہم نہیں ہے' کیا اور کون اچھا یا برا ہے، کیا چیز اور کون صلے یا سزا کا حامل ہے۔ باالفاظ دیگر وہ اقدار سیکھ چکے ہوں گے۔

مثال کے طور پر بچے یہ سیکھ لیں گے کہ عورتوں کے بجائے مردوں کو زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے۔ وہ یہ صرف اس وجہ سے نہیں سیکھ لیں گے کہ بچوں کے کارٹونوں اور بڑوں کے پروگراموں دونوں میں عورتوں اور لڑکیوں کے بجائے مرد اور لڑکے کہیں زیادہ سرکردہ کردار ادا کرتے ہیں، بلکہ اس کا سبب یہ بھی ہے کہ ٹیلی ویژن کے مجموعی پروگراموں میں مردوں اور عورتوں کا غیر متوازن تناسب تحت الشعوری انداز میں انہیں یہ سکھا دے گا۔ اس حقیقت کی عکاسی کے بجائے کہ ریاستہائے متحدہ کی نصف سے زیادہ آبادی عورتوں پر مشتمل ہے، عورتوں کو پرائم ٹائم ٹیلی ویژن میں تین میں سے صرف ایک کردار اور بچوں کے پروگراموں میں سے چار میں سے صرف ایک کردار کے قابل سمجھا جاتا ہے۔ نیوز رپورٹروں میں شامل کیے جانے والے پانچ لوگوں میں سے صرف ایک عورت ہوتی ہے۔ دن کے اوقات میں نشر ہونے والے سلسلہ وار پروگراموں میں بھی ان کی اکثریت کو شامل نہیں کیا جاتا جبکہ پروگرام گھر پر رہنے والی عورت کے لیے ہوتے ہیں۔

نہ صرف ٹیلی ویژن پر مردوں اور عورتوں کا مجموعی تناسب دو ایک کا ہے جو غیر حقیقت پسندانہ ہے بلکہ عورتوں کو مردوں کی نسبت کہیں زیادہ تواتر سے شکار کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ عورتوں کو ابھی تک

بنیادی طور پر مخصوص نسوانی کرداروں میں ہی پیش کیا جاتا ہے، جبکہ آزاد عورتوں کو بالعموم بری عورت کے طور پر سامنے لایا جاتا ہے۔ بچوں کے کارٹونوں میں بالغ نظر عورتیں شاذ و نادر ہی نظر آتی ہیں ہمیشہ بس بری عورت کی حیثیت سے۔ جنہیں اصلاً چڑیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

سکول داخل ہونے تک، ریاست ہائے متحدہ کے بچے ٹیلی ویژن سے یہ بھی سیکھ چکے ہوں گے کہ سفید فام لوگ دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ اہم ہیں۔ باوجود یہ کہ رنگدار لوگ انسانیت کی وسیع اکثریت کی تشکیل کرتے ہیں، مگر ریاست ہائے متحدہ کے ٹیلی ویژن پر پرائم ٹائم شوز میں ان کی شمولیت 11 فیصد سے بھی کم اور بچوں کے پروگراموں میں 3 فیصد سے بھی کم ہوتی ہے۔ غریب لوگوں کا کردار بھی بہت معمولی ہے، ریاست ہائے متحدہ کی آبادی کے کم آمدنی والے 13 فیصد لوگوں کو 1.3 فیصد یا اس سے بھی گھٹا دیا جاتا ہے۔ عورتوں' افریقی' امریکیوں' مقامی امریکیوں اور لاطینیوں کی طرح ایسے کرداروں کی غیر متناسب تعداد جو ناکامی یا بدقسمتی کے حامل ہوتے ہیں غریبوں کے طبقات سے تعلق رکھتی ہے۔(5)

مزید برآں، چونکہ بچے زیادہ تر نقل سے سیکھتے ہیں، وہ ٹیلی ویژن سے یہ بھی سیکھتے ہیں کہ کون سے طرز ہائے عمل ''نارمل'' ہوتے ہیں۔ مثلاً ماس میڈیا کی تعلیم ایک کے بعد دوسرے پروگرام میں انسانی تعلقات کے حاکمیتی ماڈل سے وابستہ جو طرز ہائے عمل نارمل اور درست کی حیثیت سے پیش کرتی ہے ان میں تشدد اور بالخصوص مردانہ تشدد کو نارمل، مردانہ اور تفریح کے طور پر دکھایا جاتا ہے۔

ایلیمنٹری سکول کی تعلیم مکمل کرنے تک بچے ٹی وی کی سکرین پر 8,000 قتل اور 100,000 تشدد کے دوسرے اقدام دیکھ چکے ہوتے ہیں۔ یہ تشدد زیادہ تر ان پروگراموں میں دکھایا جاتا ہے جو اسے ''تفریح کی خاطر'' پیش کرتے ہیں یعنی کارٹون اور ڈرامے جنہیں لطف اندوزی کے مقصد سے بنایا جاتا ہے اور تشدد کرنے والے کرداروں کو بالعموم بہادری اور مردانگی کا نمونہ بنا کر پیش کیا جاتا ہے: یہ کردار ایسی صفات کے حامل ہوتے ہیں جیسے کہ دیکھنے میں پرکشش اور نیک نیت جو انہیں ناظرین کے لیے پرکشش رول ماڈل میں ڈھال دیتی ہے۔(6)

پچاس فی صد سے بھی زیادہ ویڈیو گیمز میں تشدد شامل ہوتا ہے جو عموماً وحشیانہ، گرافک اور حقیقت پسندانہ ہوتا ہے۔ بچے جب یہ گیمز کھیلتے ہیں تو وہ نہ صرف انہیں دیکھ رہے ہوتے ہیں بلکہ تشدد کرنے میں بھی بڑی سرگرمی سے حصہ لے رہے ہوتے ہیں یوں وہ مسائل کے ساتھ نمٹنے کے ایک ذریعے کے طور پر تشدد کے ''مؤثر'' ہونے کا سبق سیکھتے ہیں۔ فلمیں بھی بہت سے کھلونوں کی طرح تشدد کو نارمل اور گلیمر کی حیثیت سے پیش کرتی ہیں یا یہ کھلونے ٹیلی ویژن کے متشدد شوز اور فلموں جی جو اور ٹین ایج میوٹینٹ ننجا

MashalBooks.org

ٹرٹل سے لے کر مائٹی مارفن پاور رینجرز تک سے متاثر ہو کر بنائے جاتے ہیں۔1994ء میں موخر الذکر کھلونے بنانے والوں نے ایک ارب ڈالر سے زیادہ کے متشدد کھلونے اور دوسری اشیاء بیچیں اور سٹار وار کی ٹرائلوجی کے دوبارہ ریلیز ہونے سے بھی پہلے 4ارب ڈالر یک سٹار وار کی اشیاء بک چکی تھیں۔تشدد سے بھرپور فلم ''سمال سولجرز'' اور اس فلم کے نہایت متشدد پہلوؤں سے مطابقت رکھنے والے کھلونوں کا منافع بھی بے حد و بے حساب تھا۔

اس پرانے نظریے کے باوجود کہ متشدد پروگرام ایک تطہیری صحت مندانہ اثر رکھتے ہیں،ان کے از حد نقصان دہ ہونے کی شہادت بہت وزنی ہے۔مثلاً،امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن کی فزیشینز گائیڈ ٹو میڈیا وائیولینس کے مطابق یکے بعد دیگرے مطالعات یہ ثابت کرتے ہیں کہ میڈیا تشدد کم ظرفی و کمینگی،جارحیت،خوفزدگی،بداعتمادی اور خود حفاظتی طرز عمل پر منتج ہوتا ہے۔تشدد سے کام لینے کو درست ٹھہراتا ہے اور دوسروں کے دکھ درد کے بارے میں بے رحمی کو تقویت دیتا ہے۔یہ مطالعات اس بدیہی حقیقت کی تصدیق کرتے ہیں کہ بچے (اور بڑے) طرز عمل نہ صرف والدین،اساتذہ اور ہم عمر ساتھی جس چیز کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔اس سے بلکہ کتابوں،فلموں اور ٹیلی ویژن پر پیش کیے جانے والے کرداروں سے بھی سیکھتے ہیں۔(7)

علاوہ ازیں جیسا کہ گربنر نے بتایا ہے،ایک کم ظرف اور خطرناک دنیا کی تشددانہ تصاویر بذات خود دہشت کے آلات کار ہیں بالکل اسی طرح جس طرح قرون وسطیٰ کا علامتی تشدد اور چڑیلوں کو آگ میں جھونکنا یہ دکھانے کے لیے تھا کہ (ایک حاکمیتی معاشرے میں) جو چیز اہم ہے۔وہ یہ ہے کہ تکلیف پہنچانے کا اختیار کس کے پاس ہے اور یہ اختیار کیسے تکلیف پہنچانے کے لیے استعمال کا جا سکتا ہے۔(موجودہ حالات میں اس کا مطلب ٹی وی پر شکار کی حیثیت سے دکھائے جاتے والی عورتوں اور اقلیتوں کا شدید غیر موزوں تناسب ہے۔)

مختصراً میڈیا تشدد کے اثرات کہیں زیادہ دوررس ہیں جو حقیقی زندگی کے بڑھتے ہوتے تشدد کے مسئلے کے طور پر اکثر زیر بحث رہتی ہے جیسے کہ سکولوں کے اندر کم عمر لڑکوں کے ہاتھوں شوٹنگ کے بڑھتے ہوتے واقعات۔میڈیا تشدد ثقافتی اقدار کی تشکیل پر بھی بہت اثرات مرتب کرتا ہے اور انہیں اس انداز میں ڈھالتا ہے کہ وہ شراکتی تعلقات کے بجائے حاکمیتی تعلقات سے مطابقت اختیار کر لیتی ہیں۔

یہ ایک نازک صورت حال ہے بالخصوص اس لیے کہ جب اقدار اپنالی جاتی ہیں تو انہیں تبدیل کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔عقائد یا رویوں کے بجائے اقدار ہمارے اندر بڑی گہرائی میں جاگزیں ہوتی ہیں اور

اس کا صاف سبب یہ ہے کہ ہم انہیں ایسے حالات یا کہانیوں کے ذریعے غیر شعوری طور پر سیکھتے ہیں جن میں جذبات کا بہت عمل دخل ہوتا ہے بالکل اسی طرح جیسے کہ ٹی وی شوز یا فلموں میں ہوتا ہے۔مزید براں اقدار اہم محرکات ہوتی ہیں، یعنی ان میں ایک اہم ارادی عنصر موجود ہوتا ہے جو ہمیں غیر شعوری طور پر کچھ خاص چیز کرنے یا نہ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

تاہم جیسا کہ ماہر نفسیات ملٹن روکیچ ،جنہوں نے کئی دہائیاں متعدد ممالک میں اقدار کا مطالعہ کیا ہے، اور دوسرے محققین نے ثابت کیا ہے کہ اقدار کو تبدیل کیا جاسکتا ہے۔اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ہمیں ایسے حالات، لوگوں یا کہانیوں کے مقابل لایا جائے جو ہمارے نظام اقدار کے اندرونی تضادات کو سامنے لاتی ہیں، بالخصوص ایسے تضادات جو ہمارے تصورات ذاتی سے متصادم ہوتے ہیں۔(9)

اس کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم شراکتی اقدار اپنانے میں بچوں کی مدد کرسکتی ہے بشرطیکہ معلومات کو اس انداز میں پیش کیا جائے جو انہیں اس بات سے آگاہی عطا کرتا ہو کہ غیر شعوری طور پر اپنائے گئے عقائد جنہیں رسمی اور غیر رسمی (ماس میڈیا) تعلیم دونوں کے ذریعے سیکھا گیا ہوتا ہے، آزادی، مساوات اور جمہوریت جیسی بنیادی امریکی اقدار سے متصادم ہیں اور ان کی حقیقی ضروریات اور مقاصد سے مطابقت نہیں رکھتے۔جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، یہ شراکتی تعلیم کا کلیدی موضوع ہے لیکن چونکہ آج کل نوجوان افراد ماس میڈیا میں کس قدر کھوئے ہوئے ہیں لہٰذا جس قسم کے پیغامات منتقل کیے جارہے ہیں۔ان سے براہ راست انداز میں نمٹنا بھی سکولوں کے لیے اہم ہے(باکس 601 ملاحظہ کیجئے)۔

ہم میڈیا خواندگی کی تدریس کنڈرگارٹن سے یہ شروع کر سکتے ہیں۔چونکہ کم عمر بچوں کو جو کچھ پیش کیا جاتا ہے اور جو کچھ حقیقی ہے ایک سبب کہ ''تفریحی'' تشدد کس قدر خطرناک ہے اس کے مابین تمیز کرنے میں بہت مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اساتذہ بچوں سے جو شوز انہوں نے دیکھے ہوں ان میں حقیقی بمقابلہ جھوٹی چیزوں کے بارے میں غیر متعین جوابوں کے حامل سوالات پوچھ سکتے ہیں۔اس انداز میں بڑے بچوں کو زیر نظر آنے والی چیزوں کی جانچ پرکھ میں رہنمائی مہیا کر سکتے ہیں۔اساتذہ بچوں سے یہ بھی پوچھ سکتے ہیں کہ کسی متشدد شعور کا ہیرو کسی مسئلے کو کس طرح حل کرتا ہے اس کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے، اور بعدازاں انہیں یہ سوچنے کے لیے کہہ سکتے ہیں کہ کسی کو زک پہنچائے بغیر مسائل کو کس طرح حل کیا جاسکتا ہے۔

یہ بہت ضروری ہے کہ بچے جو کچھ سوچتے ہیں انہیں وہ کہنے بھی دیا جائے خواہ آپ ان سے اختلاف ہی کیوں نہ رکھتے ہوں۔اہم چیز یہ ہے کہ ابلاغ کی راہوں کو کھلا رکھا جائے تاکہ بچوں کو یہ سمجھنے

میں مدد مل سکے کہ تشدد کے نتائج نہایت خوفناک ہوتے ہیں اور وہ اس پیغام کا مقابلہ کر سکیں کہ تشدد ایک مردانہ اور تفریحی چیز ہے۔

بچوں سے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ جن معمر عورتوں مثلاً دادی ماں یا نانی ماں کو جانتے ہیں ان کے بارے میں بتائیں اور ان کا موازنہ ان مخصوص معمر عورتوں سے کریں جو چڑیلوں کے طور پر بچوں کے کارٹونوں اور پریوں کی کہانیوں میں پیش کی جاتی ہیں۔ یہ چیز نہایت اہم ہے کیونکہ یہ بچوں کو یہ سمجھنے میں مدد دے گی کہ ٹیلی ویژن پر جو کچھ پیش کیا جاتا ہے اس کا بیشتر حصہ حقیقت کی عکاسی نہیں کرتا۔ یہ کہ انہیں بہت زیادہ باخبر ہونے اور اسے تنقیدی انداز میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔

میڈیا خواندگی

میڈیا خواندگی سے متعلق اساتذہ کے لیے بہت سا مواد دستیاب ہے۔ مثلاً سنٹر فار میڈیا ایجوکیشن (واشنگٹن ڈی۔سی)، چلڈرن ناؤ (اوکلینڈ، کیلیفورنیا)، اور ٹیچرز فار ریز سٹنگ ان ہیلدی چلڈرنز۔ انٹر ٹینمنٹ (ویسٹ سامرول، میسا چوپٹس) جیسی تنظیمیں میڈیا تشدد سے لے کر صنفی تعصب تک جیسے موضوعات پر کیسٹ فراہم کرتی ہیں۔ وہ اس بارے میں رہنمائی بھی مہیا کرتی ہیں کہ ایسے میڈیا پیغامات کی شناخت میں بچوں کی مدد کس طرح کی جائے جو ان کے والدین کو اشتہارات میں پیش کئے گئے کھلونے اور دوسری اشیا خریدنے پر مجبور کرتی ہیں۔(10) علاوہ ازیں، فلاڈیلفیا کی کلچرل اینوائرنمنٹ موومنٹ (جسے گربنر نے قائم کیا تھا) اور کولیشن فار کوالٹی چلڈرنز میڈیا جیسے اتحادی گروپ بچوں اور بڑوں کے لیے ایسے مواقع مہیا کرتے ہیں جو انہیں تجارتی مفادات (ان میں سے متعدد میڈیا پر اجارا داری رکھتے ہیں) سے پروگراموں کا کنٹرول دوبارہ حاصل کرنے کے لیے تیار کرتے ہیں، یہ تجارتی مفادات غیر ذمہ دارانہ انداز میں ایسے پروگرام پیش کرتے ہیں جو بچوں اور بڑوں دونوں کی نفسیات کو خراب کرتے ہیں، چیزوں کے غیر ضروری استعمال کی ذہنیت کو فروغ دیتے ہیں، اور متعدد سماجی مسائل کی پیدائش کا سبب بنتے ہیں، جس میں لڑکوں اور مردوں کے ہاتھوں حقیقی زندگی کا بڑھتا ہوا تشدد بھی شامل ہے۔(11)

میڈیا ایجوکیشن فاؤنڈیشن وڈیوز کا ایک وسیع سلسلہ فراہم کرتی ہے جو کلاس روموں کو زندگی بخش سکتا ہے۔ ان میں سٹ جھیلی کی ایوارڈ یافتہ، ریڈ ورٹائزنگ اور دنیا کا خاتمہ، جو ماحولیاتی ابتری اور آج کے صارفانہ طرز حیات کے مابین ربط کو توجہ کا مرکز بناتی ہے، ان کی بہترین، ڈریم ورکس، اور 'ڈریم

ورکس 2'جو مقبول وڈیو موسیقی کی تصاویر پر توجہ دیتی ہیں کہ یہ جنسی تشدد اور بدسلوکی کو کس طرح بڑھاوا دیتی ہیں، بیتھ سینڈرز کی 'فیئر اینڈ فیور ان دی نیوز روم'، جو کارپوریٹ ایڈورٹائزرز اور مالکوں کی طرف سے خبروں کی داخلی سنسر شپ کا پردہ چاک کرتی ہے، شامل ہیں جو دنیا بھر کے بچوں کو نکوٹین کا عادی بنانے کی تمباکو کی صنعت کی مہم بے نقاب کرتی ہیں ایک اور اچھا ماخذ میڈیا واچ ہے جنہوں نے 'وارننگ: میڈ آپ کی صحت کے لیے نقصان دہ ہوسکتا ہے' تیار کی ہے، یہ ایک دستاویزی فلم ہے جو یہ بتاتی ہے کہ کھلونے، پورنوگرافی، مقابلہ ہائے حسن، اور ٹی۔وی کے اشتہارات ہم پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں، اور میڈیا واچ نے ٹی۔وی مت بنیں کے شکار، بھی تیار کی ہے جس نے نیشنل ایجوکیشنل وڈیو اینڈ فلم فیسٹیول میں سلور ایپلی ایوارڈ حاصل کیا۔(13)

گریڈ سکولوں اور ہائی سکولوں میں تخلیقی نگارش اور میڈیا کی کلاسوں کے لیے ایک اچھا پراجیکٹ طلبہ کو مارکیٹ میں دستیاب بعض متشدد وڈیوز، کتابوں، اور کھلونوں کا تجزیہ کرنے اور پھر ان غیر متشدد اور تخلیقی کہانیوں اور سرگرمیوں پر غور وفکر کے لیے مدعو کرتا ہے جو ان کے متبادل کے طور پر تیار کی جاسکتی ہیں۔ایسی کمپنیوں کے بائیکاٹ میں شمولیت کے لیے بھی بچوں کی حوصلہ افزائی کی جاسکتی ہے جنہوں نے ہمارے بچوں اور ہمارے معاشرے کی قیمت پر منافع کمایا ہے اور زہریلی اشیا سے اربوں کمائے ہیں مثلاً پزاہٹ، رینڈم ہاؤس، اور پیپسکو، جنہوں نے 'ٹین ایج میوٹینٹ ننجا ٹرٹلز' اور اس کے تسلسل پر مبنی جسے درست طور پر دی سیکرٹ آف دی اوز' کا نام دیا گیا، اشتہارات، کھلونوں، اور کتابوں سے نفع کمایا، اور برگر کنگ، جو سمال سولجرز، پر مبنی اشیا فروخت کرتے ہیں۔

اساتذہ اور تحصیل یافتہ طلبہ دونوں کے لیے ایک مختصر، جاندار مضمون گربنر کا ''دی ٹرٹلز یوٹو اوز اگین'' ہے جس میں مصنف نے 'ٹین ایج میوٹینٹ ننجا ٹرٹلز' اور دی 'سیکرٹ آف دی اوز' کا تجزیہ کیا ہے۔ ہر فلم فی گھنٹہ تشدد کے اوسطاً 130 اقدامات پر مشتمل ہے۔گربنر کے مطابق ان فلموں میں جو صریحاً بچوں کے لیے بنائی گئی ہیں ''مرد پزا (برانڈ کے ناموں کو خاص طور پر نمایاں کیا جاتا ہے) کے لیے لڑتے، اور ایک دوسرے کو ظلم وتشدد کا نشانہ بناتے، ایک دوسرے کو جلاتے، مارتے، مفرور بناتے اور قتل کرتے ہیں''، جبکہ ''مختصر سی منی سکرٹ پہنے ایک تنہا سی جنسی شے (ایک دلیر رپورٹر جس کا باس ایک گنوار ایڈیٹر ہے) کو زدوکوب اور خوفزدہ کیا جاتا اور تشدد کا شکار بنایا جاتا اور کم از کم تین مرتبہ اسے بچایا جاتا ہے'' یہاں تک کہ ''آخرکار وہ بھی قتل وغارت کرتی اور اس کی تعریف، تم ایک فطری ننجا ہو، کی حقدار ٹھہرتی ہے''۔

گربنر توجہ دلاتے ہیں کہ ستم ظریفی یہ ہے کہ اس رقاصانہ بربریت کے پیشکار، میراج سٹوڈیوز، پر اعلان کرتے ہیں کہ ٹرٹلز 2 وڈیو کی آمدنی کا ایک غیر واضح فی صد حصہ ایک مبہم سی ماحولیاتی تنظیم 'زمین کے محافظ بچے' کو دیا جانا تھا، جبکہ ساتھ ہی ساتھ ہم انسانوں کے لیے از حد ضروری ماحول ثقافتی ماحول انتہائی زہریلے پیغامات کی ترسیل کر رہا ہے، اور بچوں کے ذہنوں میں یہ ظالمانہ تصور بٹھا رہا ہے کہ وحشیانہ تشدد نہ صرف ایک مردانہ بلکہ تفریح کی چیز ہے۔(14)

ایک اور عمدہ پراجیکٹ گریڈ اور ہائی سکولوں کے بچوں کو اس چیز کے لیے مدعو کرنا ہے کہ وہ خود ٹیلی ویژن کا سروے کریں اور جو پروگرام وہ دیکھتے ہیں ان میں عورتوں اور مردوں (اور لڑکیوں اور لڑکوں) کی تعداد کو شمار کریں۔ یہ چیز پروگراموں کو تنقیدی انداز میں دیکھنے کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اور بچوں کو اپنے طور پر یہ سمجھنے کے قابل بناتی ہے کہ ٹیلی ویژن ''حقیقت'' کو کس طرح مسخ کرتا ہے۔ انہیں افریقی۔امریکیوں اور لاطینی کرداروں کی گنتی، اور اس بات کو نوٹ کرنے کے لیے بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں کو کس طرح کے کردار دیے جاتے ہیں۔ ان جائزوں کے نتائج طلبہ کے ردعمل سمیت ون۔فار۔ون پراجیکٹ آن دی کلچرل اینوائرنمنٹ موومنٹ کو بھیجے جانے چاہئیں ٹیلی ویژن نیٹ ورک کے منتظمین کو خطوط بھی بھیجے جانے چاہئیں جن میں زیادہ فائدہ مند، منصفانہ، اور حقیقت پسندانہ پروگراموں کا مطالبہ کیا گیا ہو۔(15)

چونکہ مردوں کو دیئے جانے والے متعدد کردار تشدد کے استعمال پر مبنی ہوتے ہیں، سو صنفی توازن کے حق میں ہونے والی تبدیلی کا نتیجہ آگے چل کر ٹیلی ویژن پر پیش کئے جانے والے تشدد میں کمی کی صورت میں نکلے گا۔ اولاً جیسا کہ پہلے ہی یہ صورت موجود ہے، لڑکیوں اور عورتوں کے متشدد کرداروں میں اضافہ ہوگا۔ لیکن، بتدریج، جب عورتوں اور مردوں کے کرداروں کا تناسب اتنا ہو جائے گا جتنا اسے ہونا چاہئے۔ حقیقی زندگی کے ایک بمقابلہ ایک کے تناسب کی عکاسی کرتے ہوئے خصوصاً زیادہ نسوانی سر گرمیوں کو جیسے کہ بچوں کی نگہداشت، رضا کارانہ کام میں دلچسپی، اور امن اور سماجی اصلاح کی حمایت، میڈیا پر زیادہ جگہ ملنا شروع ہو جائے گی۔

شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کے سانچے، جیسا کہ ہم پہلے بھی دیکھ چکے ہیں، ادب اور آرٹ کے جائزے کے موثر آلات ہیں۔ بعینیہ، وہ مقبول عام ثقافت کے جائزہ کے لیے بھی مفید ہیں۔ مثلاً نینا سائمن نے 'شراکتی انداز' میں شراکتی اور حاکمیتی ہیروز اور ہیروئنوں کو اپنی مڈل اور ہائی سکول کی کلاسوں میں استعمال کیا ہے، اور طلبہ نے اسے نہ صرف مفید بلکہ تفریح کا حامل بھی پایا، جیسا کہ ضمیمہ اے میں شامل ان کے ایک

طالب علم (ایک لڑکے) کے پیپر سے واضح ہے میڈیا پروگراموں میں تبدیلی کے ضمن میں۔ بالواسطہ طور پر ان گروپوں میں شامل ہو کر جو اس مقصد کے لیے کام کر رہے ہیں، اور بلا واسطہ طور پر خود اپنے پروگرام لکھنا اور تیار کرنا سیکھ کر، نوجوان افراد کی شمولیت لازمی ہے۔ یہاں انٹرنیٹ ایک فوری طور پر دستیاب موقع فراہم کرتا ہے۔ ویب سائٹ پر زیادہ خرچ نہیں آتا اور مقامی سرور بعض اوقات کسی صارف کو ایک ایسی ویب سائٹ ڈونیشن کے طور پر مہیا کر سکتے ہیں جس کا مقصد بلا منافع تعلیمی سرگرمی ہوتا ہے۔ آرٹ، میڈیا، کمپیوٹر، ادب، اور امور عامہ کی کلاسوں کے طلبہ ایسی ویب سائٹس تیار کرنے کے لیے مل جل کر کام کر سکتے ہیں۔ نوجوان افراد پہلے ہی بعض زین (ویب میگزین) تیار کر چکے ہیں جن کا مقصد ویب پر حاکمیتی اقدار کو چیلنج کرنا اور درست اقدار کو پھیلانا ہے۔ اس ضمن میں ابھی بہت کام باقی ہے۔

ہمارے جسم

عورتوں اور مردوں کے جسموں سے متعلق نقصان دہ ثقافتی خیالات کے بارے میں آگاہی حاصل کرنے میں طلبہ کی مدد کرنا سکولوں کی ذمہ داری ہے۔ بچوں کو یہ جاننے کیلئے معلومات اور رہنمائی کی ضرورت ہے کہ ان کے جسم کس طرح کام کرتے اور کیسے تبدیل ہوتے ہیں۔ شراکتی' حاکمیتی تسلسل کا تجزیاتی عدسہ خود اپنے اور دوسروں کے جسموں کے بارے میں زیادہ صحت مندانہ رویے تشکیل دینے میں نوجوان افراد کی مدد کر سکتا ہے۔ بالخصوص لڑکیوں کو بلوغت کے عبوری عرصے کے دوران مدد کی ضرورت ہوتی ہے اور لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کو اپنے احساسات اور طرز عمل پر ہارمونز بشمول ٹیسٹوسٹرون کے اثرات کے بارے میں درست معلومات درکار ہوتی ہیں۔

طلبہ کیلئے یہ جاننا ضروری ہے کہ ماحولیاتی آلودگی ان کے جسموں اور ذہنوں پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ نوجوان افراد میں ایک صحت مند جسم سے متعلق آگاہی پیدا کرنا ان میں زندگی کی صحت مندانہ عادات پیدا کرنے کے مترادف ہوگا۔ جیسے جیسے ہم بڑے ہوتے ہیں' اپنے جسموں کے بارے میں حساس ہوتے جاتے ہیں...... خاص طور پر ان متعدد تبدیلیوں کے بارے میں جو بچپن سے بلوغت میں تبدیلی کے دوران ان کے اندر واقع ہوتی ہیں لیکن ہمارے سکول سسٹم سمیت ہماری ثقافت اس اہم تبدیلی پر بہت کم توجہ دیتی ہے۔ ہمارا ماس میڈیا ہم پر ایسے تجارتی پیغامات کی بوچھاڑ کرتا ہے جو ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ ہمارے جسموں کو کیسا نظر آنا چاہئے اور کیسا نہیں۔ اگرچہ ان میں بعض میڈیا پیغامات مفید بھی ہوتے ہیں (جیسے کہ وہ کہانیاں جن میں سگریٹ اور جنک فوڈ کے نقصانات کے بارے میں بتایا جاتا

MashalBooks.org

ہے) تاہم بیشتر انتہائی نقصان دہ ہوتے ہیں۔مثلاً ماس میڈیا (خصوصاً میگزین' کہانیاں اورلڑکیوں اور عورتوں کیلئے تیار کئے گئے پروگرام) نسوانی جسم کی ایسی غیر حقیقت پسندانہ تصاویر کو پیش کرتا ہے جوعورتوں میں اپنے جسموں سے متعلق غیر مناسب' غیر اطمینان بخش اور شرمناک احساسات پیدا کرنے کا سبب بنتی ہیں۔متعدد ماڈلوں اور اداکاراؤں نے خودکو بھوکا رکھ کر (بالعموم شدید بھوک یا عدم اشتہا کی مریض بن کر) یا سرجیکل طریقوں سے اپنے جسموں کو ایسا بنالیا ہے۔صاف ظاہر ہے کہ کاروں اور تعطیلات سے لے کر سافٹ ڈرنک اور شراب تک ہر چیز فروخت کرنے کیلئے مستقلاً عورتوں کے جسموں کو استعمال کیا جارہا ہے۔یہ پیغام بھی جس کی ترسیل عورتوں کے متعدد وسائل کے ذریعے ہوتی ہے یکساں طور پر نقصان دہ ہے کہ لڑکیوں اور عورتوں کو مستقلاً اپنے جسموں پر توجہ دینی چاہئے۔اپنا سارا وقت' پیسہ اور توانائی میک اپ' لباس' خوراک وغیرہ پر صرف کرنا چاہئے۔ یہ پیغام لڑکیوں اور عورتوں کے خودتوقیری کے احساس کوزک پہنچاتا ہے۔ یہ انہیں وقت' پیسے اور توانائی سے بھی محروم کرتا ہے جس کی انہیں اپنی زندگیوں کی منصوبہ بندی' اپنی صلاحیتیں کام میں لانے اور مفید مہارتیں سیکھنے کے ضمن میں ضرورت ہوتی ہے۔

مزید برآں میڈیا پر دکھائی جانے والی لاغر اور جنسی طور پر دستیاب عورتوں کی تصاویر لڑکوں میں غیر حقیقت پسندانہ اور نقصان دہ توقعات پیدا کرتی ہیں جو اکثر اوقات لڑکیوں اور عورتوں کے ساتھ انہیں توقعات کے مطابق سلوک کرتے ہیں۔ دراصل جیسا کہ جین کلبورن کی عمدہ ویڈیو ''سٹل کلنگ اس سوفٹلی III'' میں دکھایا گیا ہے' یہ تصاویر...... فیشن میگزین کے دبلی پتلی' خوفزدہ بے بس نوجوان عورتوں (بعض اوقات ان کا انداز اس بات کی چغلی کھاتا ہے کہ انہیں گزند پہنچایا گیا ہے) کے اشتہارات سمیت ...... بڑی نفاست سے عورتوں کے خلاف تشدد کو جائز ٹھہراتی ہیں' بلکہ اسے گلیمر کے طور پر پیش کرتی ہیں۔(16)

لڑکوں اور مردوں کو بھی پہلے سے بڑھ کر میڈیا کی جبریت کا نشانہ بننا پڑ رہا ہے۔ایسے لڑکے جن کے جسم ''پہلوانوں'' یا ''سخت بدن'' لوگوں کے معیار پر پورے نہیں اترتے' وہ بھی نامکمل' شرمندگی اور اپنے بارے میں جنسی اشتباہ کا شکار ہوجاتے ہیں۔علاوہ ازیں ریاستہائے متحدہ کے میڈیا پر ہمیں جو کچھ دکھایا جاتا ہے اس کا بیشتر حصہ صاف جلد چہروں اور جسموں کو گلیمر کے طور پر اور ایسے لوگوں کو آئیڈیل بنا کر پیش کرتا ہے جو بلانڈ اور پتلی ناک اور لمبے چمکدار بالوں کے حامل ہوتے ہیں۔حسن کے ناقابل حصول پیکر کا تعین کرکے یہ تخمینات سیاہ فام بچوں کو یہ بتاتے ہیں کہ ان کے جسم اس معیار پر پورے نہیں اترتے؟ یہ کہ ان میں کوئی ایسی چیز ہے جو درست نہیں۔

کارمین' ایک افریقی' امریکی لڑکی' کچھ عرصہ اپنی جلد کو صاف کرنے کیلئے تجارتی بلیچ کریم استعمال

کرتی رہی اور وپی لین پلاسٹک سرجری کے اشتہارات پر متوجہ رہی تا کہ اپنی آنکھوں کے ترچھے پن کو ختم کروا کے حسن کے یورپی پیکر پر پوری اتر سکے لیکن جب ان کی ہائی سکول کی سوشل سٹڈیز کی ٹیچر نے کلاس کو ایسی اشیاء کے اشتہارات کو شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کے تناظر کی مدد سے جانچنے کیلئے مدعو کیا تو کارمین اور وپی لین کو ان معاملات پر نظر ثانی کا موقع میسر آ گیا۔ کلاس نے اس بات پر بحث کی کہ اصل معاملہ تنوع کو قابل قدر سمجھنا ہے یا فرق کہ برتر/کمتر کی درجہ بندیوں کے حوالے سے دیکھنا۔ جب طلبہ نے کلاس میں اپنی اپنی کہانیوں کو دوسروں کو سنانا شروع کیا تو ان دونوں کم عمر عورتوں کو بات سمجھ آنے لگی۔ انہیں احساس ہوا کہ جن چیزوں کو وہ اپنی انفرادی خامیاں خیال کرتی تھیں' وہ واقعتاً ثقافتی خامیاں تھیں جنہوں نے نسلیت کو داخلی مقام کا حامل بنا دیا تھا اور یہ کہ چونکہ وہ کبھی سفید فام نہیں ہو سکتیں' لہٰذا زیادہ خود پسندی اور خود توقیری تک پہنچنے کا راستہ کریمیں اور سرجری نہیں بلکہ اپنی نسلی شناخت کو قبول کرنا اور اسے قابل فخر سمجھنا ہے۔

ایک اور شعبہ جس میں لڑکیوں اور لڑکوں کو اساتذہ اور دوسرے تعلیم کاروں کی مدد اور رہنمائی درکار ہے اس کا تعلق بلوغت کے حوالے سے ان پر گزرنے والی جسمانی تبدیلیوں کے ساتھ ہے (لڑکیوں میں بالخصوص اس ضرورت کا احساس زیادہ شدید ہوتا ہے کیونکہ وہ جب بالغ ہوتی ہیں تو انہیں ڈرامائی اور نمایاں طور پر واضح جسمانی تبدیلیوں سے گزرنا پڑتا ہے) باوجودیکہ بہت سی ریاستوں میں صحت کی تعلیم لازمی ہے مگر بلوغت اور تولید پر عموماً سطحی انداز میں توجہ دی جاتی ہے اور نصاب میں ایسا مواد بہت ہی کم ہے جو لڑکیوں اور لڑکوں کو ان تبدیلیوں کیلئے مناسب طور پر تیار کر سکتا ہو۔ اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ اکثر بڑے ابھی تک ان معاملات کے بارے میں بے چینی کا شکار ہیں اور انہیں طلبہ کے ساتھ زیر بحث لانے میں مشکل محسوس کرتے ہیں۔ اس کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ جسم سے متعلق کوئی بھی چیز جو بالخصوص جنسیت سے منسلک ہو' بعض لوگوں کے نزدیک ابھی تک ایک غیر مناسب موضوع ہے جسے تعلیم کاروں کو زیر بحث نہیں لانا چاہئے...... یہ ایک خاص تصور ہے جو مضمرانہ طور پر تعلیم کی نسبت لاعلمی کو ترجیح دیتا ہے۔

یہ چیز لڑکیوں اور لڑکوں کا حق ہے کہ ہارمونز سے متعلق ایسی تبدیلیوں کے بارے میں انہیں بہترین دستیاب معلومات مہیا کی جائیں جن کا تعلق نہ صرف بلوغت بلکہ بچے کی پیدائش اور منوپاز سے بھی ہے۔ یہ ایسی معلومات ہیں جنہیں حیاتیات اور فزیالوجی جیسے مضامین کا حصہ بنایا جا سکتا ہے...... اور اگر روایتی نصاب نے سیکس اور تولید جیسے ناگزیر موضوعات سے دامن نہ بچایا ہوتا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مرد کے ساتھ ایک قدر کی حیثیت سے برتاؤ نہ کیا ہوتا تو یقیناً ایسا ہی ہوتا۔

ایک منفی توازن کے حامل نصاب میں عورتوں اورلڑکیوں کی لکھی ہوئی اور ان کے بارے میں کتابیں شامل ہونی چاہئیں جیسے کہ ہمارے جسم‘ خود ہم۔ یہ عمدہ کتاب حیض کے آغاز اور جسمانی تبدیلیوں کوایک فطری اور مثبت انداز میں بیان کرتی ہے۔ایسی کتابیں طلبہ کیلئے اس بات کو سمجھنا ممکن بناتی ہیں کہ ہمیں حیض کی نارمل ابتداایک ''لعنت'' کے طور پر کیسے اور کیوں پڑھائی گئی ہےاور اس نےلڑکیوں کی خود توقیری کو کس طرح مجروح کیا ہے اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ ایک نارمل جسمانی عمل کے بارے میں شرمندگی کے احساس کو کس طرح جنم دیا ہے۔

اساتذہ‘اس حقیقت پر بحث کے ذریعے اس موضوع کی ابتدا کر سکتے ہیں کہ کچھ سخت گیر مرد غالب معاشروں میں‘ حیض کی حامل عورتوں کونجس اور وہ جس چیز کو چھولیں اسے بھی نجس سمجھا جاتا ہے۔آج تک اسلامی کے ساتھ ساتھ راسخ العقیدہ یہودی روایت میں بھی‘ عورتوں کیلئے حیض کے بعد خود کو باقاعدہ طور پر پاک کرنا ضروری ہے۔مسلمان عورتوں کیلئے حیض کے دوران نماز پڑھنا ممنوع ہے اس کا سبب یہ ہے کہ اتنی آلودہ اور ناپاک حالت میں خدا کے سامنے حاضر نہیں ہوا جا سکتا۔

اس ثقافتی سیاق وسباق میں لڑکیاں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہیں کہ عورت بننا ایک مصیبت ہی تو ہے۔سخت گیر مرد حاکم معاشروں میں حقیقتاً یہی صورت ہے......حد یہ کہ دنیا کے بعض خطوں میں آج بھی لڑکیوں کولڑکوں کی نسبت کم خوراک اور ان کی صحت پر بھی کم توجہ دی جاتی ہے۔اساتذہ طلبہ کو یہ آگاہی دے سکتے ہیں کہ زیادہ شراکت کے حامل معاشروں میں لڑکیوں کے ابتدائی حیض کے حوالے سے مقابلتاً مثبت رسومات بھی موجود ہیں۔ایک بشریات دان کولن ٹرنبل کے مطابق افریقی کانگو کے ایک زیادہ شراکت مائل بامبوتی قبیلے میں حیض کو رحمت خیال کیا جاتا ہے‘ یعنی چاند کی رحمت (17) (جیسا کہ ہم نے باب 5 میں دیکھا‘ مغربی ثقافت میں چاند اور حیض کا یہ رشتہ بالائی حجری دور سے تعلق رکھتا ہے‘ جیسا کہ لاؤسیل کی نام نہاد زہرہ سے بھی واضح ہوتا ہے)

ہمارے بڑے ثقافتی کے دھارے میں بلوغت کے دور سے گزرنے والی عورتوں سے متعلق مثبت تصورات کی عدم موجودگی کے مقابلے میں بعض مقامی شمالی امریکی ثقافتوں جیسے کہ میسکا یرواپاچی‘ میں بلوغت سے متعلق مقدس رسومات پائی جاتی ہیں جن میں نوجوان عورتوں کے اولین حیض کے سلسلے میں منائی جانے والی خوشی میں قبیلے کے مرد بھی شریک ہوتے ہیں۔(18) ہر اپاچی لڑکی جب عورت بنتی ہے تو وہ رسوماتی طور پر ایک ایسی اپاچی ثقافت کی اسطوریاتی بانی‘ متغیر عورت میں ڈھل جاتی ہے جو اپنی روایت کا دارومدار دھرتی ماں سے تعلق پر رکھتی ہے۔(19) طلبہ کو اس حقیقت پر بحث کیلئے دعوت دی جا

سکتی ہے کہ آج لڑکیاں اپنے والدین اور اساتذہ کی مدد سے اس عبوری دور سے گزرنے کے نئے انداز تخلیق کرنے کی ابتدا کر رہی ہیں جو اپنی ذات سے متعلق مثبت تصورات کو فروغ دیتے ہیں۔ان میں سے بعض انداز دنیا کی متعدد ثقافتوں کی قدیم روایات سے اخذ کئے گئے ہیں جن میں عورتوں کو کاہناؤں کا درجہ حاصل تھا اور جہاں دیوی کو قابل احترام سمجھا جاتا تھا (اس موضوع سے متعلق مواد ''مقدس مسرت'' اور ''نیومون'' سے حاصل کیا جا سکتا ہے جو ایک ایسا میگزین ہے جس کی ادارت آٹھ سے چودہ برس کی لڑکیوں کے پاس ہے اور جس میں لڑکیوں کے بارے میں لڑکیوں کی لکھی کہانیاں شامل کی جاتی ہیں۔ (20) قبل تاریخ کے شراکت مائل معاشروں کے بارے میں' جن کا خاکہ باب 4 اور 5 میں ایک سپرنگ بورڈ کے طور پر پیش کیا گیا ہے' معلومات مہیا کر کے اساتذہ' لڑکیوں اور لڑکوں کو اس بات پر غور وخوض کیلئے کہہ سکتے ہیں کہ حیض کے فطری تجربے سے مختلف انداز میں کس طرح نمٹا جاتا ہے' مراد یہ کہ حاکمیتی یا شراکتی سیاق وسباق۔ یہ کس طرح وقوع پذیر ہوتا ہے۔لڑکیاں یہ تصور کر سکتی ہیں کہ اگر ان کے پہلے حیض پر خوشی منائی جائے تو انہیں کیسا محسوس ہوگا جیسے کہ بامبوتی قبیلے میں ہوتا ہے' جہاں پورا قبیلہ لڑکی کے عورت بننے کی رسم کو گانوں اور ضیافتوں کے ساتھ مناتا ہے۔

اساتذہ ہائی سکول کی سطح پر ''مقدس مسرت'' کے درج ذیل پیرے سے بھی کام لے سکتے ہیں:

> ہمارے قدیم حجری اور ابتدائی نوحجری آباؤ اجداد عورت کے جسم کو ایک طلسمی ظرف کے طور پر خیال کرتے تھے۔انہوں نے یقیناً اس چیز کا مشاہدہ کیا ہوگا کہ ماہواری کا آنا کس طرح چاند کے ساتھ ہم آہنگ ہے اور اس سے انسانوں کا جنم کس طرح ہوتا ہے۔انہیں یقیناً اس بات پر بھی حیرانی ہوئی ہوگی کہ یہ بچے کیلئے دودھ پیدا کر کے کس طرح اس کی زندگی کا سامان مہیا کرتا ہے۔علاوہ ازیں جنسی لطف اندوز ہونے اور لطف دینے کیلئے عورت کے جسم کی غیر معمولی استعداد۔اور یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد عورت کی جنسی قوت سے ضرور مرعوب ہوئے ہوں گے۔(21)

اس پیرے کا موازنہ جیسا کہ للی بیکسٹر نے ایمری یونیورسٹی میں اپنی کلاسوں میں کیا ہے' ناؤمی وولف کی ''حسن کا فسانہ'' کے حسب ذیل پہرے سے کیا جا سکتا ہے:

جب عورتیں (اپنے جسموں سے متعلق گفتگو کرتی ہیں تو وہ آگے کی طرف جھک جاتی ہیں' ان کی آواز دھیمی ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے ہولناک راز کھولتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں' یہ میری چھاتیاں ہیں' میرے کولہے' میری رانیں مجھے اپنے پیٹ سے نفرت ہے۔ یہ کوئی جمالیات جمالیاتی بدذوقی نہیں' بلکہ شدید جنسی

شرمندگی ہے۔جسم کے مختلف حصے ہیں' چھاتیاں' رانیں' کولہے' پیٹ' جنسی اعتبار سے عورت کے بنیادی حصے۔یہی وہ حصے ہیں جو زیادہ تر مردوں کا ہدف بنتے ہیں ایسے حصے جن کی متشدد پورنوگرافی اکثر بے حرمتی کرتی ہے۔ایسے حصے جو بچوں کو جنم دیتے اور انہیں پروان چڑھاتے ہیں اور جنسی محسوس ہوتے ہیں۔ ایک عورت دشمن ثقافت نے عورتوں کو اس چیز سے نفرت کرنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے جن سے عورت دشمن نفرت کرتے ہیں۔(22)

جب طلبہ اس موازنے سے پیدا ہونے والے احساسات کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں تو کیا ہوتا ہے؟ بیکسٹر بتاتی ہیں کہ ان کی کلاسوں کی نوجوان عورتیں اپنے جسموں سے متعلق شرمندگی اور بے اطمینانی کم محسوس کرنے لگتی ہیں بلکہ فخر اور اس کے ساتھ زیادہ خود توقیری کے احساس سے سرشار ہونے لگتی ہیں۔

ہائی سکولوں کے طلبہ کیلئے ایک اور اچھی مشق ''شراکتی انداز'' کے تیسرے سیشن بعنوان ''عورتوں اور مردوں کے جسموں سے متعلق آزاد تلازم'' سے حاصل کی جا سکتی ہے۔گروپ کی صورت میں لڑکیاں اس بات پر بحث کرتی ہیں کہ عورت بننے کا کیا مطلب ہے؟ اور توجہ اس چیز پر ہوتی ہے کہ وہ اپنے جسموں کے بارے میں کیا محسوس کرتی ہیں اور ماس میڈیا ان کیلئے نسوانی جسم کے تصورات کس طرح پیش کرتا ہے۔ لڑکے بھی گروپ کی صورت میں نسوانی جسم کے بارے میں اپنے تصورات کو زیر بحث لاتے ہیں اور خود اپنے جسموں کے بارے میں اپنے تصورات کا موازنہ ان سے کرتے ہیں۔وہ صرف احساسات نہیں بلکہ ان سوالات پر بھی غوروخوض کر سکتے ہیں جیسے کہ جو کچھ ہم پڑھتے ہیں اس کا بیشتر حصہ مردانہ جسم کے فوائد (جیسے کہ بلند و بالا قد اور مضبوط پٹھے) کی اہمیت پر اتنا زور کیوں دیتا ہے جبکہ نسوانی جسم کے فوائد (جیسے کہ بیماریوں کا شکار ہونے کی اہلیت' زیادہ برداشت' محفوظ تر اعضائے تناسل' اور رحم کی تخلیقی استعداد) کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔(23)

لڑکوں اور لڑکیوں کو مردانہ ہارمونز سے متعلق زیادہ درست معلومات بھی درکار ہیں۔طلبہ کو ٹیسٹو سٹیرون اور تشدد کے مابین تعلق کے بارے میں عقائد بمقابلہ تحقیق کا جائزہ لینے کیلئے مدعو کرنا خصوصاً اہم ہے۔دراصل سائنسدانوں نے مردانہ طرز عمل میں ٹیسٹوسٹرون کے کردار پر حال ہی میں تحقیق کا آغاز کیا ہے اور ان کی دریافتوں میں مطابقت موجود نہیں مثلاً ایک مطالعے سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ کم ٹیسٹوسٹرون کے حامل مردوں کو جب زیادہ ٹیسٹوسٹیرون دیئے گئے تو وہ کم متشدد بن گئے (اس مطالعے کے بارے میں رپورٹ کیلئے ضمیمہ اے ملاحظہ کیجئے' اساتذہ اس رپورٹ کو بحث چھیڑنے کیلئے استعمال

کر سکتے ہیں) ''مقدس مسرت'' (باب 12) میں ایک مطالعے کا ملخص شامل ہے جو بتاتا ہے کہ ہارمونل بیداری مختلف اقسام کے طرز ہائے عمل میں ظاہر ہوتی ہے اور اس کا انحصار سماجی اشارات پر ہوتا ہے اور دوسرے مطالعات کے مطابق بندروں میں ٹیسٹوسٹیرون کی سطح میں اتار یا چڑھاؤ کا دارومدار سماجی سیاق وسباق کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ یہاں بھی طلبہ کو شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کی مدد سے ان طرز ہائے عمل پر بحث کیلئے مدعو کیا جا سکتا ہے جولڑ کے تلواروں' بندوقوں ورنینٹینڈو گیمز کے ساتھ ساتھ ایسی کہانیوں کے ذریعے سے سیکھتے ہیں جو متشدد مرد ہیروز کو بڑی آب و تاب کے ساتھ پیش کرتی ہیں۔ مزید برآں' نوجوان افراد کو یہ جاننے کی اشد ضرورت ہے کہ حاکمیتی رویے اور معمولات تیزی سے پھیلتی ہوئی کیمیائی آلودگی پر کس طرح منتج ہو رہے ہیں جو ہماری صحت کو بھی تباہ کر رہی ہے۔ اصل میں کیڑے مار دواؤں کو دفاع کو مستقل نقصان پہنچانے کا ایک سبب سمجھا جا رہا ہے جو جسمانی اور ذہنی نشوونما کو بگاڑتا' طرز ہائے عمل پر اثر انداز ہوتا اور کچھ بھی کرنے کی اہلیت میں خلل پیدا کرتا ہے۔ سونورا' میکسیکو کے زرعی علاقے میں کئے جانے والے ایک مطالعے سے یہ معلوم ہوا کہ ایسے بچوں میں جو ابھی سکول جانے کی عمر کو نہیں پہنچے تھے اور ایک ایسے ماحول میں رہ رہے تھے جہاں کیڑے مار دوائیوں کا استعمال بہت زیادہ تھا' آنکھوں اور ہاتھوں کا ربط' یادداشت کی مہارتیں' تخلیقیت اور جسمانی برداشت بہتر نہیں تھی جبکہ دوسری طرف جسمانی جارحیت اور اشتعال وغضبنا کی کا رجحان زیادہ حاوی تھا۔ مغربی منی سوٹا کے دیہی علاقے میں کئے جانے والے ایک اور مطالعے سے یہ نتیجہ سامنے آیا کہ ایسے بچے جن کا حمل بہار میں بڑھوتری کے موسم میں ٹھہرا تھا جب کیڑے مار ادویات کا استعمال بہت زیادہ ہوتا ہے' ان میں پیدائشی نقائص موجود تھے۔(24)

جیسا کہ یونیورسٹی آف وسکونسن کے ڈاکٹر این پورٹر لکھتے ہیں ''ڈیٹا بتاتا ہے کہ ممکنہ طور پر ہم ایک ایسی نسل کو پروان چڑھا رہے ہیں جو سیکھنے کے حوالے سے عدم اہلیتوں اور شدید جارحیت کی حامل ہے۔'' (25) پورٹر کا مطالعہ' جو مارچ 1999ء میں شائع ہوا واضح کرتا ہے کہ پینے کے پانی میں کرم کش اور جڑی بوٹیوں کو تلف کرنے والی ادویات اور کھادوں کا عمومی ملاپ چوہوں میں جارحانہ عمل کو مہمیز کرتا اوران کے دفاعی نظام کو ناکارہ بناتا ہے۔(26)

نوجوان افراد ایسے مطالعات کے ساتھ ساتھ 1999ء کی صارف یونین رپورٹ جیسی معلومات کے بارے میں واقفیت حاصل کرنے کا حق رکھتے ہیں جو بتاتی ہے کہ متعدد پھل اور سبزیاں...... وہ خوراک جو جسم کی صحت مندانہ نشوونما کیلئے ضروری ہے...... کیڑے مار ادویات کے بہت زیادہ ارتکاز کی

حامل ہیں (27) یہ علم انہیں اپنے والدین اور دوسرے بڑے لوگوں میں شراکت کی طرف زیادہ جھکاؤ کے حامل ماحولیاتی رویوں اور معمولات، جیسے کہ نامیاتی کاشتکاری اور کیڑے مار ادویات کے انتہائی کم استعمال سے متعلق دوسرے طریقوں کی طرف تبدیلی کی ضرورت کا احساس پیدا کرنے میں مدد دے گا۔ یہ انہیں زیادہ سرگرم انداز میں اپنے جسموں، اور اپنے مستقبل کی حفاظت کے قابل بھی بنائے گا...... یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کی طرف اس باب کے آخری سیکشن میں، میں پھر واپس آؤں گی۔ آخرأ نوجوان افراد کو ایک ایسی ذاتی آگہی حاصل کرنے کی ضرورت ہے جو ہمارے ذہنوں اور روحوں کے مقابلے میں ہمارے جسموں کو کمتر خیال کرنے کے مغالطے کا شکار نہیں ہوتی۔ جسم، ذہن اور روح ایک مربوط تعلق میں پروئے ہوتے ہیں جیسا کہ حالیہ مطالعات سے بھی ظاہر ہے جو یہ بتاتے ہیں کہ صحت یابی کا عمل کس طرح ان تمام جہات کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔(28)

ہمارے جسم گوشت پوست سے کہیں بڑھ کر ہیں، وہ اپنے انداز حمل سے لے کر موجودہ لمحے تک، ہماری کل جذباتی اور ذہنی تاریخ کو سنبھالے ہوتے ہیں۔ اپنے جسموں پر کان دھرنا، جیسے آج کل بعض اوقات ہماری جسمی حکمت کا نام دیا جاتا ہے، اس چیز کو دوبارہ جاننے کے مترادف ہے کہ ہم خود سے اپنا تعلق کس طرح جوڑتے ہیں اگر ہم اپنے جسموں سے زیادہ مستحکم تعلق استوار کر لیں (جو کہ حاکمیتی نظام میں ایک مشکل کام ہے جہاں ہم میں سے بیشتر کو بہت زیادہ تکلیف سہنی پڑتی ہے اور یوں اس ''احساس'' کو ہی نظرانداز کیا جانے لگتا ہے) تو ہم زیادہ جسمانی اور ذہنی صحت کی طرف پیش رفت کا آغاز کر سکتے ہیں۔ اپنے جسموں پر خاموشی کے ساتھ توجہ مرکوز کرنے سے مثلاً آہستہ آہستہ سانس لے کر اور اپنے سانس لینے کا مشاہدہ کر کے...... نہ صرف ہمیں زیادہ سکون حاصل کرنے میں بلکہ اپنے منصوبوں کی تکمیل اور اپنی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں بھی مدد مل سکتی ہے اور یقیناً ایک صحت مند زندگی کے ساتھ ساتھ ایسی عادات کی تشکیل میں جسمی حکمت بہت اہمیت رکھتی ہے جو آج کی اشد ضروری اور وسیع تر انسانی ذمہ داری کے ضمن میں بنیادی مقام کی حامل ہیں یعنی، ہمارے سیارے پر انسانوں اور حیات کی دوسری صورتوں، دونوں کی زندگی کیلئے ہمدردی کی ذمہ داری۔

اپنے جسموں کیلئے اس احترام...... جیسے کہ بچے کے انداز میں یہ کہا جائے کہ اپنے جسموں کے ساتھ دوستی...... کا مطلب ہر خواہش کی تکمیل نہیں (یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کی طرف میں زندگی کی منصوبہ بندی اور خود ضابطگی کے سیکشن میں پھر واپس آؤں گی) اس کے برعکس، جب ہم ایک مرتبہ اپنے جسموں کے ساتھ زیادہ شراکت سے زندہ رہنا سیکھ لیتے اور ان کی خلقی قوت حیات تک رسائی حاصل کر

لیتے ہیں تو ہم دوسروں کے ساتھ شراکت کا تعلق پیدا کرنے اور شراکتی معاشرے کیلئے کام کرنے کی زیادہ اہلیت حاصل کر لیتے ہیں۔ (پیٹریشیا میتھز کین کے ایک مضمون کیلئے ضمیمہ اے ملاحظہ کیجئے جس میں مصنفہ نے کچھ ایسی تکنیکیں تفصیل سے بیان کی ہیں جنہیں وہ ان مقاصد کے حصول کیلئے بچوں اور بڑوں دونوں میں کامیابی کے ساتھ استعمال کر چکی ہیں۔

محبت اور تعلقات

خود اپنے اور دوسروں کے احساسات سے آگاہی حاصل کر کے، اور یہ سمجھ کر صنف سے متعلق مخصوص سماجی تربیت بھرپور تعلقات کی راہ میں رکاوٹ کیسے پیدا کرتی ہے، طلبہ اپنی زندگیوں کو زیادہ بہتر بنا سکتے ہیں۔

شراکتی، حاکمیتی تسلسل کے تجزیاتی عدسے کی مدد سے نوجوان افراد محبت کے بارے میں متصادم ثقافتی پیغامات کو زیادہ موثر انداز میں سمجھ سکتے ہیں۔ سکول نوجوان افراد میں محبت کے تعلقات سے متعلق صحت مندانہ اور احترامانہ رویوں کو تقویت بخش سکتے ہیں۔

ہم سب کی طرح، نوجوان افراد بھی محبت میں اور بالخصوص بلوغت کے آغاز کے بعد رومانوی محبت میں بہت دلچسپی رکھتے ہیں لیکن مقبول عام محبت کی داستانوں میں سے بیشتر محبت کی ایک مسخ شدہ تصویر مہیا کرتی ہیں...... مثلاً عظیم محبت کو المیہ انجام سے دوچار کر کے، جیسا کہ ٹرسٹین اور آسولڈ اور رومیو اور جولیٹ کی مشہور کہانیوں میں ہوتا ہے۔

اسی پر بس نہیں، بلکہ لڑکوں کی روایتی سماجی تربیت، جو ہم عمر گروہوں کے ذریعے نسل در نسل چلتی ہے، نوعمر لڑکوں کو یہ سبق دیتی ہے کہ محبت، ایک احمقانہ، بزدلانہ اور لڑکوں کے نہیں لڑکیوں کے کام کی چیز ہے۔ یہ انہیں لڑکیوں کو کمتر ہستیوں کی حیثیت سے دیکھنے پر مجبور کرتی ہے جنہیں اس وقت تک دور رکھا جانا چاہئے جب تک لڑکوں کیلئے انہیں گھیرنے و رجنسی طور پر ''فتح'' کرنے کا وقت نہ آ جائے۔

نوعمر لڑکوں کے ہم عمر گروپوں میں سے لڑکیوں کا اخراج...... جو خصوصی مردانہ کلبوں کا آئینہ دار ہے اور حاکمیتی معاشروں میں معاشی اور سیاسی اختیار کو مردوں کے ہاتھوں میں رکھنے کا ایک طریقہ بھی...... جنسی تعصب اور منفی امتیاز کو برقرار رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ انسانیت کے نسوانی نصف کے بارے میں لڑکوں کی فطری دلچسپی اور تجسس کو ممنوع ٹھہراتا ہے۔ یہ تعلقات سے متعلق مہارتیں سیکھنے میں لڑکوں کے راستے میں رکاوٹ بھی کھڑی کرتا ہے جو بعد ازاں عورتوں اور مردوں دونوں کے تعلقات میں غم و اندوہ کا

سبب ثابت ہوتی ہے۔ یہ لڑکوں یا لڑکیوں کسی کیلئے بھی کوئی صحت مندانہ چیز نہیں اور اسے عیاں کرنا ضروری ہے یقیناً لڑکوں' اور لڑکیوں کو علیحدہ علیحدہ گروپ تشکیل دینے کے قابل ہونا چاہئے۔ اصل مسئلہ ان گروپوں کی ثقافت ہے۔ اسی سے جڑا ہوا ایک مسئلہ یہ ہے کہ لڑکیاں' لڑکوں کی نسبت پہلے بلوغت کو پہنچ جاتی ہیں۔ ثقافتی طور پر لڑکوں میں بہت پہلے دلچسپی لینے کے ضمن میں ان کی حوصلہ افزائی بھی کی جاتی ہے۔ آج اشتہارات اور میڈیا کے ذریعے جنسی طور پر شہوت انگیز لباس زیب تن کرنے کیلئے چھوٹی چھوٹی لڑکیوں تک کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ (ابھی ان کی عمر چند برس ہی ہوتی ہے تو مقابلہ ہائے حسن انہیں اس راہ پر ڈال دیتے ہیں) اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں کہ لڑکیاں ابھی زیادہ عمر کو نہیں پہنچتیں کہ ان میں اکثر شدت سے اس چیز کا شکار ہو جاتی ہیں کہ لڑکے انہیں پسند کر رہے ہیں یا نہیں...... وہ پہلے ہی اس پیغام کو اپنے اندر بٹھا چکی ہوتی ہیں کہ ان کی زندگی کا اہم ترین مقصد یہی ہے۔ پھر یہ بھی کہ' تعلقات پر متوجہ ہونا یا دوسروں کو خوش کرنے کی خواہش کرنا کوئی غلط چیز نہیں' لیکن جیسا کہ جین بیکر ملر نے اپنی کلاسیکی کتاب ''عورتوں کیلئے ایک نئی نفسیات'' (29) میں کھول کر بیان کیا ہے کہ لڑکیوں کی تربیت اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ دوسروں (بالخصوص لڑکوں) کو خوش کرنے پر ہی متوجہ رہتی ہیں' یہاں تک کہ انہیں یہ سمجھنے میں شدید مشکل پیش آتی ہے کہ خود وہ کیا چاہتی ہیں۔ یہ چیز لڑکیوں کے خود اعتمادی اور خود توقیری کے احساس کو مجروح کرتی اور اپنی زندگیوں کی آزادانہ منصوبہ بندی سے متعلق ان کی صلاحیت کی نشوونما کو روک دیتی ہے۔

بعینہٖ' لڑکوں کو تعلقات (ساتھ ہی ساتھ لڑکیوں) کی ناقدری کا سبق دینا اور ان کا لڑکیوں سے یہ توقع رکھنا بھی نقصان دہ ہے کہ وہ ان کی خدمت کریں اور غیر مساویانہ تعلقات میں ان کے مقاصد کو تقویت دیں۔ جب لڑکے محبت کو نسوانی سمجھ کر نا قابل قدر سمجھنا سیکھ لیتے ہیں اور لڑکیاں ایسے تعلقات کیلئے خود کو مکمل طور پر وقف کرنا سیکھ لیتی ہیں جن میں ان کیلئے خود اپنے آزادانہ مقاصد کے حصول کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی' تو وہ ایسی توقعات کے حامل تعلقات قائم کرتی ہیں جو مردوں کی توقعات سے بالکل مختلف ہوتے ہیں...... یہ ایسی توقعات ہوتی ہیں جن پر پورا اترنا تو درکنار' مرد انہیں سمجھ ہی نہیں پاتے۔ یہ چیز عورتوں اور مردوں دونوں کیلئے منفی نتائج کی حامل ہوتی ہے جو نہ ختم ہونے والی غلط فہمیوں اور دکھوں پر منتج ہوتے ہیں۔

طلبہ کو شراکتی' حاکمیتی تسلسل کے تجزیاتی عدسے کی مدد سے ان مسائل کو جانچنے کی دعوت دی جا سکتی ہے۔ اس طرح یہ سمجھنا ممکن ہو جاتا ہے کہ لڑکیاں اور لڑکے (اور عورتیں اور مرد) تعلقات کے ضمن میں

جن متعدد مسائل سے دوچار ہوتے ہیں، وہ معاشرتی طور پر اس غیر متوازن "مردانہ" اور "نسوانی" سماجی تربیت کے ذریعے ہی متشکل ہوتے ہیں......اور یہ کہ ان سے دامن بچایا جا سکتا ہے۔

یہ حقیقت کہ اس مسئلے پر زیادہ سے زیادہ توجہ دی جانے لگی ہے اس بات کا اظہار ہے کہ مثبت تبدیلیاں وقوع پذیر ہو رہی ہیں لیکن ابھی طویل سفر باقی ہے مثلاً لڑکیوں اور لڑکوں دونوں کو یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ پریوں کی کہانیوں (مثلاً خوابیدہ حسینہ اور شہزادہ جو اسے نیند سے بیدار کرتا ہے) اور مقبول عام رومانوی (مثلاً "باڈیس ریپر" پیپر بیک کتابیں جن کا ہدف عورتیں ہوتی ہیں) میں عورتوں اور مردوں کے درمیان محبت کے بارے میں جو کچھ ہم پڑھتے ہیں اس کا بیشتر حصہ عدم مساوات کا نمونہ پیش کرتا اور لڑکیوں میں مجہولیت اور کسی نجات دہندہ کے تخیل (بے بسی کی تربیت) کو پروان چڑھاتا ہے۔ مزید برآں، طلبہ کو اس ضمن میں زیادہ آگاہی درکار ہے کہ محبت کے بارے میں ماس میڈیا جو سبق دیتا ہے وہ سطحی اور اکثر و بیشتر نقصان دہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر موویز اور ٹیلی ویژن میں اچانک محبت (اور بالعموم، فوری سیکس) کی مستقل پیشکش پر غور کیجئے۔

ہمارے ماس میڈیا میں اس چیز کا نمونہ شاذ ہی پیش کیا جاتا ہے کہ اچھے تعلقات کس طرح تشکیل دیئے جائیں۔ اس کے برعکس "ایکشن شوز" تشدد کو بڑی آب و تاب کے ساتھ اور بیشتر "سیٹ کام" لوگوں کو تکلیف پہنچانے اور تذلیل کا نشانہ بنانے کو مزاحیہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ یہ چیز نہ صرف اس بات کا نمونہ سامنے لاتی ہے کہ برے تعلقات کس طرح تشکیل دیئے جائیں بلکہ دوسروں کی تکلیف کے حوالے سے ناظرین میں بے حسی بھی پیدا کرتی ہے۔ دراصل بے حسی اور غیر ہمدردی بالعموم "معمول" کی چیز محسوس ہونے لگتی ہیں۔ جیسا کہ آخری باب میں توجہ دلائی گئی ہے، ہمارے متعدد ادبی کلاسیک بھی کوئی بہتر نہیں۔ لہٰذا یہ ذمہ داری بھی سکولوں پر آ جاتی ہے کہ وہ نوجوان افراد کو یہ بتائیں کہ بے حسی اور بے رحمی معمول کی چیزیں نہیں، یہ کہ شفقت اور ہمدردی غیر مردانہ نہیں، یہ کہ کمینگی فطری چیز نہیں، اور یہ کہ ہم صحت مندانہ اور بھرپور تعلقات قائم کرنا سیکھ سکتے ہیں۔ تعلقات کے بارے میں گفتگو طلبہ کو یہ کھوج لگانے کا موقع بھی فراہم کرتی ہے کہ اگر یہ شعبہ ہماری زندگیوں کیلئے اس قدر اہمیت کا حامل ہے تو تعلقات تعلیمی نصاب کا حصہ کیوں نہیں...... بالخصوص آج جبکہ ہم اس موضوع سے متعلق ادب کے ایک پورے دفتر تک رسائی رکھتے ہیں کہ نفسیاتی اور سماجیاتی تحقیق کے مطابق کیا چیز تعلقات کو صحت مندانہ اور بھرپور بناتی ہے خاندان اور قریبی تعلقات کے رہنما خطوط پر مبنی کورس کو دوسرے شعبوں کی طرح یکساں طور پر ضروری اور اہم کی حیثیت سے تعلیمی کام کا حصہ کیوں نہیں بنایا جاتا؟

دوسرے سوالات بھی طلبہ میں غور وفکر اور بحث و مباحثے کو تحریک دے سکتے ہیں۔ اگر اس بات کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ والدین اور بچوں کے مابین تعلقات ...... بالخصوص ابتدائی تشکیلی برسوں کے دوران ...... ہماری زندگیوں اور معاشرے کو اس قدر گہرائی تک متاثر کرتے ہیں، تو والدین کے فریضے سے متعلق خواندگی اور اہلیت کے بارے میں کورسز کو سکول کے نصاب کا حصہ کیوں نہیں بنایا جاتا؟ سکول ہمیں زندگی کے نام نہاد پبلک اور نجی دائروں کے مابین باہمی ربط پر توجہ دینے کا سبق کیوں نہیں دیتے؟ اور نجی دائرے میں شراکتی تعلقات سے متعلق مہارتیں سیکھنا کس طرح نہ صرف زیادہ مطمئن زندگی گزارنے بلکہ ایک شراکتی دنیا کی طرف تبدیلی میں بھی ہماری مدد کرسکتا ہے؟ (باکس 6.2 ملاحظہ کیجئے۔)

اچھے تعلقات

تعلقات میں طلبہ کی بے انتہا دلچسپی کا ڈرامائی اظہار نینسی اوبین کی دلکش کتاب ''آسک می اف آئی کیئر، وائسز فرام این امریکن ہائی سکول (30) میں موجود ہے۔ کتاب کے سرورق پر مصنفہ کا نام اس طرح لکھا گیا ہے۔ ''از نینسی روبین اور سینکڑوں دوسرے'' کیونکہ اس کتاب کے ذریعے ہر طرح کے سماجی اور معاشی گروہوں سے متعلق ہائی سکول کی لڑکیوں اور لڑکوں کے خیالات کو پڑھا جاسکتا ہے۔ یہ نوجوان افراد کیلئے معلومات کا خزانہ ہے اور جنسیت، نسلی شناخت، الکوحل، تمباکو اور منشیات جیسے موضوعات پر توجہ مرکوز کرتی ہے۔ یہ کتاب ایک ایسا ماخذ ہے جسے اساتذہ اور طلبہ نوجوان افراد کی زندگیوں، امیدوں، وسوسوں اور جس چیز پر روبین بار بار زور دیتی ہیں، ان کے پیش نظر انتخابات سے متعلق مباحث کے ضمن میں استعمال میں لاسکتے ہیں۔

ایک اور عمدہ ماخذ الفونسو مانٹوری اور ازابیلا کانٹی کی کتاب ''اختیار سے شراکت تک، محبت، کام اور کمیونٹی کے مستقبل کی تخلیق'' ہے (31) یہ کتاب ذات، تعلقات، کام، کمیونٹی اور ماحولیات پر شراکتی اصولوں کے اطلاق کا ایک اچھا جائزہ فراہم کرتی ہے۔ تعلقاتی خواندگی اور اہلیت کی تدریس کے رہنما خطوط سنٹر فار ریسرچ آن دومین کے کتابچوں اور دوسری مطبوعات میں دستیاب ہیں جو خاندانی تعلقات اور خودتوقیری سے لے کر جنسی ہراس، روزگار اور تنوع جیسے موضوعات تک پر درست معلومات مہیا کرتا ہے۔(32) ایک اور ماخذ جسے میں اساتذہ کیلئے ناگزیر خیال کرتی ہوں کتاب ''ہمارے کلاس روموں پر نظر ثانی: تدریس عدل وانصاف کیلئے'' (33) ہے۔ اسے اساتذہ کی ایک ٹیم نے مرتب کیا

ہے اور یہ کتاب فکر انگیز اور بہترین انداز میں لکھے گئے مضامین پر مشتمل ہے جیسے کہ لنڈا کرسٹین سن کا ''ان لرننگ دی متھز ریٹ بائنڈ اس'' (جو ہمارے ادب اور میڈیا پر نظر ثانی کی ضرورت سے بحث کرتا ہے) نین سٹین اور لزا سوسٹرون کا ''فلرٹنگ بمقابلہ جنسی ہراس: فرق کی تدریس'' بل بگلو اور لنڈا کرسٹین سن کا ''وڈیوز وده اے کانشینس'' اور باب پیٹرسن کا ''ٹی وی کا مقابلہ'' ''مزید ماخذوں کی طرف پہلے ہی اشارہ کیا جا چکا ہے: لڑکیوں کا میگزین ''نیومون'' اور جین کلبورن کی وڈیو'' سٹل فلنگ اس سافٹلی'' اساتذہ نیل نوڈنگز کی کتابوں اور مضامین سے بھی مدد لے سکتے ہیں جو ہمدردی کے موضوعات سے متعلق تعلیم پر توجہ دیتے ہیں اور اس کے ساتھ سات ران ملر کی کتاب سکول کس لئے؟ جیفری کین کی ''تعلیم' معلومات اور تبدیلی'' اور ایک زیادہ ہمدردانہ معاشرے کے ضمن میں' مائیکل لرنر کی ''معانی کی سیاست'' سے بھی کام لے سکتے ہیں۔(35)

ایک اور اچھا ماخذ ''شراکتی انداز'' ہے جو تعلقات سے متعلق مباحث کیلئے سوالات مہیا کرتا ہے مثلاً سیشن دو میں ایک سیکشن خود اپنے تجربات اور احساسات کے ساتھ ساتھ شراکتی اور حاکمیتی تعلقات کے فوائد اور نقصانات کی جانچ پرکھ کے ضمن میں طلبہ کی مدد کے نقطہ نظر سے تیار کیا گیا ہے۔(36) نوعمر بچوں کے ساتھ ساتھ نوجوانوں کیلئے ''بیٹرایبل ٹائمز کڈز اینڈ ٹینز کلب: کڈز ہیلپنگ کڈز تھرو اؤ سپورٹ' اینڈ انڈرسٹینڈنگ'' کے نام سے ایک ویب سائٹ (www.bea2abletimes.erg) دستیاب ہے۔اس میں ایک صفحہ مختلف بچوں یعنی ایسے بچوں کے بارے میں ہے جو معذوریوں اور شدید قسم کی بیماریوں کا شکار ہیں اور یہ رضاکارانہ خدمات کے مواقع سے متعلق معلومات بھی مہیا کرتا ہے۔ یہ چیز بچوں کیلئے اس لحاظ سے ایک اہم تجربہ ہے کہ یہ نہ صرف محبت بلکہ دوسروں کیلئے ہمدردی کی عادات کو بھی پروان چڑھاتا ہے جو اچھے تعلقات کیلئے ناگزیر ہیں (ایک ایسا موضوع جس کی طرف میں پھر واپس آؤں گی۔)

بچوں میں ہمدردی کی استعداد پیدا کرنے اور اسے ترقی دینے کے ضمن میں ایسی کہانیوں اور موویز سے مدد حاصل کی جا سکتی ہے جو یہ بتاتی ہیں کہ یہ چیز جن کی مدد کی جاتی ہے اور جو مدد کرتے ہیں ان دونوں کیلئے کس طرح مفید ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً ''وزارڈ آف اوز'' میں ٹن مین' سکیئر کرو اور لائن سب کے سب ڈوروتھی کی مدد سے مستفید ہوتے ہیں۔ بچے ریٹائرمنٹ ہومز کے دوروں سے بھی ہمدردانہ طرز ہائے عمل سیکھ سکتے ہیں جو نہ صرف نسلوں کے مابین تعلقات بنانے بلکہ ان لوگوں کی زبانی تاریخ کو جمع کرنے کا موقع بھی فراہم کرتے ہیں جن کی زندگی کے تجربات ان کی

زندگیوں کو بھرپور بنا سکتے ہیں۔

تعلقات سے متعلق میں ایک اور ماخذ کا ذکر کرنا چاہتی ہوں یعنی حیوانوں کے ساتھ تعلقات۔ مانٹی رابرٹ کی کتاب ''گھوڑوں کی باتیں سننے والا آدمی'' (37) اس چیز کی ایک سچی کہانی ہے کہ دوسری انواع پر شراکتی تعلقات کا اطلاق کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ رابرٹ نے قریب تمام زندگی گھوڑوں کا مطالعہ کیا لیکن گھوڑوں کی اکڑ کو توڑنے کے بجائے وہ انہیں رام کر لیتا ہے۔ حیرانی کی بات ہے کہ وہ جنگلی سے جنگلی گھوڑوں کو کوڑوں' خوف یا تشدد کے بغیر تقریباً تیس منٹ میں رام کر لیتا ہے۔ اس کے برعکس ایک گھوڑے کی اکڑ کو توڑنے میں ہفتوں لگ سکتے ہیں...... اور یہ شراکتی کے بجائے حاکمیتی تعلقات کا نمونہ ہے۔ رابرٹ کا مشاہدہ ہے کہ جن گھوڑوں کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہے ان کا خوف یا انسانوں کیلئے ان کی نفرت کبھی ختم نہیں ہوتی۔

جنسیت

نوجوان افراد کو جنسیت سے متعلق تعلیم دینے میں ناکامی سے جنسی سرگرمی میں کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ یہ چیز انہیں اس علم سے محروم کر دیتی ہے انہیں بہتر اور ذمہ دارانہ جنسی فیصلوں کیلئے درکار ہوتا ہے۔ دوسروں کے جسموں کے ساتھ ساتھ خود اپنے جسموں کیلئے احترام کی ایک جنسی اخلاقیات' جنسی تعلیم کا حصہ ہونی چاہیے۔

ہم نوجوان افراد کو انسانی روحانی ارتقا کے جزو کی حیثیت سے سیکس اور محبت کے بارے میں تعلیم دے کر بیشتر مقبول عام ثقافت میں سیکس کی لچر اور غیر شخصی پیشکش کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

کیسا تضاد ہے کہ ایک ایسے وقت میں جب سیکس...... جسم کے ٹاک شوز سے لے کر شام کی خبروں تک...... مقبول ثقافت کا ایک مستقل موضوع بنی ہوئی ہے۔ ریاست ہائے متحدہ میں جنسیت کے بارے میں لاعلمی تذبذب کا شکار ہے۔ 1990ء میں کنزی انسٹیٹیوٹ نے اس چیز کے نتائج شائع کئے جسے انہوں نے ''جنسی خواندگی ٹیسٹ'' کا نام دیا تھا اور جس کیلئے امریکیوں کے ایک وسیع تر سامپل کو کام میں لایا گیا تھا۔ انسٹیٹیوٹ کے ڈائریکٹر جون رائنش کے مطابق اکثریت ناکام قرار پائی تھی۔ انہوں نے صرف نصف یا اس سے بھی کم سوالوں کے صحیح جواب دیئے۔

نوجوان بالغوں کا سکور کچھ بہتر تھا' 55 فیصد عورتوں اور 52 فیصد مردوں نے نصف سے زیادہ سوالوں کے جواب درست دیئے۔ (38) لیکن یہاں بھی جیسا کہ نوعمروں کے ''ہیرس پول'' سے ڈرامائی

طور پر واضح ہوتا ہے' ایک وسیع ترفی صدی تعداد جنسی علم کی ابجد سے بھی ناواقف تھی مثلاً ہیرس پول کے مطابق بعض نوجوانوں کا خیال تھا کہ جب کوئی لڑکی پہلی مرتبہ مباشرت کرتی ہے تو وہ حاملہ نہیں ہو سکتی۔ کچھ دوسرے یہ سمجھتے تھے کہ کوئی عورت صرف اس وقت حاملہ ہو سکتی ہے جب پشت کے بل سیدھی لیٹ کر مباشرت کرتی ہے اور کچھ دوسرے یہ سوچ رکھتے تھے کہ عورت کے حاملہ ہونے کیلئے عورت کا انزال بھی ضروری ہے۔(39)

صاف ظاہر ہے کہ ایسے غلط تصورات ریاست ہائے متحدہ میں نوعمر لڑکیوں کے حاملہ ہونے کی اونچی شرح میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ تاہم ایسے لوگوں کی پھر بھی کمی نہیں جو نوجوان افراد کو سکولوں کے ذریعے سیکس سے متعلق کسی بھی قسم کی تعلیم دینے کی ممانعت کریں گے سوائے اس کے کہ انہیں سیکس سے باز رہنا بتایا جائے۔ نوجوان افراد کو یقیناً ''فوری سیکس'' کے حوالے سے ہم عمروں اور میڈیا کے دباؤ کی مزاحمت کی تعلیم دی جانی چاہئے۔ انہیں جنسی تعلقات کا التوا سیکھنا اور جنسی طور پر منتقل ہونے والی بیماریوں کے خطرات کو سمجھنا چاہئے۔ انہیں اتفاقیہ سیکس کے جذباتی نتائج اور اس حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ تعلق خاطر طویل مدت کی جسمانی اور جذباتی تسکین کیلئے ناگزیر ہے لیکن اس معلومات کا حصول نوجوان افراد کے حق سے کہ کنڈوم کے صحیح استعمال کے ذریعے اور ضبط تولید کی دوسری صورتوں کے ساتھ ساتھ سیکس سے قبل ایچ آئی وی ٹیسٹ کے استعمال کے ذریعے' جنسی طور پر منتقل ہونے والی ایڈز سے کیسے بچا جائے (والدین اور اساتذہ کی مدد کے بغیر طلبہ کو اپنے رومانوی فریقین کے ساتھ ان موضوعات پر گفتگو میں بالعموم بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔)

ریاست ہائے متحدہ میں نوعمری کے حمل کی شرح دوسری صنعتی اقوام کے مقابلے میں دوگنی سے بھی زیادہ ہے اور نوعمری کی جنسی سرگرمی کی شرح کی یہی صورتحال ہے۔ فرق اور یہ ایک ڈرامائی فرق ہے...... یہ ہے کہ دوسرے صنعتی ممالک میں بڑے نوجوان افراد کو ضبط تولید کا سبق دیتے ہیں اور مانع حمل چیزیں دستیاب بھی ہیں۔(40)

یہ چیز قابل غور ہے کہ 1997ء کے ایک مطالعے کے مطابق جس کی رپورٹ امریکن جرنل آف پبلک ہیلتھ میں شائع ہوئی' بعض والدین اور مذہبی گروپوں کے اندیشوں کے برعکس' ایسے پروگرام جو پبلک سکولوں میں کنڈوم کی دستیابی کو ممکن بناتے تھے' نوعمروں کی زیادہ جنسی سرگرمی پر منتج نہیں ہوئے۔ محققین نے نیویارک شہر کے بے قاعدہ انداز میں منتخب کئے گئے بارہ سکولوں کے 7000 سے زیادہ طالبعلموں کا موازنہ شکاگو کے دس قابل مقابلہ سکولوں کے تقریباً 6000 طلبہ کے ساتھ کیا۔ دونوں

گروپوں میں اہم فرق صرف یہ تھا کہ نیویارک کے طلبہ کو درخواست پر کنڈوم دستیاب تھے۔اس معاملے سے یہ بات سامنے آئی کہ اگرچہ نیویارک شہر کے نوعمر کنڈوم عموماً زیادہ استعمال کرتے تھے مگر ان کی جنسی سرگرمی کی سطح ان کے شکاگو کے ہم عمروں کے تقریباً برابر تھی۔(41)

امریکی لڑکیوں پر عملاً مطالبے پر سیکس کا دباؤ (لڑکوں' ان کے ہم عمر گروپوں اور میڈیا یا پیغامات کی طرف سے) موجود ہوتا ہے۔بعض اوقات کوئی لڑکی صرف اس لئے سیکس میں شامل ہو جاتی ہے کیونکہ وہ کسی لڑکے کو خوش کرنا چاہتی ہے اور وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ وہ سمجھتی ہے کہ اگر وہ اس سے محبت کا اظہار کر رہا ہے تو وہ حقیقتاً اس سے محبت کرتا بھی ہے اور بعض اوقات لڑکیاں (اور عورتیں) انکار کرتے ہوئے گھبراتی ہیں یا محفوظ سیکس کا مطالبہ بھی نہیں کر پاتیں۔اس موضوع پر''رومان برائے موت: عورتوں' جنس اور ایڈز سے متعلق حیران کن سچائیاں''(42)ایک دہلا دینے والی کتاب ہے۔

لنڈا کی ہیلتھ کی کلاس میں زندگی اور موت کا یہ معاملہ اس وقت بڑی شدت کے ساتھ سامنے آیا جب اس کی ٹیچر نے دو عورتوں سے یہ استفسار کیا کہ وہ ایڈز کا شکار کس طرح ہوئیں۔ان میں سے ایک لڑکی ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی' دوسری ایک کالج میں پری لا کی طالبہ تھی۔وہ بھی خاصی معلومات رکھتی تھیں لیکن ان کا خود توقیری کا عدم احساس اور لڑکوں کی محبت کو جیتنے کیلئے انہیں خوش کرانے کی خواہش آڑے آ گئی۔کوئی بھی لڑکی شرم کے مارے ٹیسٹ کروانے پر راضی نہیں تھی لہٰذا انہیں یہ پتہ ہی نہیں چل سکا کہ وہ ایچ آئی وی وائرس کا شکار ہو گئی ہیں یہاں تک کہ ایکزیما اور وزن میں کمی جیسی علامات ظاہر ہونا شروع ہو گئیں۔اب وہ زندہ رہنے کی جدوجہد اور مستقلاً ادویات کا استعمال کر رہی ہیں' اور انہوں نے دوسری لڑکیوں کی مدد کرنے کا عہد کر لیا ہے تاکہ وہ ان کی راہ پر نہ چل سکیں۔اس گفتگو کے بعد' کلاس میں ہونے والے مباحثے میں اور زیادہ دیانتداری آ گئی جیسا کہ لنڈا اور اس کی دوسری ہم جماعتوں نے محسوس کیا کہ نہ صرف ایڈز کے شکار لوگوں کا پیش کردہ تصور کتنا جھوٹا بلکہ ایڈز کا خطرہ ہمارے کس قدر قریب بھی ہے۔بعدازاں لارا اور اس کی سہیلیاں سیکس کے بارے میں بالکل مختلف انداز میں گفتگو کرنے لگیں وہ یا تو اجتناب برتنے کے ضمن میں ایک دوسرے کو تقویت دے رہی تھیں یا اس بات کو یقینی بنانے میں کہ ان کے جنسی تعلقات محفوظ اور ذمہ دارانہ ہونے چاہئیں۔

لڑکیاں اکثر اپنے ابتدائی جنسی تجربات سے مغلوب ہو جاتی ہیں۔وہ یا تو بعد کی سیکس کیلئے ایک برے آغاز' یا ایک غیر سوچے سمجھے حمل یا جنسی طور پر منتقل ہونے والی کسی بیماری کا شکار ہو جاتی ہیں۔جب لڑکیاں صاف طور پر''نہ'' بھی کہیں تو ان کے انکار کو بالعموم گھاس نہیں ڈالی جاتی......جیسا کہ مروجہ آشنائی

اور ملاقات کے ریب سے عیاں ہے۔ یہ تمام ایسے معاملات ہیں جن پر نوجوان افراد کو ایک محفوظ اور تقویتی ماحول میں کھلے طور پر زیرِ گفتگو لانے کی ضرورت ہے۔ یہاں وہ دوسروں کے ساتھ ساتھ خود اپنے جسموں کیلئے احترام اور توجہ کی شراکتی جنسی اخلاقیات کا کھوج بھی لگا سکتے ہیں اور وہ اس کا موازنہ حاکمیتی اخلاقیات کے ساتھ کر سکتے ہیں جو ہمیں ان ثقافتوں سے ورثے میں ملی ہے جن میں مرد عورتوں بالخصوص عورتوں کو جنسیت کو کنٹرول کرنے کا قانونی حق رکھتے تھے۔

اس طرح کے مباحث حاکمیتی اخلاقی بے حسی کے مقابلے میں' ڈیوڈ لوئی نے جسے شراکتی اخلاقی حساسیت کا نام دیا ہے' اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ (41) ایک توضیح کے طور پر ان مردوں سے متعلق بائبل کی کہانیاں ملاحظہ کیجئے جو متعدد عورتوں کے ساتھ مباشرت کرتے تھے مثلاً بادشاہ سولومن ایک وسیع حرم کا مالک تھا اور اس میں ناپسندیدگی کا کوئی شائبہ موجود نہیں تھا اسی پر بس نہیں بلکہ بائبل میں ایسی کہانیاں بھی موجود ہیں کہ باپ اپنی بیٹیوں کو...... غالباً بچپن میں ہی' کیونکہ اس زمانے میں لڑکیوں کو نہایت کم عمر میں ہی شادی کیلئے فروخت کر دیا جاتا تھا...... ریپ کیلئے ہجوم کے حوالے کر دیتے تھے۔لیکن اس گھناؤنے غیر اخلاقی طرزِ عمل کی ناپسندیدگی کا کوئی اشارہ موجود نہیں' جیسے کہ لوط کی مشہور کہانی میں اسے واقعتاً اپنی چھوٹی چھوٹی بیٹیوں کے ساتھ یہی کچھ کرنے پر انعام سے نوازا جاتا ہے اور اسکی نجات صرف اس وقت ہو پاتی ہے جب سوڈوم اور گرمرہ کے ''گناہ آلود'' کو تباہ و برباد کیا گیا۔ (چیلیس اینڈ دی بلیڈ اور مقدس مسرت میں اس سے بحث کی گئی ہے جہاں میں نے حاکمیت کے بجائے شراکت پر مبنی قریبی تعلقات کیلئے ایک نئی اخلاقیات اور اخلاق کی ضرورت سے تعرض کیا ہے۔)

خود اپنے جسم اور دوسروں کے جسموں کیلئے احترام کی شراکتی اخلاقیات کا اطلاق جنسی تنوع کے متنازعہ معاملے پر بھی کیا جا سکتا ہے (باکس 6.3 ملاحظہ کیجئے) بعض لوگ دگر جنسی ہونے کے بجائے ہم جنسیت یا دو جنسیت کے حامل ہوتے ہیں اور یہ تنوع دنیا بھر کی ثقافتوں میں پایا جاتا ہے۔طلبہ سے اس سوال پر بحث کیلئے کہا جا سکتا ہے کہ اس تنوع کے بارے میں کیا نقطہ نظر اختیار کیا جانا چاہئے۔کیا لوگوں کو اس لئے رد کرنا اور ٹھکرایا جانا چاہئے کہ وہ دگر جنسیت کے حامل نہیں...... یا اس فرق کو ایک قابل احترام انسانی اختلاف کی حیثیت سے قبول کیا جانا چاہئے؟

ان معاملات کو زیرِ بحث لانے اور سمجھنے کی فوری ضرورت ہے کیونکہ بچے دوسروں کو شرمندہ کرنے کیلئے ''فیگٹ یا فیگ جیسے الفاظ اکثر استعمال کرتے ہیں اور یہ چیز غیر دگر جنسیت کے حامل لوگوں کے حوالے سے ایک خوفناک ثقافتی فضا کی عکاسی کرتی ہے۔ اس تذلیل کے تباہ کن اثرات کا صرف

خیال ہی کیا جا سکتا ہے جو جنسی اور تعلقات اعتبار سے ایسے لڑکیوں اور لڑکوں کے خود اپنی ذات سے متعلق تصورات پر مرتب ہوتے ہیں جو دگر جنسیت کے معیار پر پورے نہیں اترتے۔ کچھ ثقافتوں میں ہم جنسی مردوں اور ہم جنس عورتوں کو شمن سمجھا جاتا تھا یعنی انہیں کمیونٹی کے انتہائی قابل احترام ارکان کا درجہ دیا جاتا تھا۔(44) ہم جنس عورتوں اور مردوں کے دوسرے مثبت کرداروں میں کانگریس مین بارنی فرینک اور سٹیو گنڈرسن' گلوکاروں میں کے ڈی لینگ' میلیسا ایتھرج اور سولی نیئر' مزاح کاروں میں للی ٹاملن اور ایلن ڈی جینر یز اور ادیبوں میں اینڈریا ڈارکن اور آڈرلے لارڈ شامل ہیں۔ چونکہ شراکت ایک جامع چیز ہے لہٰذا اس معاملے کو نظرانداز نہیں کیا جانا چاہئے۔ اگرچہ یہ بہت ہی متنازع ہو سکتا ہے۔ آخر کار نسلی مساوات کا تصور بھی کبھی اتنا ہی دھما کہ خیز تھا جتنی آج ہم جنسیت ہے اور صنفی مساوات بھی ابھی تک متنازع ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی بھی ابھی تک متنازع ہے اگرچہ یہ نوجوان افراد کے انفرادی مستقبل بلکہ ہمارے سیارے کے مستقبل کیلئے بھی ناگزیر ہے۔ اس قسم کے معاملات کی اہمیت سے دامن بچانا یا اسے گھٹا کر پیش کرنا حاکمیتی جوابی حملے کے تفریقی حربوں کو زندہ و برقرار رکھنے کے مترادف ہے۔ سوزن فارنے اپنی کتاب ''انسانوں کا خوف: جنسی تعصب کا ایک ہتھیار''(45) میں اسی چیز کو واضح کیا ہے۔

نہ صرف ہم جنسیت بلکہ دگر جنسیت سے متعلق رویوں کی تشکیل بھی ثقافتی طور پر ہوتی ہے...... اور یہ عمل اس لحاظ سے مختلف ہوتا ہے کہ آیا یہ حاکمیتی ماڈل کی پیروی کرتا ہے یا شراکتی ماڈل کی۔ حاکمیتی ماڈل کی طرف شدید جھکاؤ کے حامل ادوار میں مردوں کیلئے سیکس' محبت اور قربت سے علیحدہ ہو جاتی ہے۔ (جیسا کہ ہم نے باب 5 میں دیکھا کہ ''ایلیڈ'' میں ایکیلیز اور ایگا میمنن کے مابین ایک جوان لڑکی برائسیز پر لڑائی ہوتی ہے...... جسے محض ایک ملکیتی چیز خیال کیا جاتا ہے۔) آج بھی سیکس باہمی لطف اندوزی کے بجائے بالعموم حاکمیت اور تشدد کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ بات نہ صرف پورنوگرافی بلکہ مقبول ثقافت کے ضمن میں بھی درست ہے جس میں میوزک وڈیوز سے لے کر ریپ موسیقی کے بعض وحشیانہ گانے تک شامل ہیں اور جن سے لاکھوں نوجوان افراد روزانہ دوچار ہوتے ہیں۔

قدیم اور زیادہ حاکمیتی جھکاؤ کے حامل زمانوں کا ایک اور ورثہ دوہرے جنسی معیار ہیں جن کے مطابق مردوں اور لڑکوں سے زیادہ سے زیادہ ''سکور'' کی توقع کی جاتی ہے...... یعنی اس قدر جنسی ''فتوحات'' حاصل کرنا جتنی زیادہ ممکن ہوں جبکہ لڑکیوں اور عورتوں سے کسی ایک مرد کی خصوصی جنسی ملکیت بنے رہنے کی توقع کی جاتی ہے۔ حضرت عیسیٰ نے ایک ''بداخلاق'' عورت کی سنگساری کو روک کر اس دوہرے معیار کو مسترد کر دیا تھا۔ انہوں نے طلاق کے خلاف بھی تعلیم دی جوان کے وقت میں مردوں

کا خصوصی حق سمجھا جاتا تھا۔ نہ صرف یہ کہ انہیں بہت سی بیویاں رکھنے کی اجازت تھی بلکہ وہ جس بیوی کو نہیں رکھنا چاہتے تھے اسے محض تین مرتبہ ''میں تمہیں طلاق دیتا ہوں'' کہہ کر چھوڑ سکتے تھے جیسا کہ آج بھی مشرق وسطیٰ کی بعض اقوام میں ہوتا ہے۔ باالفاظ دیگر' حضرت عیسیٰ نے جس چیز کے خلاف تعلیم دی وہ طلاق نہیں بلکہ ایک دوہرے معیار کے تحت مردوں کا اپنی بیویوں کے ساتھ غیر اخلاقی سلوک تھا جو مردوں کو مکمل اختیار کا حامل بناتا تھا۔

اس دوہرے معیار کی انسانیت دشمنی ایک ایسی چیز ہے جسے نوجوان افراد کیلئے بڑوں کی مدد سے زیر بحث لانے کی ضرورت ہے۔(48) یہ اس لئے بھی خصوصی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ ہماری بیشتر ثقافت ہمیں ابھی تک اس بات کا درس دیتی ہے کہ ہمیں اس دوہرے جنسی معیار کو نارمل اور فطری...... جیسے کہ فطرت میں پیوستہ سمجھ کر قبول کر لینا چاہئے' باوجودیکہ ایسا قطعاً نہیں ہے۔ دراصل' بیشتر انواع میں نر اور مادہ دونوں یا تو ایک زوجگی کے حامل ہوتے ہیں یا متعدد فریقین کے ساتھ سیکس میں شامل ہوتے ہیں۔

یہاں بھی شراکتی' حاکمیتی تسلسل کو' ایک مفید تجزیاتی آلے کے طور پر کام میں لایا جا سکتا ہے کیونکہ ایک کڑا دوہرا جنسی معیار......مع عورتوں کی جنسیت پر انفرادی اور اجتماعی دونوں اعتبار سے سخت گیر مردانہ کنٹرول کے......ان ثقافتوں کا خاصہ ہے جو حاکمیتی ماڈل کی طرف قریبی جھکاؤ رکھتی ہیں۔ مثلاً وحشیانہ طور پر متشدد اور مستبد مسلم بنیاد پرست طالبان نے یہ فرمان جاری کیا ہے کہ لڑکیاں سکول نہیں جا سکتیں اور یہ کہ عورتیں اپنے گھروں سے باہر کام نہیں کر سکتیں...... یہ فرمان صریحاً ان کی موجودگی کو روکنے کیلئے تھا جو مردوں میں جنسی اشتہا کو مہمیز کرتی ہے لیکن حقیقتاً یہ اس چیز کو یقینی بنانے کیلئے تھا کہ عورتیں مکمل طور پر مردوں کی محتاج رہیں اور مردوں کا کنٹرول ان پر قائم رہے۔ طالبان کے درمیان جو عورتیں خود کو سر سے پیر تک ڈھانپ کر نہیں رکھتیں انہیں کوڑوں کی سزا دی جاتی تھی بلکہ ہلاک بھی کر دیا جاتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ عورتوں کو (شدید طور پر جل جانے والی عورتوں کو بھی) حفظان صحت سے مکمل طور پر محروم رکھا جاتا تھا کیونکہ ڈاکٹر عورتوں کو بھی' دوسری عورتوں کی طرح گھروں سے باہر کام کرنے کی اجازت نہیں۔ یہ سب کچھ ''اخلاقیات'' کی بنیاد پر کیا جاتا ہے...... یا جیسا کہ کلیم الدین' محکمہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر (طالبان کی مذہبی پولیس) کے سربراہ نے نیویارک ٹائمز میں بتایا کہ عورتوں کے بے ضابطہ ربط کے ذریعے مردوں کو گناہ کی شدید ترغیب ملتی ہے۔(49) یقیناً اگر ایسا ہی ہوتا تو لڑکوں اور مردوں کو سختی سے کنٹرول کرنے کی ضرورت تھی لیکن طالبان' یورپی قرون وسطیٰ کے چڑیلوں کے مسیحی شکاریوں کی طرح' مردوں کو ''ورغلانے'' اور ''بہکانے'' کا الزام عورتوں پر دھرتے ہیں۔

آج بھی ہماری بیشتر ثقافت میں عورتوں ارمردوں کے طرز ہائے عمل کو بہت مختلف انداز میں جانچا جاتا ہے جس کی گواہی اس حقیقت سے ملتی ہے کہ محض اس شک پر کہ وہ کسی اور کے ساتھ جنسی عمل میں شریک ہوتی ہیں مردوں کے ہاتھوں عورتوں کی پٹائی اور یہاں تک کہ قتل کو بھی بالعموم جذبات اور محبت کے جرائم کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ تصورات بہت گہرائی تک جاگزیں ہیں۔ شیکسپیئر کے مشہور ڈرامے اوتھیلو کا مدعا یہ ہے کہ اگر ڈیسڈیمونا واقعتاً کسی دوسرے آدمی کے ساتھ محبت کر رہی ہوتی تو اس کا گلا گھونٹ کر مارنا جائز ہوتا۔ اور آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو او جے سمپسن کے ہاتھوں اس بنیاد پر جیسا کہ ایک عورت نے مجھے بتایا کہ وہ ایک ''فاحشہ'' (یہ ایک ایسی عورت کو بیان کرنے کا اس کا اپنا انداز تھا جو ایک سے زیادہ مردوں کے ساتھ جنسی تعلقات کی حامل تھی) تھی' اس کی بیوی کی پٹائی......اور ممکنہ قتل کو...... جائز قرار دیں گے۔ لیکن ایسے مردوں کو ابھی تک قابل تحسین اور گلیمر کا حامل سمجھا جاتا ہے جو متعدد عورتوں کے ساتھ جنسی تعلقات رکھتے ہیں...... جیسا کہ ولٹ چیمبرلین تھا جو اپنے ہم عمروں اور عام لوگوں میں 25,000 ''جنسی فتوحات'' کی شیخی بگھارتا تھا۔

طلبہ کو ہماری ثقافت میں نوعمر لڑکیوں کیلئے موجود متصادم پیغامات کے بارے میں کھلے طور پر گفتگو کا موقع فراہم کرنے کی ضرورت بھی ہے: یعنی یہ کہ انہیں لڑکوں کیلئے جنسی طور پر پسندیدہ ہونا چاہئے جبکہ ساتھ ہی ساتھ خود ان کی کوئی بھی جنسی خواہشات نہیں ہونی چاہئیں۔ یقیناً لڑکیاں بھی جنسی خواہشات رکھتی ہیں۔ بلوغت چنگھاڑتے دھاڑتے ہارمونوں کا طوفان ہمراہ لئے آتی ہے لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اس حیلہ جوئی کے بجائے کہ ان کے کوئی جنسی احساسات نہیں انہیں اپنے جنسی احساسات کو قبول کرنے کے قابل ہونا چاہئے۔ جب لڑکیاں خود اپنی جنسیت کو قبول کرنے کے قابل ہو جائیں گی تو سیکس کے بارے میں زیادہ ارادی فیصلے بھی کرنے لگیں گی۔

اساتذہ طلبہ کو ٹیلی ویژن پر مستقلاً جنسیت کی پیشکش پر مباحثے کیلئے بھی مدعو کر سکتے ہیں جہاں ضبط تولید کے ذریعے حمل سے بچنے یا بچہ پیدا ہونے کی صورت میں والدین کی ذمہ داریوں کے بارے میں کوئی مکالمہ مشکل سے ہی ملتا ہے۔ نوجوان افراد' خاص طور پر لڑکیوں میں بعض اوقات ایسی رومانوی توقعات پیدا ہو جاتی ہیں کہ بچے کو جنم دے کر آخر کار انہیں ایک ایسا فرد مل جائے گا جو ان سے محبت کرتا ہو جبکہ انہیں بچے کی نگہداشت سے متعلق مہارتوں' وقت اور محنت کا بہت کم علم ہوتا ہے۔ والدین کی ذمہ داریوں سے متعلق تعلیم کو محض ایک اختیاری اضافے نہیں بلکہ نصاب کے جزو لاینفک کی حیثیت سے سکول کے نصاب کا حصہ بنانے کی ضرورت کی یہ صرف ایک وجہ ہے۔

علاوہ ازیں نوجوان افراد کو سیکس ایجوکیشن کے ذریعے قدیم روایات (جن سے باب 4 میں بحث کی گئی ہے) کے بارے میں معلومات مہیا کرنی چاہئیں جن میں جنسیت کو مقدس سمجھا جاتا تھا مثلاً اساتذہ یہ سوال سامنے رکھ سکتے ہیں کہ برہنہ انسانی جسم اور سیکس کو فحش کے زمرے میں کیوں شامل کیا جاتا ہے جبکہ ہم سب جسم اور جنسی خواہشات کے حامل ہیں۔ وہ طلبہ کو اس نقطہ نظر کے نتائج کا جائزہ لینے کی دعوت بھی دے سکتے ہیں کہ سیکس ''غلیظ'' چیز ہے اور اس کا کھوج لگانے کی بھی کہ اگر ہم نفسانی اور روحانی کے درمیان اس غیر صحت مندانہ تقسیم کو ختم کر لیں تو اپنے اور دوسرے لوگوں کے جسم کے بارے میں ہمارا نقطہ نظر کیا ہو جائے گا۔

جنسیت کا روحانی جزو جنسی محبت کے موضوع تک پہنچنے کا ایک اچھا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ ہم نے باب 3 میں دیکھا' محبت کی انسانی ضرورت کی جڑیں ہماری حیاتیات میں پیوست ہیں۔ بچوں میں' اس کا اظہار محبت کے لمس کی شدید ضرورت سے ہوتا ہے جس کی شہادت یتیم خانوں میں ایسے بچوں کی بڑھوتری میں ناکامی اور موت سے بھی ملتی ہے جن کی جسمانی احتیاجات ایک غیر شخصی اور روٹین کے سے انداز میں پوری ہوتی ہیں (50) اور اگرچہ بالغ لوگ محبت کے بغیر طبعی موت نہیں مرتے۔ نفسیاتی ادب بتاتا ہے کہ محبت کی عدم موجودگی نفسیاتی موت' ایک داخلی جمود پر منتج ہوتی ہے جو غم واندوہ کو ڈھانپ تو لیتا ہے لیکن اس کا نتیجہ اکثر و بیشتر تباہ کن' بلکہ قاتلانہ یا خودکشی جیسے اقدامات کی صورت میں نکلتا ہے۔

ہم جنسیت سے متعلق رویے

چک سٹیوارٹ کی کتاب جنسی اعتبار سے بدنام گروہ لوگوں کو اس ضمن میں باشعور بنانے کیلئے ایک اچھی مینوئل ہے۔ ہم جنس مرد/ ہم جنس عورت کی تربیت' ایک اور اچھا ماخذ ہے جس کی تدوین بینٹ ایل سنگر نے کی ہے۔ یہ ادبی مجموعہ خاندانی تعلقات' شناخت اور باقی دنیا سے کس طرح سامنا کیا جائے جیسے شعبوں کو کھنگالتی ہے اور ہم جنسیت اور دگر جنسیت دونوں کے حامل نوجوان افراد کیلئے نہایت مفید ہو سکتی ہے۔ (46) لینور گورڈن کا مضمون ''فیگٹ'' کا لفظ سن کر ہمارا ردعمل کیا ہوتا ہے؟ بھی ایک اچھا ماخذ ہے یہ ہمارے کلاس روموں پر نظر ثانی (47) میں شامل ہے۔

''گے' لیزبین' اینڈ سٹریٹ ایجوکیشن نیٹ ورک'' جیسی تنظیموں کی ویب سائٹس بھی درج ذیل پتے پر دستیاب ہیں۔ (www.glstn.o2g) اور پی ای آر ایس او این (پبلک ایجوکیشن ریگارڈنگ سیکسوئل اورنٹیشن نیشنلی (پراجیکٹ کی ویب سائٹ

MashalBooks.org

(www.youth.o2g/loco/pezsonpzoject/7)

اور مردانہ اور نسوانی ہم جنسیت سے متعلق نصابی مواد کے ضمن میں اساتذہ کو

(www.bostonpheonic.com/altl/azchive/lin/03-96/schools-sb.htm)

سے مدد مل سکتی ہے جہاں لیز افیڈ رسٹون کا مضمون بعنوان ''مناسب مواد کی تلاش'' دستیاب ہے۔

محبت اور قربت تمام انسانوں...... مرد اور عورت دونوں...... کیلئے نہایت ضروری ہے۔ لہٰذا انسانی جنسیت نہ صرف اپنی نوع کو برقرار رکھنے بلکہ قربت آمیز لمس کے ذریعے مسرت دینے اور لینے کا ذریعہ بھی ہے۔ جب یہ قربت آمیز لمس، ہمدردی کے لمس سے مملو ہو جب یہ حقیقی محبت کا مظہر ہو جنسی قبضہ گیری اور کنٹرول نہیں جسے بعض اوقات حاکمیتی ثقافتوں میں محبت کا نام دیا جاتا ہے) اور انسان کی محبت کرنے اور محبت لینے کی ضرورت پوری ہو رہی ہو تو تعلق کی ایک دوسرے کے ساتھ یکجائیت اور جسے ہم الوہی کہتے ہیں اس کے ساتھ یکجائیت...... کی ہماری شدید انسانی آرزو کی تکمیل بھی ہوتی ہے۔

محبت، یکجائیت، گہرے ہمدردانہ تعلق کی یہ انسانی ضرورت، ایک آفاقی روحانی ضرورت ہے۔ لیکن جب محض ایک جنسی شے سمجھ کر کسی دوسرے انسان کو انسان کے مقام سے بھی گرایا جائے تو اس کی تکمیل ممکن نہیں رہتی جیسا کہ ہماری ثقافت کی متعدد صورتوں میں عورتوں کے ساتھ ہو رہا ہے۔ مختصراً حاکمیتی تعلقات میں مردوں اور عورتوں کو وہ کچھ مل نہیں پاتا جس کی انہیں ضرورت ہوتی ہے۔ (ان موضوعات سے متعلق اضافی مواد کیلئے ''مقدس مسرت'' ملاحظہ کیجئے۔)

خود ضابطگی اور زندگی کی منصوبہ بندی

خود ضابطگی، مقاصد کے تعین اور ہمدردی کی تحصیل اور اس بات کی تفہیم کا تقاضا کرتی ہے کہ اعمال نتائج کے حامل ہوتے ہیں۔ ایک زیادہ موثر اور مثبت تدریسیات کا مطلب فوری تسکین کے بجائے مختصر المدت اور طویل المدت مقاصد کے تعین اور خوف کے بجائے ہمدردی پر توجہ مرکوز کرنے میں بچوں کی مدد کرنا ہے۔ محبت اور شفقت خود ضابطگی کی کلیدیں ہیں۔ ہم اپنی فطری تحریکات کے ساتھ کس طرح پیش آتے ہیں؟ یہ چیز نوجوان افراد کیلئے بچپن سے ہی ایک اہم معاملے کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ میں سیلف ڈسپلن یا سیلف کنٹرول کے بجائے خود ضابطگی کی اصطلاح کو قابل ترجیح سمجھتی ہوں کیونکہ موخر الذکر اصطلاحات ایک طویل عرصے سے مطلق العنان ضابطوں اور احکامات کے ضمن میں خوف اور اطاعت سے وابستہ ہیں۔ خود ضابطگی کی تدریس بچوں کی اس تدریس سے مختلف ہے جس میں شرم اور

خوف دلا کر اور اس دھمکی کے بل پر کہ نافرمانبرداری کی صورت میں وہ مستوجب سزا ہوں گے' بچوں کو جو کچھ بتایا جاتا ہے اسی پر عمل کرنے کیلئے کہا جاتا ہے۔

یقیناً بچوں کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ناپسندیدہ طرز ہائے عمل بھی نتائج کے حامل ہوتے ہیں' اور یہ چیزیں انہیں جلد از جلد جیسے ہی وہ اسے سمجھنے کے قابل ہوں انہیں سمجھا دینی چاہئے (شیر خوار اور گھٹنوں کے بل چلنے والے بچے ابھی واقعات کو اس انداز میں جوڑنے کے قابل نہیں ہوتے) لہٰذا اگر ایک بچہ کسی دوسرے بچے کو مار رہا ہے تو اسے احساسات کے اظہار کے زیادہ موثر انداز سیکھنے کیلئے مدد کی ضرورت ہے لیکن اس کا مقصد بچے میں برے احساس پیدا کرنا نہیں یہ چیز ایک ناپسندیدہ طرز عمل میں خلل ڈالنے کیلئے اور بچے کو یہ بتانے کیلئے ہے کہ یہ کوئی قابل قبول چیز نہیں۔ طویل المدتی اعتبار سے تدریس کا نہایت موثر طریقہ منفی کے بجائے مثبت تقویتوں کے ذریعے تدریس سے جو بچوں میں اپنی تعلقات مہارتوں کے ضمن میں تفاخر اور آسودگی کا احساس پیدا کرتی ہے' اور یہ بھی کہ ساتھ ہی ساتھ ان میں ہمدردانہ احساسات کے ہمراہ خود ضابطگی کی مہارتیں اور عادتیں بھی جڑ پکڑنے لگتی ہیں۔

حاکمانہ کی نسبت ایک سچے جمہوری معاشرے کیلئے ان مہارتوں اور عادات کی تشکیل اہم ہے۔ اپنے آپ پر اور دوسروں پر کنٹرول کے بجائے اپنے آپ اور دوسروں کیلئے ہمدردی پر توجہ مرکوز کرنے سے بچے ایسے طرز ہائے عمل سیکھ سکتے ہیں جو حاکمیتی تعلقات کے بجائے شراکتی تعلقات کیلئے مناسب ہوتے ہیں...... خواہ یہ قریبی تعلقات ہوں یا بین الاقوامی۔ اگر نوجوان افراد اپنی زندگیوں کی منصوبہ بندی منفی کے بجائے مثبت حرکات کی اصطلاحات میں کرنا چاہتے ہیں تو خود ضابطگی کی مہارتیں اور عادتیں نہایت ضروری ہیں۔ مثال کے طور پر جنسیت کے شعبے کو ہی ملاحظہ کیجئے۔ روایتی انداز نظر کے مطابق بچوں کو جنس کا خوف اور احساس جرم کے ساتھ وابستہ کرنا بتایا جاتا رہا ہے...... چھوٹے چھوٹے بچوں کو محض اس لئے سزا دی جاتی تھی کہ وہ اپنے جنسی اعضا کو چھونے کے فطری عمل کا ارتکاب کرتے تھے یا لڑکیوں کو یہ بتایا جاتا تھا کہ اگر انہوں نے لڑکوں کو اپنے جسم کو چھونے کی "اجازت" دی تو وہ "فاحشہ" بن جائیں گی۔ اس کے برعکس' ایسے مختصر المدت اور طویل المدت مقاصد کی خاطر وہ جن کے تعین کے قابل ہو چکے ہیں' لمحاتی تسکین کو التوا میں ڈالنے کے ضمن میں بچوں کی مدد کرنا جنس کو بنیادی طور پر مثبت تلازمات کے ساتھ جوڑنے کے مترادف ہے۔ یہ چیز ساتھ ہی ساتھ غور و فکر اور عمل کی عادات کو بھی پروان چڑھاتی ہے۔ جو آگے چل کر بچوں کی بالغانہ زندگیوں میں ان کیلئے بہت مددگار ثابت ہوتی ہیں۔(51)

مقاصد پر مبنی خود ضابطگی آموزش کے عمل کو جبر اور کنٹرول سے تشکیل و تکمیل کی طرف موڑ دیتی

ہے۔مثال کے طور پر اگر بچوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ دوسرے بچوں پر ہاتھ نہ اٹھائیں کیونکہ اگر وہ ایسا کریں گے تو والدین یا استاد انہیں سزا دیں گے تو انہیں یہ بتایا جاتا ہے کہ ''کمتر'' پر ''برتر'' کا تشدد قابل قبول چیز ہے اور یہ کہ جیسے ہی وہ بڑے ہوں گے ان کی جان اس سے چھوٹ جائے گی۔اس طرح نہ صرف تشدد بلکہ ہمدردی کو دبا ڈالنے کا نمونہ بھی پیش کیا جاتا ہے کیونکہ کسی کو تکلیف پہنچانے کا عمل ہمدردی کی انسانی استعداد کی تباہی کا متقاضی ہوتا ہے...... جو اخلاقی حساسیت کا ایک کلیدی عنصر ہے۔آج کل کے دور میں بچے کو جسمانی طور پر کسی چیز سے روکنے کیلئے کچھ نہ کچھ طاقت سے کام لینا پڑتا ہے جیسے کہ جب کوئی بچہ ٹریفک میں بھاگنے لگے۔لیکن تازہ ترین تحقیق بتاتی ہے کہ بچوں کے خلاف تشدد نہ صرف ظالمانہ بلکہ ایک غیر مؤثر ڈسپلن ہے۔(52)

بدقسمتی سے' ایسے لوگ جنہیں اپنے گھروں اور سکولوں میں ہمدردی اور خود ضابطگی کے بجائے خارجی کنٹرول اور سزا کے خوف (خواہ اس زمین پر یا آخرت میں) پر انحصار کرنا سکھایا جاتا ہے وہ ایک ایسے سماجی ڈھانچے کے عادی ہو جاتے ہیں جو کچھ ایسی متشددانہ قسم کی فطری تحریفات کو جن سے بعض اوقات ہم سب کو گزرنا پڑتا ہے' کنٹرول کرنے کیلئے خوف یا طاقت سے کام لیتے ہیں۔یہی چیز آگے چل کر حاکمیت کی کڑی درجہ بندیوں کو مستحکم بناتی ہے اور تعلقات کے تکلیف دہ قسم کے حاکمیتی نمونوں کو زندگی کے تمام شعبوں میں رائج کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔اس کے برعکس' ان معاشروں میں جو تسلسل کے شراکتی پہلو کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھتے ہیں' ہمدردانہ طرز ہائے عمل کے حامل محرکات پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اس ضمن میں داخلی تقویتوں جیسے کہ آسودگی اور خوشی کے احساسات' پر انحصار کیا جاتا ہے' ہمیں ان احساسات کا تجربہ اسی وقت ہوتا ہے جب ہم دوسروں کیلئے محبت اور ہمدردی سے سرشار ہوتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ میں اکیسویں صدی کی تعلیم میں محبت اور ہمدردی کی ایک ایسی تدریس اور آموزش کی شمولیت کی بات کر رہی ہوں جو تجربات پر مبنی ہو میں اس اہم نصابی دھاگے کو ''زندگی کیلئے ہمدردی'' کا نام دیتی ہوں۔میں سمجھتی ہوں کہ اسے قبل سکول سے لے کر گریجوایٹ سکول تک تمام تعلیم میں جاری و ساری ہونا چاہئے۔

ہم ایسے نصابی مواد کی اہمیت پر پہلے بات کر چکے ہیں جو محبت اور ہمدردی کو ''فطری'' یعنی جو ہمارے حیاتیاتی ارتقا میں پیوستہ ہے کی حیثیت سے پیش کرتا اور اس چیز کو تسلیم کرتا ہے کہ ہماری نوع کو ہمدردی اور شفقت سے پیش آنے پر جسمانی اور نفسیاتی اعتبار سے مسرت آمیز حیاتیاتی صلہ میسر آتا ہے لیکن ''زندگی کیلئے ہمدردی'' کے جس نصابی دھاگے کی تجویز میں یہاں دے رہی ہوں اس سے یہی کچھ

مراد نہیں بلکہ یہ بچوں کو خود اس خوشی سے لطف اندوز ہونے کا موقع بھی فراہم کرتا ہے۔

میں اس بات کی قائل ہوں کہ ''امن ایجوکیشن'' کا حصول صرف اس وقت ممکن ہوسکتا ہے جیسا کہ ماریا مانٹیسوری' نیل نوڈنگز اور دوسرے تعلیمی پہل کاروں نے خیال ظاہر کیا ہے جب ہمدردی اور شفقت ابتدائے بچپن سے ہی تعلیم کا لازمہ ہوں جیسا کہ مانٹیسوری نے تعلیم ایک نئی دنیا کیلئے میں لکھا تھا کہ بچہ زندگی کے ابتدائی برسوں کے دوران اپنے ماحول میں موجود ہر چیز کو اسی طرح جذب کر لیتا ہے۔ آج کے عصبی سائنسدان جن نتائج پر پہنچے ہیں' مانٹیسوری نے ان کی پیش بینی کرتے ہوئے یہ دلیل بھی دی تھی کہ کسی بھی طرح کا لفظی یا عملی تشدد بچے کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا تا ہے۔(53)

بالغ لوگوں کیلئے والدین کی ذمہ داری سے متعلق تعلیم بلا شبہ اہم ہے لیکن جن لوگوں کو اس تعلیم کی اشد ضرورت ہے غالباً انہیں ہی اس میں کوئی دلچسپی نہیں۔ لہٰذا نہ صرف شراکتی عمل (جو تمام بچوں کیلئے فرداً فرداً اپنے اساتذہ کی شفقت کے تجربے کو ممکن بناتی ہے) بلکہ خود محبت دینے کے تجربے کے ذریعے' اس سکولنگ کی ابتدا بہت پہلے ہونی چاہئے۔ سکول کے نصاب کے حصے کے طور پر محبت و شفقت کے طرز ہائے عمل کی تجربی آموزش تمام بچوں کیلئے اہم ہے' لیکن یہ ان بچوں کیلئے ناگزیر ہے جو بے توجہی اور بدسلوکی کا شکار ہوتے ہیں اور ان بچوں کیلئے بھی جنہیں اپنے گھروں میں محبت کو خوف' جبر اور تشدد کے ساتھ جوڑنا سکھایا گیا ہے۔

بچوں کو اپنے والدین (جو عام طور پر اسی چیز کو دوہرا رہے ہوتے ہیں جو کچھ خود انہوں نے بچپن میں سیکھا ہوتا ہے) پر بہتان دھرنے پر اکسانا یقیناً مستحسن نہیں اور اس کا یہ مطلب تو قطعاً نہیں کہ بچے اپنے والدین کے طرز ہائے عمل کو تبدیل کر سکتے ہیں تاہم بچوں کو اس خوشی سے لطف اندوز ہونے کا موقع دیا جا سکتا ہے اور دیا جانا چاہئے جو محبت و شفقت سے جنم لیتی ہے تا کہ وہ خود اپنی زندگیوں کیلئے مختلف رویے اور عادات سیکھنے کے قابل ہوسکیں۔

جیسا کہ نیل نوڈنگز ''دی چیلنج ٹو کیئر ان سکولز'' میں لکھتی ہیں ''تعلیم کے اہتمام کا بہترین طریقہ اسے ہمدردی کے نقاط پر منظم کرنا ہے' یعنی ذات کیلئے' قریبی افراد کیلئے' واقف کاروں اور آشناؤں کیلئے' اجنبیوں کیلئے' حیوانوں کیلئے' پودوں اور طبعی ماحول کیلئے' انسانی ساختہ اشیاء و آلات کی دنیا کیلئے اور تصورات کیلئے ہمدردی۔'' (54) لیکن جیسا کہ وہ اس بات کی نشاندہی بھی کرتی ہیں کہ ایک ایسی تعلیم جو ہمدردی کے ساتھ ساتھ تعلیمی اہلیت پر بھی توجہ مرکوز کرتی ہے ایک منفی توازن کے حامل تعلیمی نظام میں ہی ممکن ہوسکتی ہے۔

وہ لکھتی ہیں ''ہمارا معاشرہ روایتی طور پر مردوں کے ساتھ وابستہ سرگرمیوں کے مقابلے میں ان سرگرمیوں کو قابل قدر سمجھتا ہے جو روایتی طور پر عورتوں کے ساتھ وابستہ ہیں۔'' جن میں ہمدردی و نگہداشت سے متعلق سماجی طور پر لازمی سرگرمیاں شامل ہیں جنہیں ابھی تک عموماً عورتوں کا کام خیال کیا جاتا ہے۔ نتیجتاً ریاضی اور سائنس میں عورتوں کی شمولیت کے بارے میں خاصی تشویش پائی جاتی ہے جو ایسے شعبے ہیں جن پر طویل عرصے سے مرد چھائے ہوئے ہیں۔ پھر بھی لوگ ''نرسنگ' سکول کی بنیادی تدریس یا والدین کی کل وقتی ذمہ داری میں مردوں کی عدم شمولیت کو ایک مسئلے کی حیثیت سے نہیں دیکھتے۔'' (55)

چونکہ شراکتی تعلیم منفی توازن کی حامل ہے' لہٰذا ایسی سرگرمیوں کو جو ہمدردی و نگہداشت کی اہلیت سے تعلق رکھتی ہیں بنیادی نصاب کا لازمی حصہ بنایا جا سکتا ہے اور لازمی حصہ بنانے سے میری مراد محض کوئی حادثاتی اضافہ نہیں جیسے کہ ابتدائی درجوں میں جذباتی خواندگی کی تدریس اور آموزش کی خدمتی اکائیوں کے تعارف کے ضمن میں ہوتا ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ ذات' دوسروں اور فطرت کیلئے ہمدردی پورے تعلیمی تانے بانے کے حصے کی حیثیت سے بنیادی نصابی دھاگہ ہونی چاہیئے۔

قبل سکول سے لے کر گریجوایٹ سکول تک کے تعلیمی تانے بانے میں ''زندگی کیلئے ہمدردی'' کے اس انضمام کا آغاز پودوں اور حیوانات کے ساتھ ہمدردی کی تحصیل کے موقع جیسی سادہ سی چیز سے کیا جا سکتا ہے جو آج بعض ایلیمنٹری سکولوں میں طلبہ کو مہیا بھی کی جا رہی ہے۔ حیوانوں کے ساتھ ہمدردی نہ صرف بچوں میں ہمدردانہ عادات کی تحصیل میں بلکہ ان میں ذات کے ایک صحت مندانہ تصور کی تشکیل میں بھی مددگار ثابت ہوتی ہے جو دوسروں سے متمیز ہونے کے ساتھ ساتھ ان سے منسلک بھی ہوتا ہے اور نامیاتی طور پر دوسرے انسانوں کیلئے احترام اور مدد کی اخلاقیات پر منتج ہوتا ہے جیسا کہ جین مائر نے ''بچے اور حیوانات'' میں لکھا ہے۔ 'تجسیماتی تعامل' ذات' اخلاقی حس' اور دوسرے ذہنی مظہرات کی جڑ ہے۔'' لہٰذا حیوانات کے ساتھ ہمدردانہ تعامل بچوں میں ایک ایسی اخلاقیات کی تشکیل میں مدد کرتا ہے جو بچوں پر خارج سے مسلط نہیں کی جاتی بلکہ مائر کے الفاظ میں ''تعلق کے اس احساس میں مضمر ہوتی ہے جو بچوں کو جانوروں کے ساتھ محسوس ہوتا ہے۔'' (56) بالفاظ دیگر ہمدردی اور شفقت دوسروں کیلئے احساس کی ہماری وہبی انسانی استعداد کو تقویت اور ترقی دینے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی دیکھا' مطالعات بتاتے ہیں کہ بچوں میں یہ استعداد پیدائشی طور پر موجود ہوتی ہے۔ دوسرے بچوں کے رونے کی آواز سن کر نومولود بھی رونے لگتے ہیں۔ نقصان دہ فطری تحریکات کی خود ضابطگی کو اور اس سے

بھی آگے بڑھ کر سچی محبت کو ہمدردی کے اسی احساس کی بنیاد پر استوار کیا جا سکتا ہے۔

ہمدردی اور شفقت پر مبنی طرز عمل مفہوم و معانی' روحانی بیداری اور وسیع تر مقصدیت کی ہماری انسانی ضروریات کی تکمیل کرتا ہے۔تعلق کی انسانی آرزو جس کی جڑیں بہت گہرائی تک پیوستہ ہیں اور جو محبت کا ارتقائی سرچشمہ ہے۔ وہی روحانیت کا اور حیرت و استعجاب کے اس احساس کا جس کا سبب یہ وجدانی تفہیم ہے کہ ہم پردہ ارتقا پر جدا جدا نقطے نہیں اور ہم ایک پراسرار اور معجزاتی انداز میں سرگرم طور پر اس سب کچھ سے باہم مربوط ہیں جو موجود ہے اور جو موجود ہو سکتا ہے۔لہٰذا اہم نصابی دھاگے کی حیثیت سے ایک ایسی تعلیم جو ذات' دوسروں اور فطرت کیلئے ہمدردی کی آموزش کے ساتھ جوڑتی ہے اشد ضروری ہونے کے ساتھ ساتھ جذباتی' جسمانی اور ذہنی صحت کیلئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔اس کے بنیادی ہونے کا مطلب ان چیزوں کیلئے بنیادی ہونا ہے محبت کیلئے کوئی ہو اور وہ محبت کرے' خاندان اور دوستوں کے ساتھ تعلقات' ہمدردانہ اور تکمیلاتی ہوں' باہمی تقویت پر مبنی کمیونٹی کی اور ایک پرامن' منصفانہ اور ماحولیاتی اعتبار سے بہتر دنیا کی تعمیر۔ میں اس قسم کی تعلیم کو اخلاقی اور روحانی ترقی کیلئے ناگزیر سمجھتی ہوں جو ایک زیادہ منصفانہ' جمہوری اور پرامن دنیا کیلئے ضروری ہے۔

''زندگی کیلئے ہمدردی'' ایسی معلومات' بصیرت اور مہارتیں جو ذات' دوسروں اور فطرت کیلئے ہمدردی کے ضمن میں نوجوان افراد کو درکار ہیں۔ایک ایسے نصاب اور آموزش کا جزو لاینفک ہے۔جس کی تیاری مرکز برائے شراکتی مطالعات (سنٹر فار پارٹنرشپ سٹڈیز) کے ''مستقبل کی بنائی'' کے تعلیمی پروگراموں کے تحت ہو رہی ہے۔مثلاً کثیر الشعبہ جاتی نظاموں کی کلاس میں جو حیاتی اور ثقافتی تاریخ کا احاطہ کرتی ہے جسے سی پی ایس' نوواہائی سکول' سیاٹل' واشنگٹن کے اشتراک سے تیار کر رہا ہے' نہ صرف بچے کی نشو و نما کے مراحل سے متعلق معلومات بلکہ قبل سکول کی ایک ایسی شراکت بھی شامل ہے جہاں زیادہ عمر کے طلبہ بچوں کی نگہداشت کے ضمن میں مدد مہیا کر سکتے ہیں۔ یہ ایک سالہ کورس طلبہ کو انسان کے حیاتیاتی ارتقا کے بنیادی پہلوؤں سے متعلق آگاہی دیتا ہے جو حیاتیات کے معیاری نصاب کا حصہ نہیں جس میں یہ اہم حقیقت شامل نہیں کہ انسانی دماغ کے عصبی سلسلے زیادہ حد تک پیدائش کے بعد تشکیل پاتے ہیں اور یوں ان کا تعین زیادہ تر بچے کی نگہداشت کے معیار سے ہوتا ہے۔اس کورس میں اس معاملے کو بھی نمایاں مقام دیا گیا ہے جسے ہم نے باب 3 میں نظر انداز کر دیا تھا۔ایک ایسی چیز کی حیثیت سے محبت کا ارتقا جو ہماری حیاتیات میں پیوستہ ہے۔اور یقیناً سکولوں اور یونیورسٹیوں کے ساتھ سی پی ایس کا مذکورہ بالا اشتراک اور دوسرے اشتراکات' نوجوان افراد کیلئے اس بات کو سمجھنا ممکن بناتے ہیں کہ کیا چیز اخلاقی اور

اخلاقیاتی ہے سے متعلق بالعموم متضاد ثقافتی پیغامات کی جانچ پرکھ کیلئے شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کے تجزیاتی عدسے کو کس طرح استعمال کیا جائے۔ یہ چیز انہیں بہتر اور ارادی فیصلوں کی اہلیت سے سرفراز کرتی ہے جو زندگی بھر انہیں رہنمائی مہیا کر سکتے ہیں۔ان میں سے بعض فیصلے تنازعات کے غیر متشددانہ تصفیے کی راہ ہموار کرتے ہیں جو باکس 6.4 کا موضوع ہے۔

تنازعے کا غیر متشددانہ تصفیہ

بعض اوقات یہ دلیل دی جاتی ہے کہ کچھ انواع میں نظم و نسق کو حاکمیت کی درجہ بندیوں کے ذریعے برقرار رکھا جاتا ہے جس میں ''الفاز'' نہ صرف اپنی حیثیت کو برقرار رکھنے بلکہ گروپ کے دوسرے ارکان کے مابین تشدد کے وقوع کو روکنے کیلئے بھی تشدد اور تشدد کی دھمکی سے کام لیتا ہے۔ یہ ''لاء اینڈ آرڈر'' کی دلیل ہے اور اس سے آج بھی وہی لوگ رجوع کرتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ صرف ''سخت گیر آدمی'' جیسے لیڈر ہی نظم و نسق کو قائم رکھ سکتے ہیں یہ چیز ایک حاکمیتی معاشرے کیلئے بالکل مناسب ہے لیکن ایک ایسا معاشرہ جو لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کی سماجی تربیت کو ہمدردی اور مقصدیت کے اعتبار سے خود ضابطگی کی مہارتوں کی تدریس کے ساتھ جوڑ دیتا ہے۔نظم و نسق کو مختلف ذرائع کی مدد سے برقرار رکھ سکتا ہے۔ موخرالذکر انداز جنگوں اور تشدد کی دوسری صورتوں کی وجہ سے ہونے والی ہلاکت و اذیت سے دامن بچاتا ہے یا اس میں شدید کمی پیدا کر دیتا ہے۔

ایک ایسی آموزش جس میں جبر اور کنٹرول پر زور دیا جاتا ہے اور ایک ایسی آموزش کے مابین فرق جو پیش رفت اور تکمیلی پر زور دیتی ہے طلبہ کے ساتھ باب 3 اور باب 4 میں دیئے گئے حیاتیاتی اور ثقافتی ارتقا سے متعلق مواد پر بحث کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ یہ اس سوال کو بھی سامنے لاتا ہے کہ آیا تنازعے کو دبانے اور دوسروں کو کنٹرول کرنے کیلئے جنگ کے متشددانہ حربوں اور تشدد کی دوسری اقسام (جیسے کہ گھریلو تشدد) کی نسبت تنازعے کا غیر متشددانہ تصفیہ تنازعے کے ساتھ نمٹنے کا ارتقائی طور پر ایک زیادہ ترقی یافتہ طریقہ ہوسکتا ہے۔

خود ضابطگی کی تعلیم کا ایک اہم عنصر بچوں کو ان خواندگیوں اور اہلیتوں کی تدریس ہے جن کی تفصیل میری کتاب ''مقدر کی تعیین نو'' میں موجود ہے اور جس میں تنازعے کے غیر متشددانہ تصفیے سے متعلق مہارتیں شامل ہیں۔ اس ضمن میں خاص طور پر بچوں کیلئے بہت سا مواد دستیاب ہے۔ (باکس 6.5 ملاحظہ کیجئے۔)

ہمارا جیتا جاگتا سیارہ

نوجوان افراد کو زندگی کی ویب کے بارے میں جو ہماری فطری مسکن ہے تازہ ترین معلومات درکار ہیں۔

طلبہ کو ماحولیاتی نگہداشت کی اہمیت کے بارے میں تعلیم دینا سکولوں کی ذمہ داری ہے۔

شراکتی، حاکمتی تسلسل کا تجزیاتی عدسہ نوجوان افراد میں ربط باہمی کی تفہیم میں مفید ثابت ہوتا ہے جسے عموماً نظرانداز کیا جاتا ہے۔ جیسے کہ کثرت آبادی، مخصوص حاکمیتی منفی کردار اور تعلقات اور ہمارے بڑھتے ہوئے ماحولیاتی مسائل کے مابین تعلق۔

طلبہ کو ایسی تنظیموں کے بارے میں آگاہی درکار ہے جن میں شامل ہو کر وہ ہماری دھرتی ماں کی نگہداشت کا فریضہ انجام دے سکتے ہوں۔

آج کے نوجوان افراد ہی وہ پہلی نسل ہیں جنہیں تیزابی بارش، اوزون کی تہہ میں سوراخوں اور عالمی حدت پذیری کے بارے میں سوچنا ہے۔ وہ اپنے جسموں میں کیڑے مار ادویات اور ہارمونوں کی ایسی باقیات لئے پھرتے ہیں جنہیں کبھی انسانیت کیلئے عظیم نعمتیں خیال کیا جاتا تھا لیکن آج انہیں زندگی کیلئے مہلک سمجھا جاتا ہے۔ وہ ایک ایسی پہلی نسل ہیں جو اپنی زندگیوں کے دوران، جانوروں، پرندوں اور پودوں کی سینکڑوں، ہزاروں انواع کو ہماری زمین سے مٹتا ہوا دیکھ سکتے ہیں۔ ایسی انواع جیسا کہ نیشنل وائلڈ لائف فیڈریشن کے مطالعات بتاتے ہیں جو انسانی سرگرمیوں کے ذریعے اپنے مساکن کی تباہی و بربادی کے سبب قیامت خیز شرح سے ختم ہو رہی ہیں۔ (63) وہ ایک ایسی پہلی نسل بھی ہیں جنہیں خود اپنے مسکن پر نیوکلیائی اور حیاتیاتی جنگ یا دہشت گردی کے اثرات کے بارے میں سوچنا ہے۔ مختصراً انہیں خود اپنے خاتمے کے امکان کے بارے میں سوچنا ہے۔

یہ کوئی خوشگوار موضوعات نہیں لیکن یہ ماحولیاتی تعلیم کو نصاب کلی کا حصہ بنانے کی فوری اہمیت کو آشکار کرتے ہیں۔ نوجوان افراد جن ماحولیاتی مسائل سے دوچار ہیں ان سے نمٹنا بھی جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، نہ صرف سائنس بلکہ اس اہم ترین سوال میں طلبہ کی دلچسپی پیدا کرنے کا ایک طریقہ ہے جو ہمارے ثقافتی ارتقاء اور اس کے ذریعے سیارہ جاتی ارتقاء کے شریک خالقوں کے طور پر ہمارے سیارے، ہماری نوع اور ہماری ذمہ داریوں کے ارتقاء سے تعلق رکھتا ہے۔ یقیناً یہ ''زندگی کیلئے ہمدردی'' کو تعلیمی ٹیپیسٹری میں جوڑنے کا ایک طریقہ بھی ہے اور اس مرتبہ یہ کام ماحولیاتی کے ساتھ ساتھ شخصی اور اخلاقی تناظر کے حوالے سے ہونا چاہئے۔

چلڈرنز ٹیلی وژن ریسورس اینڈ ایجوکیشن

سنٹر(سی-ٹی-آر-ای-سی-سی-ٹریک)

دوسرے پروگرام

ماخذات کا ایک بے مثال خزانہ' چلڈرنز ٹیلی وژن ریسورس اینڈ ایجوکیشن سنٹر (سی-ٹی-آر-ای-سی-سی-ٹریک) ہے۔سی-ٹریک ایسی تعلیمی خدمات اور اشیاء تیار کرتا ہے جو بچوں کی سماجی ترقیاتی مہارتوں میں اضافہ کرتی ہیں جن میں باہمی تعاون' ہمدردی' تنازعے کا تصفیہ اور تنقیدی سوچ شامل ہیں۔اس بات کے پیش نظر کہ یہ مقصدی دخل اندازیاں طویل المدتی کامیابی کے کم امکان کی حامل ہوتی ہیں۔سی-ٹریک کے منصوبوں کے ڈیزائنوں نے آموزش کے ایسے آلات اور ایسے تربیتی پروگرام تیار کئے ہیں جو محض اضافوں کے بجائے نصاب کے لازمی حصے قرار پاسکتے ہیں۔ایسی تحقیقی شہادت کو بنیاد بناتے ہوئے جو یہ بتاتی ہے کہ سماجی آموزش طلبہ کی تحریک' وابستگی اور تحصیل کو خاصی تقویت دے سکتی ہے' سی-ٹریک ایسی اشیاء اور ایسے تربیتی پروگرام تیار کرتا ہے جو قبل سکول سے لے کر مڈل سکول تک طلبہ' اساتذہ اور والدین کو روزمرہ بنیاد پر مہارتوں کی مشق اور کمیونٹی سے متعلق مثبت آموزش کی تشکیل کے قابل بناتے ہیں۔

مثلاً سی-ٹریک کا گیٹنگ الانگ انٹرایکٹو'پراجیکٹ۔سماجی ترقیاتی آموزش اور کمپیوٹر خواندگی کو کم آمدنی کے حامل قبل سکول کے بچوں' ان کے خاندانوں اور ابتدائے بچپن سے تعلق رکھنے والے ایسے تعلیم کاروں تک بہم پہنچانے کے مقصد سے تیار کیا گیا ہے جو ان کے درمیان مصروف کار ہیں۔نوعمر بچوں کیلئے اس کی ریڈ الانگ ذولسانی (انگریزی/ہسپانوی) کتابیں جیسے یہی درست کام کرنے کا کام ہے' مختلف طرح کے ایسے حالات میں جانوروں کا ایک دلکش اجتماع پیش کرتی ہے جو منصف مزاجی کے مسئلے کو ابھار کر سامنے لاتے ہیں۔(''مکمل طور پر مختلف'' میں اینڈریا شیرتی' تنوم کو قابل قدر اور قابل احترام جاننا سکھاتی ہے) درابرٹو آملو میں' دریائی گھوڑا رابرٹو یہ سیکھتا ہے کہ کمینہ ہونے کی نسبت اچھا بننا بہتر ہے(57) سی-ٹریک کی آڈیو ٹیپس میں لڑکیوں سے متعلق کہانیاں جیسے کہ''کرسٹینا ویلنٹائن کی مہمات'' شامل ہیں جو ایکشن پر مبنی ایک مہماتی سیریز ہے جو این-پی-آر پلے لرڈس پر نشر ہوئی تھی۔ (58)

سی-ٹریک کے دوسرے دوہرے پروگرام اس کے''گیٹنگ الانگ/تھنکنگ ہیڈ پراجیکٹ' جو

بلوغت سے زیادہ موثر انداز میں نمٹنے کیلئے رہنما خطوط مہیا کرتا ہے اور ''بنگو اور مولی'' ہیں۔ یہ قبل سکول کے بچوں کیلئے ایک ٹیلی وژن سیریز ہے جسے سی-ٹریک اور دی لیرننگ چینل نے باہم تخلیق کیا ہے جو نوجوان ناظرین کو بڑے ہوتے ہوئے بچوں کے آفاقی مسائل جیسے کہ دل آزاری' منصفانہ مزاجی اور دوسروں کے لئے احترام سمجھانے اور ان سے نمٹنے کی تربیت دینے کیلئے پتلی کردار اور اینیمیشن دونوں سے کام لیتی ہے۔

سکول اپنے اساتذہ کی تربیت کیلئے متعدد دوسرے پروگرام بھی استعمال کرتے ہیں تا کہ وہ مسائل کے تخلیقی حل میں طلبہ کی بہتر مدد کر سکیں مثلاً ''ریزالونگ کانفلکٹس کری ایٹولی پروگرام' (آر-سی-سی-پی) اساتذہ اور والدین کو یہ بتانے کیلئے تربیتی ورکشاپس منعقد کرتا ہے کہ بچوں کو یہ کیسے سکھایا جائے کہ جارح یا منفعل سونے کا متبادل موجود ہے۔ یعنی یہ کہ ایک زیادہ پرامن دنیا کی تخلیق میں وہ ایک سرگرم کردار اختیار کر سکتے ہیں۔ (59) ایک اور پروگرام پیس بلڈرز پروگرام ہے جو بچوں کو امن کے قیام میں کردار ادا کرنے کے قابل بناتا ہے۔ یہ نہ صرف جارحانہ طرز ہائے عمل میں تخفیف بلکہ بدسلوکی کو روکنے اور سکول اور گھر دونوں جگہ سماجی درست طرز ہائے عمل کو فروغ دینے کی غرض سے تیار کیا گیا ہے۔ پیس بلڈرز پروگرام عملے کی تربیت کیلئے ورکشاپس مہیا کرتا ہے جن میں شراکتی تعلقاتی اہلیتوں کی تدریس کی جاتی ہے جیسے کہ تقویتی اور منصفانہ طرز ہائے عمل کا نمونہ پیش کرنا اور انہیں مثبت کمک پہنچانا (60)

ایسے پروگرام جو چائلڈ ڈویلپمنٹ پروگرام (سی-ڈی-پی) کے فراہم کردہ شراکتی اصولوں کا اطلاق کرتے ہیں خصوصی دلچسپی کے حامل ہیں۔ یہ صریحاً اس غرض سے تیار کئے گئے ہیں کہ سکول افراد کا ایک ایسا اجتماع بن جائیں جہاں طلبہ یہ محسوس کریں کہ ان کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کیا جا رہا ہے اور وہ جواباً ہمدردانہ سلوک کرنا سیکھیں۔ یعنی ایسا اجتماع جہاں انہیں معاشرے میں ثمر آور انداز میں زندہ رہنے کیلئے ضروری عملی مہارتیں سیکھنے کے لئے مدد میسر ہو اور جہاں انسانی اور عاقلانہ انداز میں زندہ رہنے کیلئے ضروری اخلاقی اور فکری تفہیمات کی تشکیل میں مدد میسر ہو (61) سی-ڈی-پی اساتذہ کیلئے ایسے تجربی نتائج پر مبنی ورکشاپس فراہم کرتا ہے جو بتاتی ہیں کہ موثر اور پوری زندگی پر محیط آموزش ایک ایسا عمل ہے جسے متعلم کے سماجی اور ثقافتی سیاق وسباق سے علیحدگی کرنا ممکن نہیں۔ یہ کہ طلبہ اس وقت سیکھتے ہیں جب ان کی یکجائیت کی جستجو' سماجی اور طبعی دنیا کو مفہوم و معانی دینے کی خواہش کی تشکیل ہوتی ہے۔ یہ کہ اساتذہ کو خارجی کے بجائے داخلی طور پر متشکل ہونے میں ہر بچے کی مدد کرنی چاہئے تا کہ اسے منصفانہ مزاجی اور شفقت جیسے اخلاقی اصولوں کو سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی تحریک ملے۔ یہ ایسے مقاصد ہیں جنہیں شراکتی تعلیم فروغ دیتی اور ان پر عمل درآمد کرتی ہے۔ (62)

ماحولیاتی خواندگی کی تدریس کیلئے متعدد اچھے ماخذ دستیاب ہیں مثلاً رین فاریسٹ ایکشن نیٹ ورک جس کا ہیڈ کوارٹر سان فرانسسکو میں ہے ہمارے بارشی جنگلات کے تحفظ کیلئے ایک ''کڈز ایکشن گائیڈ'' مہیا کرتا ہے جو پرائمری سکول کے بچوں کیلئے مناسب رنگا رنگ اور دلچسپ مواد پر مشتمل ہے۔ یہ مواد بچوں کو اس بات کے سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ ہمارے بارشی جنگلات کا جو ہمارے سیارے کے پھیپھڑے ہیں اور ان میں سے رہائش پذیر مقامی لوگوں کے انسانی حقوق کا تحفظ ممکن ہے جو بڑے صنعتی منصوبوں کی وجہ سے بے گھر ہوتے جا رہے ہیں۔(64)

سٹ جھیلی کی کامیابی ویڈیو ''ایڈورٹائزنگ اور دنیا کا خاتمہ'' جو میڈیا ایجوکیشن فاؤنڈیشن سے دستیاب ہے، یہ بتاتی ہے کہ صارفیت کس طرح ماحولیاتی بحران کا سب سے بڑا عامل بن گئی ہے ''ترقی یافتہ'' دنیا کی قومیں غیر متناسب انداز میں ہماری زمین کے فطری وسائل کو ضائع کر رہی ہیں اور ان پر عمل سے ہمارے ماحول کو آلودہ بنا رہی ہیں۔ علاوہ ازیں ''ترقی پذیر'' اقوام جیسے جیسے صنعتی صارفانہ طرز حیات کو زیادہ اختیار کریں گی۔ اگر ہم نے ماحولیاتی اعتبار سے حساس شراکتی معاشیات کی طرف تبدیلی کو ممکن نہ بنایا تو ہمارے عالمگیر مسائل میں اتنا ہی زیادہ اضافہ ہوتا جائے گا۔(65)

اونچے درجے کے طلبہ تھیو کوبرن، ڈیان ڈومانوسکی، اور جان پیٹرسن مائرز کی کتاب ''ہمارا مسروقہ مستقبل'' کے اقتباسات کا مطالعہ بھی کر سکتے ہیں جو صنعتی پروسیس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے آلودگی کے عاملوں اور دوسرے زہریلے مادوں کے مستقبل کی نسلوں پر اثرات کو تفصیلاً بیان کرتی ہے۔ ہربرٹ ایل-نیڈل مین اور فلپ لینڈریگن کی کتاب زہریلے مادوں سے پاک بچوں کی پرورش (67) ایک اور ماخذ ہے جو زہریلے مادوں سے ہمارے ماحول اور صحت، بالخصوص بچوں کی صحت کو پہنچنے والے نقصانات کے تدارک کیلئے اقدامات تجویز کرتی ہے۔

نوجوان افراد کو کثرت آبادی اور ہمارے ماحولیاتی مسائل کے مابین باہمی تعلق سے آگاہی کی ضرورت بھی ہے مثلاً افریقہ میں متعدد حیوانی اور نباتاتی انواع کا خاتمہ براہ راست انسانی آبادی کے دباؤ کے ساتھ جڑا ہوا ہے جیسے کہ کثرت کاشت اور شجر کاری قابل کاشت زمین میں کمی اور اس کے بنجر پن کے ساتھ منسلک ہے۔

ماحولیاتی خواندگی یہ شعور پیدا کرتی ہے کہ کثرت آبادی کا تدارک ممکن ہے اور یہ کہ یہاں بھی اصل رکاوٹ حاکمیتی منفی سٹیریو ٹائپ اور تعلقات ہی ہیں۔ یکے بعد دیگرے مطالعات یہ ثابت کرتے ہیں کہ جب تک عورتوں کو پیداواری آزادی اور بقا اور حیثیت کے ایک ذریعے کے طور پر بچے پیدا کرنے کے

علاوہ زندہ رہنے کے دوسرے انداز میسر نہیں آتے آبادی کی افزائش کو روکنا ممکن نہیں۔ لہٰذا اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ دنیا کے غریب ترین اور کثیر آبادی کے علاقوں کی اربوں لڑکیوں کیلئے جو آج اپنی پیداواری عمر کو پہنچ رہی ہیں تعلیم' جائیداد کی ملکیت اور دوسرے بنیادی انسانی حقوق کی یکساں رسائی کو ممکن بنایا جائے لیکن ایسا صرف اس وقت ہی ہوگا جب ہم اس کیلئے کام کریں گے (باکس 6.6 ملاحظہ کیجئے)

اونچے گریڈ کے طلبہ کو ان اقدار کے جائزے کیلئے کہا جا سکتا ہے جو ہماری سماجی' سیاسی اور معاشی پالیسیوں کی رہنمائی کرتی ہیں۔ ہم سب ان پر اثر انداز ہونے کیلئے کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ کیا ہماری پالیسیاں حقیقتاً مساوات کے امریکی نصب العین سے رہنمائی حاصل کرتی ہیں؟ کیا حقیقتاً ہماری قوم اور ہمارے سیارے کی زیادہ بہتری کیلئے مناسب ہیں؟ اس قسم کی بحث طلبہ کو ایک ایسے معاشی نظام کی ضرورت کی طرف متوجہ کرے گی جو ہمدردی ونگہداشت کے ''عورتوں کے کام'' کو تسلیم کرتا ہے اور اس کا صلہ مہیا کرتا ہے' ساتھ ہی ساتھ اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ یہ کام ہمارے سیارہ جاتی گھر کی نگہداشت کے ساتھ کس طرح جڑا ہوا ہے۔ اس ضمن میں ماحولیاتی نسواں پسندوں کی تحریریں جیسے کہ ''دنیا کی تعمیر نو' ماحولیاتی نسواں پسندی کا ظہور' اور سرسری جائزے کیلئے ''یوٹنے ریڈر'' میں شامل مختصر مضامین ''ایک مبتدی کیلئے گھریلو کام کی گائیڈ'' اور ''باہمی تعاون'' (69) اچھے ماخذ ہیں۔

ماحولیاتی خواندگی' زیادہ حقیقت پسندانہ معاشی اقدامات کی فوری ضرورت کی تفہیم بھی عطا کرتی ہے۔ کھاتہ داری کے موجودہ طریقے ہماری فطری ماحول کی آلودگی اور ابتری کی حوصلہ شکنی کے بجائے واقعتاً ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ مثلاً کاروباری نفع ونقصان کا حساب کتاب' نقصان یا لاگت میں متعدد کاروباری اقدامات کے سبب پیدا ہونے والی ماحولیاتی آلودگی اور ابتری کو شامل نہیں کرتا۔ بعینہٖ خام قومی پیداوار (جی-این-پی) جیسے ہمارے ماحول کو پہنچنے والے نقصان کی صفائی پر آنے والی لاگت کو تو قابل قدر گردانتے ہیں لیکن احتیاطی اقدامات اور ماحولیاتی گھرداری کے کام کو ذرا بھی قابل قدر سمجھنے پر تیار نہیں۔

عورتیں اور کثرت آبادی

اس شعبہ مطالعہ سے متعلق مفید ماخذات درج ذیل ہیں۔ اقوام متحدہ کے آبادی فنڈ کی دنیا کی آبادی کی صورت حال کے بارے میں رپورٹیں جو اقوام متحدہ' نیویارک سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ رپورٹ بعنوان ''منفی خلیج میں کمی: لڑکیوں کی تعلیم'' جو پاپولیشن ایکشن انٹرنیشنل' واشنگٹن ڈی سی سے دستیاب ہے اور ''آبادی کا دباؤ'' عورتوں کا کردار' اور امن'' ایک مضمون جو میں نے پہلے ورلڈ انسائیکلوپیڈیا آف پیس کیلئے لکھا تھا یہ کثرت آبادی' تشدد اور حاکمیتی منفی کردار اور تعلقات کے مابین باہمی ربط کی وضاحت کرتا ہے۔ (68)

ماحولیاتی تعلیم کا ایک اہم پہلو طلبہ کو ان تنظیموں سے متعلق آ گاہی مہیا کرنا ہے جن میں وہ شامل ہو سکتے ہیں یا جن کے لئے رضا کارانہ کام کر سکتے ہیں۔ان تنظیموں سے میں اتحاد برائے نگہداشتی معیشت سے لے کر جو معاشی ضابطوں کی تبدیلی کیلئے کام کر رہا ہے تا کہ شفقت اور نگہداشت کو کام کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے اور اس کا معاوضہ دیا جائے۔سی ایرا کلپ' این فاریسٹ ایکشن نیٹ ورک' گرین پیس' آرتھ آئی لینڈ انسٹی ٹیوٹ تک شامل ہیں (ماخذوں کی فہرست باکس 6.7 میں دی گئی ہے۔باب 5 میں باکس 5.21 بھی ملاحظہ کیجئے۔

چونکہ ماحولیاتی تعلیم اس بات کی متقاضی ہے کہ اس کی ابتداء بہت شروع سے کی جائے اور اسے نصاب کے تمام پہلوؤں میں شامل کیا جائے۔نوعمر بچوں کے حوالے سے ماحولیاتی تعلیم کو اس گہری دلچسپی کے ساتھ جوڑا جا سکتا ہے جو کم سن لڑکیاں اور لڑکے جانوروں' درختوں' پھولوں اور فطرت کے دوسرے پہلوؤں میں رکھتے ہیں۔ بچے تصویری کتابیں' چڑیا گھروں اور اپنے گھروں میں موجود جانوروں میں بہت کشش محسوس کرتے ہیں۔ایسے بچوں کیلئے جو ان علاقوں میں رہتے ہیں جہاں وہ کھیتوں اور جنگلوں میں گھوم پھر سکتے ہیں یا ایسے بچوں کیلئے جنہیں خیمہ گاہی دوروں پر جانے کے مواقع میسر ہوتے ہیں۔ یہ تجربات نئے علم کی تحصیل کے ساتھ ساتھ تفریح کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ مہیا کرتے ہیں۔ بچے جیسے جیسے بڑے ہوتے ہیں وہ عموماً نہ صرف اپنے گھریلو پالتو جانوروں بلکہ ایسے جانورں کے ساتھ بھی ہمدردانہ طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں جنہیں وہ دیکھتے ہیں یا جن کے بارے میں پڑھتے ہیں جیسے کہ ڈولفن' وہیل' ہاتھی اور دوسری انواع جنہیں آج خطرہ لاحق ہے۔اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نوعمر افراد فطرت میں فطری دلچسپی کے ساتھ ساتھ اس کے بارے میں تشویش کے حامل بھی ہوتے ہیں۔

ماحولیاتی تعلیم

ماحولیاتی تعلیم سے متعلق اضافی ماخذات ذیل میں دیئے جا رہے ہیں۔

کنزرویشن انٹرنیشنل کی رین فاریسٹ امپیریٹو' بحث ومباحثے پر مشتمل پچیس منٹ کی ویڈیو ہے اور بارشی جنگلات کی اہمیت پر سرگرم انداز میں رہنمائی مہیا کرتی ہے۔(71) نیشنل آڈوبان سوسائٹی کی "سیارے پر ہلکے پھلکے انداز میں زندہ رہنا" ساتویں سے نویں درجے تک کیلئے حصہ اول اور دسویں سے بارھویں تک کے لئے حصہ دوم ۔ یہ سرگرمیوں پر مبنی رہنمائی یعنی منظر سے متعلق معلومات' نقشہ جات' سٹوڈنٹ رول گارڈز اور کیس سٹڈیز پر مشتمل ہے اور ماحولیاتی مسائل کے حل پر زور دیتی ہے۔

(72) ہائی سکول اور کالج انڈر گریجوایٹ کی بڑی کلاسوں کیلئے گلوبل ٹومارو کولیشن کی ''گلوبل ایکالوجی ہینڈ بک سٹڈی گائیڈ'' سترہ یونٹ اشاریاتی حوالے' مباحثاتی موضوعات' منصوبے اور پائیدار ترقی سے متعلق کام کرنے والی تنظیموں سے رابطے کی فہرست مہیا کرتی ہے۔(73) سنٹر فارا یکولٹریسی ایک اور اچھا ماخذ ہے۔(74)

پاپولیشن ایکشن انٹرنیشنل (75) اور ورلڈ پاپولیشن انسٹی ٹیوٹ سے بھی بہت عمدہ مواد دستیاب ہے۔ مواخرالذکر پاپ لائن شائع کرتا ہے جو ورلڈ پاپولیشن نیوز سروس (76) جمع کردہ معلومات کی ترسیل کا ذریعہ ہے۔ آخر میں میں اس بات پر زور دینا چاہوں گی کہ اساتذہ زیرو پاپولیشن کے مہیا کردہ حقائق نامے حاصل کریں جو کثرت آبادی اور فضائی آلودگی پر ہجوم سکولوں' ٹریک کے تعطل' نوعمری کے حمل کی اونچی شرحوں' خطرے کی شکار انواع' اوزون کی تباہی' ٹیکسوں کی اونچی شرح' جرائم کی بڑھتی ہوئی شرحوں' شہری پھیلاؤ' بارشی جنگلات کی تباہی اور بالائی ڈھانچے کے زوال کے مابین تعلق کو واضح کرتے ہیں۔(77)

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں شراکتی تعلیم اسی دلچسپی اور تشویش پر بنیاد رکھتی ہے اور ماحولیاتی شعور کو محض ایک اضافہ نہیں بلکہ نصابی دھاگے کے مرکزی عنصر کی حیثیت دیتی ہے جسے میں نے ''زندگی کے لئے ہمدردی'' کا نام دیا ہے۔ یہ طلبہ کو نصابی ماہرانہ اور ابتدائی یورپی روایات کے ساتھ جوڑتی ہے جو فطرت کو اس چیز کا حصہ قرار دیتی ہیں جسے ہم مقدس سمجھتے ہیں اور ان کی پال پوس کرنے والے سیارے کے ساتھ ان کے روحانی تعلق کے احساس کو تقویت بخشتی ہے۔ یہ طلبہ کیلئے ایک اہم ارتقائی پیش رفت کی حیثیت سے ہمدردی کی تفہیم کو ممکن بناتی ہے۔ جس کا آغاز اس چیز سے ہوتا ہے جسے بعض سائنسدان قرابتی انتخاب اور باہمی ایثار کا نام دیتے ہیں اور جو بتدریج تمام انسانیت اور ہماری دھرتی ماں کے ساتھ ہمدردی میں ترقی پاتی ہے۔ جیسا کہ وقت کا تقاضا ہے یہ طلبہ کو نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی طور پر بھی زندگی کی نگہداشت میں سرگرم شمولیت اختیار کرنے کیلئے تیار کرتی ہے۔

شراکتی تعلیم کی چھ کلیدیں

آلات

اس بات کی تدریس کے شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کو تجزیاتی آلات کے طور پر کس طرح استعمال کیا جائے۔

ہمارے وسیع تر شخصی انتخابات اور ایک شراکتی ثقافتی وسماجی تنظیم کی تشکیل کے مابین باہمی تعلق کی توضیح۔ شراکتی خواندگیوں اور اہلیتوں کی تدریس، شراکتی عمل کے ذریعے ایک جمہوری اور ایسے ماحول کی تخلیق جونشوونما اور آموزش کیلئے سازگار ہو۔

اقدار

شراکتی طرز حیات سے مناسبت کی حامل اقدار کی تدریس اور مثال

ہمارے فطری مسکن اور ہماری کائنات کے ارتقاء کی انفرادیت کی قدر و قیمت کے احساس کی تدریس انسانی ثقافتی ارتقاء اور ہمارے سیارے اس پر موجود زندگی کی صورتوں جن میں خود ہم بھی شامل ہیں کے مقدر کے مابین باہمی تعلق کی توضیح۔

ثقافتی ارتقاء میں ہمارے کردار کے ضمن میں احساس ذمہ داری کی تدریس۔

منفی تخمینات کے مخفی ذیلی سیاق وسباق کی تفہیم اور اس پر دسترس۔

تنوع کے قابل قدر ہونے کی تدریس۔

تمام ثقافتوں پر قابل اطلاق انسانی حقوق اور ذمہ داریوں کی تدریس۔

ڈھانچے

شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کی ہیتوں کی تفہیم میں طلبہ کی مدد اقدار کے مختلف مجموعوں اور مختلف سماجی ڈھانچوں کے مابین تعلق کی توضیح

شراکت اور حاکمیت کے درمیان کشمکش کی اصطلاحات میں قبل تاریخ سے موجودہ دور تک ثقافتی ارتقاء کی تاریخ۔ زندگی کے نام نہاد پبلک اور نجی دائروں کے باہمی ربط کی توضیح۔

ایسے سکولوں کی تشکیل جو شراکتی ڈھانچوں کا نمونہ ہوں

MashalBooks.org

سائنس

طبعی علوم

نیوٹن کے مقررہ قوانین سے آگے بڑھ کر امکانات اور حادثات کی نئی فزکس تک پیش رفت۔

فطری علوم

حیوانی طرز ہائے عمل کے تنوع اور تخلیقیت اور ہمدردی کیلئے ہماری انسانی نوع کی بے پایاں لچک اور استعداد سمیت اس کے ظہور کی تفہیم۔

سماجی علوم

ایک شراکتی سماجی تنظیم اور ہماری منفرد انسانی صلاحیتوں کی تکمیل کے مابین تعلق کی تفہیم

انضمام

روایتی مضامین میں کثیر الثقافتی تعلیم کا انضمام پورے نصاب میں انسانیت کے نسوانی اور مردانہ نصفوں سے متعلق معلومات میں توازن۔

زمین پر ہماری انسانی مہم کی وسیع تر تصویر کی شمولیت کی غرض سے تعلیم کے فریم ورک کی توسیع۔

تحریک

تحقیق و تجسس کی تحریک

درست شخصی انتخابات کی حوصلہ افزائی

ایک زیادہ پرامن، منصفانہ اور پائیدار مستقبل کی تعمیر میں سرگرم شرکت کی تحریک

اختتامیہ

ہمارے بچوں کا مستقبل

بچپن کھیلنے، خواب دیکھنے اور دنیا میں جو کچھ ہے اسے کھوجنے کا وقت ہوتا ہے لیکن مستقبل پسند ایلینورا ماسینی نے جب مستقبل کے بارے میں بچوں کے تصورات کا سروے کیا تو انہیں پتہ چلا کہ متعدد بچے اپنے مستقبل کے بارے میں امید کے حامل ہونے کے بجائے خوف کا شکار ہیں۔ نیوکلیائی ہتھیاروں کے خلاف بچوں کے شاعر رفی کا لکھا ہوا ایک گیت بڑی شدت سے ان احساسات کی ترجمانی کرتا ہے۔ یہ استفسار کرتا ہے۔

''میں کبھی بڑا ہوؤں گا، ماما؟
کیا آپ سمجھتے ہیں میں بڑا ہو سکتا ہوں، پاپا؟
کیا میں اتنا بڑا ہوؤں گا کہ آپ جیسا ہو جاؤں
اتنا بڑا اور اتنا مضبوط؟'' (1)

جب بچے لڑکپن میں داخل ہوتے ہیں تو جس غیر یقینی مستقبل سے ہم دوچار ہیں ان سے متعلق آگاہی بالعموم اور زیادہ شدید ہو جاتی ہے۔ پریشان خیال اور بیگانہ، متبادلات کے واضح ادراک سے عاری اور بے بسی کے مارے یہ نوعمر بچے خود کو مہمل یا تباہ مشاغل میں غرق کر لیتے ہیں۔ بعض برگشتہ خیال اور سنکی ہو جاتے ہیں۔ بعض موجودہ لمحے کو سب کچھ سمجھنے لگتے ہیں۔ وہ جو کچھ نہ صرف ماس میڈیا بلکہ اپنے اردگرد موجود صارفانہ ثقافت میں دیکھتے ہیں اس کے زیر اثر ہوتے ہیں۔ لڑکیاں بالعموم اپنا بیشتر وقت، توانائی اور پیسہ اپنی دلچسپی اور صلاحیتوں کی ترقی کے بجائے ایسے رسائل میں پیش کی گئی ماڈلوں کی طرح نظر آنے کیلئے صرف کرتی ہیں جن کا ہدف ہی نوعمر لڑکیاں اور عورتیں ہوتی ہیں۔ لڑکے بھی عموماً مردانگی کو

کنٹرول، حاکمیت، اور ''بہادرانہ'' یا ''تفریحی'' تشدد کے مترادف گردانتے ہیں۔ بعض نوجوان افراد وقتی تبدیلی نہیں بلکہ زندگی سے فرار کے طور پر شراب اور منشیات کی طرف رخ کر لیتے ہیں۔ بعض گینگ وغیرہ میں شامل ہو جاتے ہیں، کچھ متعصب مذہبی رہنماؤں کی لفاظی کا شکار ہو جاتے ہیں جو لاتعداد ماحولیاتی، معاشی اور شخصی چیلنجوں کے تعمیری حل کی تلاش میں ان کی مدد کے بجائے الہامی قسم کے پیغامات پھیلانے اور سماجی طور پر بے مایہ و بے بس گروہوں جیسے کہ اقلیتوں اور ہم جنسوں کے خلاف نفرت اور ایذا دہی بھڑکانے پر مائل ہوتے ہیں۔

نوجوان افراد کے انفرادی مستقبل اور ایک معاشرے کی حیثیت سے ہمارے مستقبل دونوں کیلئے ایک خطرناک صورتحال ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں شراکتی تعلیم نوجوان افراد کو وہی کچھ مہیا کرتی ہے جس کی انہیں اشد ضرورت ہے۔ مستقبل کی ٹھوس امید۔ یہ ہمارے ماضی اور حال کی ایک زیادہ حقیقت پسندانہ تفہیم کے ساتھ ساتھ مستقبل کیلئے ہمارے انتخابات کی ایک زیادہ واضح تصویر بھی فراہم کرتی ہے۔ یہ شراکت کا نمونہ پیش کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ یہ ایک قابل عمل اور کہیں زیادہ اطمینان بخش متبادل ہے۔ یہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں شراکتی مقاصد کی ترویج و ترقی کیلئے رہنمایانہ کردار اختیار کرنے اور یوں خود اپنے مستقبل کی تشکیل کیلئے سرکردہ کردار ادا کرنے کے ضمن میں نوجوان افراد کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔

میں نے اس کتاب کا آغاز ایک دعوت سے کیا تھا۔ جیسا کہ ہم اس کے اختتام پر ہیں۔ میں ایک مرتبہ پھر آپ سے شراکتی تعلیم میں سرگرم انداز میں شامل ہونے کیلئے کہنا چاہتی ہوں۔ اگر ہم آج اور مستقبل کے بچوں کو یقینی بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں تعلیم کے بارے میں دقیانوسی تصورات کے ساتھ مطابقت کی ضرورت نہیں۔ ہمیں نوجوان افراد کو جو چیلنج درپیش ہیں ان سے نمٹنے کیلئے تیار کرنا ہوگا۔ ہم اس کام کو دوسروں پر نہیں چھوڑ سکتے۔ ہمیں اپنے سکولوں میں شراکتی عمل، مواد اور ڈھانچے کی ترویج کیلئے سرگرم کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔

شراکتی تعلیم کی طرف پیش رفت

خوش قسمتی سے ایسے تعلیم کاروں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے جو بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ نہ صرف اس روش کو تبدیل کرنے کیلئے جو ہمارے مستقبل کیلئے خطرہ بنی ہوئی ہے بلکہ آج اور مستقبل کے بچوں کو تخلیقی اور اہلیت کے حامل افراد میں تبدیل کرنے کیلئے بھی ضروری ہے۔ جو ساری زندگی سیکھنے کے عمل کو جاری رکھ سکتے ہوں۔ دوسروں اور خود اپنے ساتھ بخوبی تعلق استوار

کر سکتے ہوں' ماحولیاتی طور پر باشعور' لچک دار' مہم جو اور نہ صرف اپنے قریبی اعزہ بلکہ پوری انسانیت کے ساتھ محبت کرنے کے اہل ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ تعلیم کار حاکمیت' اور شراکت کی اصطلاحات استعمال نہ کرتے ہوں لیکن ان کی کوششوں کے سبب جس چیز کو میں نے شراکتی تعلیم کے طور پر بیان کیا ہے اس کے بہت سے پہلو بتدریج ہمارے سکولوں میں داخل ہو رہے ہیں۔

میں پہلے ہی سیاٹل کے ایک متبادل پبلک سکول نووا ہائی سکول کا ذکر کر چکی ہوں جہاں ایک ٹیم کی صورت میں کام کرنے اور سکول سے متعلق اساتذہ کے تقرر سمیت تمام فیصلوں میں شرکت کیلئے طلبہ کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی توجہ دلائی جا چکی ہے نووا کے اساتذہ اپنے کلاس روموں میں شراکتی نصابی مواد کو متعارف کروا چکے ہیں۔ مثلاً وہ ایک نظامی کلاس فراہم کرتے ہیں جس میں طلبہ' چیلیس اینڈ بلیڈ کے متن کی مدد سے سوچ اور آموزش کے زیادہ کلیتی طریقوں کی تحصیل کرتے ہیں (2) ملواکی' وسکونسن' کا دی فریٹرنٹی سکول' ایک اور مثال ہے۔ یہ ایک ذولسانی (انگریزی اور ہسپانوی) پبلک ایلیمنٹری سکول ہے جو بہت اعلیٰ تعلیمی معیارات کا حامل اور کثیر النسلی آبادی کی توجہ کا مرکز ہے۔ یہاں عملہ' طلبہ' والدین اور کمیونٹی کے دوسرے ارکان نصاب کی تشکیل میں گہری دلچسپی لیتے ہیں اور منتظمین' اساتذہ طلبہ کے ساتھ ہم عمر ساتھیوں کی طرح پیش آتے ہیں۔ (3) ریاستہائے متحدہ کے تجرباتی پبلک سکولوں کی ایک بڑھتی ہوئی تعداد بھی جنھیں چارٹر سکول کے نام سے جانا جاتا ہے آموزش کے حوالے سے زیادہ شراکتی جھکاؤ کے حامل عمل اور ڈھانچوں کی طرف متوجہ ہو رہی ہے۔

مانٹیسوری سڈبری کی روز ویلی کے سکول اور دوسرے متبادل نجی سکولوں میں بچوں کو اپنی دلچسپی کے مطابق کام کرنے کی بہت زیادہ آزادی دی جا رہی ہے اور خود ہدایتی آموزش' شخصی ذمے داری اور گروپ تعلقات پر زیادہ سے زیادہ زور دیا جا رہا ہے۔ والدین کی شمولیت کو ابھارا جاتا ہے اور سکول سے متعلق فیصلوں میں طلبہ بالعموم براہ راست حصہ لیتے ہیں مثلاً ان سکولوں میں جو سڈبری ماڈل کی پیروی کر رہے ہیں۔ ایسے بنیادی فیصلے طلبہ اور عملہ دونوں مل کر کرتے ہیں جیسے کہ ہر سال عملہ کن لوگوں پر مشتمل ہوگا۔ ٹیوشن فیس کس طرح خرچ کی جائے گی' سکول کے ضابطے ایک ہوں گے اور ان ضابطوں سے روگردانی پر کسے معطل یا خارج کیا جائے گا؟ اس طرح یہاں تعلق استوار کرنے کا ایک جمہوری اور غیر آمرانہ نمونہ پیش کیا جا رہا ہے۔ (4) کینیڈا کا ثانوی سطح کی تعلیم کا متبادل مرکز اور جوئل ہائی جس میں بیس کے قریب نوعمر داخل تھے انہیں خطوط قائم کیا گیا تھا۔ یہاں اساتذہ اور طلبہ کی جگہ آموزش سے متعلق صلاح کار اور متعلم رکھے گئے تھے۔ یہاں بھی نوجوان افراد اپنے انداز میں پیش رفت کرتے تھے اور خود

اپنی دلچسپیوں میں مکمل انہماک سے اور متعدد صلاح کاروں میں سے جس کے ساتھ مل کر تحصیل کرنی ہے اس کے انتخاب سے لطف اندوز ہوتے تھے۔

آسٹریلیا، اسرائیل، جرمنی، یونان، جنوبی افریقہ، ہنگری، فلپائن، اٹلی اور سویڈن جیسے ممالک میں موجود سکول باہمی تعاون پر مبنی تعلیمی طریقوں کا تجربہ کر رہے ہیں جہاں اساتذہ وسائل کے فراہم کنندہ اور تسہیل کار کا کردار ادا کرتے ہیں اور طلبہ گروپ کی صورت میں باہم مل جل کر تحصیل کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ انفرادی ذمہ داری اور کارکردگی کی مہارتوں کی تعمیر بھی کرتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ استاد ان کے گروپ لیڈر کا تقرر کرے طلبہ اپنے گروپ لیڈر کا انتخاب خود کرتے ہیں۔ لیڈر شپ کا کردار اختیار کرنے کیلئے ہر طالب علم کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اور ان میں بعض سکولوں کی انتظامیات میں باہمی تعاون پر مبنی فیصلہ سازی سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ ناروے میں قائم انٹرنیشنل موومنٹ ٹوارڈ ایجوکیشنل چینج (آئی-ایم-ٹی-ای-سی) اور کیلیفورنیا میں قائم چلڈرنز ٹیلی وژن ریسورس اینڈ ایجوکیشن سنٹر (سی-ٹریک) جیسی تنظیمیں شراکتی عمل، مواد اور ڈھانچے کے فروغ کے لئے کام کر رہی ہیں۔(5)

علاوہ ازیں متعدد سکولوں کے اساتذہ اپنی کلاسوں میں شراکتی نصابی مواد متعارف کروا رہے ہیں۔ آئیوا کی شیرون ٹامس نے ذہین بچوں کی کئی کلاسوں کیلئے شراکتی سبقی منصوبہ بندی پر کام کیا ہے۔ کینیڈا میں نینا سائمن نے اپنی کلاسوں میں شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کو استعمال کیا ہے جن میں پاکستان اور انڈیا سے لے کر جمیکا اور مقامی شمالی امریکی قبائل معاشروں تک کے متنوع نسلی پس منظر کے حامل بچوں پر مشتمل کلاسیں بھی شامل تھیں۔ مانٹیری، کیلیفورنیا میں میبج برٹ ایگل متعدد برسوں سے اپنے ہائی سکول کی کلاسوں میں دی چیلیس اینڈ دی بلیڈ پڑھنے کیلئے دے رہی ہیں۔ کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر ایسے شعبوں میں شراکتی نصاب کی تیاری جاری ہے جو مانٹیری بے، کی کیلیفورنیا سٹیٹ یونیورسٹی میں کرسٹین سلیٹر کی کثیر الثقافتی تعلیمی کلاسوں اور جنوبی سلیم کی یونیورسٹی آف نیویارک میں راب کیگل کی عمرانیات کی کلاسوں سے لے کر لانگ بیچ کی یونیورسٹی آف کیلیفورنیا میں روزمری ہافمس کے سکول کے صلاح کاری ہائے پروگرام اور شراکتی مطالعات کے پروگرام سے تعلق رکھتے ہیں۔ جسے تسالی میں قائم انٹرنیشنل پارٹنر شپ نیٹ ورک نے پریسکوٹ کالج، اریسینرونا میں متعارف کروایا تھا۔

لیکن ہمیں ایسے سکولوں اور اساتذہ کی اور زیادہ ضرورت ہے۔ ہمیں بہت سے نئے شراکتی سبقی منصوبے اور نصابی ماڈل درکار ہیں۔ ہمیں شراکتی مواد مہیا کرنے والی ویب سائٹس کے ساتھ ساتھ شراکتی تعلیم کے کلیئرنگ ہاؤس اور ایسی دوسری تنظیموں کی ضرورت بھی ہے جو اساتذہ سکول کے منتظمین اور

کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیمی شعبہ جات کیلئے دستیاب وسائل مہیا کرسکیں۔ ہمیں اساتذہ کیلئے متعدد ایسے شراکتی ترقیاتی پروگرام، ورکشاپس اور کانفرنسیں درکار ہیں جو یہ بتاسکیں کہ شراکتی تعلیم کو اس انداز میں کس طرح تشکیل دیا جائے جو والدین اور کمیونٹی کے دوسرے ارکان کی شمولیت کو بھی یقینی بنا سکے۔

ایک شراکتی ثقافت کی طرف پیش رفت

مجھے امید ہے کہ اساتذہ اور دوسرے تعلیم کار کنڈرگاٹن سے بارہویں گریڈ تک کی شراکتی تعلیم کیلئے سبقی منصوبے اور دوسرے مواد کی تیاری کے ضمن میں اس کتاب کو ایک اساس کے طور پر استعمال میں لا ئیں گے۔ یہ کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اساتذہ کی تعلیم کے شعبے شراکتی تعلیمی مواد اور عمل دونوں سے موثر انداز میں کام لینے کی خاطر اساتذہ کی تربیت کیلئے پروگرام تیار کریں گے۔ مرکز برائے شراکتی مطالعات اپنے ''مستقبل کی تشکیل، شراکتی سکول'' کے اقدام کے ذریعے اس قسم کے مواد اور پروگراموں کی تخلیق کے ضمن میں ایک عمل انگیز اور صلاح کار کا کردار ادا کرسکتا ہے۔ یہ اقدام شراکتی تعلیم کے نمونے تیار کررہا ہے جنہیں بعینیہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ اپنے حالات کے مطابق ڈھالا جاسکتا ہے اور دنیا بھر میں پھیلایا جاسکتا ہے۔ (ضمیمہ اے میں ''مستقبل کی تشکیل میں شراکت'' ملاحظہ کیجئے)

یہ مواد اور پروگرام تقویت پاکر تعلیم کو بتدریج منقلب کرسکتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ بنیادی تبدیلی ممکن ہے۔ بعض اوقات جب تبدیلی کے ذمہ دار عوامل کی ایک مناسب تعداد ایک نئے نظام کی تشکیل کیلئے ایک مرکز سے یا غیر خطی حرکیات کی اصطلاحات میں ایک کشش انگیز۔ پر مجتمع ہوجاتی ہے تو یہ تبدیلی نسبتاً مختصر وقت میں وقوع پذیر ہوسکتی ہے۔

یقیناً اس کی مخالفت بھی ہوگی نہ صرف بعض تعلیم کاروں بلکہ وسیع تر ثقافت میں پیوستہ اداروں کی طرف سے بھی تاہم، شراکتی تعلیم کیلئے حمایت بھی میسر ہوگی۔ دراصل ایسے افراد اور گروپوں کی حمایت کا ایک وسیع ذخیرہ پہلے ہی موجود ہے جو اس بات کے معترف ہیں کہ جس چیز کو میں نے شراکتی اقدار اور اداروں کی حیثیت سے بیان کیا ہے اس کی فوری ضرورت ہے۔

ماہر عمرانیات پال رے نے حال ہی میں امریکی اقدار کا ایک مطالعہ کیا ہے جس کے مطابق ریاستہائے متحدہ کی آبادی کا ایک معتدبہ حصہ (اس کا تخمینہ ہے کہ ان لوگوں کی تعداد تقریباً 44 ملین ہے) پہلے ہی متعدد شراکتی اقدار کا حامل ہے۔ امریکیوں کا یہ 24 فیصد حصہ جسے رے نے ''ثقافتی تخلیقیوں'' کا نام دیا ہے تیز رفتاری کے ساتھ بڑھتے ہوئے ثقافتی دھارے کی نمائندگی کرتا ہے۔ ثقافتی

تخلیقے بڑی موزوں اصطلاح ہے کیونکہ اگر چہ اسے ابھی تک ہمارے ماس میڈیا میں کوئی مقام نہیں دیا جاتا مگر ریاستہائے متحدہ کی آبادی کی یہ ایک چوتھائی تعداد ظہور پاتی ہوئی ایک نئی ثقافت کے اگلے محاذ سے تعلق رکھتی ہے۔(6)

رے اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ثقافتی تخلیقے خود تکمیلیت اور خود اظہاری سے ہی متعلق نہیں بلکہ سماجی انصاف اور ماحولیاتی پائیداری سے بھی سروکار رکھتے ہیں۔ وہ علاقوں اور آبادیوں کی تعمیر نو چاہتے ہیں۔ فطرت کو مقدس سمجھتے ہیں' کاروباری آلودہ کاروں کو روکنا چاہتے ہیں' کم خرچ اور کم تباہی خیز طرز حیات کی حیثیت سے رضا کارانہ سادگی میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ سفر کو پسند کرتے ہیں' بہت حد تک رضا کارانہ کام کرتے ہیں' نسواں پسندی کے حامی ہیں' ہمدردانہ تعلقات اور خاندان کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ عورتوں اور بچوں کے خلاف تشدد کے بارے میں تشویش رکھتے ہیں' کلیتی صحت' روحانیت اور فطرت میں دلچسپی کے حامل ہیں' اگر چہ شخصی افزائش پر زور دیتے ہیں لیکن یہ بالعموم سماجی فعالیت سے مملو ہوتی ہے۔ مختصراً اس نئے اور حال ہی میں نمود پانے والے گروہ میں ہمیں شراکتی اقدار کی از حد وقعت و اہمیت اور حاکمیتی اقدار کا نہایت شعوری استرداد موجود ملتا ہے۔ یہی نہیں یہاں ہمیں سماجی تحریکوں میں موثر شرکت بھی ملتی ہے جن میں شہری حقوق' امن اور ماحولیات سے لے کر سماجی انصاف' نسواں پسندی اور برادریت کی تحریکیں شامل ہیں۔

یہ بات بھی یکساں اہمیت کی حامل ہے کہ رے کوان گروپوں میں بھی شراکتی اقدار موجود ملیں جنہیں وہ ریاستہائے متحدہ کے معاشرے کے دوسرے دو بڑے ثقافتی دھاروں کے طور پر بیان کرتا ہے۔ ''دل پر بھروسہ رکھنے والے'' (29 فیصد) اور ''جدت پسند'' (47 فیصد) اگر چہ دل پر بھروسہ رکھنے والے بعض افراد کا نصب العین حاکمیتی اقدار ہیں جیسے کہ نسل' مذہب' نسلیت' جنسی رجحان اور صنف کے ضمن میں گروپ سے باہر کے لوگوں کے مقابلے میں گروپ میں شامل لوگوں سے متعلق رویے اور ساتھ ہی ساتھ ''روایتی'' (اور یوں زیادہ تر حاکمیتی) منفی تعلقات کے بجائے ہر چیز کی مخالفت' جبکہ ان میں سے کچھ دوسرے لوگوں کا نصب العین شراکتی اقدار ہیں جیسے کہ خاندانی ذمے داری (بالخصوص عورتوں میں) ہمسائیگی اور کمیونٹی کا قوی احساس (7) اگر چہ جدت پسندوں کی اقدار مادیت (اور اس کے ساتھ' صارفیت' اور ماحولیاتی نتائج کے بارے میں بالعموم تشویش کے فقدان) شخصی کامیابی (بالعموم دوسروں کے ضمن میں کسی زیادہ تشویش کی کمی) اور اس یقین پر زور دیتی ہیں کہ سائنس اور ٹیکنالوجی ہر طور پر مسئلے (جن کا یہ خود سبب ہے ان کا بھی) کا حل تلاش کر لے گی۔ یعنی ایسی اقدار جو حاکمیتی سماجی ڈھانچے اور

ٹیکنالوجی کے حاکمیتی استعمالات کو قائم رکھنا چاہتی ہیں لیکن یہ استبدادی قسم کے مذہبی اور سیاسی کنٹرول کو بھی مسترد کرتی ہیں۔ یوں یہ جدت پسند شراکتی اقدار کو جزواً قبول کرتے ہیں۔

یہ سروے اس اعتبار سے اہم ہے کہ یہ بتاتا ہے کہ امریکی معاشرے کے ان تینوں بڑے دھاروں میں شراکتی اقدار موجود ہیں۔ دراصل یہ حقیقت کہ دنیا بھر میں متعدد گراس روٹس گروپ شراکتی اقدار کی تکمیل کیلئے کام کر رہے ہیں یہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ اقدار عالمگیر انداز میں پھیل رہی ہے لیکن اس مطالعے سے متعلق اہم ترین بات یہ ہے کہ یہ بتاتا ہے کہ شراکتی اقدار کی حامل اہم تبدیلی نسبتاً مختصر وقت میں وقوع پذیر ہوسکتی ہے کیونکہ ثقافتی تخلیقیوں کی بیشتر جڑیں1960ء کی دہائی میں (یعنی محض ایک نسل پہلے) پیوست ہیں۔

دوسرے مطالعات سے نہ صرف ریاستہائے متحدہ بلکہ دنیا کے دوسرے خطوں میں ایسے ہی رجحانات کا پتہ دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر جدیدیت اور بعد از جدیدیت‘ 43 معاشروں میں ثقافتی‘ معاشی اور سیاسی تبدیلی (8) میں سیاسی محقق رونالڈ انگلہارٹ اپنے عالمی اقداری سروے کا ذکر کرتے ہیں جو یورپ اور شمالی امریکہ کے بیشتر حصوں اور ساتھ ہی ساتھ جنوبی امریکہ‘ ایشیا اور افریقہ کی بعض اقوام میں شراکتی رجحانات کی نشاندہی کرتا ہے۔ انگلہارٹ استبدادیت‘ اس نقطہ نظر کے خلاف کہ عورتوں کیلئے واحد بھرپور اور مناسب کردار صحت کا ہے‘ مسلح افواج اور پولیس پر اس اعتماد کے خلاف کہ وہ قومی اور بین الاقوامی مسائل کو حل کر سکتی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں حاکمیتی اقدار کے خلاف تبدیلی کی خبر دیتا ہے۔ اس کا سروے شراکتی اقدار کی تحریک کا پتہ بھی دیتا ہے جیسے کہ جنسی معیاروں اور منفی کرداروں کے ضمن میں ازحد لچک‘ ماحولیاتی مسائل اور معاشی انصاف کا زیادہ شعور‘ قوم پرستی میں کمی اور تسلی بخش تعلقات‘ والدین بچے کا بندھن‘ بامعنی کام اور تنازعات کے غیر متشددانہ حل میں بڑھتی ہوئی دلچسپی۔

انگلہارٹ کے نہایت دلچسپ نتائج میں سے ایک نتیجہ اس یقین پر بڑھتا ہوا اعتماد ہے کہ بالعموم لوگوں پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک ایسا یقین جو حاکمیتی عقائد اور معمولات کی شکستگی کی عکاسی کرتا ہے۔ بقا سے متعلق اقدار (جو حاکمیتی رجحان کے حامل معاشروں میں ہمیشہ غالب ہوتی ہے جہاں مصنوعی قلتیں‘ زندگی کے لئے خطرات اور بقا کو لاحق دوسرے خطرات خود نظام کے پیدا کردہ ہوتے ہیں) پر توجہ سے اس چیز پر توجہ میں تبدیلی بھی خصوصی دلچسپی کی حامل ہے جسے وہ آسودگی سے متعلق اقدار ثقافتوں کی انسانی ترقی سے ہم آہنگ انسانی بہبود کی مخصوص ''نسوانی'' اقدار جو شراکتی‘ حاکمیتی تسلسل کے شراکتی پہلو کی طرف جھکاؤ رکھتی ہوں) کا نام دیتا ہے۔

شراکتی تعلیم کے لئے بڑا چیلنج دنیا کے ایک ایسے شراکتی نقطہ نظر میں تبدیلی کی اس ثقافتی تحریک کو توسیع دینا اور مہمیز کرنا ہے جو ایک زیادہ پائیدار' منصفانہ اور پرامن دنیا کیلئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مقصد کا حصول جرأت' مستقل مزاجی اور صبر وتحمل کا متقاضی ہوگا۔ مزاحمتیں اور پسپائیاں بھی سہنی پڑیں گی لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر ہم اپنے ذہن میں یہ بات رکھیں کہ ہمارے بچوں اور ہمارے سیارے کا مستقبل داؤ پر ہے تو ہم کامیاب ہو سکتے ہیں۔

مستقبل کی شراکتی سکول

اس کتاب کی افتتاحی سطور میں میں امکانات اور امیدوں کی بات کی تھی۔ میں اسی بات پر کتاب کو ختم کرنا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں ہم سب مل کر مستقبل کے شراکتی سکول کا تصور تشکیل دیں اکٹھے مل کر شراکتی تعلیم اور ثقافت میں تبدیلی کو تکمیل تک پہنچاتے ہوئے ہم ایسے سکول تعمیر کر سکتے ہیں۔

جب میں مستقبل کے سکول کا تصور کرتی ہوں تو میرے ذہن میں مہم جوئی' طلسم اور جوش جذبات کی حامل ایک جگہ' ایک ایسی جگہ کا خیال آتا ہے جسے افراد نسلوں بعد تک اپنی جوانی کے اچھے وقت کے طور پر بخوشی یاد رکھیں گے۔ اس بات کو یقینی بنانے کیلئے کوشاں رہیں گے کہ تمام بچے بھرپور' ہمدردانہ اور اطمینان بخش زندگیاں گزارنا سیکھ سکیں۔ ایک تقریب کا سا ماحول اس سکول میں آمد کو کام کے بجائے ایک استحقاق کا درجہ دے گا۔ یہ ایک محفوظ جگہ ہوگی جسمانی طور پر محفوظ' جذباتی طور پر محفوظ' احساسات اور خیالات کا اظہار اور تبادلہ کرنے' تخلیق کرنے اور لطف اندوز ہونے کی ایک جگہ' ایک ایسی جگہ جہاں انسانی روح پروان چڑھے گی اور نشوونما پائے گی۔ جہاں روحانی جرأت کا نمونہ پیش کیا جائے گا اور اس کا صلہ دیا جائے گا۔

اس شراکتی سکول میں بچے ارتقا کے عجوبے اور اسرار کے بارے میں پڑھیں گے۔ جب وہ آسمان کی طرف دیکھیں گے تو انہیں اس حیران کن سچائی کا ادراک ہوگا کہ ہمارے ستارے جو دور سے اتنے چھوٹے چھوٹے معلوم ہوتے ہیں نہ صرف بہت بڑے بلکہ بے انتہا توانائی سے روشن ہیں اور یہ کہ ان ستاروں میں سے ایک ستارے یعنی ہمارے سورج کی توانائی کی بدولت یہاں زمین پر زندگی کا معجزہ ممکن ہوا۔ وہ یہ جان کر ششدرہ رہ جائیں گے کہ بے جان چیزیں جاندار کیسے بن گئیں اور یہ جادو انہیں اپنی گرفت میں لے لے گا کہ زندگی خود کو لاتعداد صورتوں میں بار بار کس طرح ایجاد کرتی رہی ہے۔ جب وہ کسی کنکر' پتے یا بارش کی بوند کو دیکھیں گے تو وہ اس بات سے باخبر ہوں گے کہ باریک ترین جوہری

MashalBooks.org

ذرات اپنی خصوصیات میں ستاروں کے بڑے بڑے جھگھٹوں سے مماثلت رکھتے ہیں۔ یہ کہ توانائی اور مادہ حقیقتاً علیحدہ چیزیں نہیں اور یہ کہ ہمارے سیارے پر زندگی کی تمام صورتیں یکساں جینیاتی کوڈ کے عناصر کی حامل ہیں اوران کا جدامجد ایک ہی ہے۔ وہ اس بات کی سمجھ رکھتے ہوں گے کہ زندگی کی یہ باہم مربوط ویب جسے ہم فطرت کہتے ہیں بے حد پائیدار ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی نازک بھی ہے یہ کہ ہمیں اپنے فطری مسکن کے ساتھ ہمدردی اور احترام سے پیش آنے کی ضرورت ہے۔ صرف اس لئے نہیں کہ ہم اپنی بقا کیلئے فطرت کے محتاج ہیں بلکہ اس لئے بھی کیونکہ فطرت ایک عجوبہ اور حسن ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ہماری مقامی امریکی اور قبل تاریخی یورپی شراکتی روایات ہمیں بتاتی ہیں یہ مقدس سے معمور ہے۔

اس شراکتی سکول میں نوعمر افراد ہماری زمین پر زندگی کی متعدد تحیر خیز کہانیاں سنیں گے۔ انہیں یہ آگہی ملے گی کہ متعدد انواع کی زندگی میں باہمی تعاون اور ہمدردی بہت اہم کردار ادا کرتی ہیں جو اس سیارے پر ہماری شریک ہیں اور یہ کہ ہماری تکلیف پہنچانے کی استعداد نہیں بلکہ خوشی دینے اور محسوس کرنے کی ہماری بے پایاں استعداد ہماری انسانی نمود کا امتیازی وصف ہے۔ انہیں ان کیمیائی مادوں کے بارے میں پتہ چلے گا جو ارتقا کی بدولت ہمارے جسموں میں جاری وساری ہیں اور جب ہم تخلیق اور محبت کرتے ہیں تو ہمیں بعض اوقات انتہائے مسرت کے احساسات سے نوازتے ہیں۔ انہیں یہ بات سمجھ آئے گی کہ نہ صرف جب ہم سے محبت کی جاتی ہے بلکہ جب ہم کسی سے محبت کرتے ہیں نہ صرف جب ہمیں محبت سے چھوا جاتا ہے بلکہ جب ہم کسی کو محبت سے چھوتے ہیں تو یہ مسرت ہمارا مقدر ہوتی ہے۔

مستقبل کے بچے اس بات سے باخبر ہوں گے کہ قطع نظر اس سے کہ ہمارا رنگ یا ثقافت کیا ہے۔ ہم سب لاکھوں برس پہلے افریقہ کی ایک مشترک ماں سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ انسانی کے نسوانی اور مردانہ نصفوں کے درمیان اختلافات سے ابتداء کرتے ہوئے تنوع کو قابل قدر جانیں گے۔ وہ ایسی ذہنی نقشوں کے حامل ہوں گے جو ان لوگوں کو قربانی کا بکرا اور نشانہ ستم بنانے پر منتج نہیں ہوتے جو عین مین ان جیسے نہیں ہوتے۔

لڑکیاں اور لڑکے اپنی انسانی صلاحیتوں کی بے پایاں وسعت سے آگاہ ہوں گے۔ وہ خود اپنے اور دوسروں کے اندر مثبت چیزوں کو پروان چڑھانے کے قابل ہوں گے۔ وہ اس بات کو سمجھتے ہوں گے کہ حقیقی سیاسی اور معاشی جمہوریت کیا ہوتی ہے اور اسے تخلیق کرنے اور برقرار رکھنے کے قابل ہوں گے۔ وہ پوری انسانی تاریخ میں عورتوں کی خدمات کو قابل قدر سمجھنے اور ہمدردی اور نگہداشت کے کام کو خصوصاً وقیع جاننے کے اہل ہوں گے جیسے کبھی ''محض عورت کے کام'' کی حیثیت سے ادنیٰ گردانا جاتا تھا۔ وہ

MashalBooks.org

اس بات کو بھی سمجھتے ہوں گے کہ یہ کام عورتوں اور مردوں دونوں کی بہترین توجہ کا حقدار ہے۔ یہ کہ عدم تشدد اور شفقت لڑکوں کو زنخا نہیں بناتی اور یہ کہ جب لڑکیاں پر اعتماد لیڈر کے طور پر سامنے آتی ہیں تو وہ ''غیر نسوانیت'' کی حامل نہیں بن جاتیں بلکہ اپنی انسانی صلاحیت کا اظہار کرتی ہیں۔

مستقبل کے اس سکول میں بچے شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کے آلات کو اسی مہارت سے استعمال کرنے کے قابل ہوں گے جس طرح وہ کمپیوٹر ٹیکنالوجی کو استعمال کر رہے ہیں۔ شراکتی خواندگی اور اہلیت نصاب کے تمام پہلوؤں میں شامل ہوگی۔ بچے سزا اور تکلیف کے ڈر کی وجہ سے نہیں بلکہ ذمہ دارانہ اور حقیقتاً اطمینان بخش زندگیوں اور تعلقات کی مسرت کے توقع میں اپنی فطری تحریکوں کو ضبط میں لانا سیکھیں گے۔

''ایمان کی بڑی جست''

شراکتی دنیا کی جانب گامزن

بشکریہ: ''ایمان کی بڑی جست'' از جین ایورز بیڈ

ایسی بہادر عورتوں اور مردوں کے قصے سنائے جائیں گے جنہوں نے ایک محفوظ اور زیادہ منصفانہ دنیا کے لئے کام کیا۔ تحریک پیدا کرنے والی لیڈر شپ کی کہانیاں کہی جائیں گی۔۔ شراکتی سماجی اور معاشی ایجادات کی ترقی کیلئے تجربہ گاہیں ہوں گی۔ نہ صرف فطری علوم سے متعلق تحصیل بلکہ سماجی علوم اور اس بات سے متعلق تجربہ گاہیں بھی کہ ہم انہیں ایک شراکتی دنیا کی تخلیق کیلئے کس طرح کام میں لا سکتے ہیں۔

شراکتی تعلیم ہر فرد کے شعور کا حصہ ہوگی کیونکہ تمام لوگ اس بات کو تسلیم کرتے ہوں گے کہ بچے ہمارا انتہائی بیش قیمت اثاثہ ہیں۔ ہم میں سے ہر کوئی ممکنہ طور پر منفرد انداز میں ان کی پرورش' تربیت اور حوصلہ افزائی کرے گا تاکہ یہ پھل پھول سکیں۔ شراکتی سکول پوری کمیونٹی کے اور پوری کمیونٹی کیلئے وسائل کی حیثیت رکھتے ہوں جو الیکٹرانیاتی ابلاغیات کے ذریعے دوسرے سکولوں' لوگوں اور اقوام سے منسلک ہوں گے اور ایک عالمی کمیونٹی کی تشکیل کریں گے۔

شراکتی سکولوں میں مستقبل کے بچے اس چیز سے متعلق تصورات وضع کریں گے کہ کیا ہو سکتا ہے اور ان تصورات کو شرمندہ تعبیر کرنے کیلئے تفہیمات اور مہارتوں کا اکتساب کریں گے۔ اس بات کی تحصیل کریں گے کہ دنیا بھر میں شراکتی خاندان اور آبادیاں کیسے تخلیق کی جائیں اور وہ ایک ایسی دنیا کی تعمیر کیلئے باہم ایک ہوں گے جہاں تشدد' عدم مساوات اور بے حسی ''چیزیں ایسے ہی ہوتی ہیں'' کی طرح نہیں بلکہ ''چیزیں کبھی ایسی ہوتی تھیں'' کی طرح ہوں گی۔

ہم میں سے متعدد لوگ مستقبل کے شراکتی سکول کی تشکیل کیلئے بعض تعلیمی تعمیراتی بلاک پہلے ہی تیار

کرر ہے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے ان صفحات میں دیکھا ہمارے پاس بہت سے وسائل ہیں جن سے کام لیا جاسکتا ہے اور جنہیں ترقی دی جاسکتی ہے۔ ہم نے دیکھا کہ بہت کچھ ایسا بھی ہے جو ہمارے راستے میں حائل ہے لیکن ہم اکٹھے مل کر کام کرتے ہوئے شراکتی سکول کے اصولوں پر مبنی ایک نیا تعلیمی نظام تعمیر کر سکتے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے ہم نے صرف نئی تعلیم کی جس کی اکیسویں صدی کے نوعمر افراد کو ضرورت ہے بلکہ ایک زیادہ پائیدار، منصفانہ اور ہمدردانہ دنیا کی بنیاد بھی رکھیں گے۔

☆☆☆

MashalBooks.org

اضافی ماخذ

ضمیمہ اے

نصابی نمونہ

MashalBooks.org

مواد اور ہینڈ آؤٹ

اس فہرست میں دیئے گئے کچھ مواد کو ہینڈ آؤٹ کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے اور اس کی نقل کی اجازت دی جاتی ہے۔

''ایلیمنٹری سکول میں مطالعہ شراکت کی تدریس پر ایک نظر'' ....از شیرون ٹامس صفحہ..........................259
''شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں سے متعلق ہائی سکول کی کلاسوں کیلئے لیکچر نوٹس'' (ریان آئس لر کی ''دی چیلیس اینڈ دی بلیڈ'' پر مبنی) از میج برٹ ایگل......261
''ہائی سکول کی کلاسوں کیلئے شراکتی اخلاقیات سے متعلق ہینڈ آوٹ'' از میج برٹ ایگل.....265
''شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں پر مبنی گریڈ 10 کیلئے شاعری کا یونٹ'' از نینا سلور......266
''ہائی سکول کی میڈیا خواندگی کی کلاس کیلئے شراکتی اور حاکمیتی نمونوں سے متعلق ٹیسٹ'' از نینا سلور..........269
میڈیا خواندگی ٹیسٹ کے جوابات'' از ونسینز ورچی.........271
ہائی سکول کی عالمی تاریخ کی کلاس کے طلبہ کیلئے مضمون'' از مزکہ ایونز.........273
''ہائی سکول کیلئے ثقافتی قلب ماہیت کے نظریہ سے متعلق مشق'' از روبن اینڈ ریا.......277
''اپنے جسموں کے ساتھ شراکت'' از پیٹریشیا میتھز کین...........279
''ٹیسٹوسٹیرون کے استعمال کا تدارک؟'' از جین سیگ مین معہ بروس شینز....282
''بن مانس اور انسان کا موازنہ''............283
''شراکت کی زبان'' اقتباس از شراکتی انداز' از ریان آئس لر و ڈیوڈ لوئی......284
''حاکمیتی اور شراکتی ماڈلوں کیلئے کلیدی الفاظ''...........285
میکیاویلی اور آئزلر' تعلیم 700 کیلئے حتمی امتحانی سوال'' از مشیل سٹیک.....286
''چیلیس اور تلوار' حتمی امتحانی سوال کا جواب'' از رلے گین..........287
''عمرانیات 307 (انسانی جنسیت'' کے نصاب سے اقتباسات'' از مارگریٹ کراؤڈز........288
''عمرانیات 305 (عورتوں کی عمرانیات) کیلئے اداکارانہ کردار اور تخلیقی منصوبوں سے اقتباسات'' از مارگریٹ کراؤڈز.............291
''مستقبل کی تشکیل میں شراکت''..........294

MashalBooks.org

''ایلیمنٹری سکول میں
مطالعہ شراکت کی تدریس پر ایک نظر''

از شیرون ٹامس

کیا آپ کو نوجوانی کے وہ دن یاد ہیں جب کبھی کوئی نئی چیز آپ کے علم میں آتی تھی تو آپ آئندہ کچھ عرصے کیلئے (اور ہر جگہ ایسا ہی ہوتا تھا) اس سے متعلق کسی بھی معلومات (یا شے) کے جمع کرنے کے شوق میں گرفتار رہتے تھے؟ اسی چیز کو ذہین میں رکھتے ہوئے' میں نے اپنی 4 تا 6 گریڈ پر محیط تین ذہین و فطین سروس لرننگ کلاسوں کے ساتھ ''شراکتی شوقینوں'' کی تخلیق کا کام شروع کیا۔ اسے ذہین بچے کے جنون' یا کسی بچے کے فطری تجسس کا نام دے لیں۔ میں نے اس مظہر کو شراکتی مطالعات کی تعمیری سمت میں موڑنے کی کوشش کا فیصلہ کیا۔ میں یہ سمجھتی تھی کہ اس جمع کرنے کے شوق میں جو تفریح مضمر ہے اگر اسے کام میں لایا جائے تو کسی بچے کیلئے ایک بار آور زندگی کی خاطر اس کے پیغامات کو اپنی شخصیت کا حصہ بنانے کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔

شراکتی مطالعات کے ساتھ میرے مختصر مگر مثبت تجربات کی ابتداء ہوئی۔ اس شعبے سے میرا ابتدائی تعارف کا نقشہ ہمارے نئے سروس لرننگ پراجیکٹ کے ساتھ واضح ہوا۔ یہ ایک ایسا شعبہ تھا جس کے بارے میں میری کلاسوں میں مثبت تاثر موجود تھا اور اس کا سبب پہلے تکمیل پانے والے منصوبے تھے۔

شروع ہی سے خصوصی ''شوقیہ نوٹ بکس'' رکھنے کی وجہ سے ایک اہمیت کا احساس پیدا ہو گیا جنہیں ہم نے کلاس کے ارکان کی سوچی ہوئی شراکتی علامتوں کو ان کے سرورق پر دے کر انہیں ذاتی رنگ دے

دیا تھا۔ بعدازاں حقیقی شراکت کی خصوصیات کی توضیح کا مسئلہ سامنے آیا۔طلبہ نے بڑی تیزی سے اس ماڈل اور حاکمیتی ماڈل کے درمیان اختلافات کی نشاندہی کی۔وہ اب ان حساسیتوں سے مسلح تھے جو ان کا انٹینا شراکتی مثالوں کو سونگھنے کی خاطر طلب کرسکتا تھا تاکہ کلاس کے ساتھ ان کا تبادلہ کیا جاسکے۔

دلچسپی خاصی تھی اور اس تصور نے بہت تیزی سے جڑ پکڑی۔طلبہ ہر ہفتے متعلقہ موضوعات پر کوئی مختلف کتاب پڑھتے تھے۔یہ کتابیں جین کریگ ہیڈ جارج' برڈ ہیلر' کی مصنفہ اور ویلیوٹیلز کے سلسلے سے تعلق رکھتی تھیں۔پھر ہم نے ان مضامین کے ذریعے کام کیا جو میں نے اکٹھے کئے تھے۔یہ ایسے جانوروں کے بارے میں تھے جو مدد سے متعلق شاندار کہانیوں میں انسانوں کے ساتھ شراکت دار تھے۔پھر سماجی کارکنوں کی کہانیاں آئیں جن میں انسانوں کا مقصد کسی نہ کسی انداز میں خدمت تھا۔''کوآپریٹو ڈبل سولیٹر''اور''فروزن بین بیگ'' کھیلنے کیلئے بچے پاگل ہورہے تھے۔یہ دونوں باہمی تعاون اور شراکت پر مبنی کھیل تھے۔فروزن سولیٹیر میں طلبہ بین بیگ کو اپنے سروں پر تھامے رکھنے میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔جب کسی طالب علم کا بین بیگ گرجائے تو جب تک کوئی ہم جماعت اس کی مدد کو نہ آئے اسے ساکت رہنا پڑتا ہے۔

پھر ہم نے''اتفاقیہ مشفقانہ کام'' سے متعلق تحریروں کا ایک سلسلہ پڑھنا شروع کیا اور یہ چیز طلبہ کے لئے ایک چیلنج تھی کہ آنے والے ہفتوں میں وہ کلاس میں کتنے مشفقانہ کام بتاسکتے ہیں۔

جب سیمسٹر اختتام کو پہنچنے والا تھا ایک مقامی بینک نے کمیونٹی ہیومن ریلیشنز کانفرنس منعقد کی۔ میرے پرنسپل کی تجویز تھی کہ ہماری کلاس اس میں شریک ہو اور شراکتی ماڈل کی ہماری کھوج کے اختتام کے حوالے سے یہ بڑی زبردست تقریب/آؤٹنگ ثابت ہوئی۔اس صبح ان طلبہ نے ہماری کمیونٹی سے تعلق رکھنے والے متنوع مقررین میں سے ہر ایک کو شراکت کے فلٹر کے ذریعے سنا (اور شراکت کے عدسے کے ذریعے دیکھا) مجھے یقین ہے کہ اس کے بعد تلخیصات کے ہمارے سیشن پر سامعین حیران رہ گئے ہوں گے کہ کانفرنس میں شریک ہونے والے ان بچوں نے ان تصورات اور پیغامات کو کتنے بہتر انداز میں سمجھا ہے۔ان کا آئندہ برس شرکت کا عہد' اس فریضے کیلئے ان کے جوش وجذبے کا مظہر تھا جسے مطالعہ شراکت کا نام دیا جاتا ہے۔

’’شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں سے متعلق
ہائی سکول کی کلاسوں کے لئے لیکچر نوٹس‘‘

(ریان آئس لرکی’’دی چیلیس اینڈ دی بلیڈ‘‘ پر مبنی)

از میج برٹ ایگل

شراکتی اور حاکمیتی ماڈل ہمارے سامنے دو انتخابات رکھتے ہیں۔شخصی سطح پر کہ ہم اپنی زندگیاں کس طرح گزارتے ہیں اور سماجی سطح پر کہ سماج کے حاکمیتی یا شراکتی کس ماڈل کا انتخاب کیا جائے۔

دی چیلیس اینڈ دی بلیڈ‘‘ ایک ایسی کہانی سناتی ہے جو شہادت سے مطابقت رکھتی ہے۔ یہ کتاب ایک کثیر الشعبہ جاتی مطالعے پر مبنی ہے۔اور اس مسئلے کا جائزہ لیتی ہے کہ ایک پائیدار مستقبل کی تعمیر کیلئے کس طرح کام کیا جائے۔

جنگ اور صنفوں کے مابین جنگ باہم مربوط ہے۔ دی چیلیس اینڈ دی بلیڈ کا اہم ترین نکتہ بربریت کے متبادلات ہیں۔

دی چیلیس اینڈ دی بلیڈ دوسرے مطالعات سے مختلف کس طرح ہے؟ ’’انسان‘‘ کو ایک جنرک اصطلاح کہا جاتا ہے مگر روایتی انسانیات / آثاریات کے متنوں میں عورتوں کی سرگرمیاں چند صفحات پر ہی مشتمل ہوتی ہیں۔ آئس لر ایک صنفی کلیتی انداز نظر اختیار کرتی ہیں۔ان کی معلوماتی اساس میں پوری انسانیت شامل ہے۔اگر ہم کسی تصویر کے محض ایک حصے پر نظر ڈالیں تو جو کچھ ہمیں نظر آتا ہے وہ غیر واضح ہوتا ہے جو کچھ ہم دیکھ نہیں پاتے وہ اس کا سانچہ یا قالب ہوتا ہے۔

ایک کلیتی انداز نظر تشخیص کا تقاضا کرتا ہے۔ہم انسان کہانیوں پر جیتے ہیں۔ پرانی کہانیاں زیادہ تر

متبادلات کو ناممکن بنا دیتی ہیں مثلاً گناہ اول، ہم برے ہیں اور ہم عورت کی وجہ سے برے ہیں اور یہ چیز مردانہ حاکمیت کا جواز ہے۔ یہ حاکمیت ایک غیر صحت مندانہ کشمکش کو جنم دیتی ہے۔ عورت عیاری واغماض پر مجبور ہو جاتی ہے جبکہ مرد کے جبر کا استقرار ضروری ٹھہرتا ہے۔

ایک اور مثال ''سائنسی'' کہانی ہے یہ عام طور پر مذہبی کہانی کے برعکس ہوتی ہے۔ تاہم سائنس کی شروعات بھی مردانہ حاکمیت سے متشکل ہوتی ہے مثلاً ''ہم سب خود غرض جین کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں'' لہٰذا طاقتور لازماً حاکم ہوگا اور حاکمیت کا نمونہ ہوگا۔ ''ہاں متبادلات کا کوئی وجود نہیں!'' یہ کہانیاں درست ہیں؟ ہم کہانیوں پر زندہ رہتے ہیں جب ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ متبادلات کا کوئی وجود نہیں تو ہمارے تبدیل ہونے کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔ ہم کوشش کرتے ہیں اور ہمیں کہا جاتا ہے لیکن ''یہ کام نہیں ہو سکتا'' (ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ شراکتی ماڈل ممکن ہو گیا ہے اور بہت عرصے تک ممکن رہے گا۔ شاید یہی مردوں اور عورتوں کے باہمی تعامل کیلئے ''فطری'' راستہ ہے)

ایک اہم آثاریاتی انقلاب کے ذریعے شروعات کی ایک نئی کہانی ظہور میں آ رہی ہے۔ ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ جنگ ناگزیر ہے کہ یہ زندگی کا حصہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ چیزیں اسی طرح ہوتی ہیں لیکن نئی برآمدہ شہادت بتاتی ہے کہ مرد اور عورتیں کئی صدیوں زیادہ پرامن معاشروں میں باہم زندہ رہے ہیں۔

آثاریات ایک کثیر الشعبہ جاتی علم ہے جو لوک ریت، اسطوریات، حیاتیاتی قدیمہ، سے کشید کرتا ہے تاہم یہ نسبتاً ایک نیا علم ہے۔ جب انیسویں صدی میں آثاریات کی ابتداء ہوئی تو کھدائی کرنے والوں کو قبروں کے لٹیرے سمجھا جاتا تھا جو بڑے بڑے یورپی عجائب گھروں کے لئے خزانوں کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ جیسے جیسے ہمارے ادراکات نظامی جھکاؤ اختیار کرتے گئے وہ بھی زیادہ صنفی، کلیتی بنتے گئے مثلاً مرد ایک شکاری ہے مگر دوسرے مرد کیا کر رہے تھے؟ اور عورتیں؟ تنوع کو نمائندگی دینا پیراڈائم کی تشکیل نو کے مترادف ہے۔

پیراڈائم کا مسئلہ (کوہن) ''آپ کا مطلب ہے کہ میں نے اپنی زندگی کے 25 برس اس طرح گزارے ہیں اور اب آپ مجھے یہ بتا رہے ہیں کہ یہ سب غلط ہے؟ ہم تبدیلی سے خوف کھاتے ہیں۔

مسیحی عہد سے 3200 سال قبل کے سمیر سے پہلے متعدد تہذیبیں پروان چڑھیں۔ جس انداز میں ان کی تشکیل ہوئی تھی وہ ان انداز سے مختلف تھا جس کے بارے میں ہمیں پڑھایا جاتا ہے کہ معاشروں کی تشکیل اس طرح ہونی چاہئے۔

نو ہجری دور ابتدائی زرعی معاشرے، یہ تہذیب کی ابتدا تھے اور خوراک کی قابل اعتبار رسد کے حامل۔

ان کی باقیات میں جنگ کے ذریعے تباہی کے نشانات کا شدید فقدان ہے اور قلعہ بندی مفقود۔ آرٹ (وہ مواد جس سے خواب تشکیل پاتے ہیں) میں مردوں کے مابین بہادرانہ لڑائی موجود نہیں' قیدیوں کو زنجیروں میں گھسیٹتے مقدس حکمران موجود نہیں' عورتوں کو ریپ کرتے مرد موجود نہیں (نوٹ: بعد کی کہانیوں اور آرٹ میں زیورس کو ہر کسی کو ریپ کرتا دکھایا جاتا ہے...... (ریپ ''دیوتائی'' کھیل تھا) تشدد کو مثالی بنا کر پیش نہیں کیا جاتا اور جنگ وجدل کے نشانات کم کم ہیں۔ یہ شراکتی ہیئت کا حصہ اول ہے۔

دولت کی زیادہ منصفانہ تقسیم بھی ہے مثلاً کتال ہیوک' مائنوئی کریٹ میں' یہ اور ایک زیادہ جمہوری کم استبدادی ڈھانچہ' شراکتی ہیئت کا حصہ دوم ہیں۔

جب ہم پیچیدہ نظاموں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں سبب۔ نتیجے کی سادہ خطی حرکیات دیکھنے کو نہیں ملتی بلکہ ایک دوسرے کو تقویت پہنچانے والے تعاملات نظر آتے ہیں۔ مثلاً جب آپ کا جگر کام کرنا چھوڑ دے تو جلد ہی آپ کا گردشی نظام بھی متاثر ہو جاتا ہے۔ وغیرہم۔ یہ ایک باہمی تعامل کی حامل ہیئت ہے۔

شراکتی ہیئت کا حصہ سوم۔ یہ ٹھوس شہادت ہے کہ ان معاشروں میں مرد عورتوں کو زیر حکم نہیں رکھتے تھے۔ عورتوں کو کاہناؤں' کاریگروں' جہاز کے کپتانوں کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔ انہیں گھر کی نجی دنیا کے حوالے نہیں کر دیا جاتا جیسا کہ بعد ازاں ان کے ساتھ قدیم یونان میں کیا گیا۔ جو پہلے ہی ایک غلام معاشرہ تھا جہاں اس کی مشہور زمانہ ''جمہوریت'' کے باوجود تمام غلام عورتیں اور مرد (آبادی کی وسیع اکثریت) کسی نمائندگی کے حامل نہیں تھے۔ ایک استبدادی ریاست کی جڑیں ایک استبدادی خاندان (جہاں گھرانہ جابرانہ حکومت کا نمونہ اصغر ہوتا ہے) میں پیوست ہوتی ہیں۔

چہارم: ابتدائی معاشرے کائنات کی تخلیقی قوتوں کو جس انداز میں تصور کرتے تھے وہ کوئی بجلی کا کڑکا' کوئی ہتھیار نہیں تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ سب سے بڑی قوت غلبہ پانے کی قوت' تباہ کرنے کی قوت ہے بلکہ وہ تخلیق کو ایک چیلیس (پیالہ) کے طور پر تصور کرتے تھے یعنی زندگی کو برقرار رکھنے والا' زندگی کو منور کرنے والا' کائنات کو جس قوت نے تخلیق کیا وہ عظیم ماں ہے جس کے پیٹ سے تمام زندگی جنم لیتی ہے اور موت اسی پیٹ کی طرف رجوع کرتی ہے۔

انکار (بلیڈ یا تلوار کی ذہنیت کے سبب) کہ زندگی کا ظہور عورت کے جسم سے ہوتا ہے یہ انکار ہماری پوری اسطوریات پر پھیلا ہوا ہے۔ عورت محض ایک ضمنی خیال کی تخلیق ہے آدم کی پسلی سے۔

بعد کی مجسمہ نگاری میں بھی دیوی ہمیشہ الوہی بیٹوں اور الوہی بیٹیوں کی حامل تھی۔ مصری آئسس الوہی بیٹے ہورس کی' یونانی ڈیمیٹر بیٹی پرسی فون کی۔ مرد اور عورتیں دونوں الوہی تھے۔ سموں اور سنگیوں والا

دیوتا' بیل دیوتا مردانہ اصول ہے جو دیوی کا ساتھی ہے۔ دیویوں کی شبیہوں کو سیدھی تنی ہوئی ''یو'' کی شکل میں ہاتھ باندھے بازو اوپر کئے' چہرہ اندر کی طرف جھکائے' توانائی کا ایک ہالہ تخلیق کرتے دکھایا جاتا ہے۔

جب انیسویں صدی میں ان ابتدائی معاشروں سے متعلق شہادت سامنے آنی شروع ہوئی تو محققین نے فیصلہ کیا کہ اگر ہمارے ابتدائی معاشرے پدرسری نہیں تھے تب تو ہمیں انہیں مادرسری سمجھنا ہوگا۔ حاکمیتی ماڈل میں سماجی تنظیم کا بنیادی اصول درجہ بندی ہے لہٰذا یہ مائنڈ سیٹ غلط نتائج پر منتج ہوا۔

حاکمیتی ماڈل میں مرد درجے میں عورتوں سے اوپر ہوتے ہیں اور جیسا کہ تمام درجہ بندیوں میں ہوتا ہے چاہے یہ نسل پر نسل کی' یا قوم پر قوم کی ہوں اسے تشدد سے تقویت دی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسا ماڈل ہے جو اصلاً خطرناک ہے اگر آج ہمارے دور میں بلیڈ تلوار کی نمائندگی نیوکلیئر بم سے کی جاتی ہے تو ہمیں کوئی اور متبادل ڈھونڈنا چاہیے۔

پدرسری کا متبادل مادرسری نہیں بلکہ شراکت ہے یہاں کمتر/برتر کے تعلق کا فرق (مراد ہے تنوع) نہیں۔

ہر معاشرہ زیادہ شراکت مائل ابتدائی دور کی لوک یادداشتوں کا حامل ہوتا ہے۔ چین میں ین یا نسوانی کی تعظیم وتکریم کی جاتی تھی۔ عدن (نوحجری معاشروں کے لگائے ہوئے باغ) میں عورتوں اور مردوں میں ہم آہنگی موجود تھی۔ کوئی عورت کسی سانپ کی بات پر کان کیوں دھرے گی؟ سانپ ابتدائی عہد کی مافوق البشر ہستیوں میں سے تھا۔ (1) یہ اپنی کینچلی کو اتارتا' ترک کرتا اور دوبارہ پیدا کر لیتا ہے اور تخلیقی قوتوں کی علامت کا کام دیتا ہے۔ (2) ڈیلفی کا ہاتف ایک سانپ (اژدہا) تھا اور سبل یا کاہنہ ایک ایسی عورت تھی جو سانپ سے حکمت چاہتی تھی۔

یقیناً یہ ابتدائی معاشرے مثالی نہیں تھے لیکن یہ ایسے معاشرے تھے جن کی تشکیل شراکتی ماڈل کے رخ پر ہوئی تھی۔ ہر بلیڈ (تلوار) میں بحرانی تبدیلی کے 5000 سال آ گئے اور اب ہم پھر موڑ مڑ رہے ہیں۔

ہم انکار کے عمل کو سمجھ رہے ہیں ہم متبادلات اور حاکمیتی ماڈل سے ہم سب کو جو خطرہ لاحق ہے اس زیادہ آگہی کے حامل ہو رہے ہیں۔ ایک خاص عرصے کے بعد حاکمیتی ماڈل اپنے آپ کو خود تباہ کر دیتا ہے۔

بلیڈ (تلوار): مطلق العنان کنٹرول کا ماڈل سخت گیر حاکمیتی معاشروں کی جدید شکل۔ ہم یہ خطرہ ریاستہائے متحدہ میں بھی موجود دیکھتے ہیں مثلاً ان لوگوں کے خلاف تشدد کی ترغیب جو ''مختلف'' ہیں۔ خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق ٹیکنالوجی کا انکار وغیرہ۔

تبدیلی کی علامتیں: منفی کرداروں میں تبدیلی' مشفقانہ' ہمدردانہ اصولوں کی زیادہ توقیر' غصے کے بجائے دوسرے جذبات کے متلاشی مرد۔ انسانیت کے دونوں نصف یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ مکمل طور پر انسان بننا

چاہتے ہیں۔ ماحولیاتی شعور اس ابتدائی شعور کی ترقی یافتہ شکل ہے کہ زمین ہماری ماں اور قابل احترام ہے۔اس بات کو تسلیم کیا جارہا ہے کہ عورت کی پٹائی' ریپ اور جنگ کے مابین ایک بہت مضبوط تعلق موجود ہے۔ بلیڈ (تلوار) سے چیلیس (پیالہ) میں تبدیلی کیلئے ہم پر شدید دباؤ ہے۔گزشتہ 5000 برس محض ایک حاکمیتی انحراف تھے؟ یا وہ صرف ایک ارتقائی رکاوٹ تھے؟

سوالات

زیادہ شرکتی جھکاؤ کے حامل ابتدائی معاشروں کے مرد کیسے معلوم ہوتے تھے؟ وہ کیا کیا کرتے تھے؟ ہم آرٹ کی شبیہوں میں مردوں اور عورتوں کو بیل رقص میں باہم شریک دیکھتے ہیں۔ مرد بطور موسیقار' ماہی گیر۔ ''وجود'' کے باغ میں تتلیوں کے ہمراہ ایک شہزادے کے طور پر۔ وہ تمام کرداروں کے حامل تھے ہاں کردار جسے مثالی نہیں بنایا جاتا ''فاتح مرد'' کا کردار ہے۔

سائنس بھی تو ''فتح'' (سپرے کے خلاف مزاحمت جینز کی مامونیت ملاحظہ کیجئے) نہیں کر سکتی ہے۔ ایک شراکتی معاشرے میں تبدیلی کے ضمن میں عورتوں اور مردوں دونوں کو اپنے کرداروں کا تعین کرنے کی ضرورت ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ سب کچھ باہمی تعاون جیسا ہو جائے گا۔شراکتی معاشرے میں بھی مسابقت ہو سکتی ہے لیکن اس میں گلہ کاٹنے کی نوبت نہیں آتی۔ بلیڈ (تلوار) معاشرے میں باہمی تعاون ہو سکتا ہے۔جنگوں کی پرشکوہ تیاریوں پر نظر ڈالیں۔شراکت کی طرف پیش رفت کا مطلب' جیسا کہ آئس لر نے ثابت کیا ہے،ہم اور ہمارے معاشرے سے متعلق ہر چیز کو اٹھا کر پھینک دینا نہیں بلکہ یہ ہماری بعض عادات اور کرداروں کی ایک ایسی تشکیل نو ہے جو ہماری صلاحیتوں کی تکمیل میں مددگار ہو سکتی ہے۔

☆☆☆

MashalBooks.org

''ہائی سکول کی کلاسوں کیلئے شراکتی اخلاقیات سے متعلق ہینڈ آؤٹ''

از میج برٹ ایگل

اخلاقیات کے لئے رہنما خطوط

1- ''ہر کوئی یہ کام کرتا ہے'' ہم عمروں کا دباؤ کسی کام کے صحیح ہونے کا جواز نہیں بنتا۔

2- ایک انفرادی عمل کیمونٹی پر جو اثر مرتب کرتا ہے اس پر غور کیجئے۔

3- کیمونٹی کے ضمن میں ایک فرد کی ذمہ داری پر غور کیجئے۔

4- ایک فرد کا عمل اس کے کردار پر جو اثر مرتب کرتا ہے اس پر غور کیجئے۔

5- کیا مقاصد ذرائع کا جواز مہیا کرتے ہیں؟

6- جس قسم کی دنیا میں آپ رہنا چاہیں گے تا حد نظر اس کے تصور پر غور کیجئے۔ کیا آپ کا عمل اس دنیا کی اقدار کی عکاسی کرتا ہے؟

7- اپنے عمل کو آفاقی بنایئے جس انداز میں آپ نے عمل کرنے کا فیصلہ کیا ہے اگر ہر کوئی بالکل اسی طرح عمل کرنا شروع کر دے تو آپ کس قسم کی دنیا میں زندہ ہوں گے؟

8- منفصل کے مقابلے میں فعالیتی بھلائی۔ ہم نقصان نہ پہنچانے (منفعل) کا انتخاب کر سکتے ہیں یا بھلائی کرنے (فعالیت) کا انتخاب کر سکتے ہیں۔

9- اگر آپ نے اس بات کا فیصلہ کر لیا کہ آپ کو اپنے ہمسائے کی مدد کرنی چاہئے تو آپ کا ہمسایہ ہے کون؟ یہ شناخت کتنی دور تک توسیع پاتی ہے؟

MashalBooks.org

''شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں پر مبنی
گریڈ 10 کیلئے شاعری کا یونٹ''

از نینا سلور

یہ پائلٹ اندرون شہر کے دس طلبہ کے ساتھ مل کر بنایا گیا تھا جو متنوع قسم کے نسلی اور مذہبی پس منظروں سے تعلق رکھتے تھے۔ ان طلبہ میں خاندان اور کمیونٹی کے متعدد غیر تصفیہ شدہ مسائل کی وجہ سے غیر حاضری بہت زیادہ اور خود توقیری عموماً بہت کم تھی۔ ابتدائی چار اسباق کے 75 منٹ کے پیریڈ میں سے 45 منٹ لینے کے باوجود اس میں تقریباً ایک ماہ لگ گیا اور 5 تا 8 سبق کیلئے ہر پیریڈ میں توسیع کرنی پڑی۔ اس مواد کو مطالعہ شاعری کے ایک بنیادی یونٹ کے ساتھ مکمل کیا گیا جس میں ہم نے مطبوعات میں شاعری، منظر کشی اور تعبیر بمقابلہ تضمین کے کردار پر غور کیا۔ یہ ایک بہت کامیاب تجربہ تھا۔

سبق اول

1- شراکتی انداز: از ریان آئس لر ویڈیو ڈلوئی میں شائع شدہ بعض فنکارانہ منظر طلبہ کو دکھائے گئے جو حاکمیت اور شراکت کی نمائندگی کرتے تھے۔ (ان کے ساتھ گفتگو میں یہ الفاظ استعمال نہیں کئے گئے)

2- طلبہ سے کہا گیا کہ یہ منظر جس چیز کی طرف اشارہ کرتے ہیں ان کے بارے میں اپنے الفاظ کی فہرست کو قلمبند کریں۔

سبق دوم

1- کلاس کو دو گروپوں، ایک شراکتی گروپ اور ایک حاکمیتی گروپ میں تقسیم کیا گیا۔ ہر گروپ کی شراکت کا مطلب ہے۔B=A، حاکمیت کا مطلب ہے B'A سے بڑا ہے یا چھوٹا ہے۔ مساوات دی گئیں۔

MashalBooks.org

2- ہر گروپ سے کہا گیا کہ ان ماڈلوں کی بنیاد پر الفاظ یا تلازمات کی ایک فہرست تیار کریں۔

3- گروپ میں سے ہر ایک کیلئے کرداروں کا تعین کیا گیا۔

رپورٹر

سیکرٹری

لمرک نگار/فوٹو محقق

مکمل نظم نگار

4- مذکورہ بالا نمبر 2 میں انہوں نے جو فہرست تشکیل دی اس کی مدد سے ہر فرد نے گروپ کے ان پٹ کی بنیاد پر جو شے اس کے ذمے لگائی گئی تھی اس شے کو تیار کرنا تھا۔

سبق سوم

1- طلبہ کے گروپوں نے اپنا کام کلاس کے سامنے پیش کیا۔

2- ہر گروپ کو رپورٹ/پراجیکٹ کے لئے نمبر دیئے گئے اور گروپ میں ہر فرد نے جو کردار ادا کیا تھا اسے اس کے نمبر دیئے گئے۔

3- کچھ دوسرے طلبہ سے کہا گیا کہ وہ ان پیپرز میں استعمال ہونے والے ایسے کلیدی الفاظ کا انتخاب کریں جو شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کو ظاہر کرتے ہیں۔

سبق چہارم

1- اپنی زندگی میں شراکتی طرز عمل اور حاکمیتی طرز کے پہلوؤں سے بحث کیجئے اور طلبہ کو خود اپنی زندگیوں میں شراکتی اور حاکمیتی طرز عمل کی نشاندہی کی دعوت دیجئے۔ انہیں پیش نظر رکھیے۔ والدین، خاندان، نوکری، سکول، چرچ اور کھیل۔ (پوری کلاس میں غیر رسمی بات چیت)

سبق پنجم

1- طلبہ سے ان تصورات کی ایک فہرست تیار کرنے کیلئے کہا گیا جو کلاس کی سابقہ بحث میں سامنے آئے تھے۔ اب انہوں نے چار ارکان پر مشتمل دو گروپوں کی صورت میں کام کرنا تھا۔ ایک گروپ نے والدین، خاندان اور کھیلوں کو سامنے رکھتے ہوئے حاکمیتی ماڈلوں اور شراکتی ماڈلوں کی مثالوں کی فہرست تیار کی۔ دوسرے نے سکول، چرچ اور نوکریوں کو سامنے رکھتے ہوئے۔

MashalBooks.org

سبق ششم

1- شراکتی انداز سے متعلق نظریات کی ایک رسمی بحث۔
2- شراکتی انداز سے لئے گئے الفاظ اور تصورات کی فہرست طلبہ کو دکھائی گئی جو دونوں ماڈلوں کی نشاندہی کرتی ہے۔
3- کلاس کو ایسے شراکتی مناظر پر غور وخوض کیلئے جوڑوں میں تقسیم کردیا گیا جنھیں شاعری میں استعمال کیا جا سکے۔

سبق ہفتم

طلبہ کو شاعری کا ایک مجموعہ دیا گیا اور ان سے ایسی نظموں کا تجزیہ کرنے کیلئے کہا گیا جو شراکتی فلسفے اور حاکمیتی فلسفے سے بحث کرتی ہیں۔
انہیں نظموں کی درست تشخیص پر نمبر دیئے گئے۔

سبق ہشتم

1- کلاس کو دو گروپوں میں تقسیم کیا گیا۔ طلبہ نے صنفی بنیاد پر تقسیم ہونا پسند کیا۔ لڑکیاں اکٹھی' لڑکے اکٹھے' اگرچہ استاد کی ترجیح منفی طور پر ملے جلے گروپ تھے۔
2- ہر گروپ سے کہا گیا کہ وہ سابقہ غور وخوض کی مدد سے دو نظمیں لکھے جن میں سے ہر ایک اس گروپ سے تعلق رکھتا ہو جس نے زندگی کے کسی بھی پہلو میں شراکتی ماڈل کی قدر و قیمت سے بحث کی تھی۔

حتمی نظم کا نمونہ

(ہر اس طالب علم کو پورے پورے نمبر دیئے گئے جس نے شاعری لکھنے میں واضح دلچسپی کا مظاہرہ کیا)

شراکت

ارکان: جسپر یت گورایا' ریلیجکا این' بیرٹ' انیتا' ادترم اور تانیا برائن

نظم

مجھے وہ وقت یاد ہے
جب ہم پہلے پہل ملے
تم اور میں
ہاتھوں میں ہاتھ
مجھے وہ وقت یاد ہے
جب ہم نے چہل قدمی کی
اور دہرایا
ماضی کی یادوں کو
اپنے تعلق کو
مجھے وہ وقت یاد ہے
جب ہم برابر بانٹ لیتے تھے
ہر ایک شے کو
مجھے وہ وقت یاد ہے
خوشی کا اور مسرت کا
کبھی جانے کہاں سے آ گیا تھا وہ
مجھے وہ وقت یاد ہے!

MashalBooks.org

ہائی سکول کی میڈیا خواندگی کی کلاس کیلئے شراکتی اور حاکمیتی نمونوں سے متعلق ٹیسٹ

از نینا سلور

شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں سے متعلق اپنے نوٹس کا جائزہ لیجئے۔

شراکتی انداز میں موجود ابتدائے انسانیت سے متعلق آرٹ کی صورتوں کی تشکیلات کا بغور مشاہدہ کیجئے۔ یاد رکھیے کہ ابتدائے تہذیب کے طلوع کے وقت ظروف اور فریسکو ہی ماس میڈیا تھا۔ یاد رکھیے کہ کسی بھی عہد کا ماس میڈیا اس وقت کی مروجہ نظام ہائے فکر کے متعلق بہت کچھ بتا سکتا ہے۔

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ابتدائی تاریخ میں شراکتی ماڈل مروج تھے۔ بعد کی تاریخ سے میڈیا کی عکاسیوں میں تبدیلی آنی شروع ہوئی۔ (شراکتی انداز میں قدیم موزیک سے متعلق ''رومن جنگجو'' اور ''پینتھی سیلیا کا قتل'' ملاحظہ کیجئے۔)

تاریخی شہادت بتاتی ہے کہ تشدد بنی نوع انسان کی لازمی فطری صفت نہیں لیکن چلتے چلتے کہیں کسی مقام پر تشدد کا مظاہرہ مقبول عام ہو گیا۔ اس بارے میں بہت سے نظریات موجود ہیں کہ تہذیب کی فنی صورتوں میں تبدیلی کیونکر واقع ہوئی۔ ان میں سے بیشتر نظریات معاشرے کے اختیاراتی ڈھانچے میں تبدیلی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ جب معاشرہ ایک مرتبہ ایسی جگہ کے بجائے جہاں لوگوں میں باہمی تعاون موجود ہو ایک ایسی جگہ بن گیا جہاں حکمرانی کی جاتی تھی تو تشدد طرز عمل کا فطری ردعمل قرار پا گیا۔ (تشدد حاکمیت کو برقرار رکھنے کا ایک طریقہ ہے) اور بالعموم بے اختیار لوگ ہی تشدد سے کام لیتے ہیں۔

آج حاکمیتی ماڈل ہمارے معاشرے پر اور یوں ہمارے ماس میڈیا پر غالب سمجھا جاتا ہے۔ یہ اس

MashalBooks.org

تشدد کی کثرت کی صرف ایک توجیہہ ہے جسے ہم ہر طرف موجود دیکھ رہے ہیں۔اب ''شراکتی انداز'' کے صفحات9-10' 59-63' 66-67اور196 کا مطالعہ کیجئے۔

(اے) مذکورہ بالا مطالعے کی مدد سے ہماری اپنی حاکمیتی ثقافت سے تعلق رکھنے والے ہیرو اور ہیروئنوں میں سے خود اپنی ایک مثال پیش کیجئے۔

منصوبہ ساز ہیروئن' اماسوکیتی ہیروئن' بے بس ہیروئن' بے وقوف ہیروئن' مخبوط الحواس ہیروئن' غیر معمولی ہیرو' جرأت مند ہیرو' ہمہ بیں ہیرو

اپنی مثالوں کے انتخاب کی توجیہہ کیجئے۔

مقبول عام ثقافت' مووِیز' ریڈیو' ٹیلی ویژن' میگزین' وڈیوز' بچوں کے کھلونے' موسیقی' شخصیات وغیرہ

(بی)اب ہماری مقبول عام ثقافت میں سے پانچ ایسی عورتوں اور مردوں کی مثالیں دیجئے' جنہیں شراکتی ہیروئن اور ہیرو سمجھا جا سکتا ہے۔مہم جو عورتیں' دانا عورتیں' عورتیں بحیثیت صلاح کار' سیاسی طور پر سرگرم ہیروئنیں' معالج ہیرو' ہیرو بطور ثالث' ہیرو بطور تربیت کار یا حساس ہیرو۔

اب تعارف کا صفحہ: میڈیا الیکشن سے متعلق آنے والا صفحہ اور شراکتی انداز' حاکمیتی انداز اور ایکشن سے متعلق چارٹ کا مطالعہ کیجئے (شراکتی انداز کے صفحات33' 98-102اور172-173)

(سی) گزشتہ دو برسوں میں آپ نے میڈیا کے جو مطالعات کئے' گروپوں میں کام کرنے کے آپ کے تجربات' بعض اہم عالمی مسائل کے حل سے متعلق آپ کے تعاون کے حالیہ تجربات' تشدد سے متعلق آپ کی ڈاکومنٹری اور مذکورہ بالا مطالعہ' ان سب کی بنیاد پر اس چیز سے متعلق اپنی رائے دیجئے کہ حاکمیتی ماڈلوں کو قائم رکھنے کیلئے میڈیا کس طرح کردار ادا کرتا ہے اور اس ضمن میں اپنا ذاتی حل پیش کیجئے کہ پروڈیوسر اور پبلک ہماری دنیا کی تباہی کو جاری رکھنے کے بجائے اس کی صحت یابی کیلئے میڈیا کو کس طرح کام میں لا سکتے ہیں۔

کینیڈین ریڈیو اینڈ ٹیلی ویژن کمیشن (سی آر ٹی سی) کو ایک ایسے خط کی صورت میں اپنی رائے سے آگاہ کیجئے جسے کسی روزنامہ اخبار کے ادارتی حصے میں شائع کیا جا سکتا ہو۔قائل کرنے کی کوشش کریں' تخلیقی انداز میں لکھیں' اپنی تجزیاتی فکری مہارتوں کو استعمال کریں۔

(اس خط میں خاصی معلومات مہیا کی جانی چاہئیں۔ان نکات اور شہادتوں کے ساتھ ساتھ جو مطالعات میں سامنے آئی ہیں' خود اپنے خیالات کو بھی کام میں لایئے۔

میڈیا خواندگی ٹیسٹ کے جوابات

از ونسینز ررچی

حصہ اے

MashalBooks.org

منصوبہ ساز ہیروئن

مذکورہ بالا کیلئے میں نے ''دی ینگ اینڈ دی ریسٹ لیس'' کی جل ایبٹ کا انتخاب کیا۔ اسے اکثر اوقات اپنی خودنمائی اور خوداظہاری کی سزا ملتی ہے۔ وہ شو میں خودکو مردوں جتنا طاقتور بنا کر پیش کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن اس کے منصوبے عموماً الٹے پڑتے اور اسے احمق ثابت کرتے ہیں۔

ماسوکیتی ہیروئن

میں نے اس کیلئے یہ سوچا کہ اس کی جگہ کسی بھی فلم کو رکھا جا سکتا ہے جس میں ایسی بیویاں دکھائی گئی ہوں جنہیں مارا پیٹا اور ریپ کیا جاتا ہے یا طوائفیں بھی ہوسکتی ہیں۔ اکثر جسم فروشی کی فلموں میں طوائفوں کو جو کچھ وہ کرتی ہیں اس پر فخر کرتے دکھایا جاتا ہے۔ ان فلموں میں جن میں اکثر بیویوں کو پٹتے دکھایا جاتا ہے یہ پیغام مخفی ہوتا ہے کہ اپنی بیوی کو مارنا بالکل ٹھیک ہے اور یہ کہ مردوں کو اس کا پورا اختیار ہے اور وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ فلم ''پیرس ٹراوٹ'' میں ایک عورت کے ساتھ جس طرح کی متشددانہ بدسلوکی دکھائی گئی ہے ایسی بدسلوکی میں نے شاید ہی کہیں دیکھی ہو۔

بے بس ہیروئن

اس کی ایک اچھی مثال ''سپرمین'' کی مارگٹ کے ہے۔ اسے ہمیشہ ''مائٹی سپرمین'' بچاتا ہے۔ اگر یہ مرد ہیرو نہ ہوتا تو کسے خبر اس کے ساتھ کیا بیتی۔

بے وقوف ہیروئن

اس کی ایک مثال ''میریڈ ودھ چلڈرن'' میں کیلی بنڈی کا کردار ادا کرنے والی کرسٹین ایپل گیٹ

ہے۔ وہ شو کا جاہل ترین کردار ہے اور اپنے نام کے ہجے تک یاد نہیں رکھ سکتی۔ وہ یقیناً ''بے زبان دوشیزہ'' کا نمونہ ہے۔

مخبوط الحواس ہیروئن

اس کیلئے میں نے ''فیٹل اٹریکشن'' کی گلین کلوز کو چنا۔ وہ ایک رومان پسند عورت ہے جو ایک مرد کے عشق میں پاگل ہو جاتی ہے یہی چیز آخر کار اس کی موت پر منتج ہوتی ہے۔

غیر معمولی ہیرو

اس کیلئے میں نے فلم ''دی گاڈ فادر'' کا انتخاب کیا۔ وہ خاموش اور ہر چیز پر کنٹرول کا حامل ہے۔ وہ یقیناً سب سے بلند ہے اور ایک لیڈر ہے۔

جرأت مند ہیرو

میں نے ژاں کلاڈ وین ڈیم کو چنا۔ وہ دنیا کو بچانے کے خاطر ہر کسی کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے اور آخر میں اسے ملتا کیا ہے عورتیں۔

ہمہ بیں عورتیں

اس کیلئے میں نے بچوں کے ایک کارٹون ''ہی مین'' کو چنا۔ وہ ہمیشہ برائی کی پیش بینی کر لیتا ہے لیکن اس کی دوست ٹیلا' جو ایک عورت ہے کبھی ایسا نہیں کر پاتی لہٰذا وہ ہمیشہ کسی نہ کسی مصیبت میں پھنس جاتا ہے اور ہی مین کو اسے اس مصیبت سے چھٹکارا دلانا پڑتا ہے۔ بچوں پر اس کے شدید اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔

حصہ بی

مہم جو عورت

وکی کیتھ (بڑی بڑی جھیلوں' انگلش چینل اور کیٹالینا چینل کو تیر کر عبور کیا)

حساس ہیرو: میک گیور

سیاسی طور پر سرگرم ہیروئن: آڈری میک لالین (نیو ڈیموکریٹک پارٹی (این ڈی پی) کی رہنما)

عورتیں بحیثیت صلاح کار: اوپرا ونفری

حصہ سی

ڈیئر کینیڈین ریڈیو اینڈ ٹیلی ویژن کمیشن (سی آر ٹی سی)

میں یہ خط اس لئے لکھ رہی ہوں کیونکہ میں ان پروگراموں سے بہت متنفر ہوں جو ہمارے ٹیلی ویژن پر دکھائے جا رہے ہیں۔ بہت سے لوگ اس بات پر متعجب ہیں کہ ہماری دنیا میں کیا برائی پیدا ہو گئی ہے۔ میں ان لوگوں سے کہتی ہو ''کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں صرف اپنے رہائشی کمرے پر نظر ڈال لیں۔'' ٹیلی ویژن خاص طور پر' لیکن میڈیا کی تمام صورتیں ہی ہماری دنیا کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ ہمارے ذخیرہ الفاظ میں ''دوستانہ آگ'' جیسی تراکیب کا اضافہ میڈیا سے ہوتا ہے۔ ویسے یہ ''دوستانہ آگ'' ہوتی کیا ہے؟ کیا لوگ اسی طرح نہیں مرتے؟

ہر روز ہمارے ذہنوں میں ہر قسم کے منفی خیالات انڈیلے جاتے ہیں۔ ہمیں دیکھنے کو ایسی فلمیں ملتی ہیں جہاں تشدد ایک تفریح لطف اندوزی کا ذریعہ ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے اس سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ ہمیں ایسے سٹ کام دیکھنے کو ملتے ہیں جو ''مزاحیہ'' بے حسی پر مبنی ہوتے ہیں۔ حال ہی میں میں نے فاکس پر ایک شو ''ان یونگ کلز'' دیکھا اور میں حواس باختہ رہ گئی۔ شو میں ایک سپر ہیرو ''ہینڈی کیپ مین'' کا ایک خاکہ دکھایا گیا جو واقعتاً ایک معذور کی طرح کی مضحکہ خیز حرکات کرتا ہے۔ یہ اس قسم کا شو نہیں جس قسم کے شو میرے خیال میں میرے بچوں کو دیکھنے چاہئیں۔

میڈیا جو حاکمیتی پروگرام دکھا رہا ہے ان کے سبب یہ ہر برس بد سے بدتر ہوتا جا رہا ہے۔ پروڈیوسروں کو شراکتی ماڈل کے پروگرام دکھانے کی طرف آنا چاہئے تاکہ ہم جس قسم کے مسائل میں عین اس وقت گھرے ہوئے ہیں انہیں حل کرنے کی سعی کر سکیں۔ ہم بجائے اس کے کہ مرد کام کیلئے جائیں اور عورتیں گھر پر رہ کر اپنے شوہر کیلئے کھانا پکائیں' عورتوں اور مردوں کو اکٹھے مل کر کام کرتے دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ میک گیور اور مام پی آئی جسے اچھے شراکتی شو بھی موجود ہیں لیکن اس سے بھی زیادہ کی ضرورت ہے۔ اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے' ہمیں میڈیا کی مدد سے اپنی دنیا کو مندمل کرنے کی ضرورت ہے۔

پلیز جو کچھ میں کہہ رہی ہوں اس پر توجہ دیجئے گا۔ میں جانتی ہوں کہ میں ایک دھیمی سی آواز ہوں لیکن بہت سی دھیمی آوازیں بلند آواز بن سکتی ہیں اور میں ٹیلی ویژن' ریڈیو' میگزین اور ہر اس چیز کے خلاف جو حاکمیتی ماڈلوں کو قائم و برقرار رکھتی ہے' گروپ بنانے کے بارے میں غور کر رہی ہوں۔

شکریہ

ونسیز ورچی

از مزکہ ایونز

''ہائی سکول کی عالمی تاریخ
کی کلاس کے طلبہ کیلئے مضمون''

اس پیپر میں میں دیویوں کے آرٹ اور اس کے مقابلے میں اس کی معاصر حیات نو پر نظر ڈالوں گی۔ ماہرین آثاریات نے یوریشیا میں بڑی تعداد میں دیویوں کے مجسمے دریافت کئے ہیں جو قدیم حجری اور نو حجری ادوار سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر صورت گری کے نمونے ہیں اور یہ سینکڑوں کی تعداد میں ملے ہیں۔ میرا نظریہ یہ ہے کہ دیوی محض فطرت نہیں' بلکہ فطرت کے ساتھ انسانوں کے تعلق کی علامت بھی تھی۔ اس سے اس بات کی توجیہہ ہوتی ہے کہ دیوی کو بالعموم انسان کی نسوانی یا نصف انسانی' نصف حیوانی صورت میں کیوں پیش کیا جاتا تھا۔

معاصر دیوی آرٹ کو سمجھنے کیلئے' ہمیں پہلے قدیم حجری شروعات پر غور کرنا ہوگا۔ اگرچہ ہمارے پاس اس عہد کے کوئی تحریری ثبوت موجود نہیں' مگر ہم قدیم حجری انسانوں کی معاشرتی اقدار کو جاننے کیلئے آرٹ کی تعبیر و تشریح کر سکتے ہیں۔ اس طریقہ کار کی مدد سے یہ نظریہ قائم کیا جا سکتا ہے کہ یوریشیا کی قبل تاریخی ثقافت ایک ماں کی حیثیت سے زمین کی پوجا کرتی تھی جو زندگی کو جنم دیتی اور موت کے بعد اس کا احیا کرتی تھی جب پھولے ہوئے پیٹوں اور بڑی بڑی چھاتیوں والی نسوانی شبیہوں کو اس روشنی میں دیکھا جائے تو یہ ابتدائی ماہرین آثاریات کی ان تعبیروں پر پوری نہیں اترتیں جن کے مطابق انہیں ''قبل تاریخی پلے بوائے سنٹر فولڈز'' کا نام دیا گیا تھا۔

پورے قدیم حجری دور میں فطرت (دیوی کی علامت کے طور پر) کے ساتھ انسان کا تعلق شکاری' خوراک اکٹھی کرنے والے کے تعلق پر مبنی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ غاروں کی تصاویر میں دیوی کے ساتھ جو

MashalBooks.org

علامات وابستہ تھیں وہ حیات بخش خصوصیات کی حامل تھیں جیسے کہ شکار (ارنا' بھینسا' بالوں والا ہاتھی' پہاڑی بکری' جنگلی گھوڑا اور ہرن) اور جنگلی مکھیوں کے چھتوں سے شہد اکٹھی کرتی ہوئی عورتوں کی تصاویر۔

جب فطرت کے ساتھ انسان کا تعلق شکاری' خوراک اکٹھی کرنے والے سے زراعت میں تبدیل ہوا تو دیوی کے لئے نئی علامات ظہور میں آئیں۔ نوحجری دور ایک تبدیلی کا دور تھا۔ گلیشیئروں کی پسپائی نے آب وہوا کو گرم اور مرطوب بنا دیا۔

شکاری' خوراک اکٹھی کرنے والے سے زراعت میں تبدیلی کا بڑا عامل عورتیں تھیں۔ اصل میں عورتیں ہی خوراک اکٹھی کرتی تھیں سوانہوں نے یہ دریافت کیا کہ گھاس پھوس اور پودے' بیجوں سے دوبارہ اگائے جاسکتے ہیں۔ شاید اسی وقت دوسرا منطقی قدم خود اپنی پسند کے پودوں کے بیجوں کو بونے کا تجربہ تھا۔

زراعت میں تبدیلی نے نہ صرف کھانے کی عادات کو تبدیل کیا بلکہ اس نے سماجی ڈھانچے میں نئے امکانات اور تائیدات کو بھی جنم دیا۔ نوحجری لوگوں کو اب نئے کردار نبھانے تھے۔ چھوٹے چھوٹے شہر وجود میں آئے اور نئی ایجادات جیسے کہ درانتی کو گھاس پھوس کی کٹائی کیلئے بہتر بنایا گیا۔ شہادت بتاتی ہے کہ نوحجری آبادیاں قدیم حجری دور کے مساوات پر مبنی معاشرے کے ساتھ ساتھ موجود رہیں۔

اب دیوی شکار کی دستیابی کی علامت نہیں بلکہ فصلوں کی زرخیزی کی علامت تھی۔ جب زراعت یوریشیا میں آئی تو دیوی کیلئے نئی علامات بھی وضع کی گئیں جیسے کہ اناج' روٹی' سوت کی کتائی اور بنائی جو عورتوں کے ساتھ ہی وابستہ تھیں۔ نوحجری یوریشیا میں انسان کی نسوانی صورت میں دیوی کی نمائندگی ابھی باقی تھی۔

چھنے ہوئے تخت کی بازیابی

ہمارے عہد میں نسواں پسند تحریک نے اپنی طاقت کی بازیافت کے ضمن میں عورتوں میں آگاہی پیدا کی ہے۔ قدیم دیوی کو ایک مرتبہ پھر ان صورتوں میں پیش کرکے جو آرٹ کے جدید تجربے سے مناسبت رکھتی ہیں آرٹسٹ عورتیں اپنے آرٹ میں قدیم نسوانی دیوی کو نسوانی نفسیات کے ہزاروں برس پرانے زخموں کو مندمل کرنے کیلئے ایک آلے کے طور پر استعمال کر رہی ہیں۔ دیوی کا وہ تخت جو صدیوں سے خالی چلا آ رہا تھا۔ اس کے دعویدار سامنے آ رہے ہیں۔ اس پیپر میں متعدد قدیم اور معاصر تصاویر (بمعہ وضاحت) شامل کی گئی تھیں: ذیل میں ایک نمونہ دیا گیا ہے' لیکن حقوق نقل کے سبب یہاں آرٹ

کی نقول پیش نہیں کی جا رہیں:

ملکہ' کاہنہ کا تخت' نوسوس کا محل' تقریباً1600

جسم کے اس تخت پر غالباً ایک کاہنہ براجمان ہوتی تھی جو یورپ میں ملنے والا قدیم ترین تخت شاہی ہے۔

سورج ملکہ کا تخت' از سوزیشن پینٹن 1975ء

مجسمہ ساز نے اپنے یادگار دیوی کے تخت میں سورج کی گرمی' شفقت اور شدت جذبات کے درمیان تعلق کو تسلیم کیا ہے۔

تصاویر سے متعلق معلومات' ماضی اور مستقبل کی دیوی سے لی گئی ہیں۔ کتابیات ملاحظہ کیجئے۔

☆☆☆☆☆☆

عورتوں کو آج تک ممتا کے تجربے سے زیادہ کسی چیز نے متاثر نہیں کیا۔ تقابلی تصاویر کے اس مجموعے میں ممتا کے دکھ درد اور خوشی کو پیش کیا گیا ہے۔ ٹلازول ٹیوٹل کا تعلق 15 ویں صدی کے میکسیکو سے ہے اور دوسری ''جنم ماں'' ایک معاصر نمونہ ہے۔

ٹلازول ٹیوٹل جنم دیتے ہوئے' 15 ویں صدی

سنگ خارا بمعہ یاقوت' 8 انچ' ازٹیک' میکسیکو۔ قبل کولمبیائی نئی دنیا کی ثقافت میں عظیم ماں کو خالق کا درجہ حاصل تھا۔ اس کا گھر مغرب میں تھا جو عورتوں کا مقام اور زمین کا قدیمی سوراخ تھا جس میں سے بنی نوع انسان رینگتی ہوئی برآمد ہوئی اور جہاں سورج ڈوبتا ہے' قدیمی کوکھ۔

جنم ماں' از ڈیبورا کروگر 1985ء

اکریلک' آئل سٹک' پیپل' 30 انچ x22 انچ

''اپنے پہلے حمل کے اختتام پر' جنم لینے والے کے بارے میں مشوش' آرٹسٹ' اس افسردہ دھرتی ماں کے تقویتی تصور کی گہرائی سے برآمد ہوتی ہے جو خود دردزہ سے گزر رہی ہے۔''

☆☆☆

متعدد چھاتیوں کی حامل دیوی کی صورت زمین کے ثمرات یا انسانوں اور زمین کے درمیان تعلق کی ایک مثال ہے۔

آیفیسس کی آرٹیمز' دوسری صدی عیسوی

سنگ مرمر' 72 انچ' رومن

رومن سلطنت کے پورے عہد میں فطرت کی دیوی کے طور پر قابل تعظیم

لوئی بورژوائی بطور آرٹیمیز، نمائش سے متعلق

ایک ضیافت/جسم کے اعضاء کا فیشن شو1980ء نیویارک شہر

ان تصاویر میں عورت کی طاقت نمود پاتی ہے۔ خوراک مہیا کرنے والی اور پرورش کرنے والی کے طور پر زمین کی علامات۔

دھرتی ماں، نواہو کی سینڈ پینٹنگ

اناج کے پودے کا ڈنٹھل خوراک کے طور پر زمین کی ریڑھ کے ستون کی نمائندگی کرتا ہے۔

لاکونکوی (نوع نسواں) از جان فیڈن، 1981ء

کینوس پر اکریلک 30 انچ 24x انچ

''مقامی امریکی عورت جس کا جسم سیارے پر محیط ہے فطرت کی شفا بخش قوتوں کی حامل ہوتی ہے تا کہ ایک پرامن دنیا کا جنم ممکن ہو سکے......ایک ہاتھ میں وہ باغ کی داروغہ، مقدس اناج پکڑے ہے۔ دوسرے میں ہرن کے سینگ اور کوڑیوں کا ہار جو سیاسی اختیار کی نمائندگی کرتے ہیں۔''

☆☆☆

قدیم یوریشیا کی دیوی (اگرچہ قدیم ہے) عورتوں کیلئے ایک نیا مثبت ماڈل ہے۔ جنسی امتیاز کے حامل عورت کے کچھ جسمانی تصورات زوال پا رہے ہیں اور ان کی جگہ دیوی کا قدیم تصور لے رہا ہے جو پال پوس کی علامت ہے۔ نسواں پسندی کی تحریک ایک ایسے موڑ پر سامنے آئی ہے جب ہمارے ماحول کے بارے میں آگاہی زیادہ ہو رہی ہے۔ قدیم یوریشیا میں، فطرت اور عورت ایک دوسرے کی علامت تھیں۔ شاید یہ دونوں ابھار ایک دوسرے کے متوازی تو نہیں مگر اصل میں ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ نسواں پسندی اور ماحولیات کی نمود نئے مسائل نہیں بلکہ قبل تاریخی عہد کے مساوات پسندانہ تصور کا ہی ظہور نو ہیں۔

قبل تاریخ سے تعلق رکھنے والے تصورات جدید عورتوں کیلئے ایک پیغام کے حامل اور زمین کے ساتھ ان کی مقدس شناخت کی یاد دہانی ہیں۔ معاصر آرٹ میں دیوی کے ظہور نو کو بالعموم تحت الشعوری سمجھا جاتا ہے، یعنی آرٹسٹ عورتیں اپنی ''طویل عرصے سے دبی ہوئی تصوریت'' سے رجوع کر رہی ہیں اور ایک مرتبہ پھر اپنے آرٹ کے ذریعے زمین سے رشتہ استوار کر رہی ہیں۔

کتابیات

Bibliography

Brian Hayden, Archeology: The Science of Once and Future Things. W.H. Freeman and Company,New York, 1993.

Buffie Johnson, Lady of the Beats: Ancient Images of the Goddess and Her Sacred Animals.

Harper and Row Publishers, San Francisco, 1981.

Elinor W. Gaden, The Once and Future Goddess. Harper & Row, San Francisco, 1989.

Barbara G. Walker, The Woman`s Encyclopedia of Myths and Secrets. HarperSanfrancisco, 1983.

Joseph Campbell and Bill Moyers, The Power of Myth. Doubleday, 1988.

Geofry Parrinder, World Religions. Facts on Life Publications, 1971.

Riane Eisler, The Chalice and the Blade. HarperSanFrancisco, 1987.

Olga Soffer, Pamela Vandiver, Martin Olivia and Ludik eitl, "Fiery Venus," Archeology. Janvary/February,1993.

MashalBooks.org

<u>**ازروبن اینڈ ریا**</u>

''ہائی سکول کیلئے ثقافتی قلب ماہیت کے نظریے سے متعلق مشق

ریان آئس لر نے ایک کتاب بعنوان ''دی چیلیس اینڈ دی بلیڈ'' (1987ء) میں اپنے ثقافتی قلب ماہیت کے نظریے کو بیان کیا ہے۔ اس کتاب میں' وہ دنیا سے متعلق دو نقطہ ہائے نظر' حاکمیتی اور شراکتی' اور ان کے درمیان کشمکش کا ذکر کرتی ہیں۔

مقصد: طلبہ آئس لر کے ثقافتی قلب ماہیت کے نظریے کی تفہیم حاصل کریں گے اور اسے زبانی بیان کرنے کے قابل ہوسکیں گے۔

سابقہ واقفیت: طلبہ عقائد واقدار کے نظام کی سماجی تشکیل کی تفہیم کا مظاہرہ کر چکے ہیں۔

افتتاحی مشق: ایک کلاس کے طور پر' ذیل کی سرگرمی کے نتائج سے متعلق مضمرات سے بحث کیجئے۔

مناسب اسم ضمیر کی مدد سے خالی جگہ پر کیجئے:

کتاب صفحہ 277

To be posted as much

MashalBooks.org

"EXERCISE FOR HIGH SCHOOL UNIT ON CULTURAL TRANSFORMATION THEORY,"

by Robin D. Andrea

Riane Eisler wrote about her Cultural Transformation Theory in a book entitled The Charlie and The Blade (1987). In this book, she describe tow possible worldviews, Dominator and Partnership, and the tension between them.

Objective: Students will come to an understanding of Eisler`s Cultural Transformation Theory and be able to express this verbally.

Prior Knowledge: Students have demonstrated an understanding of the social contruction of belief and value systems.

Opening Exercise: Discuss the implications, as a class, of the results of the following activity.

Fill in the appropriate pronoun:

"The judge asked the secretary to type some papers___handed a stack or documents to___ asking that___be especially careful in ___work."

"The teacher gave an assignment to the class.___explained that it would be due the next day."

MashalBooks.org

ترتیب

1- طلبہ مختلف ادوار سے تعلق رکھنے والے آرٹ کے دو نمونوں کا مشاہدہ کریں گے اور اس حوالے سے کہ آرٹ کس چیز کی نمائندگی کرتا ہے اور یہ اس ضمن میں کہ آرٹسٹ کس چیز کو قابل قدر سمجھتا ہے کیا کہتا ہے اس سے بحث کریں گے۔ (استعمال کئے جانے والے نمونے' مستقبل کے بچے' کی شکل 5.8 اور 5.9 سے لئے گئے تھے۔) گروپ کی صورت میں بحث کیجئے اور پھر کلاس کو رپورٹ کیجئے۔

2- طلبہ اور ٹیچر ثقافت' قلب ماہیت' اور نظریے کی تعریف کریں گے۔

3- ٹیچر ان ادوار کے مابین وقوع پذیر ہونے والی ثقافتی قلب ماہیت کے حوالے سے آئس لر کی فکر کی وضاحت کرے گی جن سے آرٹ کے نمونے تعلق رکھتے ہیں۔

4- ٹیچر دنیا کے حاکمیتی اور شراکتی نقطہ ہائے نظر کے درمیانی تسلسل کی نمائندگی کرنے والا ایک خط کھینچے گی جو اس آرٹ اور ان اصطلاحات پر مبنی ہوگا جن کا وہ انتخاب کرتی ہے۔

5- کلاس دنیا کے ہر دو نقطہ ہائے نظر کی ممکنہ خصوصیات پر غور وفکر کرے گی کہ یہ لوگوں کے مابین اور لوگوں اور ماحولیاتی نظام کے مابین تعلقات سے کیا تعلق رکھتے ہیں۔

6- طلبہ ایک مختصر تذکرے کا مطالعہ کریں گے جس میں آئس لر نے دنیا کے دونوں نقطہ ہائے نظر کی متعدد خصوصیات کو شمار کیا ہے۔

7- طلبہ اپنی مہم کے مطابق ثقافتی قلب ماہیت کے نظریے کی ایک تعریف لکھیں گے۔

8- ٹیچر اس سوال سے متعلق دوسری دستاویزات طلبہ میں تقسیم کرے گا اور کلاس میں بحث ومباحثے کی تیاری کے ضمن میں طلبہ کیلئے مطالعے کی ذمہ داری کا تعین کرے گا۔ علاوہ ازیں مطالعے کے بعد' طلبہ جو کچھ وہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ نظریہ ان سے کیا کہتا ہے اسے گھر پر اپنی ڈائریوں میں قلمبند کریں گے۔

9- ٹیچر آئس لر کے کام کو دکھائے گی اور ان کی دستیاب تصانیف پر ایک ہلکی پھلکی بحث کروائے گی۔ یہ چیز ہمارے مستقبل کے کتابی مطالعے کے گروپوں کیلئے طلبہ کی فہرست میں اضافوں پر منتج ہوگی۔
بہترین مشق

آموزش

سبق افتتاحی مشق کی مدد سے طلبہ کی دلچسپی کو جگانے کی کوشش کرتا ہے' پھر تجرباتی' کلیتی' مستند'

اظہاراتی، فکری، سماجی، مشترکاتی، جمہوری، وقوفی، تعمیراتی اور چیلنج کی حامل آموزش کے مراحل کے ذریعے آگے چلتا ہے۔ یہ مشاہدہ اس چیز کے تعین میں مددگار ہوسکتا ہے کہ آیا یہ سبق نشوونما کے اعتبار سے مناسب ہے۔

سوشل سٹڈیز

ایسی سرگرمی پر زور جو اہم انسانی مسائل کے حوالے سے طلبہ میں تحقیق اور مسائل کے حل کی جستجو پیدا کرتی ہے۔ کلاس روم میں باہمی تعامل اور باہمی تعاون پر مبنی مطالعے کے عمل میں شرکت، نصاب کے دوسرے شعبوں کے ساتھ سوشل سٹڈیز کا انضمام۔

سٹوڈنٹ فیڈ بیک

اس ابتدائی سبق کا مقصد اس چیز کا مظاہرہ تھا کہ دنیا کے شراکتی نقطہ نظر سے دنیا کے حاکمیتی نقطہ نظر میں تبدیلی واقع ہو چکی ہے۔ طلبہ خود اپنی تعریف قلمبند کرنے کے ذریعے جس ردعمل کا اظہار کریں گے وہ یہ بتائے گا کہ وہ اس بات کی آگہی رکھتے ہیں کہ تبدیلی واقع ہو چکی ہے اور وہ دنیا کے دونوں نقطہ ہائے نظر کی بنیادی خصوصیات کا فہم رکھتے ہیں۔ اپنی ثقافتی قلب ماہیت کے نظریے کی تعریفات میں انہوں نے شراکتی انداز کے بیان میں باہمی تعاون، محبت، قربت اور مساوات پسندی کو شامل کیا اور دنیا کے حاکمیتی نقطہ نظر کے بیان میں استبدادیت، سخت گیر، مردانہ حاکمیت، خوف، دھمکیوں اور لوگوں پر اختیار کو شامل کیا۔ سبق کے اختتام پر سوالات کا تعلق اس چیز سے تھا کہ قلب ماہیت ''کیوں'' واقع ہوئی اور ''کیسے'' واقع ہوئی۔ یہ یقیناً ثقافتی قلب ماہیت کے نظریے کے مزید تشریح و توضیح کا ایک بہترین طریقہ ہے۔ ان کی دلچسپی اور جوش وخروش اور زیادہ بڑھ گیا۔

معیارات/حوالہ جاتی نشانات

یہ سبق عالمی تاریخ کے زمرے میں گریڈ 12 سی اے ایم بینچ مارک سے بلاواسطہ تعلق رکھتا ہے ''معاصر واقعات، تنازعات، مسائل اور مظاہر کے حوالے سے عالمی تاریخ میں تبدیلی اور تسلسل کے نمونوں پر غور کیجئے۔''

از: پیٹریشیا میتھز کین

''اپنے جسموں کے ساتھ شراکت''

ہمارے جسم حمل سے لے کر لمحہ حال تک ہماری تمام تاریخ کے حامل ہوتے ہیں۔ بدقسمتی سے ہمیں جسم، ذہن اور روح میں تقسیم کی تعلیم دی جاتی رہی ہے تاکہ لوگوں کی اکثریت اپنے جسموں سے بیگانہ ہو جائے۔ آج یہ چیز سکولوں کے لیے ایک چیلنج بن گئی ہے کہ وہ اس بات کے جاننے اور تسلیم کرنے میں بچوں کے ساتھ ساتھ بڑوں کی مدد بھی کریں کہ ہر قسم کی تشریط سے ماوراوہ حقیقتاً کون ہیں۔ یہ تعلیم متقاضی ہے کہ ہم خود اپنی جسمی حکمت پر کان دھرنے اور ایک مرتبہ پھر اپنے جسموں کے ساتھ شراکت میں زندہ رہنے کے قابل ہوں۔

یہ تعلیم نوبالغ لڑکیوں اور لڑکوں کیلئے خصوصاً اس وقت اہم ہو جاتی ہے جب وہ خود اپنی جنسیت کی شناخت اور تفہیم کر رہے ہوتے ہیں۔ والدین اور اساتذہ اس ضمن میں نوجوان افراد کی مؤثر رہنمائی کر سکتے ہیں کہ وہ خود اپنے جسموں کی انفرادیت کو سمجھنے اور قابل قدر جاننے کے ساتھ ساتھ دوسروں کے جسموں کو بھی عزو احترام کے قابل سمجھیں۔

کیپسیٹر (سی۔اے۔پی۔اے۔سی۔آئی۔ٹی۔اے۔آر) ایک بین الاقوامی تنظیم ہے جسے میں نے دس برس قبل قائم کیا تھا، خاص طور پر ایسی عورتوں کے ساتھ کام کرنے کیلئے وقف ہے جو بدسلوکی کا شکار ہوئی ہوں اور جو ریاستہائے متحدہ اور لاطینی امریکہ کے پر تشدد دور غربت کے مارے علاقوں میں رہائش پذیر ہیں۔ آکو پریشر، تائی چائی، مراقبہ، عمل تصور، تنفس کی مشقیں، مالش اور انرجی ورک جیسے معمولات، درد، دباؤ، بیماری اور جسم، ذہن اور روح کے دوسرے زخموں کے علاج معالجے میں ازحد اہمیت رکھتے ہیں۔ ہمارا طریقہ لوگوں کو سادہ اور قدیم معمولات کی تعلیم دینا ہے جنھیں وہ معتدد صورتوں میں اپنے جسم کے واحد وسیلے کی مدد سے خود کام میں لا سکتے ہیں۔

MashalBooks.org

جب عورتیں اور گھرانے خود اپنے جسموں میں موجود اس قوت کو تسلیم کرنے لگتے ہیں جو خود ان کے جسموں کو شفا بخشتی ہے اور انہیں ان کے گھرانوں اور کمیونٹی کو شفا بخشنے کے قابل بناتی ہے۔ آگہی میں حقیقی تبدیلی واقع ہوئی ہے۔

ذیل میں کچھ سادہ اور بنیادی مشقیں دی جا رہی ہیں جن پر جسموں کے ساتھ شراکت کا احساس پیدا کرنے کے لیے انفرادی طور پر یا گروپ' طلبہ اور والدین کے ساتھ عمل کیا جا سکتا ہے۔

جسم میں توازن اور اس کی تجدید کے لیے پیٹ کی گہرائی تک سانس لینا

اپنی توجہ کو ہٹائے اور مرتکز کرنے کے لیے اپنے ہاتھوں کو آہستگی سے اپنے پیٹ پر رکھیں۔ پھیپھڑوں میں سے خام ہوا خارج کرتے ہوئے پورا سانس باہر نکالیے اور یہ سوچئے کہ سانس باہر نکالنے کے ساتھ آپ اپنے جسم میں موجود تناؤ' درد' احساس ناکامی اور منفیت کو بھی خارج کر رہے ہیں۔

آہستگی سے گہرا سانس اندر لے جایئے یوں کہ آپ کا پورا پیٹ ہوا سے بھر جائے۔ سانس کو کچھ دیر تھامے رکھیے اور سوچئے کہ یہ ہوا آپ کے جسم کے تمام خلیوں کو روشنی' صفائی اور غذائیت سے بھر رہی ہے اور آپ کے جسم کی تجدید کر رہی ہے۔

پھر آہستہ سے سانس کو پورا خارج کیجئے' اور دوسرا گہرا سانس اندر لے جانے سے قبل سانس کو تھامے رکھیے۔

پیٹ کی گہرائی تک سانس کے اس عمل کو کئی منٹ تک جاری رکھیے۔ اگر آپ کا ذہن منتشر ہونے لگے تو جسم کے اندر اور باہر جاتی ہوا کے ساتھ آہستہ آہستہ اپنی توجہ کو واپس اپنے سانس لینے کے عمل پر مرتکز کیجئے۔ شفا بخش سانس کے ہمراہ موجودہ لمحے میں سکون کے ساتھ قیام کیجئے اور اپنے جسم کے ساتھ شراکت کا احساس کیجئے۔

روزانہ گلے ملنا: اپنے جسم۔ ذہن۔ روح کو سمجھنا اور ان کا شکر گزار ہونا

ہم سب محبت اور تعریف کے بھوکے ہیں اور والدین' دوستوں اور جو ہمارے اردگرد ہیں ان سے اثبات چاہتے ہیں۔ بچوں میں خود اپنا تصور عموماً منفی ہوتا ہے کیونکہ سکول یا گھر میں انہیں اکثر یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ غلط ہیں اور ان کی توثیق و تصدیق شاید ہی کی جاتی ہے۔ ہم ان تصورات اور پیغامات کی ہو بہو تجسیم کرتے ہیں جو ہمیں شعوری یا غیر شعوری طور پر ایسے لوگوں کی طرف سے حاصل ہوتے ہیں جو ہماری زندگیوں میں اہم اور بااختیار شخصیات کا درجہ رکھتے ہیں۔

فردیت اورافزائش کے عمل کا ایک حصہ خود محبت اور خود قبولیت کے صحت مندانہ احساس کی تشکیل کے ذریعے اپنے ساتھ شراکت قائم کرنا ہے۔ ہمارے لیے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ حقیقت پسندانہ محور پر دوسروں کی تظلیل کو کس طرح سمجھا جائے اور اس کے ساتھ کس طرح کام کیا جائے اور اس بات پر توجہ دی جائے جو ممد اور مناسب ہے اور اس چیز سے کس طرح دامن بچایا جائے جو ہماری اصل فطرت سے میل نہیں کھاتی۔

پہلے پہل اس مشق پر عمل پیرا ہونے میں کچھ تکلیف پیش آ سکتی ہے کیونکہ ہم محبت کرنے اور لوگوں کے ساتھ مشفقانہ انداز میں برتاؤ کرنے کے بارے میں مشکل سے ہی کبھی سوچتے ہیں۔ بالعموم ہماری تربیت اس سمت پیغام کے ساتھ تو ہوتی ہے کہ خود اپنا خیال کرنا یا خود اپنی تعریف کرنا خود غرضی ہوتا ہے۔ لہذا اگر منفی پیغامات سامنے آئیں تو انہیں شناخت کریں' گزر جانے دیں اور مشق کا لطف اٹھائیں۔

اپنے بازوؤں کو آڑا کریں اور اپنے ہاتھوں کو کاندھوں یا بالائی بازوؤں پر رکھیں۔ اپنے آپ کو بہت محبت سے بھینچیں۔ یوں جیسے کہ آپ کسی بچے کو بہت پیار اور خوشی کے احساس سے تھامے ہوں۔ اگر آنسو نکل آئیں یا آپ بہت جذباتی ہو جائیں تو آنسوؤں کو بہہ جانے دیں اور جو بھی خیالات آئیں بس ان کا مشاہدہ کریں اور انہیں گزر جانے دیں۔

آپ دن میں جب چاہیں اس پر عمل کر سکتے ہیں۔

انگلیوں کے ذریعے جذبات خارج کرنا

میں نے حال ہی میں اپنے مقامی سکول میں لاطینی ہیڈ سٹارٹ والدین کے ساتھ ایک ہسپانوی کپیسٹر ورکشاپ کے انعقاد میں حصہ لیا۔ مائیں اور باپ اپنے کاموں سے آئے' وہ بہت تھکے ہوئے تھے اور ان کا خیال تھا کہ وہ ایک باقاعدہ ٹیچر پیرنٹ اجلاس میں شرکت کر رہے ہیں۔ ہم نے گفتگو پر زور دینے کے بجائے ان کی توانائی کے اخراج اور اس پر بندھے بند کو توڑنے کے لیے چند سادہ سی تاوچائی مشقوں اور انہیں متعدد درد و تکالیف سے چھٹکارا دلانے کے لیے آکو پریشر کی تعلیم پر وقت صرف کیا۔ پندرہ منٹ میں یہ والدین مختلف لوگ بن گئے لیکن کسی نے بھی کبھی بھی اس قسم کا جسمانی کام نہیں کیا تھا' تاہم ہر کوئی حیران کن حد تک بہتر محسوس کر رہا تھا۔ ایک شخص تو اس بات پر متعجب تھا کہ اسے کیسا اچھا احساس ہو رہا ہے' گرچہ وہ کارخانے میں رہنے اور کام کی وجہ سے مستقلاً کمر درد کا شکار تھا۔

میں نے والدین کو جو مشقیں بتائی ہیں ان میں سے پسندیدہ مشق اپنی انگلیوں کو تھامنا اور ان کے

ذریعے جذبات کے ساتھ کام کرنا تھا جب بچے یا گھرانے کے ارکان ایک صحت مندانہ انداز میں اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکیں یا اخراج نہ کر سکیں تو عام طور پر گھر یا سکول میں مسائل جنم لینے لگتے ہیں۔ جب جذبات کا خراج اس طرح ہو کہ جو لوگ ہمارے ارد گرد موجود ہیں ان کے لیے احترام ختم ہو جائے تو اس کا نتیجہ غضبنا کی اشتعال اور گھریلو تشدد کی صورت میں بھی نکلتا ہے۔ جذبات ہمارے جسم میں گردش کرتی ہوئی توانائی کی لہروں کی طرح ہیں۔ اگر توانائی بتدریج اخراج کے بغیر مجتمع ہوتی جائے تو ایک بڑا دھماکہ ہو سکتا ہے۔ یا اگر جذبات کی نفی کی جائے یا اس شخص کو احساسات سے منقطع کر دیا جائے تو جذبات جسم میں ذخیرہ ہوتے رہتے ہیں یہ چیز وقت کے ساتھ درد السر اور دوسری خطرناک بیماریوں پر منتج ہو سکتی ہے کیونکہ ہمارے جسم منفیت' احساس' ناکامی اور شدت جذبات کی ان یادوں کو جذب کرتے اور انہیں تھامے رکھتے ہیں جس پر کبھی توجہ نہیں دی جاتی جس وقت جذبات ابھریں ان پر توجہ دینا اور پھر انہیں جسم میں ذخیرہ کرنے کے بجائے ان کے ساتھ مناسب انداز میں نمٹنے کا فیصلہ کرنا اور توانائی کی لہر کو خارج کرنا بہت اہم ہے۔

اس مشق کا تعلق آکو پریشر سے بھی پہلے کے اس ورثے سے ہے جسے جن شین جیوتسو کا نام دیا جاتا ہے۔ نظریہ یہ ہے کہ ہر انگلی میں سے ایک خط یا توانائی کا دھارا گزرتا ہے جو مختلف اعضاء سے منسلک ہے اور کسی متعلقہ جذبے سے بھی وابستہ ہے۔

اپنی انگلیوں کو آہستگی سے اس انگلی کے گرد لپیٹیے جس سے متعلقہ جذبے کو آپ خارج کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کسی بھی ہاتھ کی انگلیوں کو تھام سکتے ہیں۔ عموماً کچھ لمحوں بعد آپ اپنی انگلی میں سے بہتی ہوئی توانائی کو محسوس کر سکتے ہیں جیسے ایک نبض خود کو متوازن کر رہی ہو۔ انگلی کو اس وقت تک تھامے رکھیں جب تک آپ خود کو غیر مضطرب اور پر سکون محسوس نہ کریں اور جس انگلی کو آپ نے پکڑا ہوا ہے اسے ڈھیلا پڑنے دیں۔

انگوٹھا: گھبراہٹ اور پریشانی کے اخراج کے لیے......یقین کا سوچیے

انگشت شہادت: خوف کے اخراج کے لیے بھروسے کا سوچیے

درمیانی انگلی: غصے کے اخراج کے لیے محبت کا سوچیے

انگوٹھی والی انگلی: ملال اور آنسوؤں کے اخراج کے لیے خوشی کا سوچیے

چھنگلیا: خود توقیری میں کمی اور مظلومیت کے احساسات کے اخراج کے لیے خود اعتمادی کا

سوچیے ۔ بچے انگلیوں کو اس طرح تھامنا بہت پسند کرتے ہیں اور اس آموزش کو بہت مفید سمجھتے ہیں کہ اپنے جذبات کے ساتھ کس طرح پیش آیا جائے۔ اندرون شہر کی ایک ماں نے ایک ورکشاپ میں بتایا کہ اس کے برہم بچے ہمیشہ ہر ایک کو انگلیاں چبھوتے رہتے ہیں۔ اب ان کی رہنمائی کے لیے اس کے پاس ایک گر آ گیا ہے۔ وہ انہیں بتائے گی کہ وہ اسے چبھونے کے بجائے انہی کے درمیانی اگلی کو کس طرح تھامیں۔

والدین اور اساتذہ کے لیے مزید شقوں اور معمولات کے ضمن میں کپیسیٹر کے حصول کے لیے رابطہ کیجیے:

CAPACITOR,INC.23East Breach St. Suite 206,

Watsonville,CA95076 831_465_9426

(fax:831-722-7703;email:capacitor@igc.apc.org).

MashalBooks.org

از: جین سیلگ مین معد بروس شینٹز

''ٹیسٹوسٹیرون کے استعمال کا تدارک؟''

سائنس

ہوسکتا ہے کہ نر ہارمون اتنا مردانہ یا بدمعاش نہ ہو

مرد اتنے سخت جان اور بالوں والے کیوں ہوتے ہیں، وہ جارحیت پسند اور خودغرض کیوں ہوتے ہیں۔

یقیناً ٹیسٹوسٹیرون کی وجہ سے اس نر مرد کی بون چھاتی کو پھیلانے والے جنسی ہارمون کی وجہ سے جو مرد کو خودسر بنا دیتا ہے۔ ٹیسٹوسٹیرون محض یہ لفظ ہی مرد کو اور زیادہ طاقتور بنا دیتا ہے لیکن یا یہ گرجتا برستا ہارمون بہت سی ایسی چیزوں کی طرح جسے مرد عزیز رکھتے ہیں۔ ماہرین کے ہاتھوں نئے سرے سے ترکیب پا رہا ہے اور جو کچھ ان پر منکشف ہوا ہے اعصاب شکن ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مرد جب جارحیت محسوس کرتا ہے تو اس کا سبب ٹیسٹوسٹیرون کی بہت کم مقدار ہوسکتی ہے نہ کہ بہت زیادہ۔ کچھ سائنسدان اب اس چیز کو بھی محسوس کر رہے ہیں کہ مردانہ طرز عمل پر ٹیسٹوسٹیرون کے اثرات محض اس وقت یہ مرتب ہوسکتے ہیں جب ہی نسوانی ہارمون ایسٹروجن میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ انتہائی پریشان کن دریافتوں میں سے ہے:

54 مردوں کے ایک گروپ نے جو غیر معمولی طور پر کم ٹیسٹوسٹیرون کا حامل تھا بتایا کہ وہ بہت زیادہ اضطراب و اشتعال محسوس کرتے ہیں مگر جب ہارمون کی سطح کو نارمل سطح تک لے آیا گیا تو وہ بھی نارمل ہو گئے۔ یونیورسٹی آف کیلیفورنیا' لاس اینجلز' کے محققین نے ڈاکٹر کرسٹینا وینگ کی رہنمائی میں ان سے علاج سے پہلے اور اس کے دو ماہ بعد اپنے مزاج اور حالت میں فرق کی تشخیص کرنے کے لیے کہا۔ جب ان کی ٹیسٹوسٹیرون کی سطح نارمل ہوگئی تو یہ مرد زیادہ دوستانہ مزاج کے حامل بن گئے۔

سیاٹل ویٹیرنز افیئر ز میڈیکل سنٹر کے ایک مطالعے میں محققین نے 48 صحت مند نوجوان مردوں میں ٹیسٹوسٹیرون کی سطح کو مصنوعی طور پر گھٹایا۔ جب ہارمون کو اس معکوس انداز میں کم کیا گیا تو ڈاکٹر ولیم جے بریمز بتاتے ہیں کہ ''چڑچڑے پن اور جارحیت میں اضافے کا رجحان موجود پایا گیا''۔ان کی رائے ہے کہ ''میرے خیال میں جب ٹیسٹوسٹیرون کم ہوتو مرد بس ناگواری محسوس کرتے ہیں۔ وہ جنسی عمل کاری میں گڑبڑ کی وجہ سے بے چینی محسوس کرتے ہیں۔سوالنامے میں یہی چیز چڑچڑے پن اور جارحیت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

نو بالغوں کا طرز عمل ہمیشہ غیر یقینی ہوتا ہے اور طبی اعتبار سے ایک ایسا گروپ جس کی بلوغت کو تاخیر کا حامل بنا دیا گیا تھا کوئی استثنائی مثال ثابت نہیں ہوا۔ پین سٹیٹ یونیورسٹی کے محققین نے بچوں کے امراض کے ماہر ڈاکٹر ہوورڈ کیولن کی رہنمائی میں ہر نو بالغ کو جنسی ہارمونوں کی متغیر خوراکیں دیں۔ تین ماہ کے عرصے کے بعد' ہر لڑکا یا تو ٹیسٹوسٹیرون یا ایک غیر مؤثر دوا کا حامل بن گیا' اور ہر لڑکی ایسٹروجن یا ایک غیر مؤثر دوا کی حامل بن گئی۔ جب انہیں ان کے جنسی ہارمون میسر آ گئے تو دونوں صنفوں کے مطابق ان کے جارحانہ احساسات میں اضافہ ہو گیا لیکن لڑکیوں کی خواہشات میں شدت آ گئی اور ایسا ہارمونوں کی نچلی سطح پر وقوع پذیر ہوا چونکہ ایسٹروجن نے ان پر اتنا شدید اثر کیا لہٰذا محققین نے یہ نظریہ قائم کیا کہ ٹیسٹوسٹیرون کو بھی ایسٹروجن میں تبدیل کیا جا سکتا ہے جس میں ایسٹروجن کے متعدد حصے موجود ہوتے ہیں۔

اب تک بیشتر نئی دریافتیں ٹھوس سائنس کے بجائے قیاس زیادہ ہیں لیکن کچھ حیرانی کی بات بھی ہے کہ ہم ٹیسٹوسٹیرون کے بارے میں اتنا کچھ نہیں جانتے جتنا کچھ ہم سمجھتے تھے کہ ہم جانتے ہیں۔آخر کار ابھی 60 برس قبل ہارمون کو شناخت کیا گیا یہ اس وقت کی بات ہے جب گلوریا سٹینم ابھی اتنی چھوٹی تھی کو اپنا نام بھی صحیح طرح ادا نہیں کر سکتی تھی۔

MashalBooks.org

ازریان آئس لروڈیوڈلوئی

''شراکت کی زبان'' اقتباس از ''شراکتی انداز''

حاکمیتی اندازفکر وحیات سے شراکتی اندازفکر وحیات میں تبدیلی کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ ہماری زبان ہے۔ اگر ہمارے ذہنوں میں موجود الفاظ حاکمیتی نمونوں کو تقویت دیتے رہیں گے تو ہم شراکت داروں کی حیثیت سے کس طرح سوچ سکتے اور زندہ رہ سکتے ہیں؟

الفاظ ہماری سوچ اور عمل کے انداز پر نہایت طاقتور انداز میں اثرانداز ہوتے ہیں۔ طاقت پر مبنی تعلقات کی معنویات ایسے الفاظ کے استعمال میں خصوصاً اہم ہوتی ہے جو عورتوں اور مردوں کے تعلقات کے تعین میں کام آتے ہیں۔ مثلاً انگریزی میں ''مین کائنڈ'' مین اور ''ہی'' جیسے الفاظ کا عمومی استعمال عورتوں اور مردوں دونوں کو غیرشعوری طور پر مردمرکز انداز میں سوچنے کا عادی بنا دیتا ہے اور ہمیں بہت مؤثر انداز میں یہ تعلیم دیتا ہے کہ عورتیں ثانوی حیثیت کی حامل ہیں یا وہ کسی شمار میں نہیں آتیں۔

آج جبکہ تمام لوگوں کی مساوی قدر اور مساوی حقوق پر زیادہ سے زیادہ زور دیا جارہا ہے' زبان میں تبدیلیوں کو بھی ایک منصفانہ معاشرے کی تخلیق کے لیے ایک اہم قدم کی حیثیت سے تسلیم کیا جارہا ہے۔ لیکن یہ تبدیلیاں آسان نہیں کیونکہ لسانی عادات زندگی کی بہت ابتدا ہی میں راسخ ہوجاتی ہیں لہٰذا انہیں توڑنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

مندرجہ ذیل اصطلاحات جو پہلے ہی مستعمل ہیں' ان لوگوں کے لیے تجویز کی جارہی ہیں جو الفاظ کے قیدخانے کو توڑ کر باہر نکلنا چاہتے ہیں ایسے الفاظ جو ہمیں غیرشعوری طور پر انسانیت کے ایک نصف کے بارے میں دوسرے کی نسبت کم قابل قدر کی حیثیت سے سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔

"THE LANGUAGE OF PARTNERSHIP"

from The Partnership Way,

by Riane Eisler and David Loye

In trying to shift from a dominator to a partnership way of thinking ad living, a major obstacle is our language. How can we think and live as partners if the words in our heads keep reinforcing dominator stereotypes?

Words have a powerful effect on how we think and act. The semantics of power relations are paricularly striking in the use of words that serve to define the relationship of women and men. In Englih, for example, the ostensibly generic use of words like mankind, man, and be to include both sexes unconsciously conditions both women and men to think in male-centered ways, effectively teaghing u that women are secondary or do not count.

Today, as the equal value and equal rights of all people are increasingly asserted, changes in language are also being recognized as important steps toward the creation of a just society. But thee changes are not easy to make. Because linguistic habits are established very early in life, it is difficult to break them.

The following terms already in common usage are a few suggestions for those who want to break out of the prison of words that unconsciously force us to think of one half of humanity as less valuable than the other.

Cominator Language	Partnership Language
mankind	humanity/humankind
man	human
he	she or he/one/they
chairman	chairperon/chair
congressman	congressperson
man hours	work hours
manpower	work power, work force
to man	to staff
gentlemen	ladies and gentlemen
Dear Sir	Dear Madam and Sir/Dear Sir or Madam/Dear Madam or Sir/Dear manager

MashalBooks.org

emasculated	weak/nonassertive
effeminate	decadent/weak
statesman	diplomat/leader/policymaker
sissy	sensitive boy
brotherhood	community/kindship/friendship/unity/ patnership
craftsman	artisan/skilled worker
spokeman	speaker/spokesperson/representative
common man	average person

TABLE A.1 Key Words for the Dominator and Partnerhip Models

fear	trust
win/lose	win/win orientation
power over	power to and with
male dominace	gender partnership
sadomasochism	mutual pleasure
control	nuture
ranking	linking
one-sided benefit	mutual benefit
manipulation	open communication
destruction	actualization
hoarding	sharing
codependency	interdependency
left-brained thinking	whole-brain thinking
negative conditioning	posi• tive conditioning
train by punishment	train by encouragement
violence against others	empathy with others
taking orders	working in teams
alienation	integration
nuclear arms race	international partnership
war	peace
secrecy	openness/accountability
indoctrination	participation
conquest of nature	respect for nature
conformity	creativity

SOURCE: The Partnership Way: News Tools for Living and Learning, by

MashalBooks.org

Riane Eisler and David Loye.

MashalBooks.org

از مشیل سٹیمیک

''میکیاویلی اور آئس لر

تعلیم 700 کے لیے حتمی امتحانی سوال''

1۔ زیادہ سے زیادہ ایک یا ڈیڑھ صفحے پر ریان آئزلر کی کتاب 'دی چیلیس اینڈ دی بلیڈ (اس کلاس کے مطالعے کے لیے انتخاب) میں پیش کئے گئے تصورات اور میکیاویلی کی کتاب 'دی پرنس' (اس کلاس کے مطالعے کے لیے انتخاب) میں پیش گئے تصورات اور اصولوں کا موازنہ و مقابلہ کیجئے۔ (10 نمبر)

''عمرانیات 307 (انسانی جنسیت کے) سلیبس سے اقتباسات''

از مارگریٹ کراوڈز

کورس کی تفصیل

''اگر آپ کے ٹول باکس میں موجود ہر اوزار ایک ہتھوڑا ہے' تو آپ کو ہر چیز ایک کیل کی طرح نظر آئے گی۔''

سان ڈیگو آلٹرنیٹوز ٹو وایولینس پراجیکٹ کے شرکاء کی عام کہاوت

یہ کورس سماجی ڈھانچے' آئیڈیالوجی' اور روزمرہ کے تعلقات کے مابین حرکی باہمی ارتباط پر توجہ مرکوز کرتا ہے جن پر انسانی جنسیت مشتمل ہے۔ انسانی جنسیت سے متعلق عقائد اور اظہارات کے بارے میں مستقل سوالات اور مذاکرات' اس کورس کا بنیادی مواد ہیں۔ ایک مرکزی عمرانیاتی موضوع جو اس کورس کو تشکیل دیتا ہے' یہی ہے: جنسی رویے' اقدار' تجربات اور شناختیں نہ تو حیاتیاتی طور پر پہلے سے مقرر ہیں نہ ہی یہ کلی طور پر معاشرے کے زیرِحکم متعین ہوتی ہیں۔ یہ بنیادی طور پر تعاملاتی' سماجی ثقافتی' اور تاریخ عوامل کے مابین حرکی باہمی ارتباط سے متشکل و متاثر ہوتی ہیں۔ کلیدی سوالات یہ ہیں: جب ہم ''انسانی فطرت'' کہتے

ہیں تو ہماری مراد کیا ہوتی ہے؟ انسانی جنسیت کے حوالے سے انسانی فطرت کیا ہے؟ ہم قربت اور انسانی جنسیت سے کیا مفہومات وابستہ کرتے ہیں؟ یہ مفہومات کن سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمیں کہاں سے اخذ کرنا ہیں؟ انسانی شعور اور تعلقات کے لیے یہ مفہومات کن مضمرات اور نتائج کے حامل ہیں؟ ہم ان سے متعلق اور ان سوالوں کے جواب کس طرح دیتے ہیں' کیا اس سے کوئی فرق پڑتا ہے؟

متعدد صورتوں میں' جنسیتوں اور محبت کے نظریات ہماری مقبول عام ثقافت کا حصہ بن چکے ہیں۔ مثلاً اگر سگمنڈ فرائیڈ کا کوئی وجو نہ ہوتا تو ووڈی ایلن کی فلم کیسی معلوم ہوتی؟ یا مردانگی کے ایک مخصوص مروجہ تصور کے بغیر' ریمبو' کیسا ہوتا؟ یا جنسی محبت میں کیا ''فطری'' ہے اور کیا ''حقیقی'' اس کے بارے میں تھوڑے بہت تنازعے کے بغیر ''دی کرائینگ گیم'' اور ''فرائیڈ گرین ٹومیٹوز'' کیسی ہوتیں؟ انسانی جنسیتوں سے متعلق نئی فکر تیزی سے لوگوں کی گفتگو کا حصہ بن رہی ہے؟ یہ فکر انسانی جنسیتوں کی متعدد تعریفات کو چیلنج اور رد کر رہی ہے جو ایک ادارے کی شکل اور ''ناگزیر'' کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں۔ اس کورس میں' ہم اس نئی فکر کو تاریخی' علامتی' تعاملاتی' تنقیدی اور نسواں پسندانہ تحقیقات کے سیاق وسباق میں سنجیدگی سے انسانی جنسیت تک لے جائیں گے: لوگ جنسی شناختیں کس طرح تشکیل دیتے ہیں؟ ہم کن لوگوں کی بات پر گوش برآواز ہوتے ہیں اور کس بات کو نظر انداز کرتے ہیں؟ کیوں؟ اور انسانی تعلقات کی بہتری اور روح کے لیے اس کے نتائج کیا ہوتے ہیں؟

کورس کے مقاصد

1- طلبہ کو انسانی جنسیتوں کے اظہارات کو تشکیل دینے والی عمرانیاتی' ثقافتی اور تاریخی مرکبات سے واقف کرنا۔

2- انسانی جنسیت سے متعلق غالب نظریات' مقبول اور روایتوں' اور مفروضوں پر تنقیدی انداز میں غور کرنا۔

3- انسانوں کے مابین جنسیت' محبت' اور قربت سے متعلق مقبول عام نظریات اور تناظرات کے متبادلات کا جائزہ لینا۔

کورس کا مواد

1. آئس لز ریان۔1995۔مقدس مسرت: جنس' اسطور اور جسم کی سیاست اختیار اور محبت کے نئے راستے۔ ہار پرسان فرانسسکو۔

MashalBooks.org

2. 'انسانی جنسیت' کے عنوان سے کسٹمائز ڈ ریڈر (بک سٹور میں پروفیسر کے نام سے' دوعدد لائبریری میں محفوظ)

کورس ورک

1. ''میں جنسی اعتبار سے کون ہوں اور یہ کس طرح وقوع پذیر ہوا؟''
گمنام مختصر مضمون
2. لائبریری اسائنمنٹ
3. سیمینار کا انعقاد جس میں غوروفکر پر مبنی پیپر شامل ہوں
4. چار تجزیاتی مضامین
5. حتمی پراجیکٹ

حاضری اور شرکت اس کورس کو مباحثے کی صورت میں منظم کیا گیا ہے جو تعاملاتی ابلاغ' تفکراتی۔ تنقیدی فکر اور روزمرہ کی زندگی سے متعلق مطالعاتی مواد پر زور دیتا ہے۔ بنیادی تصورات کو متعارف کروانے کے لیے چھوٹے چھوٹے لیکچر تیار کئے گئے ہیں۔ اطلاقات اور پر مغز مباحثوں کو تحریک دینے کے لیے کلاس روم میں موقعی تجربی مشقوں' مہمان مقرروں' اور فلموں کو شامل کیا گیا۔

حصہ اول: جنسیت کا عمرانیاتی مطالعہ: منہاجیاتی اور نظری سوالات

حصہ دوم: جسم' معاشرہ' اور اختیار: انسانوں کے لیے کی چیز ''فطری'' ہے؟

حصہ سوم: جسم' شناختیں' اور قربت کی سیاست

حصہ چہارم: مردشاہی تعلقات کے مقابلے میں گائلینی جوابات: بین الاشخاصی ابلاغ اور اجسام' اذہان' اور تعلقات کے سماجی تصورات

حصہ پنجم: مردشاہی سے ماورا' مگر جنسی اور جنسیت سے ماورا نہیں

پبلک سمپوزیم: ''حاکمیتی سیکس سے شراکتی محبت اور جنسیت تک''

یہ کیسا نظر آتا ہے' لگتا اور محسوس ہوتا ہے: قطبیت' انتشار' جنسی جبر' درد' تعصب' اور تکلیف کے مقابلے میں مسرت' شراکت' درست انتخاب' محبت' کل شخصی جنسیت' تخلیقیت' آزادی کی تشکیل کرنا کیسا نظر آتا' لگتا اور محسوس ہوتا ہے۔

ازرے گین

چیلیس اور تلوار

تعلیم 700 کے لیے حتمی امتحانی سوال کا جواب

ریان آئس لر کی 'دی چیلیس اینڈ دی بلیڈ' کو بہ آسانی 'دی چیلیس اینڈ دی پرنس' کا نام دیا جا سکتا تھا۔ آئس لر کا استدلال ہے کہ بلیڈ (تلوار)' مرد غالب' اختیار مرکز' نظام ہائے مراتب پر مبنی دنیا کی نمائندگی کرتا ہے جس کی دستاویزی شہادت تاریخ نے مہیا کی ہے۔ میکیاویلی کا پرنس بلیڈ کی اصل روح کا نمائندہ ہے کیونکہ ''حاکمیتی'' ماڈل کا ناخدا۔ آئس لر کے نزدیک چیلیس (پھول) شراکت کی نمائندہ آئس لر کی شراکت انسانی معاشرے کی قلب ماہیت کے ضمن میں مردوں اور عورتوں دونوں کی ذمہ داری پر اصرار کرتی ہے۔ چیلیس' باہمی ذمہ داری اور فائدہ مندی کی شراکت میں انہی صلاحیتوں کی تکمیل تک پہنچنے کے لیے تمام لوگوں کی مدد کی قوت کا نام ہے۔

میکیاویلی نے اختیار حاصل کرنے اور طاقت' خوف اور سازباز کے ذریعے اس طاقت کے استمرار پر زور دیا۔ میکیاویلی کے پیراڈائم میں فریب اور ننگی جارحیت شامل ہے یہ دنیا کے ایک نااخلاقی ''مقاصد ذرائع کو جائز ٹھہراتے ہیں'' کے زاویے سے عمل کرتا ہے۔ میکیاویلی لکھتا ہے'' ......اس صفت کی پردہ پوشی کا اہل ہونا اور ایک بڑا نقال اور مکار ہونا ضروری ہے؟ اور لوگ اتنے سادہ لوح اور موجودہ ضرورتوں کے دیوانے ہوتے ہیں کہ جو انہیں فریب دیتا ہے اسے ایسے لوگ ہمیشہ میسر آ جاتے ہیں جو خود اس کے فریب میں آ جانا چاہتے ہیں'' (1940 ص ص 64_65)۔ یوں' پرنس ایک ''حاکمیتی نظام مراتب'' یا ایک بااختیار مقام سے عمل کرتا ہے جہاں سے وہ بے پایاں اختیار کے حکم کا حامل ہوتا ہے۔

اس کے برعکس، چیلیس کا پیراڈائم ''تکمیلی نظام مراتب'' کے زاویے سے عمل کرتا ہے جہاں نظام ہائے مراتب کی مختلف سطحیں موجود رکھتی ہیں اور اس کی وجہ تکمیل کے مختلف مراحل ہوتے ہیں جن میں لوگ عمل کرتے ہیں۔ چیلیس ایک شراکتی معاشرہ پیش کرتی ہے۔ لوگ ایک دوسرے کے خلاف نہیں، باہمی تعاون اور باہمی اشتراک سے مل جل کر کام کرتے ہیں اور سوچتے ہیں۔ چیلیس مرد حاکم دنیا کی جگہ عورت حاکم دنیا قائم نہیں کرنا چاہتی، یہ انسانیت کی دو پہلوؤں کے درمیان شراکت کی متمنی ہے۔ آئس لر تاریخی، روایتی پیراڈائم کو ''مرد شاہی'' کی حیثیت سے بیان کرتی ہیں۔ آئس لر ایک متبادل اصلاح ''گائیلینی'' تجویز کرتی ہیں جو ایک ایسا پیراڈائم تشکیل دیتی ہے جو انسانیت کے نسوانی اور مردانہ پہلوؤں کو ایک عملی شراکت میں اکٹھا جوڑتا ہے۔

چیلیس اخلاقی اور اخلاقیاتی مرکز پر مرتکز ہے۔ پرنس اور بلیڈ کے اصول حتمی طور پر نا اخلاقی، بلکہ غالباً غیر اخلاقی ہیں۔ میکیاویلی کی رائے ہے کہ ''ایک ایسے پرنس کو جو ریاست کو قائم رکھنا چاہتا ہے بالعموم مجبوراً برائی کی طرف آنا پڑتا ہے'' (1940ص 71)۔ چیلیس ''حاکمیتی ماڈل'' سے ایک ایسے ماڈل میں سماجی تبدیلی کی بات کرتی ہے جو مردانہ وزنانہ باہمی اخلاقی اور اخلاقیاتی ماورائیت میں دونوں صنفوں کا احاطہ کرتی ہے۔

''عمرانیات305 (عورتوں کی عمرانیات) کے لیے اداکارانہ کردار اور تخلیقی منصوبوں سے اقتباسات''
از مارگریٹ کراوڈز

تعارفی کلمات

سی۔ رائٹ میلز کا کہنا ہے: ہمیں انفرادی نجی زندگیوں اور سماجی ڈھانچے کے مابین تعلقات کو جاننے کی ضرورت ہے تا کہ ہم سمجھ سکیں کہ معاشرے کی نوعیت کیا ہے ہم خود کو کس قسم کے مرد اور عورتیں بنانا چاہتے ہیں، اور یہ سمجھنے کے لیے کہ نہ صرف ہم پر ''دنیا'' کا کیا اثر ہوتا ہے، بلکہ اہم بات یہ ہے کہ، ہم اپنی بسماجی دنیا کی تشکیل پر کیا تخلیقی اثر مرتب کرتے ہیں۔ بین الاشخاصی، اور روزمرہ کے تعلقات، ڈھانچے یا سماجی تنظیم تعمیری اینٹیں ہیں۔

ایڈرین رچ نے عورتوں کو اپنی تعلیم پر دعوی جتانے کی جو دعوت دی اسے یاد کیجئے وہ کہتی ہیں:

خود ذمہ دری لینے کا مطلب ہے کہ آپ دوسروں کو اپنے لیے سوچنے، بولنے، اور موسوم کرنے کی آزادی نہ دیں۔ اس کا مطلب ہے، خود اپنے ذہنوں اور جبلتوں کا احترام اور استعمال سیکھنا، یوں مشکل

کاموں سے نبرد آزما ہونا...... اس کا مطلب ہے کہ محض تنازعے اور تصادم سے بچنے کے لیے ایسا کرنے کے بجائے آپ اپنی قابلیتوں اور امنگوں کو بیچنے سے انکار کر دیں۔

اور آئس لر ہمیں یاد دلاتی ہیں کہ:

جب مختلف ضرورتوں اور خواہشوں اور مفادات کے حامل افراد اکٹھے ہوتے اور ایک دوسرے کے ساتھ رابطے میں آتے ہیں تو کشمکش ناگزیر ہے۔ سوال جو اس چیز سے براہ راست تعلق رکھتا ہے کہ آیا ہم دنیا (اور تعلقات) کو نزاع سے پرامن بقائے باہمی میں تبدیل کر سکتے ہیں' یہ ہے کہ تنازعے کو تخریبی کے بجائے پیداواری کیسے بنایا جائے...... تخریبی تنازع' تنازعے کو اس ظلم و تشدد کے مترادف ٹھہراتا ہے جو حاکمیت کے استقرار کے لیے ضروری ہے ...... پیداواری تنازعے کے ذریعے افراد' تنظیمیں اور اقوام پروان چڑھ سکتی اور تبدیل ہو سکتی ہیں (دی چیلیس اینڈ دی بلیڈ 1987,1992)۔

لہٰذا ہمیں خود اپنی خاطر' ٹھوس طرز ہائے عمل' افکار' احساسات' اور زبان سے متعلق سوالات اٹھانے کی ضرورت ہے جو اقدامات سے متعلق تقاضوں سے منسلک ہیں اور ان کی تشکیل کرتے ہیں۔ ہم یہ کس طرح کر سکتے ہیں؟ یہ عمل میں کیسا نظر آتا اور محسوس ہوتا ہے؟

آپ یہاں جو کچھ کر رہے ہیں وہ ان چیزوں کے تجزیاتی عمل کا تصوراتی اور تعاملاتی مظاہرہ ہے: متبادلات کو شناخت کریں' انہیں نام دیں' بیان کریں' واضح کریں' ان کا سامنا کریں' ان کی توضیح کریں' طرز عمل کو تبدیل کریں۔ سو' تین نکات ذہن میں رہنے چاہئیں (یہاں ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے)

اے۔ ''یہاں'' کو درست طور پر موسوم کریں (یعنی' عدم تعمیر)۔ عمل اور تعامل میں موجودہ ''غالب پیراڈائم'' کو شناخت کریں۔ ایسے مخصوص طرز ہائے عمل' الفاظ' انداز کو بیان کریں جو ''مردشاہی'' کی تشکیل کرتے ہیں۔

بی۔ ''وہاں'' کے متبادل کو موسوم کریں۔ کون سی اقدار' رویے مخصوص ابلاغات' جسمانی انداز ''گائلینی'' کو تقویت دیتے ہیں؟ عمل میں سامنے آنے والی خاصیتوں کو شناخت کریں اور بیان کریں۔

سی۔ مثالی خاکہ قلمبند کریں۔ سوچنے اور زندہ رہنے کے کونسے انداز آپ جاری رکھنا چاہتے ہیں؟ آپ یہ فیصلہ کیسے کرتے ہیں؟ ان اقدامات کو شناخت اور واضح کریں جو یہاں سے وہاں تک رہنمائی کر سکتے ہیں' یعنی ٹھوس طرز ہائے عمل' افعال' الفاظ' اور احساسات کو شناخت کریں۔

محافظوں کی سادہ سی تبدیلی کے مقابلے میں بنیادی تبدیلی سے متعلق یاد رکھنے کے قابل ایک: نکتہ ذہنوں کی تبدیلی کا مطلب ہمیشہ جسموں' دلوں اور افعال کی تبدیلی ہوتا ہے۔ ایک کے بغیر دوسرا چھوٹی

ثنویت کو قائم رکھتا ہے اور اندر سے ناکارہ بنا تا رہتا ہے......

عمل

تصور یہ ہے کہ گائلینی شراکت کی تحریک کے عمل، سمت، احساس، اور عمل کا مظاہرہ کیا جائے۔ لہٰذا، اس حصے کا مطلب ہے کہ آپ مردشاہی حاکمیتی زبان، ابلاغ، انداز، وغیرہ کو سامنے رکھیں اور، ہمیں بتائیں کہ جب آپ کسی خاص صورت حال کو تبدیل کرتے ہیں تو آپ کو گائلینی زبان، ابلاغ اور انداز کیسے نظر آتے اور کیسے محسوس ہوتے ہیں۔

1- ایک ایسی ''خاص صورت حال'' میں جو ''مردشاہی تعلقات'' کو جنم دیتی ہے۔ ایسی زبان، آواز کے اتار چڑھاؤ، جسمانی انداز، وغیرہ پر مشتمل ایک مختصر خاکہ تحریر کریں جو مخصوص مردشاہی کی نمائندگی کرتا ہے۔

حقیقت کے قریب رہیں، ردوبدل بڑھانے یا گھٹانے سے احتراز کریں۔

خود سے دور دوسروں سے استفسار کریں: ''یہاں کیا ہو رہا ہے؟'' پھر اپنے ''فریز فریم'' (Freeze Frame) تخلیق کرنے کے لیے کورس کے مواد سے کام لیں۔ تنازعے یا ردوبدل کے اہم نکات پر خصوصی توجہ مبذول کروانے کی خاطر وقفے وقفے سے عمل کو روکنے کے لیے فریز فریموں کو استعمال کریں، اور ان پر تجزیاتی تبصرہ کریں۔

2۔ پھر: ''یہاں سے وہاں تک'' کے ذریعے سوچیں اور محسوس کریں، اور خاکے کو دوبارہ تحریر کریں۔ یعنی صورت حال کی ایک ردوبدل میں قلب ماہیت کریں جو ''گائینی تعلق داری'' کے ارادے اور تحریک کی مظہر ہو۔ حقیقت کے قریب رہیں، بڑھانے یا گھٹانے سے احتراز کریں۔

فریز فریم

فریز فریموں کا ایک بڑا مقصد سامعین کو وہ کچھ بتانا ہے جو کچھ آپ چاہتے ہیں کہ وہ دیکھیں اور جیسے یہ وقوع پذیر ہوتا ہے اس کا مطلب کیا ہے یہ شامل اداکاروں کو کیسا محسوس ہوتا ہے، اور اس سے کس قسم کے نتائج برآمد کئے جاتے ہیں اسے اس طرح سنیں۔ تشکیل نو/ قلب ماہیت کیلئے اسی عمل کو یکسانیت سے دہرائیں۔

لہٰذا آپ فریز فریموں کے ضمن میں مدد کے لئے یقیناً آئس لر کے تجزیوں اور کورس کے فریز فریموں کے ضمن میں مدد کے لیے دوسرے مطالعاتی مواد کو استعمال میں لانا چاہیں گے۔ (آپ فریز

MashalBooks.org

فریموں کو ایک اچھی اور متاثر کن کہانی لکھنے کے لیے "اپنے ماخذوں کے حوالہ جات" کے طور پر خیال کر سکتے ہیں۔)

آپ کو اختتام کس طرح کرنا چاہیئے۔

ایک ایکٹ دو منظر۔ منظر 1 کو اس طرح قلمبند کیجئے کہ وہ ایک دوسرے کی جگہ لے سکیں۔ یہ 5,3 منٹ پر مشتمل اور متعدد فریز فریموں پر مبنی ہو جو ان اہم اقدامات کی نشاندہی کرتے ہوں جن کی آپ قلب ماہیت کرنا چاہتے ہیں۔ منظر 2 منظر 1 کی ایک قلمبند قلب ماہیت ہونی چاہیئے۔ اگر آپ ایک گائیلینی سوچ کر احساس کے حامل شخص ہیں تو آپ اس صورت حال میں کس طرح سوچنا' بات کرنا اور عمل کرنا پسند کریں گے؟ گائیلینی "عمل" ہمدردانہ اور سرگرم سماعت' موثر ابلاغ (یعنی' اپنے احساسات اور دلچسپیوں' ہمدردی وغیرہ' کا خود مالک ہونا)' درجہ بندی کے بجائے تعلق کے ساتھ فکری اور جذباتی اتفاق' کسی دوسرے شخص کے ساتھ ایک مخصوص مرکب کے طور پر نہیں بلکہ ایک شخص کے طور پر طرز عمل اختیار کرنے کی رضا مندی' اور شعوری "یہ یا یہ" کے بجائے کسی کام کو تخلیقی انداز میں انجام دینے کی رضا مندی پر مشتمل ہوتا ہے۔ لہٰذا' منظر 2 5_8 منٹ میں پورا ہونا چاہیئے' اس میں زیادہ وقت اس لیے صرف ہوتا ہے کیونکہ مرد شاہی ردعمل کے بجائے گائینی تشکیلات میں تخلیقیت زیادہ سرگرم اور گہرائی تک کارفرما ہوتی ہے۔

سو ایک ایکٹ' دو منظر کے کرداری کھیلوں کو تقریباً 15 پندرہ منٹ میں پورا ہونا چاہیئے۔ اور پھر سامعین کو تقریباً 5 منٹ سوالات پوچھنے کے لیے ملنے چاہئیں۔ اگر ہر گروپ میں 6 افراد ہیں تو ہر گروپ کو 20 منٹ۔

اختتامی نکات

اس کا تعلق ایک "مکمل" نئے مثالی منظر کی تخلیق سے بہت زیادہ نہیں۔

یہ اصل میں یہاں سے وہاں پہنچنے کے عمل کے مظاہرے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ ایک مشترکہ سعی ہے۔ اگرچہ ہر شخص کے حصے میں بولنے کا کام نہیں آتا' پھر بھی ہر شخص کو گائیلینی قلب ماہیت کی تفصیلات کے تجزیے اور تشکیل میں حصہ ضرور لینا چاہیئے۔

''مستقبل کی تشکیل میں شراکت''

ہم آپ کو مستقبل کی تشکیل میں شرکت کی دعوت دیتے ہیں:

شراکتی تعلیم

مرکز برائے شراکتی مطالعات

☆ ایک زیادہ پرامن' منصفانہ اور پائیدار مستقبل کی تعلیمی بنیادیں رکھنے کیلئے شراکتی تعلیمی مواد' تربیت اور طریق ہائے کار سے متعلق مشاورت مہیا کرتا ہے۔

☆ ایلیمنٹری اور ثانوی سکولوں' یونیورسٹیوں اور ایسی دوسری تنظیموں کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے جو شراکتی تعلیمی نصاب' عمل اور ڈھانچے تخلیق کرنا چاہتی ہیں۔

☆ اس تخلیقی عمل میں نوجوان افراد (قبل سکول سے لے کر یونیورسٹی کے طلبہ تک) کو شمولیت کا پورا موقع دیتا ہے اور لیڈرشپ اختیار کرنے کیلئے تیار کرتا ہے۔

☆ کانفرنسوں اور دوسرے اجتماعات کیلئے مقررین فراہم کرتا ہے۔

ہم آپ کو دو دلچسپ تعلیمی مواقع میں شمولیت کیلئے مدعو کرتے ہیں:

☆ مرکز برائے شراکتی مطالعات' یونیورسٹی آف کہناس سنٹر فار ریسرچ آن لرننگ کے اشتراک سے جو تعلیم جاریہ میں ایک سرکردہ حیثیت رکھتا ہے' اساتذہ کی تعلیم جاریہ سے متعلق ورکشاپس مہیا کرتا ہے تا کہ اساتذہ کے کلاس روموں یا ہوم سکولنگ میں شراکتی عمل' مواد اور ڈھانچے کا استعمال سیکھ سکیں۔ یہ ورکشاپس ریاستہائے متحدہ کے مختلف علاقوں میں منعقد ہوتی ہیں اور تعلیم جاریہ کے کریڈٹ کیلئے ان میں شمولیت اختیار کی جاسکتی ہے۔

معلومات کیلئے جم نائٹ سے اس نمبر پر 785-864-0623 رابطہ کیجئے۔

Email: mjknight@ukans.ed

☆ مرکز برائے شراکتی مطالعات' انسٹیٹیوٹ فار فیلڈ بیسڈ ٹیچر ایجوکیشن' کیلیفورنیا سٹیٹ یونیورسٹی' مانیٹری بے کے اشتراک سے' جو تنوع' انصاف اور نظامی آموزش سے متعلق تعلیم کا ایک رہنما ادارہ ہے' شراکتی تعلیم میں اختصاص سمیت ایجوکیشن میں ماسٹر آف آرٹ کی ڈگری پر کام کر رہا ہے۔ یہ پروگرام فاصلہ جاتی آموزش کا ایک کورس بھی مہیا کرتا ہے جس میں ملک اور دنیا کے تمام حصوں کے اساتذہ شریک ہو سکتے ہیں۔

معلومات کیلئے پروفیسر کرسٹین سلیٹر سے اس نمبر پر 831-582-3641 رابطہ کیجئے۔

Email: chirstine_sleetez@montezey,edu

یا اس ویب سائٹ پر جایئے:

www.csumb.edu/academic/graduate/education/partnership

عمومی معلومات کیلئے یا مستقبل کی تشکیل کیلئے ٹیکس مستثنیٰ عطیہ کیلئے درج ذیل پتے پر لکھیے۔

center for partnership studies p.o box 51936, pacific grove, ca 93950, usa

آپ اس پتے پر ای میل بھی بھیج سکتے ہیں۔

center@partnershipway.olg

یا اس نمبر پر فیکس بھیج سکتے ہیں۔

831-626-3437

MashalBooks.org

ضمیمہ بی

کتابوں اور وڈیو سے متعلق مزید معلومات

تکنیکی اور غیر تکنیکی دونوں قارئین کیلئے شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کے ساتھ ساتھ ثقافتی قلب ماہیت کے نظریے سے متعلق متصل مباحث جو نصاب کی تشکیل کیلئے رہنما خطوط مہیا کرتا ہے' میری کتابوں ''دی چیلیس اینڈ دی بلیڈ'' (سان فرانسسکو: ہارپر اینڈ رو'1987'1988ء) مقدس مسرت (سان فرانسسکو: ہارپر کولنز1995'1996ء) اور مقدر کی تعیین نو (زیر اشاعت) میں دستیاب ہیں۔

اساتذہ ''دی چیلیس اینڈ دی بلیڈ'' کو بھی کام میں لا سکتے ہیں جیسا کہ میج برٹ ایگل اور ہائی سکول کے دوسرے اساتذہ کرتے رہے ہیں۔ کم عمر طلبہ کیلئے اساتذہ قبل تاریخ سے متعلق اس کتاب میں موجود اشکال کی نقول تیار کر سکتے ہیں اور/ یا لائبریری کتب میں سے رنگین تصاویر کو استعمال کر سکتے ہیں۔

شراکتی انداز' نظر ثانی شدہ ایڈیشن کو بھی (بریڈن' ورمانت: ہولسٹک ایجوکیشن پریس1998ء) جسے میں نے اپنے شریک کار' ساجی نفسیات دان' ڈیوڈ لوئی کے ساتھ مل کر لکھا تھا' کام میں لایا جا سکتا ہے۔ اس میں تجربی کام' مباحثہ جاتی سوالات اور چارٹس شامل ہیں جنھیں یونیورسٹی اور ہائی سکول کی کلاسوں کے ساتھ ساتھ کمیونٹی اور چرچ کی ورکشاپس میں کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جا چکا ہے۔

''دی چیلیس اینڈ دی بلیڈ'' (نیو ورلڈ لائبریری1997ء) کی آڈیو ٹیپ جس میں میں نے کتاب کے ملخص کو پڑھ کر سنایا ہے' آموزش کیلئے ایک مفید چیز ہے کیونکہ اس کے اقتباسات طلبہ میں مباحثہ کی تحریک پیدا کر سکتے ہیں۔

تعلیم اور کاروبار سے لے کر سیاست اور روحانیت تک جیسے شعبوں میں شراکتی ماڈل کے اطلاقات

سے متعلق متعدد مصنفین کے مضامین مرکز برائے شراکتی مطالعات (پی او باکس نمبر 51936، پسیفک گروو، سی اے 93950) اور بین الاقوامی شراکتی نیٹ ورک (پی او باکس نمبر 323، ٹساں اے زیڈ 85702) سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ ان میں سے بعض مضامین مرکز برائے شراکتی مطالعات (سی پی ایس) کی ویب سائٹ

hhp: 11 www.partnershipway.org

سے نقل کئے جاسکتے ہیں۔

جو اساتذہ نوحجری دور کے ساتھ ساتھ کانسی کے عہد کے کریٹ کی مائنوئی تہذیب کے بارے میں اور زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں میں انہیں مریبا گموٹاس، جیمز میلارٹ، نکولس پلیٹن، آر ایف ویللس اور لوسی گوڈیسن کی تصانیف سے رجوع کرنے کا مشورہ دوں گی جنہیں کتابیات میں بھی درج کیا گیا ہے۔ ان کی بعض دریافتوں کے ایک سرسری جائزے اور زیادہ جامع کتابیات کیلئے میں ''مقدس مسرت'' اور ''دی چیلیس اینڈ دی بلیڈ'' کی صلاح بھی دوں گی۔

کرسٹینا بیا گی کی ''عظیم دیوی کے پڑاؤ (مانچسٹر، کون نالج، آئیڈیاز اینڈ ٹرینڈز انکارپوریٹڈ 1994ء) مالٹا کے جزیرے کی دلکش نوحجری تہذیب اور اس کی دیوی کے دیوہیکل مجسموں اور مقبروں کو بیان کرتی ہے۔ پاؤلا گن ایلن کی ''مقدس چکر'' (بوسٹن: بیکن پریس، 1986ء) نسوانیت سے متعلق مقامی امریکی روایات کے بارے میں معلومات کا ایک اچھا ماخذ ہے۔

بچوں کی کتابوں میں جو کم عمر افراد کو یہ تعلیم دیں کہ شراکتی ماڈل پر کس طرح عمل درآمد کیا جاسکتا ہے یہ کتابیں شامل ہیں۔ جیوتسنا سری نواسن کی ''کریٹ پہ نکلا چاند'' (سینٹ لوئس: سموتھ سٹون پریس، 1996ء) یہ قبل تاریخ تک پیچھے جاتی ہے۔ سری نواسن کی ''ارونا کا سفر'' (سینٹ لوئس: سموتھ سٹون پریس، 1997ء) یہ ایک گیارہ برس کی ہندی امریکی لڑکی سے متعلق ہے جو انڈیا میں اپنے عزیز واقارب سے ملنے جاتے ہیں۔ ایسہ چیز کی ''فو موا اینڈ ناٹا'' (شانی مشن، کیناس: مارش میڈیا، 1995ء) یہ کم عمر بچوں کیلئے ایک تصویری کتاب ہے جو یہ بتاتی ہے کہ ہاتھی باہمی تعاون کس طرح سیکھتے ہیں، بیٹی شیہان کی ''گوینڈولن کا تحفہ'' (گریٹنا، پیلیکن پبلشنگ کمپنی 1991ء) یہ ایک توضیحی کتاب ہے جو سنڈریلا کی اسطور کے خلاف ایک اچھا دفاع ہے اور ڈگلس لارک کی ''فادر گینڈر کے نرسری گیت'' (سانٹا باربرا، کیلیفورنیا: ایڈووکیسی پریس 1986ء) یہ مدر گوز کے گیتوں میں انسانی تعلقات سے متعلق ظالمانہ اور بے رحمانہ پیغامات کی تردید کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ کتابوں کیلئے ایک اچھا ماخذ اڈووکیسی پریس، سانٹا باربرا، کیلیفورنیا (فون

(1-800-676-1480) ہے۔ ایڈووکیسی پریس نے نوعمر افراد کیلئے انتخابات کیسے کیے جائیں: نوبالغوں کیلئے زندگی کی مہارتیں' کے نام سے ایک بہت عمدہ سلسلے کا اجرا کیا ہے جس میں کیریئر اور زندگی کی منصوبہ بندی سے لے کر بلوغت کے حمل کے تدارک تک جیسے مسائل پر توجہ دی گئی ہے۔

میں کچھ ناولوں کا ذکر بھی کرنا چاہتی ہوں جو حیاتی اور ابتدائی ثقافتی ارتقا سے متعلق اس کتاب کے حصوں سے مناسبت رکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک ''حلقہ ہائے سنگ'' از جون ڈار ہیمبرٹ (نیویارک: پاکٹ بکس' 1997ء) ہے ایک اور میری میکی کی ''گھوڑوں کی آمد کا سال'' (سان فرانسسکو: ہارپر' 1993ء) ہے۔ ایوالون کی دھند' از میرین زمر بریڈلی (نیویارک: بیلنٹائن' 1982ء) پہلے ہی خاصا معروف ہے۔ میری جیکو برکا ''ہائی کیمیلن' (کیلگری' کینیڈا: گلوبگ بکس' 1993ء) جو اتنا معروف نہیں ایک جاندار تاریخی/تخیلاتی ناول ہے جو مہم جوئی اور رومانس کی ایک حیرت انگیز کہانی کے پس منظر میں شراکتی اور حاکمیتی انداز ہائے تعلق کا موازنہ پیش کرتا ہے اور ہائی سکول کے طلبہ کیلئے تفریح اور معلوماتی دونوں قسم کا مطالعہ فراہم کرتا ہے۔ ایک اور جاندار اور تخیلاتی کہانی شیری ٹیپر کی ''عورتوں کے ملک کا دروازہ'' (نیویارک: ڈبل ڈے' 1998ء) ہے۔

ایوا کیولز کی ''دی رین آف دی فیلس' (برکیلی: یونیورسٹی آف کیلیفورنیا پریس' 1993ء) قدیم یونان کے بارے میں ایک محققانہ کتاب اور رابرٹ گریوز کی میں' کلاڈیس' (نیویارک' ونٹیج بکس' 1989ء) قدیم روح کے بارے میں ایک اچھا ماخذ ہے۔ جو اساتذہ قدیم سمیری تہذیب (پرانے شراکتی اور نئے حاکمیتی عناصر کا ایک ملغوبہ) کے بارے میں مزید جاننا چاہتے ہیں وہ اینکی کی اساطیر' (نیویارک: آکسفرڈ یونیورٹی پریس' 1989ء) سے استفادہ کر سکتے ہیں جسے سمیری تہذیب کے ماہر سیموئیل نوح کریم نے جان میئر کی شراکت میں تحریر کیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی توجہ دلائی جا چکی ہے' یہ کتاب ثقافتی قلب ماہیت کے نظریے کو ایک فریم ورک کی حیثیت سے کام میں لاتی ہے۔

ماحول سے متعلق پس منظر کے بارے میں عمدہ مطالعے کیلئے ریچل کارسن کی کلاسیکی کتاب ''بے آواز بہار'' (بوسٹن: ہاؤٹن مفن' 1962ء) اور کیرولین مرچنٹ کی اساسی ماحولیات' (نیویارک: روٹلیج 1992ء) ملاحظہ کیجئے۔ حالیہ پیش رفت کیلئے ارتھ آئی لینڈ انسٹیٹیوٹ (415-788-3666) گرین پیس (1-800-326-0959) اور کو آپ امریکہ (1-800-58-green) جیسی تنظیموں کے نیوز لیٹر اچھے ماخذ ہیں' اسی طرح پاپولیشن انسٹیٹیوٹ (202-544-3300) کا پاپ لائن ہے جس میں گاہے گاہے ماحولیاتی مسائل اور آبادی کی افزائش کے درمیان تعلق سے متعلق مضامین شائع کیے

MashalBooks.org

جاتے ہیں۔ اہم سماجی مسائل سے متعلق ایک عمدہ اور جامع ماخذ دی ہیومینسٹ ہے جسے امریکن ہیومینٹ ایسوسی ایشن (6646-743-800-1) شائع کرتی ہے اور عورتوں سے متعلق خصوصی اہمیت کے مسائل کیلئے ون (ڈبلیو آئی این) نیوز (جسے وومین انٹرنیشنل نیٹ ورک، فیکس 1734-862-781) شائع کرتا ہے ایک عمدہ ماخذ ہے۔

ریاستہائے متحدہ کی تاریخ کے بارے میں متعدد تصانیف موجود ہیں مثلاً عورتوں کا امریکہ: ماضی پر نظر ثانی، اشاعت چہارم، تدوین از لنڈا کے کربر اور جین ڈی ہارٹ (نیویارک: آکسفرڈ یونیورسٹی پریس 1997ء) میری پی ریان کی نسوانیت اور امریکہ: نو آبادیاتی دور سے جدید دور تک، اشاعت سوم (نیویارک: فرینکلن ویٹس، 1983ء) سارا ایم ایونز کی بارن فار لبرٹی: امریکہ میں عورتوں کی تاریخ (نیویارک: فری پریس 1989ء) غیر مساوی بہنیں، ریاستہائے متحدہ کی کثیر الثقافتی تاریخ، تدوین از کیرل ڈوبائز اور وکی ایل روئز (نیویارک: روٹلیج 1990ء) ڈارلین کلارک ہائن اور کیتھلین ٹامپسن کی امید کی چمکتی لڑی (نیویارک: براڈوے بکس 1998ء) اور گرڈا لرنر کی سفید فام امریکہ میں سیاہ فام عورتیں: ایک دستاویزی تاریخ (نیویارک: اینڈم ہاؤس 1972ء)

ہائی سکول کے انگریزی کے نصاب کی تبدیلی کیلئے یز وہیلی اور لز ڈاج کی، ویونگ ان دی وومین (پورٹسماؤتھ، این ایچ: بوئینٹن/کک پبلشرز 1993ء) کو با آسانی کام میں لایا جاسکتا ہے کیونکہ یہ گریڈ کی سطح کے ساتھ ساتھ تاریخ ادوار کے حساب سے تجاویز مہیا کرتی ہے۔ بلانش ویزن کک کی ایلینر اوز ویلٹ کی سوانح حیات، جلد اول (نیویارک: پینگوئن 1993ء) اور جلد دوم (نیویارک: وائیکنگ 1999ء) اور ولمہ مین کلر کی زندگی کہانی (نیویارک: سینٹ مارٹنز پریس 1993ء) بھی اچھے ماخذ ہیں۔

سوزن مولر اوکن کی مغربی سیاسی فکر اور عورتیں (پرنسٹن، نیوجرسی: پرنسٹن یونیورسٹی پریس 1979ء) روشن خیالی پر توجہ مرکوز کرتی ہے۔ انیسویں اور بیسویں صدی کی انقلابی تحریکوں اور ان میں عورتوں کے کردار سے متعلق میں شیلا روباتھم کی عورتیں، مزاحمت اور انقلاب (نیویارک: ونٹیج بکس 1979ء) تجویز کرتی ہوں۔ نسواں پسندانہ نظریات، تدوین از ڈیل سپنڈر (نیویارک: پنتھیان بکس 1983ء) اور مریم شنائر کی نسواں پسندی: بنیادی تاریخی تحریری (نیویارک: ونٹیج بکس 1994ء) اور شنائر کی ہی نسواں پسندی کی ونٹیج کتاب: عورتوں کی معاصر تحریک سے متعلق بنیادی تحریریں (نیویارک: ونٹیج 1994ء) نسواں پسندانہ تحریروں کے مجموعے ہیں۔

میتھیو کیلہن کی جنس، موت اور مشتعل جوان مرد (اوجائے، کیلیفورنیا، ٹائمز چینج پریس 1991ء)

پختہ عمر کے طلبہ کیلئے ایک عمدہ ماخذ ہے۔ مصنف (جو ایک واک موسیقار ہے) اور میرے شریک کارڈیوڈ لوٹی اور میرے درمیان مکالمہ مردانگی' نسوانیت' آرٹ' تخلیقیت اور عموماً زندگی سے متعلق ہر فکر سوالات کے جوابات تجویز کرتا ہے۔ ریفائی کی بچوں کے ایک شاعر کی زندگی (وینکوور: ہوم لینڈ پریس 1999ء) شراکتی مردانگی کا ایک اچھا ماڈل فراہم کرتی ہے۔

اہم افریقی: امریکی تناظرات کیلئے بیل ہکس کی تمنا' نسل صنف اور ثقافتی سیاست (نیویارک' وِنٹیج بکس 1994ء) اور یام کی بہنیں (بوسٹن: ساؤتھ اینڈ پریس 1993ء) ایلس واکر کے اثر انگیز ناول رنگ گلابی (نیویارک: ہارکورٹ' بریس' جووانووچ 1982ء) اور خوشی کے راز سے آشنائی (نیویارک: ہارکورٹ' بریس' جووانووچ 1992ء) لوئیسہ ٹیش کی جمیلا ئیہ (نیویارک: ہار ہراینڈ اور 1995ء) ٹونی ماریسن کی محبوبہ (نیویارک: کتاب 1987ء) اور آڈری لارڈ کی سسٹر آؤٹ سائیڈر (فریڈم' کیلیفورنیا: کراسنگ پریس 1984ء) ملاحظہ کیجئے۔ ابتدائی شراکتی بنیادوں کے حامل مقامی امریکی اور افریقی معاشروں سے متعلق مواد کے ضمن میں میں یہ مضامین تجویز کروں گی۔ گریگری ایل شاف کا مضمون' مکہ کوئٹ چیلی اور شانی قوم کی گمشدہ عورتیں'' مشمولہ مغربی روایت میں عورتوں کی زندگیوں سے متعلق تصورات'' تدوین از فرانس رچرڈسن کیلر (نیویارک: لیوسٹن 1990ء) جو بتاتی ہے کہ مقامی امریکی قبائلی معاشروں میں جو زیادہ جمہوری تھے' عورتیں اعلیٰ حیثیت کی حامل تھیں اور ڈینیل مکال کا مضمون دھرتی ماں: مغربی افریقہ کی عظیم دیوی' شمولہ ماں کی پرستش' تدوین از جیمز پی' پریسٹن (چیپل ہل: یونیورسٹی آف نارتھ کیرَ لائنا پریس 1982ء) جو متعدد افریقی قبائلی معاشروں میں عورت کے وسیع تر اختیار کی باقیات سے بحث کرتا ہے۔ (مقدس مسرت میں دونوں مضامین کا حوالہ موجود ہے۔)

جیسا کہ کتاب کے متن میں بتایا جا چکا ہے۔1995ء میں بیجنگ کی چائینز اکیڈمی آف سوشل سائنسز کے چینی ماہرین آثاریات' بشریات' مورخین اور دوسرے محققین نے چینی ثقافت اور چیلیس اور بلیڈ' صنفی تعلقات اور سماجی نمونے کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ یہ کتاب (جو مرکز برائے شراکتی مطالعات' پی او باکس 51936' پیسیفک گروو' سی اے 93950 انگریزی اور چینی میں دستیاب ہے) چینی قبل تاریخ اور تاریخ کے حوالے سے ثقافتی قلب ماہیئت کے نظریے کو جانچتی ہے۔ یہ چین میں وہی سلسلہ موجود پاتی ہے جسے میں نے مغربی ثقافتی ارتقا میں موجود دیکھا تھا۔ ایک زیادہ پرامن' ماں مرکز معاشرے کی جس میں عورتیں اور مرد مساوی قدر کے حامل تھے' مسلسل جنگ و جدل' سخت گیر مرد حاکمیت' شدید جبر اور حاکمیتی ہیئت کی دوسری خصوصیات میں تبدیلی۔

میری پائفر کی اوفیلیا کی تجدید: نوبالغ لڑکیوں کی شخصیت کا تحفظ (نیویارک: بیلنٹائن 1995ء) پیگی اور سینٹسٹین کی سکول کی لڑکیاں: نوجوان عورتیں' خود توقیری اور اعتماد کی خلیج (نیویارک: اینکر 1995ء) اور مائرا سیڈکر اور ڈیوڈ سیڈکر کی انصاف کی ناکامی' ہمارے سکول لڑکیوں کو کس طرح فریب دیتے ہیں (نیویارک: ٹچ سٹون بکس 1995ء) صنفی خواندگی کا اچھا تعارف مہیا کرتی ہیں۔ مردوں کے مطالعات کے نئے شعبے نے بھی اس ضمن میں خاصے اضافے کئے ہیں۔ مثلاً ہیری براڈ' مدون کی' مرد انگیوں کی تشکیل (بوسٹن' ایلین اینڈ ان ون 1987ء) اور مائیکل کمیل اور مائیکل میسز' مدونین کی' مردوں کی زندگیاں' اشاعت چہارم (بوسٹن: ایلیف اینڈ ان ون 1998ء) امریکن ایسوسی ایشن آف یونیورسٹی وومین کی' سکول لڑکیوں کو کیسے فریب دیتے ہیں۔ لڑکیوں اور تعلیم سے متعلق اہم دریافتوں کا ایک مطالعہ (نیویارک: مارلو اینڈ کمپنی 1995ء) ایک اور اچھا ماخذ ہے۔

یہ اور دوسرے ماخذ ایسے منصوبوں کی تیاری میں تعلیم کاروں کیلئے مفید مطلب ہوں گے جن پر طلبہ' اساتذہ' صلاح کاروں اور دوسرے باعلم لوگوں کے ساتھ شراکت میں عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر اساتذہ' ہائی سکول اور کالج کے طلبہ کو دی چیلیس اینڈ دی بلیڈ کے تیسرے باب (مائنونی تہذیب سے متعلق) کو سادہ انداز میں قلمبند کرنے کی دعوت دے سکتے ہیں۔ وہ دی چیلیس اینڈ دی بلیڈ کے باب 8 اور مقدس مسرت کے باب 6 کو کلاسیکی یونان سے متعلق مواد کے طور پر کام میں لا سکتے ہیں جس میں (اس دور کے بارے میں بیشتر دستیاب ماخذوں کے برعکس) عورتوں کے حالات اور مخصوص نسوانی اقدار کو مناسب اہمیت دی گئی ہے۔

اس قسم کے مواد کو طلبہ خود اپنے سکولوں میں ساتھیوں کے ذریعے ساتھیوں کی تدریس اور دوسرے سکولوں کے ساتھ تبادلے کیلئے اضافی مواد کی تیاری میں استعمال کر سکتے ہیں۔ ورلڈ وائیڈ ویب کے ذریعے اسے دور دور تک پھیلایا جا سکتا ہے۔

ضمیمہ سی

مزید نصابی مواد اور ہینڈ آؤٹ

کچھ زیادہ تفصیلی مواد ایسا بھی ہے جو اساتذہ اور طلبہ کیلئے خصوصاً مفید ہو سکتا ہے۔ یہ کتابوں اور دوسری مطبوعات سے باآسانی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جس چیز پر ستارے کا نشان دیا گیا ہے وہ مرکز برائے شراکتی مطالعات سے دستیاب ہے اور کچھ دوسرا مواد مرکز کی ویب سائٹ

www.partnershipway.org

سے نقل کیا جا سکتا ہے۔

☆ مقدس مسرت کے باب 9 سے اقتباسات

☆ دی چیلیس اینڈ دی بلیڈ کے باب 3 سے اقتباسات

☆ ڈیوڈ لوئی کی 'ڈارون کا گمشدہ نظریہ محبت سے اقتباسات

☆ شراکتی انداز کے شراکتی اور حاکمیتی ہیرو اور ہیروئین سے اقتباسات

☆ شراکتی انداز میں دیئے گئے شراکتی اور حاکمیتی ماڈلوں کے چارٹس

☆ ہرب مارٹن اور ٹیری وہیلر کی کثیر الثقافتی مطالعاتی فہرست

☆ کرسٹین سٹیلر کا کثیر الثقافتی مضمون

☆ بونوبو چمپانزیوں پر تاکایاشی کانو کا مضمون

☆ دی چیلیس اینڈ دی بلیڈ سے متعلق میگ بومین کی آزمائش

☆ ریان آئس لر کا مضمون ''حاکمیتی اور شراکتی تغیرات'' مشمولہ میکرو ہسٹری اور میکرو ہسٹوریز: انفرادی، سماجی اور تہذیبی تبدیلی سے متعلق تناظرات، تدوین از جوہان گیلٹنگ اور سہیل عنایت اللہ

ضمیمہ ڈی

شراکتی تعلیم کیلئے نئے آلات

سکولوں اور ہوم سکولنگ میں شراکتی تعلیم کے خواہشمند لوگ کی درخواستوں کی تعمیل کیلئے مرکز برائے شراکتی مطالعات نے نئی خدمات اور مواد تیار کیا ہے۔ اس میں سے کچھ ذیل کی فہرست میں مذکور ہے۔ مرکز تیار شدہ مواد کو بھی مجتمع کر رہا ہے جس میں کچھ ذیل کی فہرست میں شامل ہے۔

خدمات

پارٹنر شپ ایجوکیشن پروگرام (پی اے پی)
مرکز برائے شراکتی مطالعات (سی پی ایس) کا ایک پروگرام

پارٹنر شپ ایجوکیشن پروگرام ایک کلیتی انداز فکر پر منحصر ہے جو اساتذہ اور طلبہ کیلئے تعلیم کو پھر سے مسرت آمیز بناتا ہے۔ مستقبل کے بچے میں ریان آئس لر کے پیش کردہ شراکتی تعلیم کے خاکے پر مبنی شراکتی تعلیم نوعمر افراد کو تعلیمی اور شخصی دونوں اعتبار سے اپنی اعلیٰ ترین صلاحیتوں کی تکمیل میں مدد مہیا کرتی ہے۔ سی پی ایس پارٹنر شپ ایجوکیشن پروگرام (پی ای پی) شراکتی تعلیم کے نفاذ میں سہولت کیلئے تشکیل دیا گیا ہے۔ پی اے پی کا مشن تعلیم کاروں کے ساتھ مل کر تعلیمی عمل، مواد اور ڈھانچے کو تبدیل کرنا ہے۔ اس کا مقصد نوعمر افراد کو ایسی مہارتوں اور علم کے اکتساب میں مدد دیتا ہے جو بھرپور اور ثمر آور زندگیوں اور ایک پائیدار، منصفانہ اور پرامن مستقبل کیلئے ضروری ہے۔

MashalBooks.org

اشارات

ابتدائیہ

1- مثلاً 1993ء کی پارلیمنٹ آف دی ورلڈ ریلی جینز نے جو دنیا بھر کے مذہبی رہنماؤں کی ایک تنظیم ہے ''ایک عالمی اخلاقیات کی طرف'' کے نام سے ایک اعلامیہ جاری کیا جس میں انہوں نے ہمیں یہ تنبیہہ کی کہ ''دنیا ایک کرب میں مبتلا ہے'' انہوں نے ''زمین کے ماحولیاتی نظام کے ساتھ بدسلوکی'' کے ساتھ ساتھ شدید تشدد' غربت اور بھوک کی مذمت کی اور ایک شراکتی ثقافت پر زور دیا جس میں عورتوں اور مردوں کے درمیان شراکت شامل ہے۔ (''اعلامیہ اور اصول' کونسل برائے پارلیمنٹ آف دی ورلڈ ریلیجنز 1993ء) اسی سال دی یونین آف کنسرنڈ سائنٹسٹس نے جو سرکردہ سائنسدانوں کی ایک بین الاقوامی تنظیم ہے ستر ممالک کے 1670 سائنسدانوں کی طرف سے جس میں سے 102 نوبل انعام یافتہ تھے' ایک بیان جاری کیا کہ ہماری موجودہ روش ناپائیدار ہے اور انہوں نے ایک نئی اخلاقیات کو اپنانے پر زور دیا جو ''ایک بڑی تحریک کو مہمیز کرسکتی ہو اور متذبذب رہنماؤں اور متذبذب لوگوں کو خود تبدیلیاں لانے پر قائل کرسکتی ہو۔'' (''دنیا کے سائنسدانوں کی انسانیت کو تنبیہہ'' یونین آف کنسرنڈ سائنٹسٹس کا شائع کردہ بیان اپریل 1993ء)۔

2- جوہان پیسٹالوزی' لیونارڈ اینڈ گرٹریوڈ' (نیویارک: گولڈن پریس پبلشرز' 1976ء) اصلاً 1781 میں شائع ہوئی) ماریہ مانٹیسوری' مانٹیسوری کا منہاج' (نیویارک: شوکین بکس' 1964ء' اصلاً 1912ء میں شائع ہوئی) جان ڈیوی جمہوریت اور تعلیم' (نیویارک: فری پریس' 1966ء اصلاً 1916ء میں شائع ہوئی) اور پاؤلو فریرے' مظلوموں کی تدریس' (نیویارک: سیبری پریس'

1973ء) ان تصانیف میں بہت کچھ ایسا موجود ہے جسے آج بھی ترقی پسندانہ تعلیم قرار دیا جاتا ہے۔ مثلاً پیسٹالوزی نے 18ویں صدی میں ہی سخت جسمانی سزاؤں اور اپنے دور کے مروجہ رٹنے کے طریقوں کو مسترد کر دیا تھا اور اس کے بجائے اس نے ایسے طریقے استعمال کئے جو بچوں کی نشوونما کے مراحل کو پیش نظر رکھتے تھے۔

3- ریان آئس لر، دی چیلیس اینڈ دی بلیڈ: ہماری تاریخ، ہمارا مستقبل (سان فرانسکو: ہارپر اینڈ رو، 1987ء1988ء) ریان آئس لر، مقدس مسرت: جنس، اسطور اور جسم کی سیاست (سان فرانسکو: ہارپر کولنز 1995ء1996ء) اور ریان آئس لر اور ڈیوڈ لوئی شراکتی انداز زندگی اور آموزش کے نئے آلات (برینڈن، ورمانٹ: ہویسٹک ایجوکیشن پریس 1998ء)

4- مرکز برائے شراکتی مطالعات کی ویب سائٹ اس پتے پر واقع ہے۔

<www.partnership way. org>

ان منصوبوں کے بارے میں مزید معلومات کیلئے شراکتی سکول کا صفحہ ملاحظہ کیجئے۔

5- میرین رائٹ ایڈلمین، گائیڈ مائی فیٹ: بچوں کیلئے محبت اور ان کیلئے کام سے متعلق دعائیں اور تفکرات (نیویارک: ہارپر کولنز 1996ء)

باب 1

1- چونکہ انسانیت کے نسوانی اور مردانہ نصفوں کے کردار اور تعلقات کی ساختیں شراکتی اور حاکمیتی ہیئتوں کے اہم عناصر ہیں، لہٰذا میں نے پدرسری اور مادرسری کے روایتی حوالوں کی جگہ متبادل کے طور پر جو نئی اصطلاحات تجویز کی ہیں وہ مردشاہی اور گائلینی ہیں۔ اینڈروکریسی یونانی اینڈروس (مرد) اور کریسٹیکا (حکومت) سے مشتق ہیں اور اس کا مطلب ''مردوں کی حکومت'' ہے۔ گائلینی، گائلینی (عورت) اور اینڈروس (مرد) کو حرف ''ایل'' سے جوڑتی ہے جس کا مطلب لائیسن (تصفیہ کرنا) یا لائیو (آزاد کرنا) ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسانیت کے نسوانی اور مردانہ نصف درجہ بند ہونے کے بجائے جڑے ہوئے ہیں۔

2- ''میں آپ کا بچہ ہوں: پہلے برس جو ہمیشہ کیلئے کھو گئے'' میزبان راب رائیز اور پیشکش رائیز فاؤنڈیشن 1997ء۔

MashalBooks.org

3- بی ڈی پیری' آر اے پولارڈ' ٹی ایل بلیکلی' ڈبلیو ایل بیکر اور ڈی وجلینٹ ''بچپنے کا صدمہ' توافق کی عصبی حیاتیات اور دماغ کی منحصر بہ استعمال' نشوونما: کیفیات' صفات کیسے بنتی ہیں''، طفلی ذہنی صحت جرنل 16(1996ء)271-291

4- ملاحظہ کیجئے' مثلاً پینی لوپی لیچ' بچے مقدم' (نیویارک: الفریڈ اے ناپ 1994ء) اور این آر کارلسن طرز عمل کی عضویات (بوسٹن: ایلن اینڈ بیکن 1994ء) لامسہ سے متعلق یہ کلاسیک تصنیف بھی ملاحظہ کیجئے: ایشلی مانٹیسکو' لامسہ' تیسری اشاعت (نیویارک: ہارپر اینڈ رو' 1986ء)۔

5- ایلس ملر ''بچپنے کا صدمہ''، لیکسنگٹن' وائی۔ ڈبلیو۔ ایچ۔ اے نیویارک شہر میں 22 اکتوبر 1998ء کو ملر نے ''باخبر شہادتیں'' بھی تحریر کی ہیں جو بچپن کی بدسلوکی کو بے نقاب کرنے میں بالغوں کی مدد کر سکتی ہیں تاکہ وہ اسے دبانے کے بجائے اس کا تصفیہ کر سکیں اور خود اپنے بچوں کے ساتھ غیر شعوری طور پر اسی طرز عمل کا مظاہرہ نہ کریں۔

6- یہاں میں مغربی تاریخ کی اصطلاح کو روایتی یورو مرکزی مفہوم میں ہی استعمال کر رہی ہوں کیونکہ اسے عموماً اسی مفہوم کا حاصل سمجھا جاتا ہے' تاہم جیسا کہ آگے چل کر وضاحت آئے گی۔ ایک زیادہ وسیع تر اصطلاح بھی ہے۔ ایک ایسی اصطلاح جس میں مثلاً امریکاؤں کے مقامی لوگ شامل ہیں۔

7- اس ادب کے کچھ حصے کے ایک سرسری جائزے کیلئے ریان آئس لر کا مضمون ''حاکمیت سے شراکت تک: پائیدار تبدیلی کیلئے مخفی ذیلی سیاق وسباق''، مشمولہ تنظیمی تبدیلی کی انتظامیات کا جرنل 7' نمبر 4(1994ء):32-46 اور ریان آئس لر کا مضمون ''عورتیں' مرد اور انتظامیات: ہمارے مستقبل کی تشکیل نو''، فیوچرز 23' نمبر 1(جنوری / فروری 1991ء)3 - 18

8- میری بیلنکی' بلائتھ کلنچی' نینسی گولڈ برجر اور جل ٹیرول' عورتوں کے انداز ہائے اکتساب: ذات' آواز اور ذہن کا ارتقا' (نیویارک: بیسک بکس 1986ء)

9- ملاحظہ کیجئے' مثلاً جینا او کونیل ہگنز' ہٹ دھرم بالغ: ایک ظالمانہ ماضی کا مقابلہ' (سان فرانسسکو: جوسی' باس پبلشرز 1994ء) اور ای جیمز' انتھونی اور بی۔ گولڈر' مدونین' ضرر ناپذیر بچہ' (نیویارک: گلفورڈ پریس 1987ء)۔

10- ملاحظہ کیجئے' مثلاً ایرا شور' تعلیم کی تقویت: سماجی تبدیلی کیلئے تنقیدی تدریس' (شکاگو: یونیورسٹی آف

شکاگو پریس1992)۔

11- ملاحظہ کیجئے' مثلاً ڈیوڈ ڈبلیو' جانسن باہمی تعاون پر مبنی آموزش اور کلاس روم (الیگزینڈریا' ورجینیا' انجمن برائے نگرانی ونصابی تشکیل1994)' ڈیوڈ ڈبلیو' جانسن اورراجرٹی۔ جانسن' آموزش' باہم اور تنہا (نیڈہیم ہائٹس' میسا چوسیٹس: ایلین اینڈ بیکن'1994) ڈیوڈ ڈبلیو' جانسن اور راجرسی۔ جانسن' ''تحقیق بالغانہ تعاون کے فوائد ثابت کرتی ہے'' تعلیمی لیڈرشپ45' نمبر3(1987): 27 - 30' سپینسر کیگن' ''باہمی تعاون پر مبنی آموزش اور ساختی انداز نظر'' تعلیمی لیڈرشپ45 (دسمبر1989۔جنوری1990)12 - 15 رابرٹ ای۔ سلیوین ''باہمی تعاون پر مبنی آموزش اور تحصیل طلبہ'' تعلیمی لیڈرشپ 46' نمبر 2 (1988):31-33 اور رابرٹ ای۔ سلیوین ''باہمی تعاون پر مبنی آموزش سے متعلق تحقیق: اتفاق و اختلاف'' تعلیمی لیڈرشپ 47' نمبر4 (1989)52-54 جیسا کہ سلیوین لکھتا ہے' باہمی تعاون پر مبنی آموزش اس وقت موثر ثابت ہوتی جب اس میں باہمی مقاصد اور انفرادی جواب دہی میں توازن موجود ہو' بالفاظ دیگر طلبہ کو محض اکٹھے مل کر کام کرنے کیلئے کہنا کافی نہیں۔ سلیوین اس بات پر بھی توجہ دیتا ہے کہ آموزش میں مدد کے علاوہ (جیسا کہ یہ طلبہ کو ایک دوسرے کے مقابل لانے کے بجائے ان کے درمیان رفیقانہ تدریس اور مل جل کر کام کرنے کی دوسری صورتوں کی حصول افزائی کرتی ہے) باہمی تعاون پر مبنی آموزش دوستیوں میں اضافہ کرسکتی ہے' خودتوقیری کو بڑھا سکتی ہے اور نسلی تعلقات' حاضری اور سکول کیلئے پسندیدگی میں بہتری پیدا کرسکتی ہے۔

12- میریلین والٹسن' وکٹر بیٹسٹش اور ڈینیل سولومن' ''سکولوں میں طلبہ کی سماجی اور اخلاقیاتی نشوونما کی تقویت: ایک مداخلتی پروگرام اور اس کے اثرات'' بین الاقوامی جرنل برائے تعلیمی تحقیق 2: نمبر7 (1998)571-586

13- رابرٹ گلیڈن' ''چھوٹے سکولوں کی تحریک: ادب کا ایک جائزہ'' مشمولہ شیل فائن اور جینس آئی' سومرول' مدونین' چھوٹے سکولوں کے تخیلات: شہری پبلک سکولوں پر ایک تخلیقی نظر (شکاگو: کراس سٹی کمپین برائے اصلاح شہری سکول1998) ص:117 مشیل فائن' تدوین' شہری سکولوں کی اطلاح کا چارٹر' (نیویارک: ٹیچرز کالج پریس1994) بھی ایک اچھا ماخذ ہے۔

14- بحوالہ گلیڈن' ''چھوٹے سکولوں کی تحریک'' ص121

15- ہاورڈ گارڈنر' ذہن کے سانچے (نیویارک: بیسک بکس'1983)۔

MashalBooks.org

16- جیکولین جی۔ بروکس اور مارٹن جی۔ بروکس فہم کی تلاش (الیگزینڈریا' ورجینیا: انجمن برائے نگرانی و نصابی تشکیل' 1993) مائیکل سٹرانگ' فکر کی عادت' (چیپل ہل' این سی : نیوویو پبلیکیشنز' 1997)۔

17- اس شعبے میں بنیادی تصانیف یہ ہیں: کرٹ لیوین' فیلڈ تھیوری اور سماجی علوم' (نیویارک: ہارپر اینڈ رو' 1951) اور ایرک ٹرسٹ اور فریڈ ایمری' ایک سماجی ماحولیات' (نیویارک: پلینم پریس' 1973) گیرتھ مارگن' تنظیموں کے تصورات' (نیوبری پارک' کیلیفورنیا: سیج' 1996) جان نیسبٹ اور پیٹریشیا ایبرڈین' کارپوریشن کی ایجادِ نو' (نیویارک: وارنر بکس' 1986) ورزابیتھ ماس کینٹر'' جب دیوہیکل رقص سیکھتے ہیں'' (نیویارک: سائمن اینڈ شسٹر' 1989) اور ریان آئزلر اور الفونسو مانٹوری' شراکتی تنظیم (زیرِ تحریر)۔

18- ڈیوڈ بوہم' مکالمے کے بارے میں (اوجائی' کیلیفورنیا: ڈیوڈ بوہم سیمینار' 1990) ولیم آئزاک' ''اجتماعی فکر کی قوت'' شمولہ کیلی ٹی۔ وارڈمین' مدون' تعلیمی تنظیموں کی تخلیق سے متعلق افکار' (کیمبرج' میساچوسیٹس: پیگاسس کمیونیکیشنز' 1994) ص' 83-94 پیٹر سینج' دی ففتھ ڈسپلن: تعلیمی تنظیم کا فن اور عمل' (نیویارک: ڈبلڈے' 1990)۔

19- الفی کوہن مقابلہ نہیں: مسابقت کے خلاف مقدمہ' (نیویارک: ہاؤٹن مفلف' 1992)۔

20- نینسی شناٹیڈ ونڈ اور ایلن ڈیوڈسن' مساوات کیلئے کھلے ذہن' (نیڈہیم ہائٹس' میساچوسیٹس: ایلن اینڈ بیکن' 1997)۔

21- جین گبز' قبائل: باہمی آموزش کا ایک نیا انداز' (سانٹا روزا' کیلیفورنیا: سنٹر سورس پبلیکشنز' 1994)

22- رچرڈ وائیلا و دوسرے' ہمدردانہ اور مؤثر تعلیم کی تشکیلِ نو (بلٹی مور: بروکس پبلشنگ' 1992)۔

23- ملاحظہ کیجئے ریان آئزلر اور راب کیگل' ''شراکتی ماڈل: امید کا ایک نشان'' کلیتی تعلیم ریویو' 9 نمبر 1 (بہار' 1996):5-15

24- تشدد کے درمیان پلنے والے بچوں کے بارے میں ایک اثر انگیز کتاب کیلئے ملاحظہ کیجئے جیمز گیبر ڈینو' نینسی ڈوبرو' کیتھلین کوسٹیلی اور کیرول پرڈو خطرے کا شکار بچے: کمیونٹی کے تشدد کے نتائج کا مقابلہ' (سان فرانسکو: جوسی باس' 1998)۔

25- ریان آئزلر ''قدر کی تعینِ نو'' (زیرِ تحریر)

MashalBooks.org

26- نیل نوڈنگز''اکیسویں صدی کے سکولوں کیلئے اخلاقی اعتبار سے قابل دفاع مشن'' فائی ڈیلٹ کپین (جنوری 1995ء) 366

27- ٹامس کوہن''سائنسی انقلابوں کی ساخت''(شکاگو: یونیورسٹی آف شکاگو پریس 1970ء)۔

28- نفسی تحلیلی ادب سے متعلق ایک اچھا ماخذ کیلون ہال اور گارڈنر لنڈزی''شخصیت کے نظریات'' (نیویارک: وائلی 1978ء) ہے۔

29- ملاحظہ کیجئے مثلاً جارج گربز' لیری گراس' مائیکل مارگن اور نینسی سینوریلی''ٹیلی ویژن کے ساتھ پلنا بڑھنا'' جیننگز برائنٹ اور ڈولف زلمین' مدونین''میڈیا کے اثرات'' (ہلزڈیل' نیوجرسی: ارل بام 1994ء) ص 17-41 اور ڈیوڈ لوئی' راڈ گورنی اور گیری سٹیل''ٹیلی ویژن کے اثرات: ایک تجرباتی فیلڈ سٹڈی'' جرنل آف کمیونیکیشن 27' نمبر 3 (1977ء) 206-216

30- بشریات کے بارے میں ایک ابتدائی کلاسیک' رتھ بینی ڈکٹ کی''ثقافت کے نمونے'' (نیویارک: ہاؤٹن مفلن 1934ء) اور عمرانیات میں میکس ویبر کا مضمون''دنیا کے مذاہب کی سماجی نفسیات'' مشمولہ ٹیلکوٹ پارسنز و دوسرے' مدونین''سماج کے نظریات'' (نیویارک: فری پریس 1961ء) ہے۔ ڈیوڈ لوئی نے''ایک قوم کا معالجہ'' (نیویارک: نارٹن 1971ء) جواب انٹرنیٹ پبلشنگ ہاؤس ٹوایکسل' <www. iuniverse. com> سے دستیاب ہے' 1998ء) میں انتہائی متعصّبانہ بیانیوں کی قوت کو واضح کیا ہے۔ نسواں پسند تحریریں جن میں ڈیل سپنڈر' مدون' نسواں پسند نظریات (نیویارک: پینتھیان 1983ء) جیسی کلاسیک شامل ہیں' عورتوں کی صدیوں پر محیط ان کوششوں کو سامنے لاتی ہیں جو جنسی امتیاز پر مبنی ثقافتی بیانیوں کی تردید کرتی ہیں اور اسطور کے شعبے میں جوزف کیمبل کی ارسطوری تصویر' (پرنسٹن' نیوجرسی: پرنسٹن یونیورسٹی پریس 1974ء) خاصی معروف ہے۔

31- جون راک ویل' حقیقت در فسانہ: معاشرے کے منظم مطالعے میں ادب کا استعمال' (لنڈن: روٹلیج اینڈ کیگن پال 1974ء)۔

32- ملٹن روکیچ''انسانی اقدار کی نوعیت'' (نیویارک: فری پریس 1973ء)۔

33- ریان آئس لر دی چیلیس اینڈ دی بلیڈ' (سان فرانسیکو: ہارپر اینڈ رو 1987ء' 1995ء) ریان آئس لر' مقدس مسرت' (سان فرانسیکو: ہارپر کولنز 1995ء' 1996ء)۔

34- جیمز بینکس''کثیر الثقافتی تعلیم: طلبہ کے نسلی اور منفی کرداری رویوں پر اس کے اثرات'' مشمولہ جیمز

MashalBooks.org

پی۔ شیور، مدون، سوشل سٹڈیز کی تدریس اور آموزش سے متعلق تحقیق کی ہینڈ بک، (نیویارک: میکملن، 1991)، ص ص 459-469

35- محولہ بالا، ص 463

36- محولہ بالا، ص 467

37- محولہ بالا، ص 466

38- ملاحظہ کیجئے مثلاً ایرک ٹرسٹ اور فریڈ ایمری، ایک سماجی ماحولیات، (لنڈن و نیویارک: پلینم پریس، 1973) اور ریان آئزلر، ''عورتیں، مرد اور انتظامیات'' فیوچرز 23، نمبر 1 (جنوری/ فروری 1991): 3-18

39- کرٹ لیوین نے جسے عام طور پر سماجی نفسیات کا بانی سمجھا جاتا ہے، کچھ ابتدائی تجربات کئے تھے جو یہ ثابت کرتے تھے کہ آزادانہ ڈھانچے نہ صرف غیر کارگر تھے بلکہ ان کا انجام بھی دوسروں کو قربانی کا بکرا بنانے اور آخر کار استبدادیت پر ہوا جو حاکمیتی ڈھانچوں کی خصوصیات ہیں۔ ملاحظہ کیجئے لیوین، فیلڈ تھیوری اور سماجی علوم، (نیویارک: ہارپر اینڈ رو، 1951)۔

40- شیلڈ اے۔ مینکس اور مارک ٹی۔ ہیرس، ''کین کی تربیت: بنیادی نفسی صدمہ اور انسانیت کا معالجہ'' (غیر مطبوعہ مسودہ، 1997) ص 23

41- محولہ بالا، ص 26

باب 2

1- لیونارڈ پٹس، ''اخلاقیات کی تعمیر نو کیلئے سعی عظیم درکار ہے''، میامی ہیرالڈ، 26 فروری 1998ء۔

2- ڈیبورا مینسن، استدلالی ثقافت، (نیویارک: اینڈم ہاؤس، 1998)۔

3- ایمیلی سٹائل، ''نصاب بطور در و آئینہ''، تمام آوازوں کیلئے گوش برآواز، (سمٹ، نیوجرسی: روک نول سکول، 1988)۔

4- نیل نوڈنگز، سکولوں میں ہمدردی کا چیلنج، (نیویارک: ٹیچرز کالج پریس، 1992)۔

5- ملاحظہ کیجئے ایلیز میکوبی اور کیرل نیگی جیکولین، جنسی تفریقات کی نفسیات، (سٹیفورڈ، کیلیفورنیا: سٹینفورڈ یونیورسٹی پریس، 1974)۔ جنسی تفریقات پر ایک زیادہ حالیہ تصنیف جو منفی سماجی تربیت کی بے پایاں اہمیت کو سامنے لاتی ہے، این فاؤسٹو سٹرلنگ کی ''صنف سے متعلق اساطیر''

(نیویارک: بیسک بکس 1985ء) ہے۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے یہ عورتوں اور مردوں کے درمیان خلقی حیاتیاتی تفریقات سے متعلق متعدد جھوٹے تصورات کا تدارک کرتی ہے۔

6- سکول لڑکیوں کو فریب کیسے دیتے ہیں: لڑکیوں اور تعلیم سے متعلق اہم دریافتوں کا ایک مطالعہ' (نیویارک: مارلو اینڈ کو 1995ء)۔

7- 20 جولائی 1998ء کو آئیووا شہر کی شیرون ٹامس کا مصنف کے ساتھ ای۔میل رابطہ۔

8- اربین پال تھیچر اینڈ لسفین' ''صدر کلنٹن کا سٹیٹ آف دی یونین خطاب: ایک شراکتی تجزیہ'' نوواہائی سکول کی کلاس کے لیے تحقیقی پیپر۔

9- مسئلے کا بنیادی نکتہ انسانیت کے ایک نصف پر دوسرے کی فوقیت ہے۔ یہ چیز ایک ایسا ذہنی نقشہ مہیا کرتی ہے جو حاکمیت یا اطاعت کے تعلقات کا نارمل کے طور پر ادراک کرتا ہے۔ یہ نظری طر پر مردانہ نصف پر نسوانی نصف کی سماجی فوقیت (یعنی' مادرسری) بھی ہوسکتی ہے۔ اگرچہ' اس کی کوئی تاریخی مثالیں موجود نہیں۔

10- ملاحظہ کیجئے سٹوارٹ اے۔ شلیگل' ایک بارشی جنگل کی حکمت: ایک ماہر بشریات کا روحانی سفر' (ایتھنز: یونیورسٹی آف جارجیا پریس' 1998ء)۔ میں نے اپنی ابتدائی تحریروں میں ٹیرورے کا نام استعمال کرتا ہے مگر شلیگل نے اس کتاب میں ''ٹیرورے'' کے بجائے ''ٹیڈورے'' لکھا ہے جیسا کہ اس کی ابتدائی تحریروں میں ہے۔ اپنے ہجوں سے قطع نظر یہ ایک ہی قبیلہ ہے۔

11- اس کے برعکس یسوع نے اپنے دور کی سخت گیر مردانہ حاکمیت' نظام مراتب اور سزا دہی کو چیلنج کیا۔ مثلاً زنا کی ملزمہ کی سنگساری رکوا کر اور مردوں کے اس حق کے خلاف تعلیم دے کر کہ وہ جب چاہیں اپنی ناپسندیدہ بیویوں کو محض تین مرتبہ ''میں تمہیں طلاق دیتا ہوں'' کہہ کر نکال باہر کریں (جیسا کہ آج بھی بعض بنیاد پرست مسلم قوموں کا معمول ہے)۔

12- ملاحظہ کیجئے ریان آئس لر مقدس مسرت: جنس' اسطور اور جسم کی سیاست' (سان فرانسکو: ہارپر کولنز) باب 10

13- کڈز ایکشن گائیڈ' این فاریسٹ ایکشن نیٹ ورک' 450 سینسم سٹریٹ' سوئیٹ 700' سان فرانسکو' کیلیفورنیا 9 4 1 1 1 مزید معلومات کیلئے نیٹ ورک کی ویب کا صفحہ دیکھئے۔
<www.ram.org/ram/>

14- چارلس ڈارون' انسان کا نصیب' (پرنسٹن' نیوجرسی: پرنسٹن یونیورسٹی پریس' 1871ء کی اصل

MashalBooks.org

اشاعت کا عکس ثانی) ص ص 89-90، 404۔ مزید ملاحظہ کیجئے ڈیوڈ لوئی ''ڈارون کا گمشدہ نظریہ محبت'' (نیویارک: آئی یونیورس <www.iuniverse. com> 1999)۔

15- فرانز ڈی وال، نیک فطرت: انسانوں اور دوسرے حیوانوں میں صحیح اور غلط کے سراغ، (کیمبرج، میساچوسیٹس: ہارورڈ یونیورسٹی پریس 1996) ص 207۔

16- جذبات اس وقت وجود میں آتے ہیں جب نیورو پیپٹائیڈز (ایک ہار کے موتیوں کی طرح اکٹھے جڑے ہوئے امائنو ایسڈز) حساسوں (نہ صرف دماغ بلکہ جسم کے تقریباً ہر خلیے میں پائے جانے والے پیچیدہ مالیکیول) سے مکس ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان حیاتی کیمیائیوں کی درست نوعیت پر ابھی بہت کام ہونا باقی ہے لیکن اتنا واضح ہے کہ مختلف جذبات، مختلف نیورو پیپٹائیڈز سے جنم لیتے ہیں جو اصلاً معلومات کے حامل مالیکیول ہوتے ہیں۔ اس مظہر سے متعلق قابل حصول معلومات کے لیے ملاحظہ کیجئے۔ ''کیمیائی ابلاغ کار: کینڈ کیس پرٹ'' بل موئرز کی معالجہ اور ذہن (نیویارک: ڈبلڈے 1993) ص ص 177-193 میں کینڈ لیس پرٹ کے ساتھ انٹرویو۔

17- جیمس مارٹن، سکول گھر: متغیر گھرانوں کی خاطر سکولوں پر نظر ثانی، (کیمبرج، میساچوسیٹس: ہارورڈ یونیورسٹی پریس 1992)۔

18- ملاحظہ کیجئے، مثلاً اے اے یو ڈبلیو رپورٹ: سکول لڑکیوں کو کیسے فریب دیتے ہیں، (واشنگٹن، ڈی سی: امیریکن ایسوسی ایشن آف یونیورسٹی وومین ایجوکیشنل فاؤنڈیشن 1997)۔ بالخصوص لڑکیاں جب بلوغت کو پہنچتی ہیں تو ان کے خود توقیری اور اہلیت کے احساس میں اضافے کے بجائے کمی ہونے لگتی ہے۔ اس مظہر کی بڑی وجہ یہ حقیقت ہے کہ لڑکیاں متعدد سماجی پیغامات (جس میں سکول کا نصاب بھی شامل ہے جو انہیں بالکل ہی خارج کر دیتا ہے) سے یہ مطلب اخذ کرنے لگتی ہیں کہ لڑکوں اور مردوں کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

19- اقوام متحدہ، دنیا کی عورتیں 1970-1990: رجحانات اور شماریات، (نیویارک: اقوام متحدہ 1991) ص 60۔ مزید بحث کے لیے ملاحظہ کیجئے، ریان آئس لر، ڈیوڈ لوئی اور کیری نور گارڈ، عورتیں، مرد اور عالمی معیار حیات، (پیسیفک گروو، کیلیفورنیا: مرکز برائے شراکتی مطالعات 1995)۔

20- آئس لر، لوئی اور نورگارڈ، عورتیں، مرد اور عالمی معیار حیات۔

21- کرسٹین ای۔ سلیٹر اور کارل اے۔ گرانٹ ''موجودہ نصابی کتب اور نسل، طبقہ، صنف اور معذوری''

MashalBooks.org

مشمولہ مائیکل ڈبلیو ایپل اور لنڈا کے۔ کرسٹین سمتھ' مدونین' نصابی کتاب کی سیاست' (نیو یارک: روٹیج' چیپمین وہال' 1991) ص 98 زیر نظر کتابیں ریڈنگ' سائنس' ریاضی اور سوشل سٹڈیز کے مضامین کا احاطہ کرتی تھیں۔

22- جین سیگل مین اور بروس شینٹز کے "ٹیسٹوسٹیرون کے استعمال کا تدارک؟" نیوز ویک' جولائی 3' 1995ء ص 61 میں ایسے ہی ایک مطالعے کا ذکر کیا گیا ہے۔ (یہ مضمون کتاب کے آخر میں ضمیمہ اے میں شامل ہے۔)

23- راب کیگل' "مردانگی کے زخموں کا علاج: تعلیم کاروں کیلئے ایک اہم رول' ہولسٹک ایجوکیشن ریویو 7 (مارچ 1994) 42-49

24- کرسٹین ای۔ سلیٹر اور کارل اے۔ گرانٹ' مدونین' کثیر الثقافتی تعلیم کیلئے انتخابات کا مسئلہ (کولمبس' اوہائیو: میرل 1994ء)۔

25- ترک تعلیم کی شرح کے اعداد و شمار کیلئے شماریاتی خلاصہ برائے ریاستہائے متحدہ (1998ء) چارٹ 297' ص 187 ملاحظہ کیجئے۔ یہ ماخذ بتاتا ہے کہ 1996ء میں سفید فام طلبہ کی ترک تعلیم کی شرح 9.2 فیصد تھی۔ جبکہ یہ سیاہ فام طلبہ کیلئے 11 فیصد اور ہسپانوی طلبہ 24.6 فیصد (کل تعداد کا تقریباً ایک چوتھائی) تھی۔ نوجوان افراد میں خودکشی کی شرح کے ریمافیڈ مطالعے کیلئے ملاحظہ کیجئے سینڈرا جی۔ بوڈ مین' "زنجے اور نوعمر لڑکوں میں خودکشی کا امکان زیادہ ہے" واشنگٹن پوسٹ مارچ 3' 1998ء ص زیڈ 05۔

26- میری تصنیف بنیادی طور پر اس بات پر توجہ دیتی ہے کہ بحیرہ روم کے علاقوں میں جنہیں بالعموم مغربی ثقافت کے گہوارے خیال کیا جاتا ہے یہ تبدیلی کس طرح وقوع پذیر ہوئی۔ اگرچہ زمانی سلسلے میں فرق ہے لیکن دنیا کے دوسرے علاقوں میں اسی نمونے کی ٹھوس شہادت موجود ہے۔ مثال کے طور پر من جیاین' مدون کی چینی ثقافت میں چیلیس اور بلیڈ (بیجنگ: چائنہ سوشل سائنسز پبلشنگ ہاؤس 1995ء) میں جو مرکز برائے شراتی مطالعات سے انگریزی میں دستیاب ہے۔ بیجنگ کی چینی اکیڈمی برائے سماجی علوم کے محققین نے بھی حاکمیتی ثقافت میں قبل تاریخی تبدیلی کا پتہ لگایا ہے گو کہ یہ مغرب کے مقابلے میں وہاں تاخیر سے وقوع پذیر ہوئی۔ ثقافتی قلب ماہیت کا نظریہ اس تبدیلی کو نظریہ بے نظمی کے تناظر' غیر خطی حرکیات اور زندہ نظامات خود کو کس طرح برقرار رکھتے اور تبدیل کرتے ہیں۔ اس چیز کے مطالعے کے ضمن میں دوسرے نئے انداز ہائے فکر کی مدد سے

جانچتا ہے۔ یہ بالخصوص یہ تجویز کرتا ہے کہ انسانی معاشرے زندہ نظامات ہیں جنہیں علت و معلول کی سادہ سی اصطلاحات میں سمجھا نہیں جا سکتا۔ یہ خود کو منظم کرنے والے خود کو برقرار رکھنے والے اور شدید عدم توازن یا بے نظمی کے ادوار (جیسا کہ ہمارا دور ہے) کے دوران خود میں بنیادی تبدیلی لانے کے اہل ہوتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے' مثلاً ہمارا مستقبل (سان فرانسسکو: ہارپر اینڈ رو' 1987-1988ء) اور ڈیوڈ لوئی اور ریان آئس لر''بے نظمی اور قلب ماہیت: سماجی علم اور معاشرے کیلئے نظریہ عدم توازن کے مضمرات'' کرداری علم 32(1987ء)53-65

27- یورپ سے متعلق تناظر کیلئے ملاحظہ کیجئے مریا گمبوٹاس' ڈیوی کی تہذیب (سان فرانسسکو: ہارپر سان فرانسسکو' 1991ء) مشرق وسطی کے سلسلے میں ملاحظہ کیجئے جیمز میلارٹ کتال ہیوک' (نیو یارک: مکگراہل' 1975ء) قبل کولمبیائی شمالی امریکہ کے سلسلے میں ملاحظہ کیجئے' اریل مارگن گیسن' امریکی انڈین: قبل تاریخ سے موجودہ عہد تک (لیکنگٹن' میساچوسیٹس: ڈی۔سی۔ ہیلتھ 1980ء) اور ایشیا کے سلسلے میں ملاحظہ کیجئے' جیاین' مدون' چینی ثقافت میں چیلیس اور بلیڈ۔

28- ملاحظہ کیجئے' مثلاً اروِن لیزلو' انتخاب: ارتقا یا خاتمہ؟ (نیو یارک: ٹارکر/ پٹنیم' 1994ء) اور ڈینئیلہ میڈوز' حدوں کے پار' (پوسٹ ملز' ورمانٹ: چیلسی گرین پبلشنگ' 1992ء) مزید ملاحظہ کیجئے آئس لر' دی چیلیس اینڈ دی بلیڈ' باب 12۔

باب 3

1- ماریا مانٹیسوری' انسانی صلاحیت کی تعلیم' (اڈیئر' مدراس' انڈیا: کلک شیترا پبلیکیشنز' 1948ء) ص ص 10-9.

2- براین سویم' کائنات ایک سبز اژدھا ہے (سانٹا فے' این۔ایم: بیئر اینڈ کمپنی' 1994ء) ص.18

3- ویٹی کن سٹی' ''ایمان' ارتقا باہم زندہ رہ سکتے ہیں' پوپ کا بیان'' ایسوسی ایٹڈ پریس' اکتوبر 25' 1996ء۔

4- ان سائنسدانوں کی تصانیف کا حوالہ ریان آئس لر' مقدس مسرت: جنس' اسطور اور جسم کی سیاست' (سان فرانسسکو: ہارپر کولنز' 1995-1996ء)

5- خود ڈارون کے بیانات کو بنیاد بناتے ہوئے اور اس کے نظریہ ارتقا کے مروجہ نو ڈارونی تذکروں کے پیدا کردہ تاثر کے برعکس ڈیوڈ لوئی نے کمپیوٹر کے ذریعے انسان کے نسب کا کھوج لگایا اور اس نتیجے

پر پہنچا کہ ڈارون نے پچانوے مرتبہ محبت اور نوے مرتبہ اخلاقی حساسیت کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے لوئی' ڈارون کا گمشدہ نظریہ محبت' (نیویارک: آئی یونیورس www.iuniverse> .com>' 1999ء)۔

6- یہ آفاقی نمونے سیلی گرنز' ''آفٹر دی کلاک ورک یونیورس'' (لنڈن: فلوریز بکس' 1999ء) میں زیر بحث آتے ہیں۔ باہم مربوط کی حیثیت سے زندہ نظامات کی نئی سائنسی تفہیم کی ایک عمدہ تلخیص کیلئے ملاحظہ کیجئے فرٹجوف کیپرا' زندگی کی ویب' (نیویارک: اینکر / ڈبلڈے' 1996ء)۔

7- ایرک چیسون' ''عہدحیات'' (نیویارک: اٹلانٹک متھلی پریس' 1987ء)۔

8- محولہ بالا' ص 15.

9- محولہ بالا' ص ص 17,12

10- براین سویم اور ٹامس بیری' ''دی یونیورس سٹوری'' (سان فرانسسکو: ہارپر سان فرانسسکو' 1992ء) ص 8. ناسا کی ہبل خلائی دوربین کے مشاہدات پر مبنی حالیہ حساب کتاب کے مطابق کائنات صرف 12 سے 13.4 ارب سال پرانی ہے۔

11- محولہ بالا' ص 8.

12- کرسٹین سیلٹر کی تیار کردہ اس مشق کیلئے ان کا بہت بہت شکریہ۔

13- نیو کولمبیا انسائیکلو پیڈیا' (نیویارک: کولمبیا یونیورسٹی ہریس' 1975ء) ص 16.' ایلز بیتھ گولڈ ڈیوس' دی فسٹ سیکس' (نیویارک: پینگوئن بکس' 1971ء) ص 420۔

14- مارگریٹ ورداٹیم' فیثا غورث کے پائجامے: خدا' طبعیات اور منفی جنگیں' (نیویارک: فائمز بکس' 1995ء)' ص ص 33-77

15- محولہ بالا' ص 77

16- بینجمن بیٹیکر: ستاروں سے شہری منصوبہ بندی تک' ریاضی' سائنس اور ٹیکنالوجی میں کثیر الثقافتیت' (مینلو پارک' کیلیفورنیا: ایڈیسن' ویزلی' 1993ء) ص ص 25-26۔

17- مریجا گمبو ٹاس' دیوی کی زبان' (سان فرانسسکو: ہارپر اینڈ رو' 1989ء) ص 311

18- ملاحظہ کیجئے' مثلاً <#p://www.pracapp.com/infomine/a 217102050/output.html>

19- سٹوارٹ کافمین' ''ایٹ ہوم ان دی یونیورسٹی'' (نیویارک: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس' 1995ء)

ص.18

20- براین سویم اور ٹامس بیری' ''دی یونیورس سٹوری'' (سان فرانسسکو: ہارپر1992ء) ص.271

21- رچرڈ لیکی' بنی نوع انسان کی ابتدا' (نیویارک: بیسک بکس1994ء) ص.142

22- لیکی کے مطابق انسان کی ابتدا2 سے 4 ملین برس پہلے ہوئی (محولہ بالا' ص.24) لیکن جیسا کہ سائنسدان مزید متحجرات دریافت کرتے ہیں۔ یہ زمانی سلسلہ ہر برس زیادہ طویل ہوتا جاتا ہے۔ تازہ ترین دریافت آرڈی پتھیلس ریمڈس ہے جو4.4 ملین سال پہلے سے تعلق رکھتا ہے۔اس دریافت کے بارے میں ابھی تک تنازع موجود ہے۔لیکن اتنا واضح ہے کہ آسٹریلو پتھیکس رینا مینزز' جس کی کچھ باقیات1988ء میں کینیا میں ملی تھیں'4.2اور3.2 ملین سالوں کے درمیانی عرصے سے تعلق رکھتا ہے۔انسان نما کی متعدد انواع کے سلسلے میں انسان نما نوع کا تعارف' اس صفحے پر ملاحظہ کیجئے۔

<hHp://www.talkorigins .org/faqs/homs/species.html>

23- اس تاریخ کے بارے میں بھی کچھ تنازع موجود ہے۔

24- ملاحظہ کیجئے' رچرڈ ڈاکنز' خود غرض جین' (نیویارک: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس1976ء) ڈیوڈ بیرش' سماجی حیاتیات اور طرز عمل (نیویارک: ایلیسویئر1977ء) اور مائیکل گزیلین' ''فطرت کی معیشت اور جنس کا ارتقا'' (برکیلی: یونیورسٹی آف کیلیفورنیا پریس1974ء) گزیلین تو یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ ''انسان'' وہبی طور پر برا ہے:''جب اسے خود اپنے مفاد میں عمل کرنے کی پوری آزادی میسر آتی ہے تو اسے سوائے مصلحت کے کوئی چیز اپنے بھائی اپنے رفیق' اپنے والدین یا اپنے بچے کو بربریت کا نشانہ بنانے' معذور بنانے' قتل کرنے سے روک نہیں سکتی۔ایک ایثار پسند کو کھرچیں اور ایک منافق کا خون بہتا ہوا دیکھیں۔ جب ایک مرتبہ جذباتیت کو علیحدہ رکھ دیا جائے تو شمہ بھر بھائی چارہ بھی معاشرے کے بارے میں ہمارے تصور کو بہتر نہیں بنا پاتا۔ جسے باہمی تعاون سمجھا جاتا ہے وہ موقع پرستی اور استحصال کا مجموعہ بن کر سامنے آتا ہے'' (ص.247)۔ان ماہرین عمرانیات کے نظریات کی قابل حصول تلخیص کیلئے جو ایثار پسندانہ اور ہمدردانہ طرز ہائے عمل کو خودغرضی کے واحد نتیجے کے طور پر پیش کرتے اور انسانوں پر بھی وہی محرکات چسپاں کرتے ہیں جو وہ چیونٹیوں' ببرشیروں اور دوسری غیرانسانی انواع سے منسوب کرتے ہیں' ملاحظہ کیجئے لاورا ٹیننگلی' ''جنگل کا قانون: ایثار پسندی'' یو۔ ایس نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ' فروری 15'

1999ء ص ص۔53-54 عمدہ تنقید کیلئے ملاحظہ کیجئے رتھ بلیئر' سائنس اور صنف' (ایلمز فورڈ' نیویارک: پرگیمن'1984ء) اورلوئی ''ڈارون کا گمشدہ نظریہ محبت''۔

25- لوئی نے اس نکتے پر''ڈارون کا گمشدہ نظریہ محبت میں'' کچھ تفصیل سے بحث کی ہے۔

26- چارلس ڈارون' ''انسان کا نسب'' (پرنسٹن' نیوجرسی: پرنسٹن یونیورسٹی پریس'1871 کی اصل اشاعت کاعکس ثانی) ص۔394

27- محولہ بالا' ص۔404

28- آر۔سی۔ لیونٹن' سٹوروز اور لیون جے۔کیمن' ہمارے جینوں میں نہیں' (نیویارک: پینتھیان' 1984ء)

29- ایلن کومبز' مدون' باہمی تعاون' (فلاڈیلفیا: گورڈن اینڈ بریچ سائنس پبلشرز'1992ء)۔

30- پیٹرکروپوٹکن' امداد باہمی' (مانٹریال' کینیڈا: بلیک روز بکس'1988ء) ایشلی مانٹیگو' ''انسانی اشتعال کی نوعیت'' (نیویارک: آکسفرڈ یونیورسٹی پریس'1976ء)۔

31- لِن مارگولیز' خلیے کے ارتقا میں ہم زیستی: ابتدائی زمین پر زندگی اور ماحول' (سان فرانسسکو: ڈبلیو۔ایچ۔فری مین'1981ء) مزید ملاحظہ کیجئے' مارگولیز' گے ریا (ہڈسن' نیویارک: لنڈز فارن پریس'1987ء) ص ص98-109

32- مائی وین۔سو' ''ایک شرکتی کائنات میں نامیہ اور نفسیہ'' مشمولہ ڈیوڈ لوئی' مدون' ارتقائی اجنبی: ارتقا پر انسانی عامل کا اثر' (ٹوٹکین ہیم' انگلینڈ: ریڈامینٹائن (?).COMM پریس / ویلس پورٹ: پریگر بکس'1998ء)۔

33- گلین آئزرک' ''دی شیئرنگ ہائپوتھیس'' سائنٹیفک امیریکن (اپریل'1978ء)90-106

34- رالف ہالووے''لسانی طرز عمل سے متعلق قدیم حیاتیات کی انسانی شہادت'' ہیومن نیورو بائیولوجی 2(1983ء)105-114

35- ایڈرین زلمین' ''قدیم حجری دور کی شیشے کی چھت: عورتیں اور انسانی ارتقا' مشمولہ لوری ڈی۔ ہیگر' مدون' عورتیں اور انسانی ارتقا (نیویارک: روٹیج'1997ء) ص۔97

36- نینسی ٹینر' ''انسن بننا'' (کیمبرج' انگلینڈ: کیمبرج یونیورسٹی پریس'1981ء)۔

37- سیلی لنٹن سلوکم' ''خوراک جمع کرنے والی عورت: بشریات میں مردانہ تعصب'' مشمولہ ریناریسا ئیٹر' مدون' عورتوں کی بشریات' (نیویارک: منتھلی ریویو پریس'1975ء) ص ص36-50

38- ایڈرین زلمین، ''عورتوں کے جسم، عورتوں کی زندگیاں: ایک ارتقائی تناظر'' مشمولہ میری ایلن مور بیک، ایلیسن گلووے اور ایڈرین ایل، زلمین، مدونین، زیر ارتقا عورت: ایک حیاتی تاریخی تناظر (پرینسٹن، نیوجرسی: پرنسٹن یونیورسٹی پریس 1997ء) ص 187۔

39- پال ڈی۔ میکلین، ''تثلیث فی التوحیدی دماغ کا ارتقا'' (نیویارک: پلینم پریس 1990ء)۔ مزید ملاحظہ کیجئے پال ڈی۔ میکلین ''عورتیں: ایک زیادہ متوازن دماغ؟'' زائی گون 31، نمبر 3 (ستمبر 1996ء) 421-439 ایک دلچسپ مضمون جس میں مصنف یہ اصرار کرتا ہے کہ ارتقائی عوامل نے عورتوں کے دماغ کے عمل میں زیادہ توازن پیدا کیا ہے اور اس کا نتیجہ کم شویتی اور کم مراتبی فکر کی صورت میں نکلا ہے۔

40- ہمبرٹو میٹ ورانا اور فرانسسکو وریلا، علم کا درخت: انسانی فہم کی حیاتیاتی جڑیں (بوسٹن: شمبھالا، 1992ء) ریان آئس لز ایل کلیزی اسپالا (ہسپانوی) (سانٹیاگو، چلی: ایڈیٹوریل کواٹرو ویپانٹاس 1990ء)۔

41- ہمبرٹو آر۔ میٹورانا اور گرڈا ورڈن زولر، محبت کی حیاتیات میں شفقت کے ماخذ (ڈیورہیم، این سی: ڈیوک یونیورسٹی پریس 1998ء)۔

42- حال ہی میں پال میکلین کی دماغی تحقیق نے ''اخلاقی دماغ'' کی ارتقائی پیش رفت کی شہادت کو بے نقاب کیا ہے جو اخلاقی حس کی ارتقائی پیش رفت کے ضمن میں ڈارون کی ابتدائی تظلیل کی عکاسی کرتی ہے۔ ڈیوڈ لوئی کی رائے ہے کہ یہ جدید دماغی تحقیق بہت عرصے سے نظر انداز کیئے جانے والے ڈارون کے نظریے کے دوسرے نصف کو تقویت پہنچاتی ہے۔ ملاحظہ کیجئے ڈیوڈ لوئی، ''چارلس ڈارون، پال میکلین اور اخلاقی حس کے گمشدہ ماخذ'' ورلڈ فیوچرز: دی جرنل آف جنرل ایجوکیشن 40، نمبر 4 (1994ء) 187-196

43- لوئی، ڈارون کا گمشدہ نظریہ محبت، ڈارون کے نظریے کے اس رخ کے کچھ اور مضمرات کیلئے مزید ملاحظہ کیجئے ڈیوڈ لوئی، ''کیا سائنس ایک نئی عالمی اخلاقیات کی تشکیل میں مدد کر سکتی ہے؟ اخلاقی قلب ماہیت کے نظریے کا ارتقا اور اس کے مضمرات'' زائیگون 34، نمبر 2 (1999ء): 221-235 اور ڈیوڈ لوئی ''گلیشیئر اور شعلہ'' (غیر مطبوعہ مسودہ)۔

44- فرانز ڈی وال، نیک فطرت: انسانوں اور دوسرے حیوانوں میں صحیح اور غلط کے سراغ (کیمبرج، میساچوسیٹس: ہارورڈ یونیورسٹی پریس 1996ء)۔

MashalBooks.org

45- ابراہم میسلو' ''وجود کی نفسیات'' (پرنسٹن' نیوجرسی: وین نوسٹرینڈ'1968ء) رابرٹو اسا گیولی' تحلیل نفسی: رہنما برائے اصول تکنیک' (نیویارک: وائیکنگ پریس'1965ء) کیزی میرز ڈیبراؤسکی' ''مثبت انتشار'' (بوسٹن: لٹل' براؤن'1964ء) مزید ملاحظہ کیجئے ایلزبیتھ میکسویل' ''سیلف بطور ققنس: اس گیولی اور ڈیبراؤسکی ارتقائیاتی نظریات کا ایک موازنہ'' مشمولہ ایڈوانسڈ ڈویلپمنٹ 4 (جنوری1992ء):31-48 اور ان نظریات سے متعلق ایک عمدہ ماخذ لوئی کی گلیشیئر اور شعلہ ہے۔

46- رابرٹ اورنسٹین' ''شعور کا ارتقا'' (نیویارک: پرنٹیس' ہال'1991ء) ایلن کومبز' وجود کی دمک' (ریڈینبرا: فلوریز بکس'1995ء)۔

47- ملاحظہ کیجیے آئس لر مقدس مسرت اور آئس لر دی چیلیس اینڈ دی بلیڈ: ہماری تاریخ' ہمارا مستقبل' (سان فرانسسکو: ہارپر اینڈ رو'1987'1988ء)۔

48- جیفری موسیف میسون اور سوزین مک کارتھی' جب ہاتھی اشک بہاتے ہیں: حیوانوں کی جذباتی زندگیاں (نیویارک: ڈیلاکورٹ پریس'1995ء)۔

49- محولہ بالا' ص۔70

50- محولا بالا' ص۔71

51- ''سکارلیٹ کی ویب'' اس پتے پر دستیاب ہے۔

<hHp://www.msa(.org/scarlett/>

یہ نارتھ شور اینیمل لیگ' پورٹ واشنگٹن' لانگ آئی لینڈ' نیویارک کے زیر اہتمام قائم ہے۔

52- میسون اور مک کارتھی' جب ہاتھی اشک بہاتے ہیں' ص۔71

53- محولہ بالا' ص۔71

54- محولہ بالا' ص۔72

55- محولہ بالا

56- محولہ بالا' ص۔71

57- یہ طرز عمل پی پی ایس اور ڈسکوری چینل کی کئی دستاویزی فلموں میں پیش کیا جا چکا ہے۔

58- محولہ بالا' ص۔94

59- یتیم ہونے والے ہاتھی جس جذباتی ابتلا کا شکار ہوتے ہیں اس سے متعلق کہانیاں ان پتوں پر

MashalBooks.org

دستیاب ہیں:

<hHp:mck .,o.za/bhshpilot/txt/baby.html>اور

<hHp://www.web.co.za/mg/mems/96maz/maz-cullfilm.html>

60- بنٹی۔جا کی غیر معمولی کہانی پیپل میگزین کی ویب سائٹ سے حاصل کی جاسکتی ہے:

<hHp://www.pathfindez.com/people/sp/intzigne/binti.html>یا

<http://www.pathfindez.com/people/960902/feathzes/gozilla.html>

1996ء میں میگزین نے بنٹی کو پچیس بہترین ذہین ''لوگ'' قرار دیا۔

61- باربرا سمٹس' بابونوں میں جنس اور دوستی' (نیویارک: ایلڈین 1985ء)

62- میسون اور مک کارتھی' جب ہاتھی اشک بہاتے ہیں' ص 139

63- ٹاکا یوشی کانو' آخری بن مانس' (سٹیفورڈ' کیلیفورنیا: سٹینفورڈ یونیورسٹی پریس 1992ء)۔

64- پال میکلین' ''عورتیں: ایک زیادہ متوازن دماغ؟'' زائیگون 31' نمبر 3 (ستمبر 1996ء): 439-421

65- شیرون بیگلی' ''ایک بچے کا دماغ کیسے تعمیر کیا جائے'' نیوز ویک' خصوصی اشاعت: آپ کا بچہ (بہار/سرما 1997ء) 32-28

66- ایڈرین ایل۔ زلمین' (انسانی ارتقا کی رنگ بھریں کتاب' توضیحات از کارلا سمنز' ون کیپیٹ' فرین ملز اور سینڈی کلارک' ہیوگل (نیویارک: بارنز اینڈ نوبل بکس 1982ء) نئی اشاعت زیر طباعت۔

67- لنڈا میری فیڈیگن' پرائمیٹ پیراڈائمز: جنسی رول اور سماجی رشتے' (مانٹریال' کینیڈا: ایڈن پریس' 1982ء)۔

68- انسان نما اور انسانی ماخذات کے اس کثیر الخطی نظریے پر مزید تفصیلی بحث کیلئے ملاحظہ کیجئے آئس لر' مقدس مسرت' باب 2۔

69- ٹاکا یوشی کانو' ''آخری بن مانس'' (سٹینفورڈ' کیلیفورنیا: سٹینفورڈ یونیورسٹی پریس' 1992ء) ٹاکا یوشی کانو' ''بونوبو کی پر امن مملکت'' نیچرل ہسٹری (نومبر 1990ء) 70-62

70- ملاحظہ کیجئے کیلی' ''بنی نوع انسان کی ابتدا'' باب 5 اور 6۔

71- محولہ بالا' ص 24

72- زلمین' ''انسانی ارتقا کی رنگ بھریں کتاب''۔

MashalBooks.org

73- ایڈرین زلمین' ''قدیم حجری دور کی شیشے کی چھت: عورتیں اور انسانی ارتقا'' مشمولہ لوری ڈی۔ ہیگر' مدون' عورتیں اور انسانی ارتقا' (نیویارک: روٹلیج 1997ء) ص.91۔

یہ مضمون انسانی ارتقا کے بیانیوں میں عورتوں کے اخراج کیخلاف جدوجہد کا ایک اچھا سرسری جائزہ مہیا کرتا ہے۔

74- ڈیان گلفورڈ' گونزالیز' ''آپ چھپا سکتے ہیں لیکن آپ بھاگ نہیں سکتے: قدیم حجری زندگی کی توضیحات میں عورتوں کے کام کی نمائندگی'' وزویل انتھروپالوجی ریویو9(1993ء)23-41

75- نینسی ایم ٹینر' ''انسان بننا'' (کیمبرج' انگلینڈ: کیمبرج یونیورسٹی پریس' 1981ء) ص.274 یہ بات دلچسپی کی حامل ہے کہ مادہ چمپانزی کھودنے والی چھڑیوں جیسے آلات کے استعمال میں اپنے نروں کی نسبت زیادہ مشاق ہوتی ہیں۔

76- محولہ بالا۔

77- محولہ بالا' ص ص274-275 مزید ملاحظہ کیجئے۔ ایڈرین زلمین اور نینسی ٹینر' ''انسان بننا: عورتوں کو ارتقا میں داخل کرنا'' امریکی بشریاتی سوسائٹی' میکسیکو سٹی کے سالانہ اجلاس میں پیش کیا گیا پیپر 1974ء۔

78- لیکی' بنی نوع انسان کی ابتدا' ص ص.44-48

79- میکلین' تثلیث فی التوحیدی دماغ کا ارتقا' ص.544 میکلین' ''عورتیں: ایک زیادہ متوازن دماغ؟'' ص.434

80- میٹورانا اور ورڈن زولر' محبت کی حیاتیات میں شفقت کے ماخذ۔

81- ریان آئس لر' ''روحانی جرأت'' ٹکون14' نمبر1 (جنوری 1999ء) 15-20

82- ڈاکٹر بروس پیری اور ڈاکٹر لنڈا میئیز' بحوالہ شیرون بیگلی' ''ایک بچے کا دماغ کیسے تعمیر کیا جائے'' ص.32۔

بیگلی کا مضمون ان میں سے کچھ دریافتوں کی ایک صحافیانہ تلخیص مہیا کرتا ہے۔ بچپنے کے صدمے کے دماغ پر اثرات کی زیادہ تکنیکی تفصیل کیلئے ملاحظہ کیجئے بی۔ ڈی۔ پیری' آر۔ اے پولارڈ' آر۔ ایل بلیکی' ڈبلیو۔ ایل بیکر' اور ڈی۔ وجیلینٹ ''بچپنے کا صدمہ' مطابقت کی اعصابی حیاتیات اور دماغ ''منحصر بہ استعمال'' ارتقا: کیفیات مرفات کیسے بنتی ہیں'' انفینٹ مینٹل ہیلتھ جرنل 16 (1996ء) 271-291۔

-83 حاکمیت اور تکمیلیت کے نظام ہائے ماتب کے مابین اس امتیاز کی بحث کیلئے موجودہ کتاب کا باب 1 ملاحظہ کیجئے۔ مزید ملاحظہ کیجئے ریان آئس لر اور ڈیوڈ لوئی' شراکتی انداز' نظر ثانی شدہ اشاعت (برینڈن' ورمانٹ: ہوسٹک ایجوکیشن پریس 1998ء)۔

-84 ملاحظہ کیجئے پیری و دوسرے' ''بچپنے کا صدمہ' مطابقت کی اعصابی حیاتیات اور دماغ کا منحصر بہ استعمال' ارتقا۔''

-85 ملاحظہ کیجئے' مقدس مسرت' خصوصاً باب 9 اور 10' آئس لر' مقدر کی تعیین نو' (زیر تحریر) باب 2

-86 اس موضوع پر مضامین کے ایک مجموعے کیلئے ملاحظہ کیجئے لوئی' مدون' ارتقائی اجنبی: ارتقا ہر انسانی عامل کا اثر' اس سے متعلق ایک اور بحث ریان آئس لر ''ایک منصفانہ اور ہمدردانہ دنیا کی تعمیر: چار ستون'' تکون 13' نمبر 3 (مئی/جون 1998ء)۔

-87 محولہ بالا سی پی ایس کی ویب سائٹ پر ریان آئس لر کا ''کھیل کے اصولوں میں تبدیلی: کام' اقدار اور ہمارا مستقبل'' بھی ملاحظہ کیجئے <www.paztnezship may g>

باب نمبر 5

-1 شارٹ پرکنز گلمین' بحوالہ این جے لین' ''دی شارلٹ پرکنز گلمین ریڈر' (نیویارک: پینتھیان' 1980) من xiv

-2 کینڈلیس پرٹ' ''کیمیائی ابلاغ کار' شمولہ بل موٹرز' مصالجہ اور ذہن' (نیویارک: ڈبلڈے

MashalBooks.org

1993ء) ص ص 177-178۔ انسانی ارتقاء جذبات اور طرز عمل میں ان کیمیائی مادوں کی کردار کی ایک تلخیص کیلئے ملاحظہ کیجئے۔ ریان آئزلر' مقدس مسرت' جنس' اسطور اور جنسم کی سیاست (سان فرانسسکو: ع اپر کولنز 1995-1996ء)

باب نمبر 9

3 - ایولین فاکس کیلر'' صنف اور سائنس سے متعلق افکار' (نیوہیون' : ییل یونیورسٹی پریس 1985ء)

4- لنڈا جین شیفرڈ' بے نقابی: سائنس کا نسوانی چہرہ' (بوسٹن: شمبھالا 1993ء)

5- فرانز ڈی مال' نیک فطرت: انسانوں اور دوسرے حیوانوں میں صحیح اور غلط کے ماخذ' (کیمبرج میساچوسٹیس: ہارورڈ یونیورسٹی پریس 1996) ص ص 163-164

6- ایڈرین زلمین' انسانی ارتقا کی رنگ بھریں کتاب (نیویارک' بارنز اینڈ نوبل بکس' 1982) نئی اشاعت زیر طبع

7- سماجی طور پر سوشل وینچر نیٹ ورک اور کاروبار برائے سماجی آئزلر' مقدر کی تعین نو (زیر تحریر) ان میں سے کچھ نیٹ ورکس سے رابطے کیلئے مرکز برائے شراکتی مطالعات کی ویب سائٹ بھی ملاحظہ کیجئے۔

<www.partmershipway.org>

8- معلومات کیلئے دی ویڈیو پراجیکٹ' 200 ایسٹیٹیس ڈرائیو' بین لومانڈ' کیلیفورنیا 95005 (فون: 1-800-4-PLANET)' ویب سائٹ

(<Http://www.videoproject.org>) سے رابطہ کیجئے۔

9- اتحاد برائے نگہداشتی معیشت کے بارے میں معلومات کیلئے وینڈی پریٹ' گلوبل فیوچرز فاؤنڈیشن' 801 کروکر روڈ' سیکرمینٹو' سی اے 95864 (فون 916-486-5999) (فیکس: 0916-486-5999) ویب سائٹ

(<www.golalff.org/ace>) سے رابطہ کیجئے۔ متعلقہ معلومات مرکز برائے شراکتی مطالعات پی او باکس 5193' پیسیفک گروو' سی اے 93950 (فون 831-626-1004) فیکس 831-626-3734 ویب سائٹ

(<www.partnershipmay.org>) سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

MashalBooks.org

10- ڈیوڈ نوبل' عورتوں کے بغیر ایک دنیا مغربی سائنس کی مسیحی کلیسائی ثقافت' (نیویارک: کتاب 1992ء)

11- مارگریٹ ورتھام' فیثا غورث کے پائجامے' خدا' طبیعات اور منفی جنگیں' (نیویارک: ٹائمز بکس 1995ء)

12 - رتھ بلیئر' مدون' سائنس سے متعلق نسواں ہند انداز ہائے نک' (نیویارک' پرگیمن پریس' 1988ء)

13- شیفرڈ' بے نصابی سائنس کا نسوانی چہرہ۔

14- کیلر' صنف اور سائنس سے متعلق افکار

15- مائیکل جے کیڈوٹو اور جوزف بریک' زمین کے محافظ' (گولڈن' کولوریڈو' فلکرم' 1989ء)

16- ایویلین فاکس کیلر' نامیے کیلئے ایک احساس' باربرا مک کلنٹک کی زندگی اور تصانیف (سان فرانسسکو: ڈبلیو-ایچ -فریمین 1983ء) سائنس سے متعلق نسوانی پسند انداز ہائے فکر کے بارے میں ایک اور اچھا ماخذ سنیڈرا ہائے رڈنگ اور میرل ہنٹیکا' مدونین' کی' حقیقت کی دریافت' علمیات مابعد (طبیعات' فلہا جیات) اور فلسفہ سائنس سے متعلق نسواں پسند تناظرات' (بوسٹن: ڈی رائیڈل پبلشفنگ کمپنی 1983ء)

17- ڈیوڈ بوہم کے انتہائی اہم نظریات اس نکتے کی توضیح کرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے اس کی کتاب' کلیت اور نعظم مغمر' (لنڈن: آرک پیپربکس 1980ء)

18- شیفرڈ' بے نقابیٔ سائنس کا نسوانی چہرہ۔

19- جیمز اینکس' ''اصولیاتی مذاکرہ' علم کی تشکیل' اور کثیر الثقافتی تعلیم' تعلیمی محقق 22' نمبر 5 جون/ جولائی 1993ء):12

20 - ریاضی' سائنس اور ٹیکنالوجی میں کثیر الثقافتیت' (مینلو پارک' کیلیفورنیا: ایڈیسن - ویزلی' 1993ء)

21- ریاضی اور ثقافتیں' (سان فرانسسکو: ایکسپولریٹوریم' ٹیچرا یکٹیوٹی سیریز 1995ء)

22- کلد ڈیا زیسلافسکی' ٹک - ٹیک - اور ایک قطار میں تین جیسے دوسرے کھیل: قدیم مصر سے جدید کمپیوٹر تک' (نیویارک: کرو ویل 1982ء)

23- کلڈیا زیسلافسکی' ''ریاض کی جماعت میں دنیا بھر کی شمولیت'' شمولہ ہمارے کلاس روموں پر نظر ثانی: تدریس برائے عدل وانصاف' سکولوں پر نظر ثانی کا خصوصی ایشو (1994ء) یہ کتاب 6 ڈالر میں ری تھنکنگ سکولز' 1001 ای' کیفی ایوینیو' ملکوا کی' ڈبلیو آئی 53212 (فون: 414-964-9646) (فیکس 414-964-7220) ویب سائٹ <Http://www.zethinkingschools.org> سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

24- میوریئل فیلنگز' موجا مطلب ایک: سواحلی گنتی کی کتاب۔ (نیویارک: ڈائیل' 1971ء)

25- ڈی- یلسن' جی- جوزف اور جے- ولیمز' کثیر الثقافتی ریاضی ایک عالمی تناظر کی مدد سے ریاضی کی تدریس' (نیویارک: آکسفرڈ یونیورسٹی پریس' 1993ء)

26- کرسٹین ای- سلیٹر' ''ریاضی' کثیر الثقافتی تعلیم اور پیشہ ورانہ کارکردگی'' جرنل برائے ریاضیاتی تعلیمی تحقیق 28' نمبر 6 (1997) 696-630

27- ان اعدادوشمار اور دوسری اہم شماریات کیلئے ملاحظہ کیجئے ہولی سکلر' ''ایک ملک کا تصور کریں'' متمولہ عمرانیات کی تدریس' 22' نمبر 1 (جنوری 1994ء) ہولی سکلر' بے نظمی یا کمیونٹی: بری معیشت کیلئے کی تلاش' فرار نہیں' (بوسٹن: ہاوتھ اینڈ پریس' 1995ء) اور گریگری مینٹولیس' امریکہ میں کلاس: فسانے اور حقیقتیں' مشمولہ عمرانیات کی تدریس' 22' نمبر 1 (جنوری 1994ء)

28- ریاستہائے متحدہ کی مردم شماری برائے 1996ء کے ان اعدادوشمار کے تجزیے کیلئے ملاحظہ کیجئے۔ میری ڈیل رمپل' ''آمدنی میں اضافے کے پیچھے'' مانیٹری کنٹری ہیرالڈ' اکتوبر 9' 1997ء)

29- سکلر' ''ایک ملک کا تصور کریں۔''

30- مینٹیوس' ''امریکہ میں کلاس: فسانے اور حقیقتیں''

31- از حد کونسل آن انٹرنیشنل اینڈ پبلک افیئرز' 777 یونائیٹڈ نیشنز پلازا' نیویارک' این وائی 10017 (فون 1-800-316-2739) سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

32- پال کیویل اور ایلن کرائیٹن ''امن کا قیام: تشدد کا تدارک بطور سماجی انصاف'' جمہوریت اور تعلیم 12' نمبر 1 (فال 1997ء)

33- سکلر' بے نظمی یا کمیونٹی' بری معیشت کیلئے حل کی تلاش' فرار نہیں۔

34- ایم فرینکس سٹین' ریاضی کی تحصیل نو: ایک مختلف تیسرا آر- ریڈیکل ریاضی' (لنڈن: فری

MashalBooks.org

ایسوسی ایشن بکس' 1989ء) نینسی خولبرے' ریاست ہائے متحدہ کی معیشت سے متعلق نئی فیلڈ گائیڈ' (نیویارک: نیو پریس' 1995ء)

35- جیف گیٹس' ملکیتی حل (بولڈ' کولوایڈو: پریسوس بکس' 1999ء)

36- اس نکتے پر مزید بحث کیلئے ملاحظہ کیجئے آئزلر' مقدس' مسرت' باب 18-

37- ایتھلی این ویئر اور گرگ لیجک' ایجاد کی مائیں' (نیویارک: ولیم مورو' 1988ء) ص ص: 152-148' 134-131

38- اے اے یوڈبلیو رپورٹ: سکول لڑکیوں کو کیسے فریب دیتے ہیں' (واشنگٹن ڈی-سی-: امیریکن ایسوسی ایشن آف یونیورسٹی وومن ایجوکیشنل فاؤنڈیشن' 1992ء)

39- پیگی اور نیسٹین' سکول گرلز: نوجوان عورتیں' خود توقیری اور اعتماد کی خلیج (نیویارک: انیکر' 1995ء)

40- مائرا سیڈکر اور ڈیوڈ سیڈکر' انصاف کی ناکامی: ہمارے سکول لڑکیوں کو کس طرح دھوکہ دیتے ہیں (نیویارک: ٹچ سٹون بکس' 1995ء)

41- جین بیکر میلر' عورتوں کی ایک نئی نفسیات کی تشکیل (بوسٹن: بیکن پریس' 1976ء) کیرل گیلیگن' ای مختلف آواز (کیمبرج' میساچوسیٹس: ہارورڈ یونیورسٹی پریس' 1982ء) ڈیویڈ مک کلیلینڈ' طاقت: داخلی تجربہ (نیویارک: روانگٹن' 1975ء)

42- ملاحظہ کیجئے۔ مثلاً کیلیر' نامیے کیلئے ایک احساس: باربرا مک کلنٹک کی زندگی اور تصانیف' اور شیفرڈ' بے نقابی: سائنس کا نسوانی چہرہ۔

43- ڈیوڈ نوبل' عورتوں کے بغیر ایک دنیا۔

44- ورتھائم' فیثا غورث کے پائی جے: خدا' طبیعات اور صنفی جنگیں۔

45- ٹیری پرل' میتھ ایلولز' (مینلو پارک' کیلیفورنیا: ایڈیسن ویزلی' 1978ء)

46- دی امریکن ایسوسی ایشن آف یونیورسٹی وومن سے اس پتے پر رابطہ کیا جا سکتا ہے: 1111 سولہویں سٹریٹ' این ڈبلیو' (<Http://www.aauw.org>)

47- ریان آئزلر' مقدر کی تعین نو' (زیر تحریر) ریان آئزلر اور الفونسو مانٹوری' ''تخلیقت معاشرہ اور صنف کا مخفی ذیلی متن'' شمولہ الفونسو مانٹوری اور رونالڈ پرسر' مدونین' سماجی تخلیقت' (کریسکل) این جے: ہیمپٹن پریس' زیر طبع) ریان آئزلر' مدون' تخلیقت کی روح' (نوویٹو) کیلیفورنیا: نیوورلڈ

MashalBooks.org

لائبریری1999ء)

48- بد قسمتی سے یہ بہم اصطلاح جیکو لین ہیرالڈ کی دنیا کے ہنر: ڈیزائنوں اور مہارتوں کی تحسین (ایشویل' این -سی: لارک بکس1993ء) جیسی اچھی کتابوں میں بھی موجود پائی جا سکتی ہے۔ یہ ایک ایسی تصنیف ہے جس کے صحیح طور پر (اس کی قدر و قیمت کے جائزے کے مفہوم میں نہیں) دنیا کی فنکارانہ روایات کا نام دیا جاسکتا ہے۔

49- بیٹی لاڈ یوک' افریقہ: عورتوں کا آرٹ' عورتوں کی زندگیاں' (لارینس ولی' این: افریقہ ورلڈ پریس1997ء)

50- محولہ بالا ص1

51- محولہ بالا' ص ص94-99

52- وی ولکنسن' نیوز ویک' ستمبر1987ء14' بحوالہ محولہ بالا' ص87۔

53- جوڈی شکاگو ''دی ڈنر پارٹی'' عکسی فوٹو شمولہ دی ڈنر پارٹی (نیویارک: انکر پیرس /ڈبلڈے1979ء) جوڈی شکاگو ''دی برتھ پراجیکٹ'' عکسی فوٹو مشمولہ دی برتھ پراجیکٹ (گارڈن سٹی' این -وائی: ڈبلڈے1985ء

54- این مورس' ''انسانی روح کے ہیولے'' کانسی کا کام1997ء موسیا ڈگلس گیلری' بیلنگھم' واشنگٹن

55- ایلیز گیڈن' ماضی اور مستقبل (سان فرانسسکو' ہار پر اینڈ رو1989ء)

56- گلوریا اورنسٹین' دیوی کی نمود نو (نیویارک: پرگیمن پریس1990ء)

57- نورما بروڈ اور میری گیرارڈ' نسواں پسند آرٹ کی طاقت (نیویارک: ہیری این- ابرامنر 1994ء)

58- گلوریا فیمن اورنسٹین کثیر الثقافتی تقریبات: بیٹی لارڈیوک کی تصاویر (سان فرانسسکو: پومی گرینیٹ آرٹ ورکس1993ء)

59- بیٹی لاڈیوک: برانکس سے ٹمبکٹو تک ایک آرٹسٹ کا سفر اور ''افریقہ' فسانے اور حقیقت کے درمیان: بیٹی لاڈیوک کی تصاویر اور خاکے'' یہ میڈیا فار دی آرٹس (فون1-800-554-6008) سے دستیاب ہیں۔

60- سوزی گیبلک' آرٹ کا طلسم (نیویارک: ٹیمز اینڈ ہڈسن1991ء)

MashalBooks.org

61- سوزن کیپن اینڈ زویا کوکر' مدونین' معاصر آرٹا ور کثیرالثقافتی تعلیم (نیویارک: روٹلیج 1996ء)

62- لنڈا نیڈ' دی فیمیل نیوڈ' (لنڈن: روٹلیج1992ء)

63- ہسپیاڈ' تصانیفی اور روزوشب' بحوالہ جان مینسلی رابنسن' ابتدائی یونانی فلسفے کا ایک تعارف (بوسٹن: ہاؤٹن مفلن1968ء) ص4

64- لاریسہ یونفینٹ- ویرین' ایٹروریا کی عورتیں' مشمولہ جان پیراڈوٹو اور جے- پی- سیلوان' مدونین' قدیم دنیا کی عورتیں (البینی: سٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک پریس1984ء)

65- پاؤلا گن ایلن' مقدس لگلیرا: مقامی امریکی روایت میں عورت کی بازیافت (بوسٹن بیکن پریس1986ء) صں ص17-26

66- ڈیوڈ برسٹ ٹامس' جے ملز' رچرڈ وائٹ' پیٹر نیبوکف اور فلپ جے- ڈیوریا' مقامی امریکی: ایک توضیحی تاریخ (اٹلانٹا: ٹرنر پبلشنگ1993ء) ص37

67- اریل مارگن گبسن' امریکی انڈین (لیکسنگٹن' میاچوسیٹس: ڈی- سی ہیتھ) ص5

68- جس طرح محققین آج کل بی- سی (قبل مسیح) کی جگہ بی- سی- ای (عہد عام سے قبل) استعمال کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اسی طرح وہ اے- ڈی (انوڈومینائی) کے بجائے سی- ای (عہد عام) کو زیادہ استعمال کر رہے ہیں۔

69- برنیس بارلو' مغرب کے مقدس مقامات (سینٹ پال' منی سوٹا: لیویلین1996ء)

70- جیک ویدرفورڈ' مقامی جزیں: انڈینوں نے امریکہ کیلئے کیا خدمت انجام دی (نیویارک: فاسیٹ کولمبائن1991ء) باب2

71- کولمبس کا خط بحوالہ ہانز کوننگ' کولمبس: اس کی مہم (نیویارک: منتھلی ریویو پریس1976ء) ص ص53-54

72- کوننگ' کولمبس: اس کی مہم' ص ص53-54

73- کولمبس پر نظر ثانی (ملواکی: ری تھنکنگ سکولز1991ء)

74- گیری نیشن' سرخ' سفید اور سیاہ: ابتدائی امریکہ کے باشندے (نیویارک: پرینٹیس ہال1970ء)

75- ہاورڈ زن' ریاست ہائے متحدہ کی ایک عوامی تاریخ (نیویارک ہارپر اینڈ رو1981ء)

76- ڈی براؤن' مدون' بیری مائی ہارٹ اینڈ ورنڈ ڈنی (نیویارک: ہولٹ' رائن ہارٹ اینڈ ونسٹن1971ء)
77- جان کولیئر' امریکاؤں کے انڈین (نیویارک: نیوامریکن لائبریری1947)
78- میری لوایو یکٹا' سیلؤ اناج ماں کی حکمت کی تلاش (گولڈن' کولوریڈو: فلکرم1993ء)
79- ولما من کلر اور مائیکل ویلیئز' مین کلر: اے چیف اینڈ پر پیپل (نیویارک: سینٹ مارٹنز پریس 1993ء)
80- کیرن ڈی-ہاروی اور لزا ڈی-ہارجو' انڈین کنٹری' امریکہ کے مقامی لوگوں کی ایک تاریخ (گولڈن' کولوریڈو: نارتھ امریکن پریس1994)
81- آر-گولڈن' ایم-مک کنیل' پی-ملز' سی-پوپین اور ایم-ٹرکوچ' پرخطر یادیں: یلغار اور مزاحمت1942ء سے اب تک (شکاگو: شکاگو ریلیجیس ٹاسک فورس آن سینٹرل امریکہ1991ء)
82- ڈبلیو-ای-بی' دنیا اور افریقہ (نیویارک: انٹرنیشنل پبلشرز1946ء)
83- ڈیوڈ لوئی ایک قوم کا معالجہ (نیویارک: نارٹن1997ء/ ڈیلٹا1972ء) یہ کتاب ایک مرتبہ پھر انٹرنیٹ پبلشر ٹو ایکسل

<www.iunirezse.com>

اور ساتھ ہی ساتھ <Amazon.com> کے ذریعے بھی شائع ہوئی ہے۔ یہاں میں یہ اضافہ کرنا چاہتا ہوں گی کہ خود میری ابتدائی کتابیں اب مساوی حقوق کی ہینڈ بک (نیویارک: ایوون 1978) اور تحلیل (نیویارک: مک گرا' ہل1977ء) جو ریاست ہائے متحدہ میں عورتوں کی تاریخ کے اہم پہلوؤں سے تعلق رکھتی ہیں۔ <www.iunirezse.com> اور <Amazon.com> دونوں کے ذریعے بھی دستیاب ہیں۔

84- زن' ریاست ہائے متحدہ کی ایک عوامی تاریخ۔
85- شیرون ہارلی' سٹیفن مڈلٹن اور شارلٹ سٹوکس' افریقی امریکی تجربہ (ایگل ووڈز کلفز' این-جے: گلوب1992ء)
86- مولیفی کے اسنٹ اور مارک ٹی-میٹسن' افریقی امریکیوں کی تاریخی اور ثقافتی اٹلس (نیویارک: میک میلن1992ء)
87- ایلیکس ہیلی' جڑیں (گارڈن سٹی' این-وائی' ڈبلڈے1976ء)

88- ڈیوڈ ہیری گیسپر اور ڈارلین کلارک ہائن' مدونین' مویشیوں سے کچھ زیادہ (انڈیانا پولیز: یونیورسٹی آف انڈیانا پریس 1996ء)

89- بیل ہکس' ہم کی بہنیں: سیاہ فام عورتیں اور دریافت ذات (بوسٹن: ساؤتھ اینڈ پریس 1993ء)

90- یہ المیہ کہانی ''فریڈم آن مائی مائنڈ'' (1994ء) جو پی بی ایس کی سیریز امریکی تجربہ کا حصہ ہے۔ میں بیان کی گئی ہے۔

91- این اے اے سی پی کی ویب سائٹ <www.maacp.org> اس تنظیم کے ارتقا کے بارے میں کچھ تاریخی معلومات مہیا کرتی ہے۔

92- ولیم بگلو اور نارمن ڈائمنڈ' پاور ان آور ہینڈز (نیو یارک: منتھلی ریویو پریس 1998ء)

93- ایلیز بیتھ مارٹینیز' مدون' چکانو تاریخ اور تصاویر کے 500 سال (البقرق' این-ایم: ساؤتھ ویسٹ آرگنائزنگ پراجیکٹ 1991ء)

94- ملاحظہ کیجئے مثلاً ہنا روزن ''بچوں کی تربیت کے انتہائی طریقہ سے متعلق نقادوں کا استفسار'' واشنگٹن پوسٹ دوبارہ طبع مانٹیری کنٹری ہیرالڈ' مارچ 1' 1991ء) ص 1071

95- لنڈا کربر اور جین ڈی ہارٹ میتھیوز' عورتوں کا امریکہ ماضی پر نظر ثانی' اشاعت چہارم (نیو یارک: آکسفرڈ یونیورسٹی پریس 1997ء)

96- کیرل ڈوبائز اور وکی ایل' روئز' مدونین' غیر مساوی بہنیں: ریاست ہائے متحدہ کی عورتوں کی کثیر الثقافتی تاریخ (نیو یارک: روٹلیج 1990ء)

97- مریم شنائر' ہمارے دور کی نسواں پسندی (نیو یارک: ونٹیج 1994ء)

98- نیشنل وومینز ہسٹری پراجیکٹ 7738 بیل روڈ' ونسر' کیلیفورنیا 8518-95492

99- عورتیں- امریکہ کیلئے دنیا کیلئے ویڈیو پراجیکٹ (فون 1-800-4-PLANET) سے حاصل کی جا سکتی ہے اور گولڈ ہل وڈیو تھاؤزینڈ اوکس کیلیفورنیا امریکی عورت: جرأت کی تصاویر کے تقسیم کار ہیں۔

100- لیکیٹا وینس- وینکسنز اور ایرا ئینی میرک' مدونین و مترجمین' اسفید چمک' سیاہ بارش: جاپان کی عورتیں بم کی یاد کو تازہ کرتی ہیں۔ (منیاپولیز: ملکویڈ' ایڈلیشنز 1995ء)

101- کینتھ ریکس روتھ اور اکوکو اٹسومی' مدونین' جاپان کی خواتین شاعرات (نیو یارک: نیوڈائریکشنز بکس 1977ء)

MashalBooks.org

102- میریلین سیویل، مدون، روح کی پکار (بوسٹن بیکن پریس 1991ء)

103- سوزن بٹروئیل، مغربی محاذ سے عورتوں کی پکار (بوئیز آئیڈیہو: ٹیماریک بکس 1995ء)

104- ٹونی ماریسن، محبوبہ (نیویارک: کتاب 1987ء)

105- لیزلی مارمن سلکوڑسم (نیویارک: وائیکنگ پریس 1977ء)

106- سنیڈرا سیزنیروس، دی ہاؤس آن مینگو سٹریٹ (نیویارک: رینڈم ہاؤس 1994ء)

107- کیرولین فورچ، مدون، فراموشی کی مخالفت (نیویارک: نارٹن 1993ء)

108- ایمالوگڈمین، میری زندگی جینا، جلد اول، دوم (نیویارک: ڈوور بکس 1970ء)

109- ایگنیس سمیڈلی، دھرتی کی بیٹی (نیویارک: فیمینسٹ پریس 1973ء)

110- کیٹ چوپین، بیداری (نیویارک: ایوون 1973ء)

111- جین ریس، وسیع سارگاسو سمندر (نیویارک: پاپولر لائبریری 1966ء)

112- ربیکا ہیزل، ہیروئینیں: عورتیں عہد بہ عہد (نیویارک: ایبرول پریس 1996ء)

113- شارلٹ پرکنز گلمین، ہرلینڈ (نیویارک: پینتھیان لکس 1979ء) گلمین کی کتاب اس مفہوم میں معاشرے پر ایک طنز ہے کہ یہ کردار کو معکوس کر کے بیان کرتی ہے جس میں عورتیں جس انداز میں مرد معاشرے کو منظم کر چکے ہیں اس سے بہت بہتر انداز میں معاشرے کو منظم کرتی ہیں۔

114- مارگریٹ ایٹوڈ خادمہ کی کہانی (بوسٹن: ہاؤٹن مفلن 1986ء) ریان آئزلر، ڈی گیٹ (نیویارک: آئی یونیورس، <iumiverse.com> 1999ء)

115- میری جیکو برٔہائی کیمیلن کیلگری، کینیڈا: جلولگ بکس 1993ء)

116- یہ ایک دلچسپ ویب سائٹ ہے جس پر آموزش سے متعلق معذوریوں سے لے کر خفیف دماغی فالج تک جیسے موضوع موجود ہیں جن میں نوعمر بچوں کیلئے تصویری کتابوں کی ایک فہرست بھی شامل ہے۔ جوان بچوں کو جو مختلف ہیں سمجھنے، ان کے ساتھ ہمدردانہ طور پر پیش آنے اور انہیں قبول کرنے میں ان کی مدد کر سکتی ہے۔

117- ہمارے کلاس روموں پر نظر ثانی: عدل و انصاف کیلئے تدریس، سکولوں پر نظر ثانی (1994ء) کا خصوصی ایشو۔ اس کے حصول کے ضمن میں معلومات کیلئے اوپر کا نوٹ 23 ملاحظہ کیجئے۔

118- محولہ بالا ص 110-111

119- ایسے ایکشن پراجیکٹ کیلئے جنہیں اساتذہ اور طلبہ دونوں استعمال کر سکتے ہیں ملاحظہ کیجئے۔

MashalBooks.org

ریان آئزلر اور ڈیوڈ لوئی، شراکتی انداز: زندگی اور آموزش کیلئے نئے آلات، نظر ثانی شدہ اشاعت (بریڈن، ورمانٹ: ہوسٹک ایجوکیشن پریس 1998ء)

120- رچرڈ ٹیرنس، مغربی ذہن کا تعشق (نیویارک: ہارمنی بکس 1991ء)

121- وردنا شوا، زندہ رہنا (لنڈن: زیڈ بکس 1988ء) سوزن گریفن، عورت اور فطرت (نیویارک: ہارپر اینڈ رو 1978ء)

122- البوری کیسٹل کی جدید فلسفے کا ایک تعارف (نیویارک: میک میلن 1946ء) ص ص 352-353، 358-359 میں نیٹشے کی تحریروں سے اقتباسات ملاحظہ کیجئے۔ بالخصوص نیٹشے کا یہ دعوی تھا کہ ''اشراف اور طاقت ور'' یہ حق رکھتے ہیں کہ وہ نچلے درجے کے لوگوں کے ساتھ جیسے چاہیں پیش آئیں۔ یہ کہ مسیحی آدرش جیسے کہ ہمسایوں کے ساتھ محبت اور بھلائی ''غلامانہ اخلاقیات'' ہے اور یہ کہ مردوں کو فطرتاً عورتوں پر حاکم ہونا چاہیے جنہیں فطرتاً مردوں کا مطیع ہونا چاہئے۔ اس کے باوجود نیٹشے کو اب تک انسانی علوم کے متعدد متون میں شامل کیا جاتا ہے اور اس کی تحقیق کی جاتی ہے۔

123- اقوام متحدہ کی ویب سائٹ کا پتہ یہ ہے۔
<Http://www.un.org>

124- گیلیگن، ایک مختلف آواز

125- ریان آئزلر ''انسانی حقوق: عمل کیلئے ایک مربوط نظریے کی تشکیل''، مشمولہ انسانی حقوق کواٹری 9، نمبر 3 (اگست 1997ء) 287-308

126- شارلٹ بینچ ''عورتوں کے حقوق انسانی حقوق ہیں: انسانی حقوق پر نظر ثانی'' انسانی حقوق کواٹرلی 12 (1990ء) 35-52

127- شارلٹ بنچ اور نیام رائیلی، احتساب کا تقاضا: عالمی مہم اور عورتوں کے انسانی حقوق کیلئے ویانا ٹریبونل (نیویارک: سنٹر فار وومینز گلوبل لیڈر شپ اور یونائیٹڈ نیشنز ڈیویلپمنٹ فنڈز فار وومین 1994)

128- ریان آئزلر ''انسانی حقوق اور تشدد: نجی اور پبلک دائروں کا انضمام''، مشمولہ جینفر ٹرپین اور لیسٹر کرٹز، مدونین، تشدد کا جال: بین الاشخاصی سے عالمی تک (شکاگو: یونیورسٹی آف الی نائے پریس 1996ء) ص ص 161-185

MashalBooks.org

129- میریلین وارنگ' اگر عورتیں شمار میں آئیں (سان فرانسسکو: ہارپر اینڈ رو1998ء) ریان آئزلر' ڈیوڈ ڈلوئی اور کیری نورگارڈ' عورتیں' مرد اور زندگی کا عالمی معیار (پسیفک گروو' کیلیفورنیا: مرکز برائے شراکتی معلومات1995ء) اور ریان آئزلر' کھیل کے قواعد کی تبدیلی: کام' اقدار اور ہمارا مستقبل' 'سی پی ایس ویب سائٹ

<www.partnershipway.org>

130- اتحاد برائے نگہداشتی معیشت سے متعلق معلومات کیلئے اوپر کا نوٹ 9 ملاحظہ کیجئے۔ متعلقہ معلومات کیلئے ملاحظہ کیجئے آئزلر' 'کھیل کے قواعد کی تبدیلی: کام' اقدار اور ہمارا مستقبل جیسے سی پی ایس کی ویب سائٹ سے ڈاؤن موڈ کیا جاسکتا ہے۔

<www.partnershipway.org>

131- رابرٹ گرین' 'کالج کے تازہ تحصیل یافتہ سیاسی اعتباد سے راستے کے وسط میں چلتے ہیں۔' ' ایسوسی ایٹڈ پریس جنوری12,1998ء ایک طالبہ نے جس کا حوالہ اس مضمون دیا گیا تھا۔ بے بسی کے اس احساس کا ملخص جسے طلبہ محسوس کرتے یہں اس طرح پیش کیا تھا: ' 'میں نہیں سمجھتی کہ چیزوں کے اتنے بڑے سلسلے میں ہمارے رائے کوئی اہمیت رکھتی ہے۔' ' اس کا کہنا تھا۔

132- ملاحظہ کیجئے آئزلر' لوئی اور نورگارڈ' عورتیں' مرد اور زندگی کا عالمی معیار' یہ دوسرے ماخذات کے حوالے بھی مہیا کرتی ہے۔ مزید ملاحظہ کیجئے' 'ممیز انٹرنیشنل نیوز نیٹ ورک (ڈبلیو آئی این) نیوز (ایک کوارٹری جسے فرین ہوسکین' 187 گرانٹ سٹریٹ' لیکسنگٹن' ایم اے 02173-2140 شائع کرتا ہے) یہ دنیا بھر کی عورتوں کے بارے میں معلومات کا ایک ایسا ماخذ ہے جسے ہر سکول کی لائبریری میں دستیاب ہونا چاہئے۔

133- مکرر ملاحظہ کیجئے اوپر کا نوٹ 9۔

134- باربرا اے- لیوس' سماجی اقدام کیلئے بچوں کی گائیڈ' منیاپولیز: فری سپرٹ پبلشرز1998ء)

135- نینسی شفائیڈ وئڈ اور ایلین ڈیوڈسن' مساوات کیلئے کھلے ذہن (نیڈہیم ہائیٹس' میساچوسیٹس: ایلین اینڈ بیکن1997ء)

136- وڈیو پراجیکٹ کے بارے میں معلومات کیلئے اوپر کا نوٹ 8 ملاحظہ کیجئے۔ میڈیا ایجوکیشن فاؤنڈیشن کا پتہ یہ ہے: 26 سینٹرل سٹریٹ' نارتھیمپٹن' ایم اے 01060 (فون: 1-800-897-0089) ویب سائٹ (<www.mediaed.ogr>) اور کیمبرج

MashalBooks.org

ڈاکومنٹری فلمز کا پتہ یہ ہے: پی- او- باکس 390386' کیمبرج' ایم اے 02139' (فون:
617-4848-3993) ویب سائٹ: (<www.shoze.net~edf>)
137- مارگریٹ وان ٹروٹا کی روز الکسمبرگ وڈیو کے تقسیم کار نیویارکر وڈیو 16 ویں سٹریٹ' نیویارک'
این وائی 10023 ہیں۔
138- لیوس' سماجی اقدام کیلئے بچوں کی گائیڈ' آئزلر' مقدس مسرت۔
139- اوشینا روہنز اور سول سولومن' ہمارے مستقبل کے لئے انتخابات (سمر ٹاؤن' ٹینیسی: بک
پبلشنگ کمپنی 1994ء)

باب نمبر 6

1- ڈیوڈ لوئی' گلیشیئر اور شعلہ (زیر طباعت)
2- جارج گربنز' ''کاسٹنگ اور نیٹ: ٹیلی وژن ڈرامہ' گیم شوز اور نیوز میں عورتیں اور اقلیتیں'' مشمولہ
ایئز ہولینڈر' کوین وین ڈرلنڈین اور پال رٹین' مدونین' کمیونیکیشن کلچر کمیونٹی (بوہن: سٹیفلو وین
لوگھم 1995ء)
3- ڈیان ای لیوین ریموٹ کنٹرول بچپن؟ میڈیا ثقافت کے نقصانات کا ازالہ (واشنگٹن' ڈی- سی:
نیشنل ایسوسی ایشن فار دی ایجوکیشن آف ینگ چلڈرن 1998ء) ص 9
4- جارج گربنز' ''عالمی تشدد کی مارکیٹنگ'' دی پبلک 2 (1995ء) 72
5- محولہ بالا
6- لیوین' ریموٹ کنٹرول بچپن؟ میڈیا ثقافت کے نقصانات کا ازالہ' ص 9
7- امیریکن میڈیکل ایسوسی ایشن' میڈیا تشدد سے متعلق فزیشن کی گائیڈ (شکاگو: امیریکن میڈیکل
ایسوسی ایشن 1997ء)
8- گربنز ''عالمی تشدد کی مارکیٹنگ'' ص 73۔ مزید ملاحظہ کیجئے۔ ریان آئزلر۔ مقدس مسرت: جنس'
اسطور اور جسم کی سیاست' (سان فرانسسکو: ہارپر کولنز 1995-1996) باب 18
9- ملٹن روکیچ' انسانی اقدار کی نوعیت (نیویارک: فری پریس 1973)
10- سینٹر فار میڈیا ایجوکیشن 2120 ایل سٹریٹ' این ڈبلیو سوئیٹ 200' واشنگٹن ڈی- سی 20037
(ویب سائٹ: <Http://www.cme.ogr) سینٹر فار میڈیا لٹریسی 4727 ولشائر

بلیوارڈ سوئیٹ 403 لاس اینجلیز' سی اے 90010 (ویب سائٹ
<Http://www.medialist.org>) چلڈرن ناؤ1212براڈوے'ففتھ فلور'
اوکلینڈ' سی اے 94612 (ویب سائٹ
(<Http://www.chidzenmow.ogr>)

11- کلچرل اینوائرمنٹ موومنٹ پی-او-باکس19104) فلاڈیلفیا' پی اے19014 (ایل میل:
<cem@libertynet.org>) کولیشن فارکوالٹی چلڈرمز میڈیا'535 کورڈووا روڈ'
سوئیٹ 456' سانٹافے این ایم 87501(ویب سائٹ:
(<Http:www.cqcm.org>)

12- میڈیا ایجوکیشن فاؤنڈیشن 26 سینٹر سٹریٹ' نارتھیمٹپن' ایم اے
01060(فون:1-800-897-0089) ویب سائٹ:
<Http://www.mediaed.org>

13- میڈیا واچ' پی-او-باکس618' سانٹا کروز' سی اے95061-0611 (ویب سائٹ:
(<Http://mediamatch.com

14- جارجز گربیز''دی ٹرٹلز یوٹو اوز اگین' جرنل آف دی سینٹر فار دی سٹڈی آف کمرشلزم 1' نمبر
3(اکتوبر1991) اس کے حصول کیلئے کلچرل اینوائرمنٹ مومنٹ' پی-او-باکس3187'
فلاڈیلفیا' پی اے19104(ای میل:<Em@libertynet.org>) سے رابطہ کیجئے۔

15- کلچرل اینوائرنمنٹ موومنٹ کے پتے کیلئے اوپر کا نوٹ14 ملاحظہ کیجئے۔

16- کلنگ اس سوفٹلی کی تازہ ترین اپ ڈیٹ سٹل کلنگ فاؤنڈیشن سوفٹلی III' 2000 میں جاری
ہوئی ہے۔ یہ میڈیا ایجوکیشن فاؤنڈیشن (فون1-800-897-0089) سے دستیاب ہے۔
اس تنظیم کی ویب سائٹ کا پتہ یہ ہے۔<www.mediaed.org>

17- کولن ایم-ٹرن بل-جنگل کے لوگ (نیویارک: سائمن اینڈ شسٹر1961)

18- لوئیس میری' مدون' بیٹوکسٹ اینڈ بیٹوین: پیٹرنز آف میسکولین اینڈ فیمنین انیشی ایشن (لاسال' الی
نائے: اوپن کورٹ پریس1987ء)

19- کیرولین برنگٹن' مدون' اسطوریات کیلئے عورتوں کی رہنما کتاب (لنڈن: ہارپر کولنز1992) ص
337

20- آئزلر' مقدس مسرت' نیولون پبلشنگ' پی-او-باکس 3587' ڈیولتھ' ایم این 55803-3587 (فون: 1-800-381-4743) ویب سائٹ (<Http://www.nemoon.org>)

21- آئزلر' مقدس مسرت' ص 25

22- ناؤمی وولف' حسن کی اسطور' (نیویارک: ڈبلیو مورو 1991ء) ص ص 149-150

23- ریان آئزلر اور ڈیوڈ لوئی' شراکتی انداز' نظر ثانی شدہ اشاعت (برینڈن' وومانٹ اہولسٹک ایجوکیشن پریس 1998ء)

24- مارلا کون ''مطالعات: کیڑے مار ادویات بچوں کی نشوونما کو روکتی اور زیادہ جارحیت پیدا کرتی ہیں'' لاس اینجلز ٹائمز؟ دوبارہ اشاعت مانیٹری کنٹری ہیرالڈ مارچ 15' 1999ء' ص اے 5

25- ڈاکٹر پورٹر' بحوالہ محولہ بالا

26- محولہ بالا

27- جوبی ویرک ''پیسٹی سائیڈ ہیزرڈز ان فروٹ سائیٹڈ'' واشنگٹن پوسٹ؟ دوبارہ اشاعت مانیٹری کنٹری ہیرالڈ' فروری 19' 1999ء ص 171

28- ملاحظہ کیجئے مثلاً بل موئرز معالجہ اور ذہن (نیویارک: ڈبلڈے 1993ء) اور کرسٹین نارتھرپ' عورتوں کے جسم' عورتوں کی حکمت (نیویارک: بینٹم 1994ء)

29- جین بیکر ملر' عورتوں کیلئے ایک نئی نفسیات کی تشکیل' اشاعت دوم (بوسٹن: بیکن پریس 1987ء)

30- نینسی روبین' آسک می آف آئی کیئر: وائسیس فرام این امیریکن ہائی سکول' (برکیلی: ٹین سپیڈ پریس 1994ء)

31- الفونسو مانٹوری اور ازابیلا کونٹی' طاقت سے شراکت تک: محبت' کام اور اکمیونٹی کے مستقبل کی تخلیق (سان فرانسسکو: ہارپر کولنز' 1993ء/اب انٹرنیٹ پبلشر ٹوایکسل سے بھی دستیاب ہے۔ (<www.iuniverse.com)

32- کیٹلاگ اور دوسرے کارم سینٹر فار ریسرچ آن وومین پبلیکیشنز ڈیپارٹمنٹ' ویلزلی کالج' 106 سینٹرل سٹریٹ ویلز لی' ایم اے 8259-02181 (فیکس 617-283-2504) سے حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

33- ہمارے کلاس روموں پر نظر ثانی: عدل وانصاف کیلئے تدریس' سکولوں پر نظر ثانی (1994ء) کا

MashalBooks.org

خصوصی ایشو جسے 6 ڈالر میں ری تھنکنگ سکولز 1001 ای - کیفی ایوینیو ملوا کی ڈبلیو آئی 53212 (فیکس 414-964-7220) سے خریدا جا سکتا ہے۔

34- ''نیومون'' کے حصول کیلئے نیومون پبلشنگ (ملاحظہ کیجئے نوٹ 20) سے رابطہ کیجئے۔ اور جین کلبورن کی وڈیو سٹل کلنگ اس سوفٹلی iii' کیمبرج ڈاکومنٹری فلمز' پی-او- باکس 39386' کیمبرج ایم اے 02139 (فون: 3993-484-617) ویب سائٹ : (<www.shoze.net~edf>) سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

35- نیل نوڈنگز دی چیلنج ٹو کیئر ان سکولز (نیویارک: ٹیچرز کالج پریس کولمبیا یونیورسٹی 1992ء) نیل نوڈنگز فلسفہ تعلیم' (بولڈر' کولوریڈو:' ویسٹ ویو پریس 1998ء) ان ملر سکول کس لئے ہیں؟ (برینڈن' ورمانٹ: ہولسٹک ایجوکیشن پریس 1990ء) جیفری کین' تعلیم' معلومات اور قلب ماہیت' نیوجرسی: میرل/ پرینٹس ہال 1999ء) مائیکل لرز' مفہوم کی سیاست (ریڈنگ' میسا چوسٹیس: ایڈیسن- ویزلی 1997ء)

36- آئزلر اینڈ لوئی' شراکتی انداز۔

37- مانٹی رابرٹس' آدمی جو گھوڑوں کی باتیں سنتا ہے۔ (نیویارک: رینڈم ہاؤس 1997ء)

38- جون ایم- رائنیش' یہ شراکت جوڑی بیسلی جنس سے متعلق کنزی انسٹی ٹیوٹ کی نئی رپورٹ (نیویارک: سینٹ مارٹنز پریس 1990ء)

39- ''امریکی نوعمر اظہار مطلب کرتے ہیں: جنس' اسطوز ٹی وی اور ضبط تولید'' لوئیس ہیرس اینڈ ایسوسی ایٹس کے زیر اہتمام پلینڈ پیرینٹ ہڈ فیڈریشن آف امیریکنز کیلئے کیا جانے والے ایک پول 1986

40- مزید معلومات کیلئے کیلیفورنیا ویل نیس فاؤنڈیشن ٹین ایج پریگنینسی پر یونیشن انیشی ایٹو 466 گرین سٹریٹ' سوئیٹ 300' سان فرانسسکو' سی اے 94133 سے رابطہ کیجئے۔

41- یہ دن اور امیریکن جرنل آف پبلک ہیلتھ کے ستمبر 1997ء کے شمارے کے ساتھ ساتھ ری پسروڈ کٹیو فریڈم نیوز 6' نمبر 16 (اکتوبر 3' 1997ء): 7 میں بھی شائع ہوا تھا۔

42- ڈاکٹر فلائر سیک یہ شراکت این سٹریٹ رومانس ٹو ڈائی فار: عورتوں' جنس اور ایڈز سے متعلق حیرت انگیز صداقتیں (ڈیئر فیلڈ بیچ' فلوریڈا: ہیلتھ کمیونیکیشنز 1992ء)

43- لوئی' گلیشیئر اور شعلہ

44- ریڈی کونز'بلاسمز آف بون' (سان فرانسسکو: ہاربر1993ء)

45- سوزین فارایلوموفوبیا: جنسی امتیاز کا ایک حربہ (برکیلی: شارڈن1988ء)

46- چک سٹیوارٹ' جنسی طور پر بدنام لوگ (تھاؤزینڈ اوکس' کیلیفورنیا: سیج1999ء ض ہیبیٹ ایل- سنگر'مدون' گروئٹینگ اپ گے/گروئٹینگ اپ لیز بین (نیویارک: نیو برس1994ء)

47- اوپر کا نوٹ33 ملاحظہ کیجئے۔

48- دنیا کے بعض خطوں میں یہ دوہرا جنسی معیار آج بھی اس چیز کی بنیاد ہے جس کی رو سے ہر سال وحشیانہ سرجری کے ذریعے لاکھوں لڑکیوں کی قطع و برید کی جاتی ہے۔ اس میں فرج کے لبوں کو کاٹ دیا جاتا ہے اور فرج کے دہانے کو اتنی سختی سے سی دیا جاتا ہے کہ مباشرت کیلئے اسے دوبارہ کاٹ کر کھولنا پڑتا ہے اور/ یا بظر کو قطع کیا جاتا ہے۔ یہ اس بات کو یقینی بنانے کیلئے کیا جاتا ہے کہ لڑکیاں اور عورتیں سیکس سے کوئی خط حاصل نہ کرسکیں اور یوں وہ جنسی طور پر ''گمراہ'' نہ ہوسکیں۔ ریلس واکر کا ناول انسانی حقوق کی اس خوفناک پائمالی کے حوالے سے ستم ظریفانہ غنودگی پوزیشنگ دی سیکرٹ آف جائے (نیویارک: ہارکورٹ بریس جووانووچ1992ء) کا حامل ہے۔ اس موضوع سے متعلق متعدد محققانہ ماخذوں میں سے ایک بہترین ماخذ فرین ہوسکین کی کتاب دی ہوسکین رپورٹ: عورتوں کی تناسلی اور جنسی قطع و برید' اشاعت چہارم (میکسنگٹن میسا چوسٹس: وومینز انٹرنیشنل نیٹ ورک نیوز1994ء) ایک اور عدد ماخذ جو وومینز انٹرنیشنل نیٹ ورک نیوز کے ذریعے ہی دستیاب ہے۔ فرین ہوسکین کی کتاب بچے کی پیدائش کی عالمی تصویری کتاب ہے۔ یہ مارسیا ایل ولیمز کی توضیحات سے مزین ہے۔ تولیدی خواندگی سے متعلق عورتوں کیلئے اس سادہ سی تدریسی گائیڈ میں جو انگریزی' فرانسیسی' عربی اور سواحلی میں دستیاب ہے۔ جنسی قطع و برید (بعض خطوں میں عورتوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ اگر وہ بچوں کو جنم دینا چاہتی ہیں یہ ان کیلئے ضروری ہے) کے تدارک کے بارے میں ایک سیکشن شامل ہے۔

49- افغانستان: طالبان عورتوں پر تشدد کیلئے اسلام کو استعمال کرتے ہیں۔ نیویارک ٹائمز اگست29' 1997ء۔ مزید ملاحظہ کیجئے۔ ''افغانستان اسلامی حکمران عورتوں/لڑکیوں کے حفظان صحت کو نظر انداز کرتے ہیں۔'' مشمولہ وومینز انٹرنیشنل نیٹ ورک نیوز23' نمبر4 (خزاں1997ء)

50- مس سے متعلق ایک نہایت اہم کتاب ایشلی مانٹیگو کی چھوٹا اشاعت سوم (نیویارک: ہاربر اینڈ رو 1986ء) ہے۔

MashalBooks.org

51- نیو مون نیٹ ورک (مارچ/اپریل 1996ء) کیلئے جو لڑکیوں کے والدین معلومات اور صلاح و مشورے مہیا کرتے ہیں۔ اس موضوع پر میرا ایک انٹرویو نیو مون پبلشنگ (ملاحظہ کیجئے اوپر کا نوٹ 20) سے دستیاب ہے۔ اسے سی پی ایس کی ویب سائٹ <www.partnershipway.org> سے بھی ڈاؤن لوڈ کیا جا سکتا ہے۔

52- اس تحقیق کیلئے ملاحظہ کیجئے ارون ہائمین' دوی کیس اگینسٹ سپینکنگ (سان فرانسسکو: جوسی-باس 1997ء)

53- ماریا مانٹیسوری' ایک نئی دنیا کے لئے تعلیم (آکسفرڈ' انگلینڈ' کلائیو پریس 1989ء' اصل اشاعت 1946ء)

54- نیل نوڈنگز' دی چیلنج ٹو کیئر ان سکولز' (نیویارک: ٹیچرز کالج پریس کولمبیا یونیورسٹی 1992ء) xiii

55- محولہ بالا' ص 51

56- جین مائرز' بچے اور حیوانات (بولڈر' کولوریڈو: ویسٹ ویو پریس 1998ء) ص ص 152,5

57- یہ کتابیں ایس آر اے مک گرا-ہل' کولمبس' اوہائیو نے شائع کی ہیں۔

58- سی-ٹریک کا پتہ یہ ہے: 444 ڈی ہاروسٹریٹ' سوئیٹ 117' سان فرانسسکو' کیلیفورنیا 94107 (فون 415-864-8424' فیکس 415-864-8529' ای میل <ctzer@aol.com>)

59- ''تنازعات کے تخلیقی تصفیے کا پروگرام''، کنیکشنز نمبر 1 (جون 1994ء):6

60- پیس بلڈرز' ہارٹ سپرنگز' ان کارپوریٹڈ' پی-او-باکس 12158' ٹسکن' ایریزونا 85732 (فون 1-800386-9356) کا تیار کردہ پروگرام ہے۔

61- میر یلین ویٹسن' وکٹر بیٹش اور ڈینیئل سولومن ''سکولوں میں طلبہ کی سماجی اور اخلاقی نشوونما کی تقویت: ایک مداخلتی پروگرام اور اس کے اثرات''، انٹرنیشنل جرنل آف ایجوکیشنل ریسرچ 2' نمبر 7 (1998ء) 571

62- چائلڈ ڈیویلپمنٹ پراجیکٹ کے بارے میں معلومات کیلئے ڈیویلپمنٹ سٹڈیز سنٹر 2000 ایمبر کا ڈیرؤ' اوکلینڈ' سی اے 94606-5300 سے رابطہ کیجئے۔

63- ''جنگلی حیات کا وجود سب سے زیادہ آج خطرے میں ہے۔'' پاپ لائن 20 (جنوری-فروری 1998ء):2

MashalBooks.org

64- مزید معلومات کیلئے رین فاریسٹ ایکشن نیٹ ورک' 450 سینسم سٹریٹ' سوئیٹ 700' سان فرانسسکو' کیلیفورنیا 94111 سے رابطہ کیجئے یا ویب سائٹ <www.zan.org/zan/> سے ملاحظہ کیجئے۔

65- میڈیا ایجوکیشن فاؤنڈیشن 26 سینٹر سٹریٹ' نارتھیمپٹن ایم اے 01060' (فون: 1-800-897-0089) ویب سائٹ <Http://www.mediaed.org>

66- تھیو کولبورن' ڈیان ڈوما نوسکی' اور جان پیٹرسن مائیرز' ہمارا مسروقہ مستقبل (نیویارک: ڈٹن 1996ء)

67- ہربرٹ ایل' نیڈلمین اور فلپ لینڈ ریگن' ریزنگ چلڈرن ٹاکسک فری (نیویارک: فیر سٹراس اور گوئیرس 1994ء)

67- یونائیٹڈ نیشنز 1 یو این پلازا' نیویارک' این وائی 10017' پاپولیشن ایکشن انٹرنیشنل 1120' 19 ویں سٹریٹ این ڈبلیو' سوئیٹ 550' واشنگٹن ڈی-سی-

68- ریان آئزلر' ''آبادی کا دباؤ' عورتوں کا کردار اور امن'' مشمولہ اروِن لیزلو اور یانگ-یول یؤ مدونین' امن کا عالمی انسائیکلوپیڈیا (نیویارک: پرگیمن پریس 1986ء)

69- آئرین ڈائمنڈ اور گلوریا اورنسٹین' مدونین' دنیا کی بیداری: ماحولیاتی نسواں پسندی کا ظہور (سان فرانسسکو: سیرا کلب 1990ء) ڈیو بیری' ''ایک نو آموز کیلئے گھریلو کام کی گائیڈ'' اور ریان آئزلر ''باہمی تعاون'' اٹنے ریڈر (مارچ/اپریل 1990): 87-90

70- اتحاد برائے نگہداشتی معیشت مرکز برائے شراکتی مطالعات اور گلوبل فیوچرز فاؤنڈیشن کا مشترکہ منصوبہ ہے۔ معلومات کیلئے وینڈی پریٹ' گلوبل فیوچرز فاؤنڈیشن 801' کروکر روڈ' سیکرامینٹو' سی اے 95864 (فون 916-486-5999' فیکس 916-486-5990' ویب سائٹ: <www/globalff.org/ace>) سے رابطہ کیجئے۔ متعلقہ معلومات سینٹر فار پارٹنرشپ سٹڈیز' پی -او- باکس 51936' پیسیفک گروو' سی اے 93950' (فون: 831-626-1004' فیکس: 831-626-3734) ویب سائٹ: <www.partnershipway.org>) سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

71- یہ وڈیو کنزرویشن انٹرنیشنل 1015' 18 ویں سٹریٹ این ڈبلیو' سوئیٹ 1000' واشنگٹن' ڈی سی 20036' (فون 202-429-5660) حاصل کی جاسکتی ہے۔

MashalBooks.org

72- اساتذہ یہ مواد شلٹز آڈوبون سینٹر 111 ایسٹ براؤن ڈیئر روڈ' ملواکی' ڈبلیو آئی 53217 سے رابطہ کر کے خرید سکتے ہیں۔

73- یہ ہینڈ بک گلوبل ٹو مارو کولیشن 25422 ٹریبوکو روڈ نمبر 440-105' ایل ٹورو' سی اے 92630-2792 سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

74- سینٹر فار ایکولٹریسی 2522 سین پبلو ایوینیو' برکیلی' سی اے 94702 (فون: (510-845-4595

75- پاپولیشن ایکشن انٹرنیشنل 1120' 19 ویں سٹریٹ' این ڈبلیو' سوئیٹ 550' واشنگٹن' ڈی سی 20036 (ویب سائٹ: <www.popact.org> ' ای میل: (<pai@popact.org>

76- پاپ لائن کی خریداری کیلئے اساتذہ ورلڈ پاپولیشن انسٹی ٹیوٹ 107' سیکنڈ سٹریٹ' این ای واشنگٹن ڈی سی 20002 سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

77- مثال کے طور پر زیرو پاپولیشن گروتھ (1400 سولہویں سٹریٹ' این ڈبلیو' سوئیٹ 320' واشنگٹن' ڈی سی 20036) کی جولائی 1998ء کی اشاعت یہ بتاتی ہے کہ مراکش کی آبادی کی موجودہ شرح کے مطابق دنیا کی آبادی آئندہ سینتالیس برسوں کے اندر دوگنی ہو جائے گی۔ یعنی 6 ارب لوگوں کی پہلے ہی بہت زیادہ تعداد ناقابل برداشت 12 ارب تک بڑھ جائے گی۔ ہمارے بچوں اوران کے بچوں کے بچوں کے معیار حیات کیلئے اس کے خوفناک مضمرات کا اندازہ کیجئے۔ اگرچہ افزائش آبادی کی سب سے زیادہ اونچی شرح غریب ترین قوموں میں پائی جاتی ہے جہاں علاقاتی امراض (جو سرحدوں پار تک پھیل جاتے ہیں) پہلے ہی عام ہیں اور مایوسی کی دھماکہ خیز صورت حال شدید قسم کے تشدد (جس میں بین الاقوامی دہشت گردی بھی شامل ہے) پر منتج ہوتی ہے۔ مگر ریاستہائے متحدہ کی آبادی افزائش کی شرح 2.6 ملین لوگ سالانہ ہے اور اس کا بڑا سبب یہ حقیقت ہے کہ اس ملک میں نوعمری کے حمل کی شرح کسی بھی ترقی یافتہ قوم کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے نوعمروں کو خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں معلومات اور اس تک رسائی مہیا نہیں کرتے جو دوسری قوموں کے نوعمر افراد کو دستیاب ہیں۔ زیڈ پی جی ہم سب سے یہ تقاضا کرتی ہے کہ ہم اپنے منتخب عہدیداروں کو اس بات سے آگاہ کریں کہ ریاست ہائے متحدہ اور دنیا بھر میں خاندانی منصوبہ بندی کیلئے جیسا کہ 104 ویں کانگریس نے اس میں شدید کمی کی...... فنڈنگ میں

اضافے کی اشد ضرورت ہے۔

اختتامیہ

1- آن براڈوے (1993ء) وڈیو کے گیت ''کیا میں کبھی بڑی ہوؤں گی؟'' سے ماخوذ' راؤنڈر ریکارڈز' کیمبرج' ایم اے اس کے تقسیم کار ہیں۔

2- نووا سکول 2410 ایسٹ چیری سٹریٹ' سی ایٹل' ڈبلیو اے 981222۔

3- مزید معلومات کیلئے ریٹا ٹینوریو' پروگرام امپلیمینٹر' لا اسکوٹیلا فرینٹی' 3255 این' فرینٹی سٹریٹ' ملواکی' ڈبلیو آئی 53212 سے رابطہ کیجئے۔ مرکز برائے اطلاعاتی لسانیات کی ویب سائٹ <www.cal.org.2way> کے ذریعے سکول کی ویب سائٹ تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

4- سڈبری ویلی سکول' 2 ونچ سٹریٹ' فریمنگھم' ایم اے 01701' (فون 3030-877-508' ویب سائٹ: <www.sudval.org>)

5- امٹیک (آئی ایم ٹی ای سی) پرڈیلین کی زیر انتظام ہے۔ اس کا مین آفس جوزفینز گیٹ 9' این-0351 اوسلو' ناروے (فیکس 567920-22-47) میں ہے۔ اس نے افراد اور اداروں کا ایک بین الاقوامی نیٹ ورک تشکیل دیا ہے جو دی سکول پیپر 2020 نیٹ ورک کے نام سے جانا جاتا ہے۔ سی ٹریک' پارکر پیج کے زیر انتظام ہے اور 444 ڈی ہارو سٹریٹ' سوئیٹ 117' سان فرانسسکو' سی اے 94107 (فیکس: 8529-864-415' ای میل: <ctzoc@aol.com>) پر واقع ہے۔ شراکتی عمل' مواد اور ڈھانچے سے متعلق تصورات ان کتابوں میں دستیاب ہیں۔ نیل نوڈنگز دی چیلنج ٹو کیئر ان سکولز (نیویارک: ٹیچرز کالج پریس 1992ء) لزا گولڈسٹین' تدریس محبت کے ساتھ (نیویارک: پیٹر لینگ 1997ء) پال کنز' فارمورٹل سیکس: سالوشنز فار سکولز اینڈ سوسائٹی (لاس ویگاس: بٹر مبل 1998ء) اور ایڈورڈ ٹی کلارک' جونیئر' ایک مربوط نصاب کی تشکیل اور نفاذ' متعلم مرکز انداز ہائے فکر (برینڈن' ورمانٹ: ہولسٹک ایجوکیشن پریس 1997ء)

6- پال ایچ اے' مربوط ثقافت کا سروے' امریکہ میں متغیر اقدار کے ظہور کا مطالعہ' (ساسیلیٹو' کیلیفورنیا انسٹی ٹیوٹ آف نوئیٹک سائنسز' ریسرچ رپورٹ 96' اے 1996ء) پال ایچ - اے ''ابھرتی

ہوئی ثقافت'' امیریکن ڈیموگرافکس (فروری1997ء)

7- پال ایچ -اے ''ثقافتی ارتقا کا اگلا قدم کیا ہوسکتا ہے؟'' مشمولہ ڈیوڈ لوئی -مدون- ارتقائی پیش رکاب سوار (برج پورٹ' - پریگر بکس/ٹویکن ہیم' انگلینڈ: ایڈامینٹائن پریس1998ء)

8- رونالڈ انگل ہارٹ' (جدیدیت اور بعداز جدیدیت)43 معاشروں میں ثقافتی' معاشی اور سیاسی تبدیلی (پرنسٹن نیوجرسی: پرنسٹن یونیورسٹی1997ء)

* * *

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org